راشٹربندھو

یس۔ نجلنگپّا

انگریزی:

ڈاکٹر کے۔ راگھویندرا راؤ

اردو ترجمہ:

ماہرؔ منصور

انتساب

آزاد ہند کے عوام کے نام

رَفیقُ الملک

یس - نجلنگپّا

شخصیت اور تدبّر

انگریزی

از

ڈاکٹر - کے - راگھویندر اراؤ

اردو ترجمہ

ماہرؔ منصور

شری یس - نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن

بنگلور ۵۶۰۰۰۱

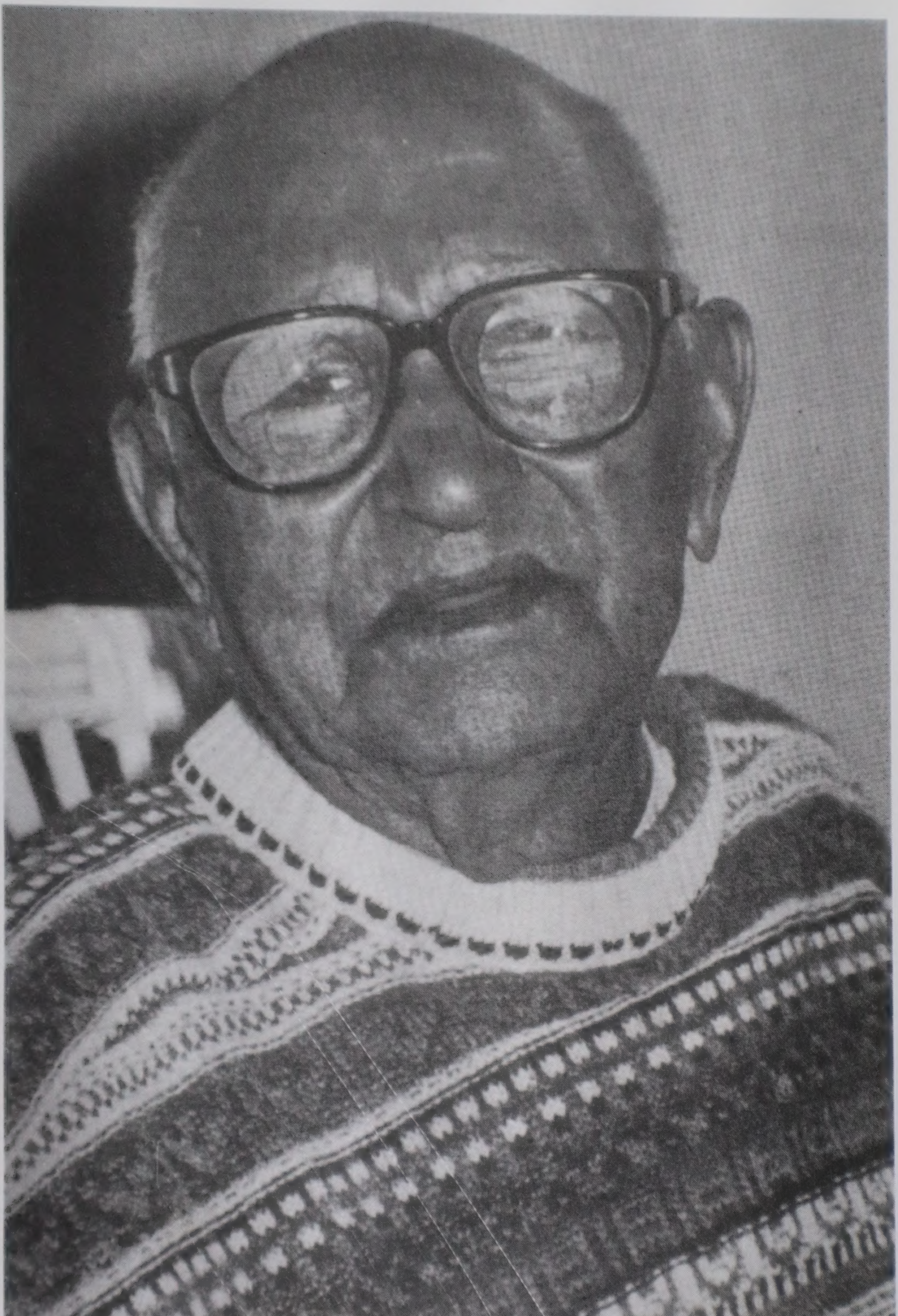

ایس ین۔ایک سنجیدہ موڈ میں، متحدہ کانگریس کے شاندار ماضی کی یادوں میں گُم

सत्यमेव जयते

ڈاکٹر جسٹس وی۔ایس۔ملی مٹھ
صدر
کرناٹکا لاء کمیشن

کمرہ نمبر 302
تیسری منزل، ودھان سودھا
بنگلورو، 560 001

اُردو ایڈیشن کے بارے میں

شری سِدّوَنہلی نجلنگپّا کی سوانح حیات "Rashtrabandhu S.Nijalingappa-Man & Statesman" کے نام سے ڈاکٹر۔کے۔راگھویندر اراؤ کی انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب، ۱۹۹۹ء میں منظرِ عام پر آئی۔اِس کی غیر معمولی مقبولیت کے پیش نظر، اِس کا دوسرا ایڈیشن، ۲۰۰۱ء میں شائع کیا گیا، جسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔دریں اثناء یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ آنجہانی نجلنگپّا جی نے ذاتی دلچسپی لے کر اس کتاب کے اُردو ترجمہ کی ذمہ داری ریاست کے مشہور مترجم ماہر منصور کو دی تھی، اور اِس کی جلد اشاعت کی خواہش بھی ظاہر کی تھی۔ایس۔این۔جی کی ذاتی دلچسپی وخواہش کا احترام کرتے ہوئے، اور اُردو دانوں کی فرمائشوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے فاؤنڈیشن نے اُردو ایڈیشن کی اشاعت کا فیصلہ کیا، اور عملی تعاون کے لئے جناب ماہر منصور کو زحمت دی گئی، جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا، جس کے لئے شری ایس۔نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن کی طرف سے مَیں اُن کی خدمت میں ہدیۂ تشکّر

"RASHTRABANDHU (Rafeequl Mulk), S.Nijalingappa" - A urdu Translation by MAHER MANSOOR, of the original, in English, entitled"Rashtrabandhu S.Nijalingappa- Man and Statesman" by Dr.K.Raghavendra Rao, published by Shri. S.Nijalingappa National Foundation, No. 314 (Terrace Rooms), Karnataka State Cricket Association, M.Chinnaswamy Stadium, Mahatma Gandhi Road, Bangalore - 560 001.

©Shri S.Nijalingappa National Foundation

First Impression	:	2012
Size	:	Demmy 1/8
Price	:	Rs.400/-
Cover Design	:	Manjunath.S.
Type Setting	:	Jeelani Jameel, Bangalore - 45.
Pages	:	xxv +525

Printed at :
Lotus Printers
Rajajinagar, Bangalore

پہلا ایڈیشن	:	2012
قیمت	:	-/400 روپے
کمپوزنگ	:	جیلانی جمیل، بنگلور -45
ناشر	:	شری ایس نجلنگاپا نیشنل فاؤنڈیشن، بنگلور -1
صفحات	:	550

پیش لفظ

ڈاکٹر۔کے۔راگھویندر راؤ کی تحریر کردہ ''دیش بندھو (رفیق الملک) شری۔ایس۔نجلنگپّا کی سوانح حیات، شخصیت اور تدبّر'' ہندوستان کے ایک مایہ ناز سپوت کی زندگی اور عظیم کارناموں پر ہی روشنی نہیں ڈالتی، بلکہ نجلنگپّا نے جن سنگین قومی مسائل سے آنکھیں لڑائیں، اُن کا بھی اس میں سلسلہ وار تفصیلی جائزہ ہے۔

جہاں مغرب کے سیاستدان، بڑی پابندی سے اپنی ڈائری میں اپنی روزانہ زندگی کے حالات قلمبند کر کے اپنے چاہنے والوں اور ضرورت مندوں کو مستند اطلاعات فراہم کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، وہیں ہندوستان میں شائد ہی کوئی ایسا سیاستدان ہوگا، جس نے اپنی روزانہ زندگی، اطراف واکناف کے حادثات و واقعات، اُن پر اُس کا ردِعمل، تاثرات اور اپنی کارکردگی کا عکس اپنی ڈائری میں پیش کرنے کا عادی ہو۔اس لئے جب کوئی سوانح حیات لکھی یا لکھوائی جاتی ہے تو لکھنے والا سُنی سنائی باتوں پر تکیہ کرتا ہے، جس کی صداقت ہمیشہ مشکوک ہوتی ہے، اور اس طرح جو حقیقت اُس لمحہ، ساعت یا دن اور واقعہ کی ہوتی ہے، وہ دھند کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔لہٰذا روز روز کی خودنوشت ڈائری میں صحیح فضا، اور تاثرات قلمبند ہوتے ہیں، اور ایسی سوانح مستند ہوتی ہے، اور اول الذکر سوانح حیات کافی حد تک غیر مستند وغیر معتبر۔روز روز پابندی سے ڈائری لکھنے کی عادت، یکسوئی، صبر طلب اور نظم وضبط کی متقاضی ہوتی ہے۔سچائی کی حفاظت کیلئے واقعات کو متاثر، مجروح یا دُھندلانے سے

پیش کرتا ہوں۔ اِس کتاب کی ترتیب وتزئین اومعیاری طباعت کے لئے سوانؔ پرنٹرس بنگلوراور پھر اِس کارِخیر میں، ہر ممکن تعاون پیش کرنے پر، کرناٹکا سرکار کے محکمۂ کنڑاینڈ کلچر کا بھی، بہ صمیمِ قلب شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مکدّر سیاسی فضاء، اوراقدار کی پامالی کے، اِس پُرآشوب دَور میں، اعلیٰ انسانی قدروں کے علمبرداروں، اور بے لوث خدمت گزاروں کی مثالی زندگیوں کے تعارف کی ضرورت، بڑی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ آئندہ نسلوں کی صحیح رہنمائی کے سلسلہ میں، آنجہانی شری یس۔ نجلنگپّا نے جو مثالی کردار نبھایا ہے، حق و صداقت، یقین محکم، عمل پیہم، اور جہدِ مسلسل کا، اپنی طویل سیاسی زندگی میں، جو عملی ثبوت دیا ہے، اُس کی حیثیت مشعلِ راہ کی سی ہے۔ اِسی عظیم مقصد کے پیشِ نظر، یہ سوانح حیات اُردو میں بھی شائع کی گئی ہے۔ اُمید کہ اِس کا مطالعہ، آلودہ سیاست میں، ایک نیا مثبت موڑ لائے گا، اور اِس ضمن میں ہماری کوششیں ثمر بار ہوں گی۔

بنگلورو

17.02.2012

ڈاکٹر جسٹس وی۔ یس۔ ملی مٹھ

صدر

شری یس۔ نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن، بنگلور

کے سر ہے۔اسے ان کا عظیم ترین کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ کنڑ بولنے والے' مہاراشٹر' آندھرا' کیرلا اور تملناڈو میں بھی بکھرے پڑے تھے۔ قابل مصنّف نے میسور اسٹیٹ کانگریس کی جدوجہد کی تاریخ اور میسور کی شاہی طرزِ حکومت کے جمہوری نظام کی طرف سفر کا جائزہ لیا ہے' اور اس میں نجلنگپاؔ کے تعمیری رول اور پھر پڑوسی ریاستوں میں' بکھرے پڑے کنڑ دانوں اور دستاویزات کو اکٹھا کرنے کی سعیٔ جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے' اُن کی میسور کانگریس اور کرناٹک پراون شیل کانگریس کمیٹی میں ان کی یکساں مقبولیت کا بھی ذکر کیا ہے۔

نجلنگپاؔ' لسانی بنیادوں پر' ریاستوں کی تشکیلِ نو کے حامی تھے۔اس ضمن میں اُنہیں سردار پٹیل' ڈاکٹر پٹا بھی سیتارامیاؔ (اس وقت کے صدر کانگریس) اور تملناڈو کے کامراج کا تعاون حاصل تھا۔

''کرناٹکا ایکی کرنا سمیتی'' نے مہاراشٹر' آندھرا میں ادونی' تملناڈو میں ہوسور اور کولیگال' اور دیگر مراکز تک' اپنی تحریک پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔مہاراشٹر اور مدراس کی ریاستی اسمبلیوں نے متحدہ کرناٹک کے حق میں قراردادیں پاس کیں۔ نجلنگپاؔ نے اس تحریک کی زبردست قیادت کی۔ علیحدہ آندھرا پراونس کیلئے مرن برت رکھنے والے یوگی شری راملو کی ساٹھ دن کی بھوک ہڑتال کے بعد اُن کی موت نے تلگو بولنے والے علاقوں میں قیامتِ صغریٰ برپا کردی۔ان ہنگاموں نے مرکزی سرکار کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا' اور اُسی دن لسانی ریاستیں وجود میں آئیں۔

متحدہ کرناٹک کی جدوجہد سے جڑے ہوئے واقعات کے پس منظر میں نجلنگپاؔ پر تین الزامات' دانستہ یا غیر دانستہ طور پر عائد کئے گئے' اور قابل مصنّف نے ان تینوں الزامات کا جائزہ لیا ہے۔ پہلا یہ کہ نجلنگپاؔ نے اس سے کرناٹک میں لنگایتوں (ویر

پہلے قلمبند کر لینا' اسی لئے بیحد ضروری ہو جاتا ہے۔

خوش نصیبی سے نجلنگپا نے اپنی روزانہ لکھی گئی ڈائری میں ان تمام متعلقہ واقعات کو اپنے وقتی وفوری تاثرات کے ساتھ تحریر فرما کر اُنہیں دوام بخشا ہے۔ اُن کی اس ایماندارانہ کوشش سے قابل مصنف کو سوانح حیات تحریر کرنے اور اپنے تاثرات اُسی پس منظر میں پیش کرنے' اور متعلقہ حوالہ جات کو ڈائری کے حوالہ سے قلمبند کرنے میں مدد ملی ہے۔

نجلنگپا کی زندگی' نوجوان نسل کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ خستہ مکان سے انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت کی کرسی تک پہنچنے میں اِن کی جدوجہد اور کامیابی مضمر ہے' جو بے مثال ہے۔

اُس وقت کے مشہور ماہر تعلیم اور وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔سی۔ریڈّی کو انہوں نے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

''میں ایک دُور اُفتادہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں' میرے پاس نہ مدد ہے نہ کسی اہم شخصیت کی سفارش' میں نے میٹریکیولیشن' فسٹ کلاس میں پاس کیا ہے' اور بنگلور کے کالج میں داخلہ کیلئے درخواست بھجوائی ہے۔''

گریجویشن کے بعد انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ اُن دنوں اُنہیں سرکاری ملازمت آسانی سے مل سکتی تھی' مگر انہوں نے وکالت کو ترجیح دی کہ اس سے مستحق لوگوں اور ملک کی خدمت کے مواقع ملیں گے۔ اُن دنوں وہ وکیلوں کی انجمن کے اُن جونیئروں میں ایک تھے' جو غریبوں کے مقدمے' فیس کے بغیر لڑتے تھے۔

وہ اپنے پیشہ اور زندگی میں' ماہر اور باکمال تھے۔ انہی صفات نے ترقی کی منزلیں طئے کرنے میں ان کی مدد کی۔

کرناٹک کی تشکیل نو اور متحدہ کرناٹک کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کا سہرا انہی

تھی۔ان کے دیہی صنعتوں کے منصوبوں نے ان کو سماج میں کمزور طبقات کا مسیحا بنا دیا تھا۔مختصر یہ کہ انہوں نے گاندھی جی کے نظریات کو عملی جامہ پہنایا۔انہوں نے ٹکنیکل اور میڈیکل تعلیمات کو بیحد دلچسپی سے آگے بڑھایا۔

اپنے اتلیہ گھوش میموریل لیکچر میں، نجلنگپا نے قومی اقتصادی پالیسی میں گاندھی جی کے فلسفہ کی باطنی قوت کا احساس دلایا۔نجلنگپا کی زندگی کے تیسرے دَور میں ۱۹۶۸ء کے بعد کی تاریخ، اور نشیب وفراز میں ان کے اہم رول کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔گوکہ نجلنگپا کے اعصاب پر کرناٹکا، اور اس کے عوام کی فلاح و بہودی چھائی ہوئی تھی، انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی ڈوبتی نیا کو بچانے کیلئے اپنی ذاتی زندگی، اور شاندار مستقبل کو تک قربان کردیا۔مصنف نے کافی عرق ریزی سے ۱۹۶۳ء کے کامراج پلان سے لے کر آج تک کے حالات کا مکمل جائزہ، نہایت دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ شک کہ کامراج پلان، دراصل نہرو پلان تھا، کسی بھی ثبوت کا محتاج نہیں ہے۔کامراج نے بجاطور پر محسوس کیا تھا کہ قومی قیادت میں مرکزیت اور انتظامیہ میں اہلیت کے فقدان نے، کانگریس تنظیم کو صحیح قیادت اور رابطۂ عامہ سے محروم کردیا ہے۔انہوں نے مجھ سے اس سلسلہ میں تبادلۂ خیال کیا تھا، اور تجویز پیش کی تھی کہ چند قائدین کو اپنے منصب سے ہٹ کر تنظیمی کاموں کیلئے اپنے آپ کو وقف کرنا ہوگا۔

مجھے اس کی کامیابی پر شک تھا، اور میں نے کہا بھی تھا کہ اس پلان کے تحت، صرف ایک شخص (یعنی کامراج) اپنے منصب کو خیرباد کہے گا، اور دوسرے اپنے اپنے عہدوں پر لوٹ آئیں گے۔میری یہ بات سچ نکلی، اور صرف کامراج ہی تھے، جو وزیراعلیٰ کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد، پھر کبھی اپنی کرسی پر نہیں لوٹے۔جو لوگ اپنے منصب پر کسی نہ کسی وجہ سے لوٹ نہ سکے، وہ کامراج سے بدظن تھے۔انہوں نے مجھ سے کہا کہ" آپ

شیوا) کا سکہ بٹھانے کی کوشش کی' اور اس طرح اُن پر فرقہ پرستی کا الزام ہے۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ کرناٹک میں ویر شیوا لوگوں کو سیاسی سطح پر برسرِ اقتدار لایا گیا' اور تیسرا الزام یہ کہ نجلنگپّا اقتدار کے بھوکے تھے۔ قابل مصنف نے ان تینوں الزامات سے نجلنگپّا کو بری کر دیا ہے۔ میں چاہوں گا کہ قارئین خود ان سوالات کے جوابات راست مصنف سے ہی حاصل کر لیں۔

''اسٹیٹ ری آرگنائزیشن ایکٹ'' کے پاس ہونے کے ساتھ ہی ایک وسیع تر متحدہ میسور اسٹیٹ وجود میں آیا' اور حسبِ توقع ۱۹۵۶ء میں نجلنگپّا کو کرناٹک کا وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔

نجلنگپّا کو سمجھنے کیلئے جیسا کہ فاضل مصنّف نے کہا ہے ۵۷۔۱۹۵۶ء اور ۶۸۔۱۹۶۲ء تک جب یہ کرناٹک کے وزیر اعلیٰ تھے' دونوں ادوار کا ایک ساتھ مطالعہ کیا جائے' تا کہ صحیح اندازہ ہو کہ کس طرح انہوں نے اپنی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر کر دکھایا۔

پڑوسی ریاستوں سے سرحدی تنازعوں کا انہوں نے حل ڈھونڈ نکالا۔ کرناٹک میں تشکیل کے نتیجہ میں چلے آئے سرکاری ملازمین کو ریاست کے اہم دھارے میں شامل کیا' اور ایک ماہر ناظم کی ذہانت و حکمتِ عملی سے نئی تشکیل شدہ ریاست کے قوانین میں مناسب ترمیم فرمائی۔

انہوں نے زراعت' آب رسانی اور برقی قوت کی پیداوار پر بہت زور دیا۔ ہماری اس مقدس سرزمین پر جب تک پہاڑ کھڑے رہیں گے' اور دریا بہتے رہیں گے' نجلنگپّا کے عظیم کارنامہ ''شراوتی پراجکٹ'' کو دُنیا یاد کرتی رہے گی۔

آب رسانی سے متعلق ان کی سمجھ بوجھ کے اعتراف میں نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل نے آب رسانی اور پانی کی شرح سے متعلق مسائل کے حل تجویز کرنے کیلئے انہیں اس کمیٹی کا چیرمن مقرر کیا۔

غریبوں کے تئیں نجلنگپّا کی ہمدردی سراب کی سی غیر حقیقی نہیں' بلکہ سچی اور جذباتی

دکھائی۔صدر ہند کیلیئے اپنی پسند کا امیدوار تجویز کرنے' اور پھر اُس کی جیت سے وزیر اعظم اندرا گاندھی کی کانگریس تنظیم پر گرفت مضبوط ہوگئی۔ان کے کوتاہ ذہن خوشامد پسند حواریوں نے (میری رائے میں) اندرا گاندھی کو یہ تاثر دیا کہ کامراج' (جیسا کہ مدراس اسٹیٹ میں راجہ جی وغیرہ کے ساتھ کیا تھا) اندرا گاندھی کو بھی بے دخل کر کے رکھ دیں گے۔

کامراج کی' روپیہ کی قیمت گھٹانے کی تجویز پر کھلے عام مخالفت نے' دونوں کے درمیان اختلافات کو مزید ہوا دی۔۱۹۶۷ء کے عام انتخابات تک' وزیر اعظم اور صدر کانگریس کے درمیانی اختلافات کا پیانہ لبریز ہو چکا تھا۔

۱۹۶۷ء میں کامراج کی شکست نے ان کی قسمت پر مہر لگا دی۔انہیں کانگریس کی صدارت سے ہاتھ دھونا پڑا۔ایسے نازک موڑ پر کامراج نے نجلنگپّا پر زور ڈالا کہ صدر کانگریس کی گرم کرسی پر براجمان ہوں۔اس کے بعد واقعات کو' مصنف نے نہایت ہی احتیاط پر دلکش انداز میں تفصیل سے پیش کیا ہے۔

جنتا سرکار کے نزول کے بعد' انتخابات میں ہار اور اندرا گاندھی کی سیاسی میدان میں پھر سے واپسی کے بعد' نجلنگپّا کے قریبی دوستوں نے ان سے دور رہنا شروع کر دیا تھا۔ویریندرا پاٹل جن کی نجلنگپّا نے سیاسی میدان میں ہر موڑ پر رہنمائی کی تھی' کانگریس (آئی) میں شامل ہوگئے۔ایس۔کے۔پاٹل نے اندرا گاندھی کی قیادت کو کھلے عام تسلیم کر لیا' اور کانگریس (او) کو کانگریس (آئی) میں ضم کر دینے کا مشورہ بھی دے دیا۔ کامراج نے' جو اندرا گاندھی کے سخت مخالف تھے' تملناڈو میں اپنے سیاسی حریفوں سے ٹکر لینے کی غرض سے اندرا گاندھی سے ہاتھ ملا لیا۔صرف نجلنگپّا نے کسی سے بھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ان کی ڈائری سے ان کی مایوسی' باطنی کشمکش' اور گہرے غم واندوہ کا اندازہ ہوتا ہے' کہتے ہیں کہ ''جان سنوں'' کی تعداد کم ہے مگر ''باس ویلوں'' کی تعداد کم تر ہے۔''

کا کامراج پلان۔یم راج پلان ہے''۔

نہرو کے انتقال کے بعد کامراج نے صدرِ کانگریس کی حیثیت سے بیحد نازک و سنگین حالات کا سامنا کیا۔انہوں نے دُوراندیشی اور حکمت عملی سے دنیا بھر سے پوچھے جانے والے واحد سوال ''نہرو کے بعد کون اور کیا ہوگا'' کا جواب دیا۔

وزیراعظم لال بہادر شاستری کے انتقال کے بعد جب ۱۹۶۶ء میں ویسی ہی صورت حال پیش آئی تو اندرا گاندھی کو وزیراعظم بنانے میں نہایت ہوشیاری ومہارت سے کام لیا۔اندرا گاندھی، کامراج کا ''چوائس ہے'' یہ ایک کھلا راز تھا۔اس انتخاب سے پہلے، کامراج نے مجھ سے کہا تھا کہ اندرا میں شمال جنوب اور زبان کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور یہ کہ اقتصادیات پر ان کی گہری نظر ہے،مزید یہ کہ ان کی شخصیت انتخاب جیتنے والی کرشمہ ساز ہستی ہے۔

آزادی کے بعد،وزیراعظم اور صدر انڈین نیشنل کانگریس کے بیچ جو تناؤ پیدا ہو گیا تھا،اس کو سمجھنے سے کانگریس تنظیم قاصر تھی۔

جدوجہد آزادی کے دوران،صدر کانگریس، پارلیمانی بورڈ اور ورکنگ کمیٹی، مختارِکل ہوتے تھے، مگر ایک وزیراعظم کے پوری طاقت سے اُبھرنے کے بعد، سرپرستی، اقتدار، وسائل وذرائع، ریاستوں کے وزرائے اعلیٰ، یہ سب کے سب وزیراعظم کی طرف کھنچتے گئے۔آزادی کے فوراً بعد، صدر کانگریس نے وزیراعظم نہرو کو اپنے زیر اثر لانے کی کوشش کی، مگر بے سود۔

لال بہادر شاستری جو کامراج کے عزیز دوست تھے، کابینہ کی تشکیل اور انتظامیہ میں، کامراج سے صلاح ومشورہ تو کرتے، پر فیصلہ خود کا اپنا ہی ہوتا۔

اندرا گاندھی نے صدر کانگریس سے کابینہ کی تشکیل کے بارے میں رائے طلب نہیں کی، مگر کابینہ کی فہرست پیش کرنے کیلئے راشٹر پتی بھون جاتے ہوئے کامراج کو فہرست

حرفِ اوّل

شری۔ ایس۔ نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن کے تمام ٹرسٹی' آنجہانی شری جی۔ بی۔ مہالنگا شٹّی (ٹرسٹی)' وشویشورانگر' ہبلی کے شکر گزار ہیں' جنہوں نے شری۔ ایس۔ نجلنگپّا کی جامع سوانح حیات لکھوانے کی تجویز رکھی۔ آج وہ زندہ ہوتے تو سب سے زیادہ خوشی اُنہی کو ہوتی۔

شری۔ ایس۔ نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن کے تمام ٹرسٹی شری۔ ایس۔ نجلنگپّا کے بھی انتہائی شکر گزار ہیں' جنہوں نے اس سوانح حیات کی اشاعت کی اجازت دی۔

کرناٹک یونیورسٹی' دھارواڑ کے پولیٹکل سائنس کے وظیفہ یاب پروفیسر ڈاکٹر۔ کے۔ راگھویندرا راؤ کے ہم نہایت شکر گزار ہیں' جنہوں نے انتہائی دلچسپی' محنت و یکسوئی سے یہ مستند سوانح حیات تحریر فرمائی۔

ہبلی کے مسرز مرڈیشور سیرامکس کے مینجنگ ڈائرکٹر شری۔ آر۔ این۔ شٹّی کے بھی ہم بیحد شکر گزار ہیں' جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت کیلئے قابل لحاظ مالی امداد فرمائی۔

سابق صدر ہند شری۔ آر۔ وینکٹا رامن کے ہم بے انتہا شکر گزار ہیں' کہ انہوں نے اس کتاب کیلئے انمول پیش لفظ تحریر فرمایا' جس سے اس کتاب کی قدر و قیمت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ شری وینکٹا رامن نے اپنے ۱۰/اکتوبر ۱۹۹۸ء کے ایک خط میں شری۔ ایس۔ نجلنگپّا کو بھارت کے قابل ترین سپوتوں میں سے ایک قرار دیا ہے۔

شری۔ ایس۔ نجلنگپّا نے شری نہرو اور دیگر عظیم رہنماؤں کے سماج واد پر عمل

مصنف ڈاکٹر راگھویندر اراؤ' ایسے ہی قبیل کے فرد ہیں' انہوں نے کہیں بھی' مبالغہ کے بغیر نجلنگپّا کی شخصیت کو حقیقت پسندانہ سیاق وسباق میں پیش کیا ہے۔ نجلنگپّا کی سادہ لوحی' سنجیدگی' فرائض کی ادائیگی میں ان کی یکسوئی' ملک وقوم کے تئیں ان کی گاندھی وادی فلاسفی سے غیر معمولی عقیدت کا' ان کی صفات کا' مصنف نے بڑی خوبی سے احاطہ کیا ہے۔ ان کی ایمانداری کا ان کے حریف بھی دل کی گہرائیوں سے اعتراف کرتے ہیں۔

۹۶ رسال کی پکی عمر میں بھی' نجلنگپّا سیاستدانوں کیلئے ایک بے نظیر نمونہ بن کر کھڑے ہیں۔ گاندھی فورم' جس کے یہ صدر ہیں' آج گاندھی جی کی تعلیمات ونظریات کو چہار سمت پھیلانے میں مصروف ہے۔

ڈاکٹر راگھویندر اراؤ نے نجلنگپّا کی مستند سوانح حیات تحریر فرما کر ملک کی بڑی خدمت کی ہے' جس میں آزادی کے بعد کے اہم ہنگامہ خیز واقعات کا صحیح عکس پیش کیا ہے۔ وہ ملک کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

نئی دلّی

۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۸ء

آر۔ وینکٹارامن
سابق صدر ہند'
۵ر صفدر جنگ روڈ
نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱، بھارت
فون: 3794366 (فیکس۔ 91-3014925)

(چارٹرڈ اکاونٹنٹ)، بنسی لال (وزیر اعلیٰ ہریانہ)، سکندر بخت (مرکزی وزیر برائے صنعت وحرفت)، شری اے۔ آر۔ انتولے (سابق وزیر اعلیٰ مہاراشٹرا)، ہچ۔ جی۔ گوونداگوڈا (وزیر برائے پرائمری وسکینڈری ایجوکیشن، حکومت کرناٹک)، ایس۔ ین۔ کرن شنکر، بنگلور، چندرکانت۔ یم۔ شیٹیّ، سی۔ اُدیاشنکر، بی ویربھدرپاّ، ین تپنّاّ (یم یل سی) اور یم۔ بی۔ پاٹل (مہمان خصوصی) کے بروقت تعاون ومفید مشوروں کے لئے ہدیۂ تشکر پیش ہے۔

اداریہ کی نوک پلک درست کرنے کیلیئے ہم شری۔ یم۔ بی۔ پاٹل، وظیفہ یاب مدیر اعلیٰ کرناٹک گزیٹیئر، شری یل ایس چندراشیکھر (وظیفہ یاب) ڈیولپمنٹ آفیسر، گوبرگیس اسکیم اوراسپیشل آفیسر (بنک فائنانس) کھادی بورڈ کرناٹک ''حکومت کرناٹک کے بھی شکر گزار ہیں۔ حکومت کرناٹک کے وظیفہ یاب معتمد اعلیٰ شری ایس۔ بی۔ مدپاّ (ائی اے ایس)، کے۔ چندر شیکھریاّ، گو۔ رُو۔ چناّبسپاّ کے مفید تعاون کے لئے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

شری سی۔ آر۔ گڈگولی، موظف سپرنٹنڈنٹ محکمۂ تعلیمات، کا خصوصی شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اِس اشاعت کی پروف ریڈنگ نہایت عمدہ اور عرق ریزی سے کی۔

عمدہ طباعت کے لئے ستیا شری پرنٹرس اور دیگر احباب شکریہ کے مستحق ہیں، جنہوں نے راست یا بالراست، اپنا بھرپور عملی تعاون فرما کر اس اشاعت کو بہتر اور یقینی بنایا۔

بنگلور
یکم دسمبر ۱۹۹۸ء

اے۔ آر۔ بدری نارائن
صدر
شری ایس۔ نجلنگپاّ نیشنل فاونڈیشن

کیا۔ ۱۹۵۸ء میں انہیں انڈین آئل کارپوریشن کا' دس ہزار روپیوں کی ماہانہ تنخواہ اور دیگر الاؤنسس کے ساتھ صدر مقرر کیا گیا' مگر نجلنگپا نے نہایت خوش اخلاقی اور نرمی سے اُن کی پیشکش قبول نہ کرتے ہوئے' ماہانہ صرف ایک روپیہ کی مثالی' برائے نام تنخواہ پر چیرمن کے فرائض انجام دئے' اور اُسی وقت جواہر لال نہرو سے کہا کہ بھارت میں سماج واد کی بات' اُس وقت تک بے معنی ہے' جب تک کہ عمل کرنے اور کہنے والے کے قول و فعل میں تال میل نہ ہو' اور یہ کہ موٹی موٹی تنخواہیں بے معنی ہیں۔

سابق وزیر تعلیم کرناٹک' شری۔اے۔آر۔بدری نارائن' شامنور شِواشنکرپا (رکن پارلیمان)' وائی۔راچندرا (سابق وزیر کرناٹک و میئر بنگلور)' یدالام گنگا دھرا شیٹی' صنعت کار' آر۔ین۔شیٹی (منیجنگ ڈائرکٹر مسرز مرڈیشور سیرامکس' ہبلی)' ڈاکٹر۔وی۔جی۔نیّل ویگی ماہر تعلیم' چندرکانت بیلد (رکن اسمبلی)' آنجہانی۔کے۔ابھی شنکر (وظیفہ یاب مدیر اعلیٰ کرناٹکا گزیٹیئر) اور محقق' یل۔یس۔چندرا شیکھر اور فاؤنڈیشن کے تمام بانی ٹرسٹیوں اور فاؤنڈیشن کے مصنّفین کا تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

فاؤنڈیشن کے مندرجہ ذیل شریک کار ٹرسٹیوں کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے' جنہوں نے اِس کی اشاعت میں مدد فرمائی' اور گرانقدر مشوروں سے نوازا۔

شری بی۔یس۔مُدپّا' آئی۔اے۔یس (وظیفہ یاب)' اے۔بی۔پاٹل' وزیر برائے معدنیات و جیولوجی حکومت کرناٹک' شری۔یم۔وی۔راج شیکھرن (سابق رکن پارلیمان' راجیہ سبھا) پربھا کرکورے' سابق رکن پارلیمان (راجیہ سبھا)' الّم ویر بھدرپّا (رکن اسمبلی)' بسوراج یس بھیملّی (صدر حیدرآباد۔کرناٹک ایجوکیشن سوسائٹی)' شریمتی پربھا دیوی مدپّا (لکچرر' ہچ کے ای یس کالج' بنگلور)' ڈاکٹر۔منگلا۔وی۔بیٹگیر ور (کیانٹن۔امریکہ)' ستیش چندرا ہیگڈے (کنٹراکٹر)' ہچ شیولنگیا

مُترجم کی بات

شری ایس۔ نجلنگپا نیشنل فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ۱۹۹۹ء میں انگریزی میں شائع شدہ سوانح حیات ''راشٹر ابندھو ایس۔ نجلنگپا۔ میان اینڈ سٹیٹسمن'' کا اُردو ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ یہ کتاب نجلنگپا جی کی گاندھی وادی شخصیت اور شفاف سماجی و سیاسی زندگی کو درشاتی ہے۔ بیحد خوشی اس بات کی بھی ہے کہ آنجہانی نجلنگپا جی کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اس کا اُردو ترجمہ جلد سے جلد منظرِ عام آئے' تاکہ اُسے اپنے صرف خاص سے شائع کروا کر برصغیر میں پھیلے ہوئے اُن کے اَن گنت ہندو مسلم اُردو دانوں میں تقسیم کر سکیں' اور کانگریس کی پھوٹ کا صحیح پس منظر لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے۔ آنجہانی نجلنگپا جی نے اپنے گھر بلا کر اِن کلمات کے ساتھ خاکسار کو انگریزی کتاب دی' اور اُردو ترجمہ کی ذمہ داری سونپی' جسے مَیں نے بخوشی قبول کر لیا۔ اِس کے چشم دید گواہ اُن کے صاحبزادے شری راج شیکھر اور اُن کے معتمد خاص جناب سید اشرف ہیں' جو سابق وزیر اعظم شری وی پی سنگھ کے مشیر سیاسی امور' اور ان دنوں گاندھی فورم دلّی کے معتمد اعزازی تھے۔ حسب الحکم مَیں نے ترجمہ کر لیا' مگر افسوس کہ اِس کی اشاعت شری ایس۔ این۔ جی کی ناگہانی موت کے سبب تاخیر کی نذر ہو گئی۔

مگر 'دیر آید درست آید' کے مصداق' آنجہانی ایس۔ این کی ذاتی دلچسپی و خواہش کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے اور اُردو دانوں کے مسلسل اصرار پر' شری ایس۔ نجلنگپا نیشنل فاؤنڈیشن نے اس اُردو ایڈیشن کی اشاعت کی ذمّہ داری لی' اور خاکسار کا تعاون طلب کیا' جس کے لئے مَیں فاؤنڈیشن کے صدرِ عالی مقام ڈاکٹر جسٹس وی۔ ایس۔ ملی مٹھ جی' معتمد شری ایس۔ جی۔ منجوناتھ' سابق اراکین پارلیمان شری یم۔ وی۔ راج شیکھرن جی' شری ہنومنتپا جی' فاؤنڈیشن کے دیگر ذمّہ داران اور جناب سیّد اشرف کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس اُردو ایڈیشن کی اشاعت سے جہاں آنجہانی ایس۔ این کی ذاتی خواہش کی تکمیل ہو رہی ہے' وہیں اُردو سوانح عمریوں کے محدود خزانہ میں ایک عظیم سیاستدان اور محبّ وطن کی سوانح حیات کا اضافہ بھی ہو رہا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کو ممکن بنانے میں میرے ایک گمنام معتبر دوست کا عملی تعاون ملا' جس کے لئے میں اُن کا انتہائی شکر گزار ہوں' ساتھ ساتھ بہترین کمپوزنگ کے لئے چودھری جیلانی جمیل اور خوبصورت طباعت کے لئے سوان پرنٹرس' بنگلور کا بھی تہ دل سے شکریہ۔

ماہرؔ منصور
بنگلور

26-02-2012

دوسرے ایڈیشن کے بارے میں

مشہور گاندھی وادی اور معمارِ جدید کرناٹکا کی سوانح حیات ''راشٹرا بندھو (رفیق الملک) نجلنگپّا 'شخصیت و تدبّر'' کی اشاعت' سب سے پہلے ۲۶ /جون ۱۹۹۹ء کو منظرِ عام پر آئی۔ عوام' میڈیا سب نے اس کا شایانِ شان خیر مقدم کیا' اور صرف ڈیڑھ سال کی قلیل مدت میں کتاب کی 2000 کاپیاں خرید لی گئیں۔ مجھے خوشی ہے کہ فاؤنڈیشن نے کتاب کا دوسرا' ایڈیشن نکالا ہے۔ اِس بات کا ذکر کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ فاؤنڈیشن کے تمام ٹرسٹیوں نے' اِس کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے۔ ٹرسٹی اور معتمدِ فاؤنڈیشن شری ائی یس۔ چندر شیکھر کا مَیں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے اس دوسرے ایڈیشن میں بے انتہا دلچسپی لی۔ مجھے اُمید ہے کہ اس غیر معمولی شہ پارے کا کنڑ ترجمہ' فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہوگا۔

اے۔ آر۔ بدری نارائن

صدر

شری یس۔ نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن

بنگلور

ڈاکٹر ایس۔ نجلنگپّا جی

مندرجات

1	ابتدائی حالاتِ زندگی	1
2	وکالت وگھر گرہستی	26
3	قومی تحریک میں شمولیت	44
4	متحدہ کرناٹک کیلئے جدوجہد	65
5	وزیر اعلیٰ	99
6	کانگریس کی تقسیم اور بعد کے حالات	219
7	نیا موڑ۔ضمیر اور حکمت عملی کی سیاست	365
8	نجلنگپّا کا وژن	421
9	نجلنگپّا کا خط' بہ نام وزیر اعلیٰ شری ایس۔آر۔بومئی	429
	کتابیات	

ضمیمے

1	ایس ین' بہ حیثیت وزیر اعلیٰ کرناٹک' کے دیگر کارنامے جو کتاب کے اصل متن میں شامل نہیں کیۓ جاسکے	432
2	اندرا گاندھی۔نجلنگپّا ر کانگریس کی تقسیم پر خط وکتابت	433
3	انڈین نیشنل کانگریس کے بہتّرویں سیشن کے موقع پر نجلنگپّا کا خطبہ صدارت	475
4	اتلیہ گھوش میموریل لیکچر' از۔ایس۔نجلنگپّا	501

کوئی شخص اپنی سوانح اپنی ہی زبانی پیش کرتا ہے تو کیا اُسے فاضل قرار دیا جائے؟ ۔حقیقت یہ ہے کہ شری نجلنگپا خود' بہت جلد انگریزی میں' اپنی زندگی کی تصویر دکھائیں گے۔حال ہی میں' اُن سے انٹرویو کے دوران' میں نے اُن سے یہی سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی زندگی' حقائق کا سلسلہ ہے۔رشتے ناطوں کا تاریخی ثبوت ہے' جس کا دارومدار' ان کی یادداشت پر ہے۔اس لئے انہوں نے ایک خودنوشت سوانح حیات اور کسی اور کی لکھی سوانح عمری میں کوئی تضاد نہیں پایا' اور یہ رائے ظاہر کی کہ حالات کے سیاق وسباق میں' دونوں کا اپنا اپنا بہترین رول ہے' جس سے زندگی کا ہر پہلو اُجاگر ہوتا ہے' جہاں ایک خودنوشت سوانح حیات' موضوعی اور زندگی کے نجی گوشوں پر زیادہ روشنی ڈالے گی' کسی اور کی نوشتہ سوانح' شخصیت سے پرے جائے گی' اور کہانی کو وسعت بخشے گی کہ تاریخ سے مطابقت رکھ سکے۔

نجلنگپا جیسی تاریخ ساز ہستی کی سوانح حیات مرتب کرتے وقت یہ فرق کرنا ناممکن ہوجاتا ہے کہ تاریخ کیا ہے' اور ذاتی زندگی کیا ہے' دونوں میں اس قدر تال میل ہوتا ہے کہ سوانح نگار بے انتہا محتاط ہوجاتا ہے کہ کہیں بھی کوئی بھی بات مسخ یا مجروح نہ ہوجائے۔مثال کے طور پر نجلنگپا جیسی تاریخی ہستی کا کرناٹک اور بھارت سے راست تعلق ہے۔اٹوٹ رشتہ ہے' ملک وقوم کے تئیں عظیم خدمات کا سلسلہ ہے۔

چند ایک حالات میں' سوانح نگار' دنیا کی تاریخ کو بھی بہت کچھ دے جاتا ہے' اس لئے کہ جس کے بارے میں وہ لکھ رہا ہے وہ دنیا کی تاریخ کا اہم باب ہوتا ہے۔مثال کے طور پر' اس سوانح میں' تاریخی پس منظر' زبانوں کا اصولِ وفاقیت اور تعمیر قوم وغیرہ جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔وسیع معنوں میں دیکھا جائے تو یہ جدید بھارت کی روشن تاریخ ہے' چاہے آپ اُسے کسی بھی نام سے یاد رکھیں۔اسی کہانی کو' برطانیہ کی پارلیمانی جمہوریت کے تاریخی

نقطۂ آغاز

ہندوستانی روایتی تحریروں میں، سوانح نگاری کو ایک الگ صنف کے طور برتنے کا رواج نہیں تھا۔ یہ ایک موضوعی اور انتہائی ذاتی کاوش ہے، جہاں بالکل غیر شخصی اور ذاتی پسند ناپسند سے اوپر اٹھ کر کسی کی زندگی کا منصفانہ جائزہ لیا جاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسے موجودہ مغرب سے اخذ کیا گیا ہے، جہاں ایک فرد کی زندگی، اُس کے سفر اور پرواز کی، گہرائی وگیرائی سے چھان بین کی جاتی ہے۔ دیگر اصناف کی طرح اسے بھی دنیا بھر میں اپنا لیا گیا ہے، اور آج ہر کوئی سوانح حیات لکھ رہا ہے۔ غیر مغربی سیاق وسباق میں، سوانح حیات، ایک جادوانی صلاحیت رکھتی ہے، تاکہ تاریخِ وقت میں، سما سکے۔

سوانح نگاری، تصویر کشی سے بڑھ کر، پر، کردار سازی سے قریب ہوتی ہے۔ اس لئے اے سوانح نگار، اپنا مضمون ایک خاص ڈھنگ سے پیش کرتا ہے، اور اس کوشش میں، چند ایک نمایاں خصوصیات اور تفصیلات کو بھی پسِ پشت ڈال دیتا ہے یا سرے سے نظر انداز ہی کر دیتا ہے۔ اس طرح، سوانح نگاری ضرورتاً ایک محتاط کاوش ہوتی ہے، جس میں ایک خاص ڈھانچہ، طرز اور نقطہ' ارتکاز ہوتا ہے، جس کی آڑ میں، بہت سارے واقعاتِ زندگی کو غیر جانبداری وکمالِ فن سے پیش کر دیتا ہے۔ اسی لئے، ایک ہی زندگی کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا اور پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرح سے، اس میں تخّیل اور وجدان کا دخل بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت ہے تو سوانح 'قصّہ کہانی سے قریب ہو جاتی ہے، پر، یہ ضروری بھی ہے۔ افسانہ کے برعکس، تخّیل ' ایک معروضی ڈھانچے اور دستیاب واقعات میں ہی اپنا رول ادا کر سکتا ہے۔

دوست' جدید بھارت کی تعمیر کیلئے کوشاں ہیں' اور تعمیر ملک میں نمایاں رول ادا کر رہے ہیں۔

جب کوئی اس پُر عزم بزرگ اور پُر امید شخص کو اپنی زندگی کی با معنی تکمیل کیلئے جدو جہد کرتے دیکھتا ہے تو بوڑھے رسّل کی یاد آتی ہے' جو ہمارے عہد کے انسانوں کو تباہی سے بچانے کی کوشش کرتا رہا' اور پھر ہماری ہی ریاستِ کرناٹک کے شیورآم کارنت کی یاد آتی ہے' جو انسانی حرص و بربریت کے خلاف' احتجاج کرتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ سوانح نگار کا خیال ہے کہ اس کا منشاء ایک فرد کی شخصی زندگی کو سُپردِ قلم کرنا ہی نہیں' بلکہ یہ بتانا ہے کہ رواں تاریخ کے ساتھ' اُس کی زندگی کس قدر مطابقت رکھتی ہے یا رکھتی تھی۔

ممکن ہے' یا یقین سے بھی کہا جا سکتا ہے کہ نجلنگپّا خود' اس قدر منکسر المزاج ہیں کہ اپنی تاریخی اہمیت کی تشہیر کے خلاف ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ سوانح نگار سے کہا کہ انہیں کتاب کے عنوان میں ''مدبّر'' تجویز کرنا پسند نہیں ہے۔

ان کی سادہ لوحی' خلوص' اپنائیت ہی اس کا ثبوت ہیں۔ (اگر آپ ثبوت چاہتے ہیں) تو صرف مدبّر کہنے کے عوض بہتر تو یہی ہوگا کہ انہیں ''حقیقی ایماندار مدبّر'' کہا جائے۔ انہوں نے اپنے گذرِ معاش یا جھوٹی شہرت کیلئے سیاست نہیں اپنائی تھی' بلکہ ملک وقوم کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کیلئے' اس سے منسلک تھے' اور اس لئے بھی کہ گاندھی جی کی طرح ہمارے تہذیبی ورثہ کو اگلی نسلوں تک خلوص و نیک نیتی سے پیش کرتے چلیں' اور دنیا کو پتہ چلے کہ عظیم سفر کے مسافر' مجروح ہو کر بھی اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ ارادے کے پکّے ہوتے ہیں' قول و فعل کے دھنی ہوتے ہیں' اور کردار کے غازی ہوتے ہیں۔

ایجنڈے کی طرز پر پھر سے باضابطہ طور پر اس سیول سوسائٹی میں بادشاہت کو چھوڑ کر پیش کیا جا سکتا ہے، جو آج مغرب میں پائی جاتی ہے، اور اقتصادیات بھی جو صنعتی سرمایہ دارانہ حکم کا درجہ رکھتی ہیں، جہاں حکومت کی گرفت لائسنسوں کی شکل میں ہے جو مخلوط اقتصادیات، ریاستی سرمایہ داری سماج وادی طریقہ کار ہے، اور جو سرمایہ کارانہ نظام میں ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔

اور ہاں، کہانی اس قدر سادہ اور راست نہ ہوتی، اگر دھماکے، اور تہلکے سلسلہ وار واقع نہ ہوتے۔ کہانی میں سب سے زیادہ پیچیدگی یا نازک موڑ آنے کا اہم سبب یہ ہے کہ ایک روایتی سوسائٹی نے جدیدیت کے تقاضوں کو تسلیم کرنے میں بہت پس و پیش کیا۔ گاندھی جی، حتیٰ کہ جے پی یا امبیڈکر کا رول بھی انہی حالات کے تناظر میں دیکھا جائے۔

اپنے مخصوص انداز میں نجلنگپّا نے خود اپنی زندگی کی مثالوں کے ذریعے توضیح فرمائی کہ کس طرح معاشرہ میں سیاست، ریاست پر دباؤ ڈالتی ہے، اور ریاست اپنی باری آنے پر کس طرح معاشرہ پر جدیدیت تھوپتی ہے۔ اکثر شہری، اس رَو کا اثر قبول کر کے 'پیچیدگیوں کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

نہرو اور ان کی معاصر نسل، جس میں نجلنگپّا بھی شامل ہیں، اسی کشمکش کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اب ان کی ابتدائی کامیابیاں دیرپا نہیں لگتیں، جیسا کہ نجلنگپّا نے خود دیکھا کہ جمہوری اقدار بتدریج زوال پذیر ہیں اور ان کی نسل کے لوگوں کے بنائے ہوئے قدیم اداروں کی بنیادیں کمزور ہوتی جا رہی ہیں، مگر ایک بالغ مدبّر ہونے کے ناطے، وہ بھی اتفاق کرتے ہیں کہ ردعمل میں نہ کُلّیت ہو، نہ بدمزاجی، اور نہ ہی مایوسی، بلکہ ٹھوس حقیقت کا کھلے دل سے اعتراف ہو، نظریات اور اخلاقی پابندیوں کا لحاظ ہو، اسی لئے، نوے برس کے ہونے کے باوجود بزرگ سیاستدان، جوان، ولولہ انگیز انقلابی خیالات کے خالق ہیں۔

بڑھاپے اور گرتی ہوئی صحت کی زد پر ہونے کے باوجود، ہمہ وقت، ایک صاف ستھرے انسان

1. ابتدائی حالاتِ زندگی

نجلنگپّا کی زندگی اور اُن کے کارناموں کا جائزہ لینے سے پہلے، ہمیں چاہئے کہ اُن کے اسلاف کے بارے میں واقفیت حاصل کر لی جائے، تاکہ اس پس منظر میں اُن کے صحیح مقام کا تعین ہو سکے۔ گو کہ خاندانی پس منظر کا، کسی کی اگلی زندگی سے راست تعلق نہیں ہوتا، تاہم چھوٹے پیمانے پر ہی سہی، ایک فرد کی زندگی، اس سے اثر ضرور قبول کرتی ہے۔

نجلنگپّا کے آباد واجداد دراصل ایک تاریخی مقام ابّالور کے رہنے والے تھے، یہ وہ گاؤں ہے، جہاں کرناٹک کے مقبولِ عام کنڑا شاعر، سروگنا، پیدا ہوئے تھے، جن کی شعری تخلیقات، زبان زدِ خاص و عام ہیں۔ یہ مقام ویراشیوا مسلک کی سماجی، مذہبی اور ثقافتی تحریک کا مرکز بھی رہا ہے۔ جیسا کہ اکثر ہوتا آیا ہے۔ ایسے عظیم الشّان مقامات، وقت کے ساتھ اپنی رونق کھوتے چلے جاتے ہیں۔ اس گاؤں کا بھی یہی حال ہوا۔ اس کی گھٹتی ہوئی شہرت و ترقی کے باعث، روزی روٹی کی تلاش میں لوگوں نے قرب و جوار کی بستیوں کا رخ کیا۔ ابّالور کے لنگایتوں کے ایک معزّز تاجر پیشہ خاندان نے، جنہیں پنچم سال کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، ہجرت کر کے ''ہال واگلو'' نامی گاؤں میں پناہ لی، یہ تاریخی گاؤں موجودہ شہر ہری ہر سے اٹھارہ (18)، ہرپن ہلی سے آٹھ (8) اور رانی بنّور سے نو (9) میل کے فاصلے پر ہے۔ اس کے پاس ہی ایک قلعہ ہے، جہاں کسی زمانے میں، وجیا نگر سلطنت کے دَور میں ایک مقامی حکمران تھا، جسے ''پالیگار'' کہتے تھے۔

معالجہ کیلئے بیمار، دور دراز سے اُن کے پاس آتے تھے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ اُن دنوں سُنا ہے کہ تیز نکیلے پتھروں کو آلہ کے طور پر جراحی کیلئے، استعمال کیا جاتا تھا۔ نہ صرف انسانوں کا بلکہ جانوروں کا بھی علاج کرتے تھے۔ ساتھ ساتھ یہ ایک اچھے خطیب و مقرّر بھی تھے۔ انہیں ڈراموں میں کام کرنے کا بھی شوق تھا۔ ایک اچھے اداکار کی حیثیت سے انہوں نے خوب نام کمایا تھا۔ خاص طور پر، اگرانرسمہاؔ، جنہیں وشنو کا اوتار مانا جاتا ہے، اور جنہوں نے اپنے معتقد پر ہلاؔد کی حفاظت کیلئے ''ہرنیا کاشیپا'' کا خاتمہ کردیا تھا، کا کردار نبھانے میں یدِطولیٰ حاصل تھا۔ مجموعی طور پر اُن کی شخصیت ہمہ گیر تھی، اور خدمتِ خلق کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

پچھلی سات پشتوں سے اڈوی پپّاؔ کے خاندان میں ہمیشہ صرف ایک ہی نرینہ اولاد ہوتی تھی۔ بقیہ لڑکیاں ہی لڑکیاں، اُن کے دو بچوں، یعنی بیٹے بسپّا اور بیٹی پٹمّاؔ کی پیدائش کے بعد، یقین تھا کہ اب کی بار لڑکی ہی ہوگی، مگر 10 دسمبر 1902ء کو خلافِ توقع لڑکا پیدا ہوا، تو والدین کو تعجب کے ساتھ بے انتہا خوشی بھی ہوئی، اور یہی بچہ ایک تاریخ ساز رول ادا کرنے والا تھا۔ نہ صرف ریاستِ کرناٹک، بلکہ پورے ملک بھارت کی تاریخ میں۔!!

مقامی اُجنی مٹھ کے سربراہ نے بچے کے کانوں میں شڈاکشری منتر پڑھنے کے بعد پیشانی پر قشقہ کھینچ کر بچّہ کو باقاعدہ ویراشیوامت میں داخل کردیا۔ ساتھ ساتھ ایک لنگ بھی باندھ دیا، جسے عرف عام میں شیؔو جی کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے۔

دادا کی خواہش پر بچہ کا نام نجلنگپاّ رکھا گیا۔ بچپن، ایک خوشگوار ماحول میں گزرا، اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ بچہ خاندان کا محبوبِ نظر بن گیا۔ دونوں خاندانوں کے بیچ، اُن کی حیثیت، ایک پُل کی سی تھی، بچہ خوبصورت و ہنس مکھ تھا، ان کی خالہ ساوکاّ، تو اس بچہ پر اپنی

ایسا لگتا ہے کہ یہ گاؤں' بارہویں صدی عیسوی کے عظیم شاعر' فلسفی' رہبر و مصلح' سری بسویشور کی سماج سدھار تحریک کا باوقار مرکز رہا ہوگا۔ گو کہ اس گاؤں میں چرواہے' مچھیرے' ہریجن' شکاری وغیرہ مختلف عقائد و پیشہ کے لوگ آباد تھے۔ تاہم لنگایتوں کا ہی زور و دبدبہ تھا۔ اس کی تائید میں' گو کہ تاریخی شواہد موجود نہیں ہیں' یہاں آباد کنبوں میں ایک ایسا تجارت پیشہ کنبہ بھی ہے' جسے ابالور وشٹر و کے نام سے پکارا جاتا ہے' غالباً' یہ شہادت معنی رکھتی ہے۔

ویسے نجلنکپّا کے دادا کے زمانے کے بعد سے لے کر آج تک کی مکمل تاریخ ہمارے پاس ہے' اڈوی پپّا اور اُن کے اہل وعیال کی مالی حالت' بہتر نہ ہونے کے باوجود' انہوں نے ایک سچے مذہبی لنگایت کی سی زندگی گزاری' اور گذر معاش کیلئے محنت سے کھیتی باڑی کا پیشہ اپنایا۔ اس خاندان تک پہنچتے پہنچتے' اپنی اُصول پسندی کے سبب' مالی حالت خراب ہوتی گئی۔ دوسروں کی طرح انہوں نے' نہ کبھی پیسہ بٹورنے کی کوشش کی' اور نہ ہی اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر اپنی صلاحیتوں کو زنگ لگنے دیا۔ نتیجہ' خستہ حالی' غربت' گھاٹا ہی گھاٹا!!

تنگدستی کے دور میں بیوی' نیلمّا نے اپنے شوہر اڈوی پپّا کا خوب ساتھ دیا' اور ایک مثالی رفیقۂ حیات کی طرح' ہر قدم پر ان کا حوصلہ بڑھایا' اور شانہ بہ شانہ زندگی کا سفر جاری رکھا۔

اُن کے والدِ بزرگوار' ہلٹّی چنّا ملپّا کو' شہر میں کافی عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ انہیں ادب اور ثقافت سے کافی دلچسپی تھی' اور مشہور زمانہ کنڑا شاعر لکشمیشا کی تخلیق ''جیمینی بھارتی'' پر کافی عبور حاصل تھا۔ ساتھ ساتھ' وراثت میں ملا ہوا فن طب بھی ان کا محبوب مشغلہ تھا' جس کی بدولت' فالج' جوڑوں کے درد وغیرہ امراض کے علاج

اپنے استاد رامپّا کے گھر پر تعلیم حاصل کی۔ ذہین ہونے کی وجہ سے' اساتذہ نے کبھی نہ ڈانٹا نہ پیٹا۔ پڑھائی میں دل لگانے کے ساتھ ساتھ جسمانی ورزش سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ پاکی صفائی انہیں بچپن ہی سے پسند تھی' گھر پر جو تعلیم دی جاتی تھی وہ مذہبی قصوں' کہانیوں اور تعمیر اخلاق پر مبنی ہوتی تھی۔ اس ضمن میں رامائن' مہابھارت' لنگایتوں کے عظیم مصلحوں' سادھوسنتوں' ''شرنا'' وغیرہ کا احاطہ کیا جاتا تھا۔ ایسی خوشحال زندگی کے پس منظر میں یہاں کی رسمی تعلیم کچھ پھیکی پھیکی سی تھی' مگر قابل استاد نے' اپنے دلاویز گیتوں' کردار سازی پر مبنی کہانیوں پر ندرداس' کنکا داس' نجا گنا شیوا یوگی جیسی عظیم شخصیتوں کے بارے میں سُنا سُنا کر' یہ کمی کافی حد تک محسوس ہونے نہیں دی۔ اس طرح غیر محسوسانہ طریقہ سے' مدرسہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم بھی شامل ہوتی گئی' جس سے اُن کے خیال وفکر میں وسعت آتی گئی۔

اس کے برعکس' اُن کے بڑے بھائی کی شخصیت میں کوئی قابل لحاظ ترقی نہیں دیکھی گئی' اور اسی لئے ہر کوئی نجلنگپّا کی طرف کھنچا چلا آتا تھا' طالب علمی کے زمانے سے ہی' ان کا حافظہ تیز تھا' اور ان میں وہ سب کچھ تھا' جو ایک شریر بچہ میں ہوتا ہے۔ ایک بار ان کی جیب میں میٹھی پوریاں پائی گئیں' اور جب انہیں اپنے ہم سبقوں میں بانٹ ڈالا تو سب نے کلاس روم کو سر پہ اٹھالیا' اور جب استاد نے سبب پوچھا تو نجلنگپّا نے اُٹھ کھڑے ہوکر اپنی غلطی تسلیم کرلی تو سب حیرت میں پڑ گئے۔

نجلنگپّا نے چند ایک بار اپنے ساتھیوں کے گھر عیدین کے موقع پر ان کی دی ہوئی مٹھائیاں کھالیں' اس کی خبر ماں کو ہوئی تو انہوں نے ڈانٹا' اور نصیحت کی کہ یہ ٹھیک نہیں ہے' اس لئے کہ کسی کے ہاں کھانے کے بعد اخلاقاً انہیں بھی کم سے کم ایک بار بلاکر کھلانا ہوگا' اور ہم اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی مہمان نوازی کرسکیں' مگر نجلنگپّا

جان چھڑکتی تھی، جب وہ کھیل کود کے قابل ہوئے تو اکثر وقت محلّے کے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں گزرنے، باپ گھوڑا بنتا تو پیٹھ پر سوار ہونے میں انہیں بڑا مزہ ملتا تھا۔ کھیل کے میدان میں بہ حیثیت قائد کھیلنا پسند تھا۔

جب یہ چھ سال کے ہوئے تو اُن کے والد بزرگوار کا انتقال ہوگیا، کمسنی کی وجہ سے بچہ کو باپ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحے یاد نہیں ہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ والدِ بزرگوار بیمار تھے، اور بستر مرگ پر دراز تھے، خسر کی طبی صلاحیتوں اور بیوی کی دعاؤں کا بھی موت پر کوئی اثر نہیں ہوا...... اُن کی موت سے خاندان کو زبردست دھچکا لگا۔ لے دے کے ایک چھوٹا سا گھر، اور یہی کوئی تین ایکڑ زمین ان کے پاس رہ گئی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ نیلمّا کے نازک کندھوں پر تین سو روپیوں کا قرضہ بھی پڑ گیا، جوان دنوں ایک بھاری بوجھ تھا، خوش قسمتی سے والد کی حوصلہ افزائی اور شوہر کی ویراشیوا مت میں عقیدے کی پختگی کے سبب نیلمّا نے حالات پر قابو پالیا، اور بچوں کی دیکھ بھال پر اپنی توجہ مرکوز کردی۔ نجلنگپّا کہتے ہیں کہ وہ ایک مصمم ارادے اور آزادئ فکر کی حامل شخصیت کی مالک تھیں، جنہوں نے اپنے رشتہ داروں کی مدد کو بڑے ہی سلیقہ سے مسترد کردیا، اور تنِ تنہا، محنت ومشقت سے، اس تھوڑی سی زمین میں کاشت کر کے اپنے نونہالوں کا پیٹ بھرا۔ بچپن ہی سے نجلنگپّا ان کے دل ودماغ پر چھائے رہے۔ جوتشیوں سے پتہ چلا کہ یہ بچہ غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہوگا، اور یہ کہ اس کا مستقبل بے حد شاندار ہوگا۔

انکا تعلیمی سلسلہ، باپ کے انتقال سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، ایک مٹھ میں، ریت پر حروف تہجی لکھ کر انہوں نے اپنی تعلیمی زندگی کا آغاز کیا تھا، اس کے بعد وہ کلیشور آ گئے، جہاں ان کے خاندانی دیوتا (کُل دیوتا) تھے۔ یہاں ایک قلیل عرصہ تک انہوں نے

پڑ گیا۔ پھر بھی انہوں نے کبھی باپ کی کمی محسوس ہونے نہیں دی۔ ان کیلئے کھانا' کپڑا' کتابیں' باہر سیر سپاٹا' ان سب کا اہتمام' اپنی ذاتی نگرانی میں کیا۔ ساتھ ساتھ انہوں نے نجلنگپاؔ کو اُصول پسند زندگی کا سبق پڑھایا۔ ایک بار گاؤں کے مندر میں بھینٹ کے طور پر ایک بھینسے کی گردن اڑائی گئی تو نجلنگپاؔ پر اسکا بڑا گہرا اثر ہوا' اور وہ بے ہوش ہوگئے۔ غرض نجلنگپاؔ کی کردار سازی میں ان کے نانا کا بڑا دخل تھا۔ وہ اپنے پیارے نواسے کو کچھ نہ کچھ سُناتے ہی رہتے تھے۔ ایک بار انہوں نے اپنے نواسے کو بھاگتے ہوئے کتّوں کی طرف دیکھ کر کہا کہ دیکھو یہ سب کے سب ایک نہتّی کمزور کتیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں' اور یہ جانوروں کی فطرت ہے' پر انسان کی فطرت' اس سے بالکل مختلف ہے۔ انسان کو چاہئے کہ صرف ایک شادی کرے' زیادہ کرنے سے سماجی توازن بگڑ جائے گا۔ لہٰذا ہمیں کتّوں کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ ایسی تھی نانا کی اخلاقی تعلیم' اپنے پیارے چہیتے نواسے کیلئے۔

اڈوی پپّاؔ کے انتقال کے کوئی تین سال بعد نانا کا بھی انتقال ہوگیا' جس سے اس چھوٹے سے خاندان کی کمر ٹوٹ گئی' ان کی پریشانیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا'۔ اوران سب کا مقابلہ کے لئے ایک نہتی نیلمّاؔ!! بدنصیبی سے ایک چھوٹی سی مدت میں' دو بزرگوں کی اموات نے ان سب کے سروں پر مایوسی کا سائبان تن ڈالا۔ اس کے بعد جس شخص نے ان کی دیکھ ریکھ کی ان کا نام ردرپّاؔ تھا' جو داونگیرے کے رہنے والے تھے۔ وہ ان بچوں کی خیر خیریت دریافت کرنے کیلئے آجایا کرتے تھے۔ ان کا تعلق سدّ وانہلی سے تھا۔ پر تجارت کی غرض سے داونگیرے میں مقیم ہوگئے تھے' یہ تین بھائی' اوران کا مشترکہ کاروبار تھا' ردرپّاؔ خالہ ساوتّاؔ کے شوہر یعنی نجلنگپاؔ کے خالو تھے۔ ردرپّاؔ اور ساوتّاؔ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس لئے ایک دن ساوتّا نے اپنے شوہر کے سامنے یہ

نے یہ جواز پیش کیا کہ اس میں برائی کیا ہے، جبکہ کسی نے چاہ کر انہیں مٹھائی کھلائی ہے، اور کسی کی چاہت کو ٹھکرانا بھی تو غیر اخلاقی بات ہے۔ آخر کار ماں نے کہا کہ کم از کم عیدین کے موقع پر دوستوں سے نہ ملیں، جواباً نجلنگپّا نے کہا کہ عید کا مزہ تو دوستوں کے ساتھ ہی ملے گا، پھر بھی محتاط رہوں گا۔

نجلنگپّا کو کسرت کرنے کا بڑا شوق تھا، اسی لئے، اکثر آم کے پیڑوں پر چڑھنا ، جامن کی ڈالیاں سر کرنا، تیرنا وغیرہ بہت پسند تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آس پاس کی پہاڑیوں پر چڑھنا، اُترنا بھی انہیں محبوب تھا۔ ہر ہفتہ وہ ان محفلوں میں ضرور جاتے، جہاں بھجن گائے جاتے تھے۔ کُشتی لڑنے کا بھی شوق تھا۔ بچپن ہی سے وہ نئی نئی مہمیں سر کرنے کے عادی تھے۔ اسی تجسس و تلاش کی بناء پر انہوں نے اپنے گاؤں میں کھیلے گئے کئی ایک ناٹک بھی دیکھے، جیسے ہرشؔ چندرؔ پر لکھا گیا ڈرامہ، ان دنوں اکثر اسٹیج پر پیش کیا جاتا تھا۔ اس ناٹک کی ہر دل عزیزی سے متاثر ہو کر ایک بار تنگبھدرا ندی پار کر کے اس پار کے گاؤں جانا پڑا۔ ایسی حرکت سے ماں کی جو پریشانی ہوئی ہوگی وہ تو خیر ایک ماں ہی کہہ سکتی ہے۔ نجلنگپّا نے وعدہ کیا کہ وہ کبھی اس طرح کی پریشانی کو دعوت نہیں دیں گے۔

ایک دن نیلمّا اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی، کہ باہر کسی فقیر نے آواز دی، اس نے بتایا کہ اسے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ ان کا لڑکا مشہور زمانہ ہوگا۔ خاندان کا نام روشن کرے گا۔ بس اُسے اچھی تعلیم دلائی جائے، اور وہ فقیر پھر کبھی نظر نہیں آیا۔ نیلمّا نے کہا کہ سب شیو جی کی مرضی پر منحصر ہوگا۔

اڈوی یپّا کے انتقال کے بعد گھر کا سارا بوجھ نانا چنّا ملیّا کے بوڑھے کندھوں پر

رُوم میں پہنچنے میں نہ کبھی دیر کی، اور نہ ہی کبھی ناغہ کیا۔

نجلنگپّا نے پاکی صفائی، اور تندرستی پر بہت دھیان دیا، ہر کسی سے دوستانہ سلوک کیا۔لڑائی جھگڑے سے گریز کیا۔ ماں اور نانا کی اخلاقی تعلیم نے انہیں کافی اصول پسند بنادیا۔اُن کی حاضر جوابی، ذہانت وخوش اخلاقی سے اساتذہ اور ساتھی سب کے سب متاثر، ان کی ذہانت کی مثال اساتذہ دینے لگے۔طلباء کوتلقین کی جاتی کہ نجلنگپّا کی جیسی با اُصول زندگی بسر کریں۔

مدرسے کے معائنہ کے لئے آئے، انسپکٹروں کے سامنے، ان کو پیش کر کے اساتذہ فخر محسوس کرتے، جب وہ چھٹویں جماعت میں تھے، تو ان سے کہا گیا کہ انگریزی میں ایک استقبالیہ تقریر کریں، لڑکے نے انگریزی میں چھ سات جملے بالکل صحیح صحیح سُنا کر سب کا دل جیت لیا۔اس سے ان کا وقار اور بلند ہوگیا۔اس کے بعد، سکول یا کالج کے تمام جلسوں میں شکریہ ادا کرنے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

پڑھائی کے دوران وہ نہ صرف نصابی کتابوں پر اکتفا کرتے، بلکہ جہاں بھی انہیں علم ملتا، اسے حاصل کرنے کیلئے لپک پڑتے، انہوں نے بلاناغہ، ہر ہفتہ سری مرتینجیا سوامی جی کے روح پرور پند ونصائح سے بھرپور تقریریں سُن کر، دل ودماغ کو روشن ومنور کرلیا۔ یہاں کے ہفتہ واری اجلاس میں نوجوانوں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ایک اور مذہبی رہنما جیادیوا سوامی کی اخلاقی تعلیمات نے بھی ان پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔

ساوِتّکا کو، اُن کی قابل رشک ترقی پر کافی ناز تھا، اور اسی لئے ساری شفقت نچھاور کر دیتی تھیں۔ شاید اس لئے بھی کہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔اُدھر خالو بھی کم خوش نہیں تھے۔ان کی اس غیر معمولی ذہانت وکامیابی کی، انہیں قیمت بھی چکانی پڑی۔ہوا یہ کہ اس ترقی سے گھر کے دیگر افراد اُن سے جلنے لگے۔خصوصاً خالو کے

تجویز رکھی کہ بہن نیلمّا کے دونوں بیٹوں کو ہال واگلو سے بلا لائیں، اور ان کی تعلیم وتربیت کا کچھ انتظام کریں۔اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے نیلمّا سے ملاقات کی، گذارش کی تو نیلما کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا چھا گیا۔اپنے آپ کو تین رخوں میں بٹتا ہوا محسوس کیا۔بچوں سے جدائی، دوسروں کا سہارا، اور پھر بچوں کی تعلیم، ساوکاّ کے مکرّر اصرار و گذارش پر نیلمّا نے رات بھر اس پر کافی غور و خوض کیا۔وہ اندر ہی اندر تڑپتی رہیں۔آخر کار صبح ہوتے ہوتے انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر، فیصلہ کر ہی لیا کہ ساوکاّ کے ساتھ کر دینے میں بچوں کی بہتری ہے۔لاچار بیوہ کے سامنے بچوں کا پیار، ایک پہاڑ بن کر کھڑا ہو گیا۔خصوصاً اپنے چھوٹے بیٹے نجلنگپّا سے جدائی کا تصور، جس کو انہوں نے مسلسل پانچ سال تک دودھ پلایا تھا۔بہر حال فکر دامن گیر تھی تو قربانی اپنا حق مانگ رہی تھی۔جاتے وقت ماں نے نجلنگپّا کو نصیحت کی کہ وہ شیوؔ کی پوجا کبھی نہ چھوڑیں، غلط راستے پر نہ چلیں، اور خالہ خالو کی ہر بات، ہر حکم کا ادب کریں، تعمیل کریں، اور پھر اپنے دونوں لاڈلوں کو بہن بہنوی کے سپرد کر دیا۔......!

داونگیرے شہر کو ریاستِ کرناٹک میں ایک مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے۔جہاں شمالی کرناٹک اور جنوبی کرناٹک کی دو تہذیبوں کا سنگم دیکھا گیا ہے۔کپڑا اور تیل کے کارخانوں کی موجودگی سے، یہ شہر تجارتی مرکز بھی رہا ہے۔ساتھ ساتھ یہاں غریب و مالدار کا فرق بھی نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔

دیہات کی پُرسکون زندگی، اور شہر کی پُرشور زندگی کا فرق نجلنگپّا نے شدت سے محسوس کیا، اور اس پر شفیق ماں سے جدائی کا غم، مگر حصولِ علم کی پیاس ان سب پر غالب رہی۔

نئے ماحول سے مانوس ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔داونگیرے پہنچتے ہی، انہوں نے اینگلو ورناکیولر سکول میں دوسری جماعت میں داخلہ لے لیا۔انہوں نے کلاس

کر ہی دیا۔ جیسے ہی ردرپّا گاؤں لوٹے انہیں یہ سُن کر رنج ہوا۔ وہ فوراً ہال واگلو گئے' اور اپنی سالی سے منّت سماجت کر کے نجلنگپّا کو پھر داونگیرے واپس لے آئے' مگر انہیں گھر میں تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رہا تو ردرپّا نے بہتر یہی جانا کہ نجلنگپّا کو ایک واقف کار دیا ولگی بسپّا کے گھر چھوڑ دیا جائے۔ جہاں اُن کے قیام وطعام کا انتظام ممکن تھا۔ اس ضمن میں جو بھی خرچ آیا ردرپّا نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ پرائیویٹ سکول کے اس اچھے استاد کا چاروں طرف کافی نام تھا' جب استاد نے لڑکے میں ذہانت' حوصلہ اور یکسوئی دیکھی تو ان سے شفقت کا برتاؤ روا رکھا' توجّہ مرکوز کردی' مگر وہ شراب کے عادی تھے' اور اس سے ایک اچھے استاد کی ذمہ داری نبھانے میں رکاوٹ ہو رہی تھی۔

کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ وہ دن میں ہی شراب چڑھا کر آ جاتے' اور ایسی صورت میں نجلنگپّا سے کہا جاتا کہ طلبا کو پڑھائیں۔ جب تک استاد کا نشہ اتر نہ جاتا' نجلنگپّا' لکھانے پڑھانے میں طلباء کو مصروف رکھتے۔ بہت سارے طلبا نے اپنی پڑھائی میں ان سے کافی مدد لی' اور نجلنگپّا نے ہمیشہ بڑی ہی فراخدلی سے انکا بھرپور تعاون کیا۔

یہ پرائیویٹ مدرسہ ایک مالدار آدمی کے گھر پر چلایا جا رہا تھا' ایک بار' چند بدمعاشوں نے اُن کے لڑکے کو پکڑلیا' اور اسے بیدردی سے گھسیٹتے ہوئے ریل کی پٹریوں کے پاس لیجا کر اس کا دایاں ہاتھ کاٹ کر انگلی سے انگوٹھی اتار لی' گو کہ طلباء نے نجلنگپّا کی قیادت میں اس لڑکے کو چھڑا تو لیا' تاہم اس کے باپ کو غلط فہمی ہوگئی کہ اس جرم کے پیچھے طلباء کا ہی ہاتھ ہے' خوش قسمتی سے لڑکے کو ہوش آتے ہی اس نے سارا ماجرا کہہ سُنایا تو باپ کو شرمندگی ہوئی۔ انہوں نے نجلنگپّا اور اُن کے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا' اور خوب تعریف کی۔ نجلنگپّا کی یہ عادتِ ثانیہ سی ہوگئی تھی کہ ہمیشہ

بھائی بھابی وغیرہ‘ وہ لوگ ان پر بلا وجہ برس پڑتے‘ اور کھلم کھلا اُن پر غصہ بھی ہونا ان کے معمولات میں شامل ہوگیا۔ پھر بھی نجلنگپّا کبھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ اس بلند حوصلگی سے نفرت کرنے والے اور زیادہ جلنے لگتے تھے۔ ان تمام حوصلہ شکن حالات کے باوجود‘ ان کی لکھائی پڑھائی کبھی متاثر نہیں ہوئی‘ بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ دلچسپی بڑھتی گئی۔ لڑکے کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متاثر ردرپّا کی خواہش تھی کہ وہ جلد سے جلد لوئر سکنڈری کا امتحان پاس کرلیں‘ تاکہ فیس بھر کر کسی پرائیویٹ مدرسے میں اُن کے داخلے کا انتظام کرسکیں۔

سابقہ ریاستِ میسور میں پرائیویٹ مدرسوں میں طلبا سے فیس نہیں لی جاتی تھی‘ ایک ایسا ہی مدرسہ تھا جس کے مہتمم نرسنگ راؤ تھے‘ خالو نے سوچا کہ اگر لڑکا امتحان پاس کرلے تو ایک مشترکہ خاندان میں رہ کر پڑھائی کرنے سے‘ جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے‘ اس سے نجلنگپّا کو چھٹکارا مل جائے گا۔ اس خیال کے ساتھ‘ انہوں نے اپنے آپ کو مجرم سا محسوس کیا‘ مگر وہ بھی مجبور تھے‘ مشترکہ خاندان جو تھا۔!!

ردرپّا نہیں چاہتے تھے کہ نجلنگپّا اپنے گاؤں لوٹ جائیں‘ جہاں اُن کی ماں کا گذارہ مشکل سے ہو رہا تھا‘ مزدوری‘ کھیتی باڑی‘ اور یہ بات ردرپّا کو بالکل پسند نہیں تھی کہ نجلنگپّا ایسی پریشانیوں سے دوچار ہوں‘ اور ماں کی مزید تشویش کا باعث بنیں۔

جہاں تک بڑے بھائی بسوپّا کا تعلق تھا‘ ردرپّا کو اُن میں دلچسپی کم ہوتی گئی۔ اسلئے کہ پڑھائی لکھائی میں ان کی دلچسپی کم تھی‘ اور ترقی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ نجلنگپّا کو تنگ کرنے کیلئے اہل خانہ موقع کی تاک میں تھے‘ یہ موقع انہیں ایک بار‘ اُس وقت ہاتھ لگ ہی گیا‘ جب ردرپّا کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اہل خانہ نے نجلنگپّا کو گالیاں دیں‘ مارا پیٹا‘ اور آخر کار انہیں اپنے گاؤں سے باہر

اور تعلیم کیلئے فضاء بہت موزوں تھی‘ چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گھرے ہوئے اس شہر پر کسی زمانے میں مدکیری نائک نامی ایک مقامی راجہ (پالیگار) کی حکومت تھی۔ اسی لئے یہ ایک تاریخی شہر کہلاتا تھا۔

نجلنگپّا کی حسّاس طبیعت کو‘ یہاں کی فضاء وخوبصورتی راس آ گئی‘ یہاں آنے کے چند ہی مہینوں میں کاڈپّا بیمار ہو کر چل بسے‘ جس کے بعد ردرپّا نے انہیں ساہوکار چکاویرپّا کے گھر ٹھہرایا‘ جہاں ان کی تربیت بالکل پُرسکون ماحول میں‘ گھر کے ایک فرد کی طرح ہی ہوئی۔ اِنہیں بھی اتنی ہی آزادی تھی‘ جتنی کہ گھر کے دیگر افراد کو۔ پیار‘ محبت‘ سہولتیں سب کچھ نصیب تھا‘ چکاویرپّا کے انتقال کے بعد‘ ان کے صاحبزادے ویربھدرپّا نے بھی ویسا ہی محبت بھرا برتاؤ روا رکھا‘ جیسا کہ توقع تھی‘ نجلنگپّا کے اساتذہ اور ہم جماعتوں نے انہیں خوب سراہا‘ دل و جان سے چاہا‘ جس کا سبب ان کی ذہانت‘ پاکی صفائی‘ اور خوش اخلاقی تھا۔ اُن کی تعلیم کبھی نصابی کتابوں تک محدود نہیں رہی‘ بلکہ مقامی لائبریری میں موجود کتابوں سے بھی کافی استفادہ کیا‘ جس سے قدیم وجدید ادب‘ حالات پر ان کی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔

قومی رہنما اینّی بسنٹ کی ادارت میں شائع ہونے والا جریدہ ''نیو اِنڈیا'' باقاعدگی سے اُن کے مطالعہ میں رہا۔ گاندھی جی اور دیگر قومی رہنماؤں کی تقاریر وتحریروں کا بھی‘ بڑے انہماک سے مطالعہ کرنا‘ اُن کے معمولات میں سے تھا۔ گو کہ انہوں نے ایک باقاعدہ مجاہدِ آزادی کی طرح قدم آگے نہیں بڑھایا‘ مگر ایک طالب علم ہوتے ہوئے بھی جو بھی ان سے ممکن تھا کیا‘ اور کافی دلچسپی دکھائی۔ مغربی فکر کے زیر اثر آنے والے دیگر نوجوانوں کی طرح انہوں نے بھی قومی سطح پر سماج سدھار کی طرف اپنے آپ کو مائل پایا۔ ہائی سکول میں پڑھتے وقت ایک مباحثہ میں حصہ لیتے ہوئے‘

مصیبت زدہ کی مدد کیلئے فوراً اپنے آپ کو پیش کر دیتے' اور حالات کا دیدہ دلیری سے مقابلہ کرتے' پڑھائی لکھائی میں' اتنے تیز اور ذہین تھے کہ تین سال کا کورس صرف ایک ہی سال میں اچھی طرح پڑھ لیا۔

1915ء میں لوئر سکنڈری کا امتحان' اوّل درجے میں پاس کیا تو یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی کہ انہوں نے حساب کے پرچے میں نوے (90) نمبر حاصل کئے ہیں۔اس تاریخی واقعہ سے متاثر ہوکر مقامی مقتدر ہستیوں نے نجلنگپّا پر اپنا پیار و شفقت نچھاور کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ظاہر بات ہے کہ سب سے زیادہ خوشی تو ماں نیلمّا' خالہ ساوتّکا اور خالو ردرپّا کو ہوئی۔

1885ء میں ہندوستان کے اہم شہروں میں قومی آزادی کی تحریک کا آغاز نوجوانوں کے ہاتھ عمل میں آیا۔قیادت گاندھی جی کی تھی' اس لئے شور شرابے سے دُور پُرامن جدوجہد کا سلسلہ چل پڑا۔اپنے اس نئے اسلحہ سے لیس ہوکر گاندھی جی نے افریقہ میں نو آبادیاتی حکومت کے خلاف' وہاں مقیم ہندوستانیوں کو منظّم کیا' جس کے بعد 1915ء میں ہندوستان واپس آئے تو انگریزی سامراجیت کے خلاف' انڈین نیشنل کانگریس کی داغ بیل ڈالی۔یہ گاندھی جی کی دُور اندیشی وحکمتِ عملی ہی تھی کہ پورے ملک کا دورہ کیا۔تحقیقی جائزہ لیا' اور تحریک آزادی کو ملک کے کونے کونے تک پہنچا دیا۔اُسی دوران' نجلنگپّا' لوئر سکنڈری کی تعلیم مکمل کر کے مزید تعلیم کیلئے چترادرگا تشریف لائے تو گاندھی جی بھی قومی سطح پر وارد ہوئے۔ردرپّا نے ہر ممکنہ طور پر نجلنگپّا کی تعلیم وتربیت کا بیڑہ اٹھایا۔سکنڈری کی تعلیم کے دوران ایک مخلص آدمی کا ڈپّا نے نجلنگپّا کے قیام وطعام کی ذمہ داری اپنے سر لی تو ردرپّا کی پریشانیاں کچھ کم ہوئیں۔شور شرابے سے پُر شہر داونگیرے کی بہ نسبت' چترادرگا پُرسکون شہر تھا'

میں موجود چند لڑکوں نے وہ کھانا' اور پانی استعمال کرنے سے انکار کردیا کہ وہ گندہ ہوگیا ہے۔ اس پر نجلنگپّا کافی برہم ہوئے۔ انہوں نے لڑکوں سے کہا کہ دیکھو! یہ بات کہ اتنے بڑے افسر نے پانی خود لاکر پکوان کی صفائی کا اہتمام کیا ہے' تو یہ پانی اور کھانا کیسے گندہ ہوسکتا ہے؟ ہمیں چاہئے کہ ان کی تقلید کریں' کمشنر صاحب نے کام کی اہمیت جتا کر ہماری صحیح رہنمائی فرمائی ہے۔

نجلنگپّا نے پڑھائی لکھائی میں دلچسپی کے ساتھ ساتھ کھیل کود میں بھی' اتنی ہی دلچسپی لی۔ انہیں کُشتی لڑنے کا بھی شوق تھا۔

نمایاں نمبروں سے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد' جب نویں میں داخلہ ہوا تو مضامین خصوصی کا انتخاب درپیش تھا۔ انکا پہلا رجحان' سائنس اور حساب کی طرف تھا' جس میں انہوں نے اسّی فیصد نمبر لئے تھے۔

اُن کے استاد نے' جنہیں ذات پات' اونچ نیچ کے غلط عقائد نے اندھا کردیا تھا' ان کو سائنس اور حساب کے مضامین لینے سے روکا' اور کہا کہ تاریخ کا انتخاب کریں' مگر نجلنگپّا نے استاد سے تبادلۂ خیال کرکے انہیں اپنا ہم خیال بنا ہی لیا۔

1918ء میں ہیضہ پھیلا' تو چتر ادرگا بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ ہر مذہب وملّت' اور ہر عمر ونسل کے لوگ اس تباہی کا شکار ہوگئے۔ ویر بھدرپّا کے خاندان نے احتیاط کے طور پر شہر سے کوئی تین میل دور ایک عارضی خیمہ لگایا۔ نجلنگپّا نے بھی ان کا ساتھ دیا' اور ہمراہ ہوگئے۔ کوئی ایک ماہ بعد' ویر بھدرپّا اور اُن کی رفیقۂ حیات' انفلوئنزا سے بیمار ہوگئے' جس کی وجہ سے سارا گھر پریشان اور خوفزدہ ہوگیا' ان کا باورچی ایشا بھی ہیضہ کی گرفت میں آگیا۔ اس لڑکے کی تیمارداری میں نجلنگپّا نے کوئی کسر باقی نہیں اُٹھا رکھی' مگر اسے موت کے منہ سے بچانے میں کامیاب نہ

انہوں نے بیواؤں کی دوسری شادی کی حمایت میں تقریر کی تھی کہ جنس کی بنیاد پر مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہئے۔ مغرب کی جدید طرز فکر' اور خود اپنے پیشوائے اعظم سری بسویشور کے نظریۂ مساوات نے عورت کا مقام متعین کرنے میں اُن کی رہنمائی کی تھی' مگر اُن کے اساتذہ اس خیال یا نظریہ سے متفق نہیں تھے' بلکہ نابرابری ہی کے قائل وطرفدار تھے۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ تعلیمات کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے بھی کس طرح کے کھوکھلے مزاج کے ہوسکتے ہیں۔

باہر گھومنے پھرنے کی متجسس طبیعت نے' انہیں سکاؤٹ بننے پر مجبور کیا۔ جس کے نتیجہ میں انہوں نے بحیثیت فعال کارکن' بہت سے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ سکاؤٹ بننے سے پہلے' انہوں نے اپنی ذات برادری کو چھوڑ کر کسی اور کے گھر نہ کبھی کچھ کھایا' اور نہ پیا تھا' اور اب مختلف مذاہب وعقائد کے لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا تو کافی فرق محسوس ہوا' اور انہوں نے پہلی بار ایک غیر لنگایت کے ہاں' یعنی اپنے استاد پری پلیاؔ کرشناراؤ کے ہاں کھانا کھایا...... اس واقعہ کے بعد اُن کے خیالات کو یہ تقویت ملی کہ سب لوگ برابر ہیں' اور اتحاد واتفاق نسلِ انسانی کی بقاء کیلئے ضروری ہے۔ وہ لڑکا جو کٹّر مذہبی رسم ورواج کے مطابق اپنی پیشانی پر قشقہ کھینچتا تھا' اب اپنی پیشانی پر ایسا کچھ نہیں کرتا تھا۔ یہ عمل اُن کے کردار کو زیادہ طمانیت بخشنے والا تھا۔ انہوں نے مندروں میں جانا بند کر دیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ ایک ایسا شخص' جس کا ماضی بیحد مذہبی ماحول میں گزرا ہو' اس کیلئے اس طرح کی تبدیلی کس قدر مشکل' اور صبر آزما رہی ہوگی۔ ایک بار ایک یوروپی کمشنر اُن کے مقامی سکاؤٹ کیمپ میں آئے' جہاں سب نے مل کر کھانا بنایا۔ کمشنر صاحب نے بھی مٹکے میں پانی لا کر اپنا فرض پورا کیا۔ کیمپ

تھیں، پر کالج کی فیس کون بھرے؟ کتابوں، کپڑوں کا خرچ الگ۔ ویر بھدر پّا اور اُن کی والدہ سے مدد کی توقع کی جا سکتی تھی، چند ایک بہی خواہوں نے مشورہ دیا بھی کہ تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیں، اور نوکری کر کے ماں کی خدمت کریں۔ کسی نے کاروبار کی بھی صلاح دی، ان مشوروں سے انہیں پریشانی ہی ہوئی۔ اسلئے کہ اُن کے اندر ہی اندر، حصولِ علم کی پیاس نے ہار نہیں مانی، اور اعلیٰ تعلیم کی طرف قدم بڑھا ہی دیے۔

جہاں تک ماں کا تعلق تھا، انہوں نے ہمیشہ اپنی ذات سے بڑھ کر، اپنے ہونہار بیٹے کی تعلیم کو ترجیح دی۔ ماں نے بیٹے کو یاد دلایا کہ ان کے والد اور نانا جان کی یہی خواہش تھی کہ بچوں کو بہت اچھی تعلیم دی جائے، تاکہ خوب نام کمائیں۔ ماں نے تسلّی دی کہ وہ اُن کی فکر نہ کریں، بلکہ اپنی تعلیم پر زیادہ دھیان دیں۔ اُدھر رودر پّا نے بھی جن کی مالی حالت اب بہتر نہیں تھی، یقین دلایا کہ امکان بھر مدد ضرور کریں گے۔

ساہوکار ویر بھدر پّا نے بھی مدد کا یقین دلایا، اور بلا جھجک حسبِ ضرورت روپیہ منگوانے کیلئے کہا اور یہ بھی کہا کہ اطلاع ملتے ہی رقم بھجوا دی جائے گی۔ جب نجلنگپّا جگت گرو جیا دیوا سوامی کا آشیرواد لینے گئے تو انہوں نے مبارکباد دی، خوب سراہا کہ انہوں نے لنگایتوں کا سر بلند کیا ہے، اور صلاح دی کہ بنگلور میں توٹاد پّا مسافر خانہ پہنچ جائیں، جہاں تمام سہولتیں موجود ہیں، یہاں رہ کر امتیازی حیثیت سے تعلیم مکمل کر سکو، اور اچھی ڈگری لے سکو تو اس سے ساری برادری کا نام روشن ہوگا۔ ہمارا یہ مٹھ تم جیسے ہونہار طالب علموں کی بروقت مدد کیلئے ہی ہے، اور پھر سوامی جی نے آشیرواد دیا۔

گو کہ اُنہیں نصیحت کی گئی کہ ڈگری کورس میں داخلہ لیں، مگر نجلنگپّا نے سائنس میں اپنی ذاتی دلچسپی کے پیش نظر ان مشوروں کو خوش اخلاقی سے ٹال دیا، اور جب بنگلور کے کالج میں داخلہ کیلئے درخواست دی تو ٹمکور کے کالج میں داخلے کی منظوری

ہو سکے۔ ایک بار پھر نجلنگپا نے اپنے آپ کو بے یار و مددگار پایا۔ کمسن نجلنگپا نے، اپنے باپ کی موت کا صدمہ محسوس نہیں کیا تھا، مگر باورچی کی جدوجہد اور اس کی موت، ایک شدید جھٹکا تھا، ہر طرف موت کا بول بالا تھا۔ پھر بھی اُنہوں نے ہمت نہیں ہاری، گھر کے دیگر افراد کی تیمارداری میں، شب و روز لگے رہے۔ یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں تھی، اس کیلئے تین میل کی دُوری پر واقع ہسپتال جا کر دوائیاں لانی پڑتی تھیں، اور ان سب کیلئے ''گنجی'' بھی تو بنانی تھی، اور پھر سب کو، بالخصوص بچوں کو، کھلانا اُن کی پل پل دیکھ بھال، ایسی نازک صورتحال میں بھی، اُنہوں نے اپنے گاؤں لوٹنے کی فکر نہیں کی، بلکہ حالات حاضرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اتنی بے لوث خدمت نے گھر کے تمام لوگوں کا دل جیت لیا، ویربھدر پّا نے طے کر لیا کہ کچھ بھی ہو نجلنگپا کی مزید تعلیم کا معقول انتظام کر کے ہی رہیں گے۔

1918ء کے اوائل میں، نجلنگپا خود ملیریا کا شکار ہو گئے، نقاہت اتنی تھی کہ میٹرک کا امتحان دے نہیں سکے، اور اُدھر محکمۂ تعلیمات کی ہدایات کہ مقررہ عمر سے کم کے طلباء امتحان دے نہیں سکتے۔ یہ دشواریاں حائل ہو گئیں۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر لگتی ہے کہ اگر ایک سال قبل یعنی 1918ء سے پہلے میٹرک پاس کر لیتے تو ویربھدر پّا کے خاندان کی تیمارداری و دیکھ بھال میں رکاوٹیں پیدا ہو جاتیں، اور یہ بھی مسئلہ تھا کہ مزید تعلیم کیلئے ٹمکور یا بنگلور کا سفر ضروری ہو جاتا۔

اگلے سال میٹرک کا امتحان دیا، اور اوّل درجے میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ چند ایک پرچوں میں انہوں نے مقرّرہ سوالات کی تعداد سے بڑھ کر جوابات لکھے۔ نتیجہ میں ایک سو نمبر کے مقابل ایک سو بیس (120) نمبر پائے۔!!!

اب اعلیٰ تعلیم کیلئے بنگلور یا ٹمکور جانا ناگزیر تھا، جہاں طلبا کے قیام و طعام کی سہولتیں

کھانا انہیں ناکافی ثابت ہورہا تھا' پھر بھی انہوں نے برداشت کیا' اور حصولِ علم میں جُٹے رہے' اور جلد ہی نئے ماحول میں خود کو ڈھال لیا۔

اُسی دن انٹرنس میں داخلہ بھی لے لیا' یہ وہ دَور تھا جب سکول کالجوں میں طلبا کی بھرمار نہیں ہوتی تھی' دراصل پڑھائی کیلئے' وہی آتے جنہیں تعلیم سے حقیقی دلچسپی ہوتی تھی' اس سے فائدہ یہ تھا کہ پرنسپل یا اساتذہ ہر طالب علم کے نام اتا پتہ' اور ذاتی صلاحیتوں سے' بخوبی واقف ہوتے تھے۔ درس وتدریس میں کہیں جھول نہیں ہوتا تھا۔ تبادلۂ خیال میں' آسانی اور اپنائیت ہوتی تھی۔

چونکہ نجلنگپّا نے اوّل درجے میں امتحان پاس کیا تھا' اساتذہ و ہم سبقوں نے' انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیہات سے آئے ہوئے لڑکے' شہر کی فضاء میں کھو جاتے ہیں' گندگیوں سے جلد یا بدیر آلودہ ہو جاتے ہیں' مگر نجلنگپّا کسی اور ہی مٹّی کے بنے ہوئے تھے' پختہ ذہن' حساس طبیعت' محنتی اور ہمدرد' جن کو صرف پڑھائی سے دلچسپی تھی' اور بس۔!!

1916ء میں انٹرنس پاس کرنے کے بعد سنٹرل کالج میں داخلہ لیا۔ اب کی بار خلافِ معمول انہوں نے سائنسی مضامین کے عوض' غیر سائنسی مضمون یعنی تاریخ کا انتخاب کیا' مگر انہیں اطمینان اس بات کا تھا کہ کورس میں فزکس اور کیمسٹری بھی شامل تھی۔ ان دنوں طلبا کا طور طریق' رہن سہن' عادات واطوار آج کے طلبا سے مختلف ہوا کرتے تھے۔ وہ بے راہ روی کا کم ہی شکار ہوتے تھے' جب کلاس نہیں ہوتی تھی تو وہ یا تو لائبریری چلے جاتے یا ساتھیوں کیساتھ علمی گفتگو میں مصروف ہو جاتے۔ دل ودماغ اور صحت' ان سب پر برابر دھیان ہوتا تھا۔

نجلنگپّا کو انگریزی اور کنڑ دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ تلگو اور تمل بولنے والے

ملی۔ یہاں بھی اُن کے قیام وطعام میں کوئی دشواری نہیں تھی۔ پھر بھی ٹمکور کی بہ نسبت بنگلور میں قیام' اور پڑھائی کی بات ہی اور تھی' بنگلور مرکزِ علم وفن تھا' جہاں ایک ہونہار طالب علم کیلئے پھلنے پھولنے کی ساری سہولتیں وافر' بڑے پیمانے پر مل سکتی تھیں۔ یہی سوچ کر نجلنگپّا نے اس وقت کے محکمۂ تعلیمات کے سربراہ ڈاکٹر کے۔سی۔ریڈّی کو ایک خط لکھا کہ ''میں ایک دور افتادہ دیہات کا رہنے والا ہوں' اور ایک غریب خاندان سے تعلق رکھتا ہوں' میرے پاس کسی بھی بڑے آدمی کا نہ کوئی سفارشی خط ہے' اور نہ ہی کسی کی مدد میسر ہے۔میرے سامنے صرف ایک راستہ رہ گیا ہے کہ آپ جیسے ہمدرد سے رجوع کروں' اور بھروسہ کروں' میں نے میٹرک کا امتحان فرسٹ کلاس میں پاس کیا ہے' اور سائنسی مضامین میں دلچسپی رکھتا ہوں' فی الحال بنگلور کے عوض ٹمکور کے کالج میں داخلہ کی اجازت ملی ہے' ٹمکور چند وجوہات کی بناء پر میرے لئے موزوں نہیں' اگر بنگلور میں میرا داخلہ ہوگیا تو میرے حق میں بہتر ہوگا۔اگر آپ اس سلسلے میں میری مدد فرمائیں تو ایک غریب دیہاتی کا بھلا ہوگا' ورنہ ایک غریب کی راہ میں رکاوٹ ہوگی''۔ٹمکور میں پڑھائی کا ارادہ ترک کرکے چتر ادرگا لوٹ آنے کے صرف ایک ہفتہ کے اندر کے۔سی۔ریڈی کی طرف سے منظوری کا پروانہ آ گیا۔

نجلنگپّا نے اس سے پہلے' بنگلور جیسا بڑا شہر' کبھی نہیں دیکھا تھا' اور یہاں رہ کر اس شہر کی اپنی طبیعت کے عین موافق بنانا تھا' اس کیلئے چتر ادرگا سے کوئی تیس میل کے فاصلہ پر واقع' ہولل کیرے ریلوے اسٹیشن تک پہنچنا ضروری تھا' جہاں سے انہیں پونا بنگلور ریل' بنگلور لیجا سکتی تھی۔ایک طویل کچا راستہ طے کرکے نصف شب کو ہولل کیرے پہنچ کر' ریل پکڑی' اور علی الصبح ریل سے اُتر کر' بنگلور کے مسافر خانے تک کا سفر پیدل طے کیا۔ہاتھ میں چھوٹا سا صندوق بھی تھا۔یہاں دیا جانے والا

نجلنگپا بھی‘ ان کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ گاندھی جی کو دیکھنے اور سُننے کے بعد پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ ہمیشہ کھدر کا لباس ہی پہنیں گے۔

سیاست میں داخلہ کی پہلی گھنٹی اس وقت بجی‘ جب تو گادپّا دھرم شالہ کی ادبی انجمن کی معتمدی کیلئے انتخاب لڑا۔ اُن کی انتخابی مہم ٹھوس انصاف پسندی‘ ایمانداری اور ہمدردی پر مبنی تھی‘ خدمت خلق کا جذبہ سرفہرست تھا‘ مگر اُن کے حریفوں نے ہوٹلوں میں ووٹروں کو دعوتیں دیں‘ اور یہ طریقہ کار نجلنگپا کو بالکل پسند نہیں تھا۔ حالانکہ اُن کی تائید کرنے والوں نے کچھ روپیہ لگانے کی پیشکش بھی کی‘ مگر نجلنگپا نے منظوری نہیں دی۔ یہی وہ ایماندارانہ اقدام تھا جو آگے چل کر‘ ان کی بے داغ زندگی کو ایک اہم سیاستدان کے روپ میں ڈھالنے والا تھا۔ حسنِ اتفاق سے‘ یہ انتخاب جیت گئے‘ اور اُن کی سرپرستی میں انجمن نے خوب ترقی کی‘ لائبریری کیلئے چندہ اور اس کا قیام‘ انہی کے دور میں عمل میں آیا۔

اس دھرم شالہ میں ٹھہرنے والے اکثر دیہات سے آنے والے تھے‘ مگر چند ایک نے سوچا کہ یہ دھرم شالہ اُن کی ذاتی ملکیت ہے‘ اور اس میں کسی اور کی مداخلت کی اجازت نہیں دیں گے‘ مگر نجلنگپا نے واضح کردیا کہ ایسی تنگ نظری‘ انجمن یا ادارے کیلئے مضر ہے۔ اس سے اتحاد متاثر ہوتا ہے‘ اور یہ کہ ایسا رجحان بسویشور کی تعلیمات کی نفی کرتا ہے‘ اس وضاحت کا ہر کسی پر خاطر خواہ اثر ہوا۔

1923ء میں وہ ملیریا کا شکار ہوگئے‘ اور بی اے کا پورا امتحان دے نہیں سکے۔ پھر بھی پارٹ ’A‘ کا امتحان دیا‘ اور پاس کرلیا۔ پر پارٹ ’B‘ پاس کرنے کیلئے مزید ایک سال تک انتظار کرنا پڑا۔ اسی سال انہوں نے جیا دیوا ہاسٹل میں داخلہ لیا‘ جس کے سرپرست میسور کے سابق دیوان کے پٹّنا چٹّی تھے‘ جو اُن دنوں لنگایتوں کے اہم لیڈر

ساتھیوں سے یہ زبانیں بھی کسی حد تک سیکھ لی تھیں۔

23/جولائی 1923ء کو سنٹرل کالج میں ''تلک ڈے''(یوم تلک) منایا گیا' جو ایک قومی رہبر کے اعزاز کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ عظیم رہبر' تلک تھے' جنھوں نے نعرہ لگایا کہ آزادی اُن کا پیدائشی حق ہے۔ گاندھی جی کی بھارت کو واپسی سے پہلے یہ تلک' بپن اور چندر پال اور لالہ لجپت رائے ہی تو تھے' جنھوں نے قومی آزادی کی جدوجہد شروع کی تھی' اور یہی تو کانگریس کے روح رواں تھے۔

جلسہ کے اختتام کے بعد' ان کے استاد میکلین نے' طلباء کو خوب لتاڑا' اُن پر ملک سے غداری کا الزام لگایا' اور طلباء کی بے اُصولی کی مذمت کی۔ اس سے ناراض ہو کر نجلنگپا کی قیادت میں طلباء نے ایک احتجاجی جلسہ کیا' اور استاد کے خلاف اعلیٰ افسران کے پاس تار بھجوائے' نتیجہ میں میکلین نے کھلے عام معافی مانگی' تب کہیں احتجاج ختم کیا گیا۔

نجلنگپا کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ واقعہ ان کی سیاسی زندگی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے' گاندھی جی کے ''ینگ انڈیا'' کا انھوں نے ہمیشہ بڑی پابندی' اور دلچسپی سے مطالعہ کیا۔ اُن کے نظریات پر غور وخوض کیا۔ ستیہ گرہ کے نظریہ سے اتفاق کیا۔ بہر حال رفتہ رفتہ اثر قبول کرتے گئے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی طرف سے شروع کی گئی تحریکِ آزادئ ہند کو' گاندھی جی کی قیادت سے' کافی تقویت ملی' اس سے پہلے کانگریس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ سرکار کے خلاف کبھی کبھار اِدھر اُدھر کوئی عرضداشت بھجوادی' کہیں چھٹ پُٹ' توڑ پھوڑ کرادی' اور بس! مگر گاندھی جی نے اُسے ایک پرامن احتجاج میں تبدیل کرڈالا۔

اِس دوران گاندھی جی' بنگلور تشریف لائے' تو دوسرے نوجوانوں کی طرح

اور نہ ہی کوئی غلط حرکت کی۔ حسبِ عادت، پوری دلجمعی سے قانون پڑھا، اور دل و دماغ کو منور کرلیا۔ ساتھ ساتھ مراٹھی بھی کچھ کچھ سیکھ لی۔

انہوں نے کرکٹ اور ٹینس کھیلا، تھیٹر کیا، کلاسیکی موسیقی کو انہماک سے سُنا، اور پسند کیا۔ انہیں شمال اور جنوب دونوں کے موسیقاروں سے واقفیت تھی، انہیں مصوّری سے بھی کافی دلچسپی تھی۔ وہ نہ صرف برائے نام کھیل کود میں دلچسپی رکھتے تھے، بلکہ ایک اچھے کھلاڑی کی طرح، زندگی کے ہر شعبہ میں اس جذبہ کو روا رکھا۔ گاندھی جی کے پرستار ہونے کے ناطے، اپنی روز مرّہ زندگی میں بھی انہی کے معمولات کو پسند فرمایا، اور اس پر عمل کیا۔

پونہ میں میسور سے آئے ہوئے طلبا یوگا شرم ہوسٹل میں ٹھہرتے تھے، جہاں مراٹھی طلباء سے ان کی وقتاً فوقتاً نوک جھونک چلتی ہی رہتی تھی۔ نتیجہ میں تھک ہار کر انہوں نے اپنا ایک الگ ہی ہوسٹل بنالیا۔ نجلنگپّا نے پہل کی، اور ایک مہتمم کی ذمہ داری سنبھال لی۔ سُبنّا نامی ایک باورچی کو میسور سے بُلایا گیا، جس کے بعد صبح شام ہر کسی کو اپنا پسندیدہ لذیذ میسوری پکوان ملنے لگا۔ اُن کے دورِ معتمدی میں، یہ ہوسٹل ایک ثقافتی مرکز کی حیثیت اختیار کرتا گیا، اور وہاں کیلاسم کا مشہور کنڑا ڈرامہ ''تولوگٹّی'' سٹیج کیا گیا، جس کی ہدایت نجلنگپّا نے کی۔ حتیٰ کہ ہیرو کا کردار بھی انہی نے بخوبی نبھایا۔

ہال واگلو کے قیام کے دوران، انہوں نے تیرنا سیکھ رکھا تھا، پونہ آ کر اپنا کچھ فالتو وقت تیرنے میں گزارتے تھے، جس کیلئے شہر کے قلب میں واقع ایک تالاب پسند آ گیا تھا۔ اس تالاب میں ایک ڈوبتے لڑکے کی جان بچا کر، یہ راتوں رات پورے شہر میں مقبول ہو گئے۔

دسمبر 1924ء میں کرناٹک کے شہر بلگام میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا،

تھے۔ان کی سخت مزاجی اور حاکمانہ برتاؤ سے نالاں ہاسٹل کے طلبا نے احتجاج کیا۔مجلسِ منتظمہ اور طلباء کے درمیان،بات چیت میں نجلنگپّا کی حکمتِ عملی اور پرزور دلالت سے پٹّنا بہت متاثر ہوئے،اور اُن کے اعزاز میں دی گئی ایک دعوت میں (خود اپنے گھر پر) یہ اعلان کیا کہ نجلنگپّا کا مستقبل بے حد شاندار ہے۔

بی اے پاس ہونے پر،ماں نیلمّا مربی ویر بھدرپّا،اور دیگر اہل خانہ کو بیحد خوشی ہوئی،اب سوال یہ تھا کہ اُن کے سامنے کھلی راہوں میں سے کس کا انتخاب کیا جائے،نوکری کریں یا تعلیمی سلسلہ جاری رکھیں،خواہش تھی کہ نوکری کے ساتھ،پڑھائی بھی کرتے رہیں۔قانون پڑھنا بہتر لگا،مگر ان سب کیلئے مزید دو سال درکار تھے۔پیسہ بھی تو چاہئے تھا۔نجلنگپّا کو یہ خیال کھائے جارہا تھا کہ اپنے مربیوں پر تکیہ کرنا،ان پر مزید بوجھ بننا ہے۔بہی خواہوں نے مشورہ دیا کہ نوکری کرلیں۔گھر گرہستی سنبھالیں،اور یہ کہ اُن دنوں بی اے پاس نوجوان کیلئے نوکری کا ملنا آسان تھا۔

ایک خالص سچے گاندھی وادی کی طرح،روزانہ کے معمولات میں توازن برقرار رکھنا پسند تھا،صحت مند غذا،اور ورزش انہیں محبوب تھی۔خدمت ملک وقوم کے پیشِ نظر وکالت کا پیشہ بہتر لگا۔ویسے بھی بچپن ہی سے انہیں سرکاری نوکری پسند نہیں تھی۔پتہ تو تھا کہ ایک وکیل کی زندگی ہمیشہ خوشحال نہیں ہوسکتی،پھر بھی ان کی رائے تھی کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہے۔وکالت پڑھنے کا مشورہ،ویر بھدرپّا اور جیادیوا سوامی جی نے بھی دیا،اور مالی امداد کی پیشکش کی۔اُن دنوں پورے کرناٹک میں لاء کالج کہیں نہیں تھا،طلبا کو مدراس یا پونہ جانا پڑتا تھا،ردرپّا اور چند ایک بہی خواہوں نے داونگیرے میں پیسہ اکٹھا کیا،اور انہیں پونہ روانہ کرہی دیا۔جہاں کا،فرگوسن لاء کالج بہت مشہور تھا،کلاس روم میں طلبا کی حاضری کم کم ہی ہوتی تھی۔غلط حاضری لگائی جاتی تھی،مگر نجلنگپّا نے نہ کبھی ناغہ کیا،

گاندھی جی کی اندھی تقلید پر نجلنگپّا ایمان نہیں رکھتے' مگر اُن کے کئی ایک اُصولوں سے برابر اتفاق کرتے ہیں' اور اُن پر پوری ایمانداری سے عمل پیرا ہیں۔

1926ء میں انہوں نے قانون کے دوسرے سال کا امتحان دیا' اور کامیابی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ نصابی کتابوں کے علاوہ انہوں نے قانون وادب پر بہت ساری مفید کتابوں سے استفادہ' بہت پہلے ہی کرلیا تھا۔

قانون کی تعلیم مکمل کرلینے کے بعد وہ چترادرگا لوٹ آئے' اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ چند ایک کی رائے تھی کہ ایسے راست باز ہمدرد شخص کیلئے یہ پیشہ کچھ دے نہیں سکتا' مگر نجلنگپّا نے ہمیشہ یہی کہا کہ پیسہ کمانا ہی مقصود زندگی نہیں ہے' اور یہ کہ انہوں نے یہ پیشہ کوئی برتری جتانے کی غرض سے نہیں اختیار کیا ہے' بلکہ جذبۂ خدمتِ خلق ہی ان کا نصب العین ہے' اور اس کی اس پیشہ میں کافی گنجائش ہے۔

سولہ سال حصولِ علم کی تگ ودَو کے بعد جب وہ اپنی ماں کا آشیرواد لینے کیلئے ہالواگلو لوٹے تو ماں کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ رہا۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی پُرانی یادوں کو پھر سے آواز دی' سنٹرل کالج کے اساتذہ کو یاد کیا' جن میں کنڑا کے نامور پروفیسر وینکنیا بھی شامل ہیں' اور پھر مستقبل کی طرف قدم بڑھانے لگے۔ طالب علمی کا دَور ختم ہوچکا تھا' اور اب خاندان کیلئے روٹی فراہم کرنے کی فکر لاحق ہوگئی۔

یہ باب اور اگلا باب' نجلنگپّا پر لکھی' ڈی جا گو کی تصنیف'' کرناٹکا رووری'' سے ماخوذ ہے۔

جس کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ گاندھی جی نے صرف اس سالانہ اجلاس کی صدارت فرمائی، قبل آزادی کانگریس کا سالانہ اجلاس بہت اہمیت رکھتا تھا' اس کی حیثیت تاریخی ہوتی تھی' جس میں پورے ملک کے لوگ دلچسپی لیتے تھے۔ آج کی طرح وہ اجلاس رسمی بالکل نہیں ہوتا تھا' یہاں پہنچتے پہنچتے' نجلنگپّا کو کانگریس کا مجلسِ منتظمہ کا رکن بنادیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں شرکت کا انہیں بہت اشتیاق تھا کہ وہاں کانگریس کے اہم لیڈروں کو دیکھنے اور سُننے کا زرّین موقع ملے گا' مگر وہاں کے ڈیلی گیٹ فیس' اور پھر قیام وطعام' سفرخرچ وغیرہ کون برداشت کرے گا۔ خوش قسمتی سے ان کے ایک ہم جماعت کے امیر باپ نے یہ' مشکل نہ صرف حل کردی بلکہ اپنے بیٹے کیساتھ انہیں بھی ساتھ لے لیا۔ پھر بھی پیسوں کی تنگی کی وجہ سے' ایک ہی ڈیلی گیٹ ٹکٹ لے کر دونوں دوستوں نے اجلاس میں باری باری شرکت کی' دو دو گھنٹے یکے بعد دیگرے بیٹھ کر' اجلاس میں شرکت کا تجربہ ان کیلئے بیحد کارآمد ثابت ہوا' اور اپنے اندر غیر معمولی تبدیلی محسوس کی۔ بلگام سے لوٹنے کے بعد بھی' اکثر ایسا محسوس کرتے' جیسے وہ ابھی اس اجلاس میں بیٹھے ہیں' اور عظیم لیڈروں کو غور سے سُن رہے ہیں۔ تقریریں کانوں میں گونج رہی تھیں' تو گاندھی جی کی پرکشش شخصیت دل ودماغ پر چھا گئی تھی' اب تک ہندوستان کی تحریکِ آزادی کی تاریخ میں' گاندھی جی کی بروقت آمد وقیادت کافی معنی رکھتی ہے۔ پُرامن احتجاج وستیہ گرہ کا تصوّر دنیا کی تحریکوں کی تاریخ میں ایک نیا موڑ تھا' دراصل یہ ایک نئے دَور کے آغاز کا پیش خیمہ تھا۔

عملی سطح پر دیکھا جائے تو یہ قومی نظریہ' شیرازہ بندی کی طرف' ایک مثبت قدم تھا۔ گاندھی جی کی نظر میں آزادی کا مطلب محض سیاسی آزادی نہیں تھا ایک ایسا انقلابی تصوّر تھا' جس کی بنیاد ٹھوس قربانی' رُوحانی اور اخلاقی روایات پر قائم تھی۔ گوکہ آج

بو جھ کم کر سکیں، مگر اس تجویز کو ویر بھدر پّا نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ انہیں یہ بالکل پسند نہیں کہ وہ ان سے الگ رہیں' اور یہ کہ انہیں اپنے گھر کے ایک فرد کی طرح بدستور رہنا ہے' اور یہ کہ شادی تک یہیں رہنا ہوگا۔

بڑے ہی انہماک اور محنت سے اپنی نئی زندگی کی منصوبہ بندی شروع کر دی' اُن کا یقین تھا کہ ایمانداری اور محنت وسنجیدگی سے روٹی کمائی جا سکتی ہے' مگر یہ بھی جانتے تھے کہ لازوال طمانیت کیلئے پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے' یہ تو بس ایک چھوٹا سا ذریعہ ہے۔ دراصل محنت کا پھل' محنت ہی ہے' جیسا کہ عظیم مصلح سری بسویشور نے اپنے وچنوں میں فرمایا ہے۔

صرف ایک سال کے اندر نوجوان وکیل نے' اپنے پیشہ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی' اس استحکام وترقی کا واحد ذریعہ خوش اخلاقی' محنت' ہمدردی اور نیک نیتی پر مبنی تھا۔ کافی شہرت ملی' ایسی لازوال صلاحیتوں والے انسان کا کوئی دشمن نہیں ہوسکتا۔ گاندھی جی کی تعلیمات بھی یہی تھیں' جن پر اُن کا ایمان تھا۔ دوسرے وکیلوں کی طرح جھوٹی شہادتیں پیش کرنا' بے اُصولی جھوٹ موٹ سے پیسہ بٹورنا وغیرہ ان کے مزاج کے خلاف تھا' خامیوں سے پُر' غبن وغیرہ کے کمزور مقدموں سے ہمیشہ گریز کرتے۔ ان باتوں کی کافی تشہیر ہوئی' اور عوام نے انہیں خوب سراہا۔ لوگ اُن کے پاس ایک ایماندار و ہمدرد وکیل سمجھ کر کھنچے کھنچے چلے آتے۔ کسی بھی مقدمہ کی ہار جیت سے یہ بالاتر ہو کر اپنے پیشہ میں جُٹے رہتے۔ یہ شانِ بے نیازی ان کے کردار کا ایک عظیم وصف بنی رہی ...... یہ کہہ کر چپ ہو جاتے کہ مقدمہ' ایمانداری سے لڑا ہے۔ اور بس۔!!

چونکہ وہ خود ایک غریب دیہاتی تھے' فیس کم ہی لیتے تھے' اور کسانوں کو نصیحت

2. وکالت اور گھر گرہستی

وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کیلئے، قانون کی ڈگری اور حکومت کی طرف سے اجازت نامہ ہی کافی نہیں تھا، بلکہ ایک تجربہ کار سینئر وکیل کے پاس ماتحت کی حیثیت سے تربیت پانا بھی ضروری تھا۔ اس سلسلے میں ایک سینئر وکیل کی تلاش شروع ہوئی، اتفاق سے شہر کے تمام وکیل ایک ہی ذات یعنی برہمن طبقہ سے تھے، لنگایتوں اور برہمنوں میں ہمیشہ سے تضاد چلا آیا تھا، اور کوئی بھی برہمن سینئر وکیل انہیں اپنی سرپرستی میں لینے سے کترارہا تھا۔ گو کہ کھلم کھلا انکار تو نہیں کیا، تاہم کسی نہ کسی طرح ٹال ہی دیا۔

اس صورتحال سے مایوس ہوئے بغیر، حسبِ عادت، تنِ تنہا وکالت شروع کر ہی دی۔ حُسنِ اتفاق سے پہلے ہی، دن، جیسے ہی اُنہوں نے کالا کوٹ پہنا، ان کے پاس ایک موکّل حاضر ہوا، جس کو ایک اقرار نامہ کے تحت کسی سے ایک ہزار روپے وصول کروانے تھے۔ کیس تو سیدھا سادھا تھا، پر مقدمہ دائر کرنے کے طریقہ سے ناواقف نجلنگپّا کو ایک وظیفہ یاب منشی سے اس سلسلے میں مدد لینی پڑی، نجلنگپّا کی پیشہ ورانہ ایمانداری دیکھئے کہ انہیں یہ مقدمہ جیتنے سے جو پچیس روپے کی فیس ملی، اُس میں سے انہوں نے پانچ روپے اُس منشی کو بخوشی دے دئے، منشی کو حیرت ہوئی کہ پانچ روپے کی بڑی رقم اُن کی مدد یا محنت سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ اُنہوں نے انکار تو کیا، پر نجلنگپّا کی گذارش پر معاوضہ لے لیا۔ نجلنگپّا نے بقیہ روپیوں میں سے پانچ روپے کی، نام کی تختی بنوائی، اور ویربھدریّا کے گھر کے پچھواڑے میں لگوادی۔ جب اُن کی حیثیت ایک کماؤ کی ہوگئی تو انہوں نے سوچا کہ کوئی گھر اپنے ذاتی استعمال کیلئے کرایہ پر لے لیا جائے، تا کہ اپنے بوڑھے مربی کا

ایک لڑکی ڈھونڈ نکالی۔ یہ لوگ کیم بھاوی مقام سے تھے' جہاں مشہور شو بھکت بھوگنّا کا جنم ہوا تھا۔ ان کے خاندانی دیوتا بھی کیم بھاوی کے بھگوان بسویشور ہی تھے۔ ان کے گرو' ضلع بلاری کے پاس کے کولور مٹھ کے سوامی جی تھے۔ لہسن کے کاروبار میں جٹے ہوئے یہ لوگ' برسوں پہلے یہاں مقیم ہو گئے تھے۔ بیلّلی چَن بسپّا کے کل دس بچے تھے' جن میں بیٹی مری گمّا کا نواں نمبر تھا' جن کی پیدائش 20 ستمبر 1910ء کو ہوئی۔ انہوں نے مڈل سکول تک تعلیم حاصل کی تھی۔ جب نجلنگپّا اور مری گمّا کی جنم کنڈلیاں ملائی گئیں تو جیوتشی نے بتایا کہ جو بھی اس لڑکی سے بیاہ کرے گا خوش نصیب ہوگا۔ اسے کافی شہرت ملے گی' اور ان کے گھر کے پاس تین کاریں ہوں گی۔ یہ خاندان داونگیرے کا مشہور خاندان تھا۔ دوستوں نے صلاح دی کہ یہ رشتہ بہت موزوں ہے۔ گھر بار خوشحال' معزز ہر لحاظ سے بہتر۔ لڑکی کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔

اِدھر نجلنگپّا کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی' ایک غریب وکیل کو کیسے پسند کریگی یا قبول کرے گی۔ دوستوں نے کہا کہ شادی پر خرچ کرنے کیلئے ان کے پاس زیادہ رقم نہیں ہے' اور یہ کہ سونے کے زیورات وغیرہ خرید نہیں سکتے۔ انہوں نے کہا کہ لڑکی کے بھائی سے اس سلسلے میں بات کر لی جائے تو بہتر ہوگا۔ جواباً' لڑکی والوں نے یقین دلایا کہ لڑکی کو زیورات میں دلچسپی نہیں ہے۔ انہیں ایک تعلیم یافتہ شوہر چاہئے' بس۔ طے ہوا کہ مُری گمّا اور اُن کے بھائی کی شادی بہ یک وقت کر دی جائے۔ ماں نیلمّا اور خالہ ساوکّا نے لڑکی پسند کر لی' اور شادی میں صرف ایک زیور' یعنی منگل سوتر ہی لے جا سکے۔ نجلنگپّا نے فضول خرچی سے بچنے کو کہا۔ جوڑے جہیز کے بھی خلاف تھے۔ بہر حال طمطراق انہیں پسند نہیں تھا۔ ان کی نظر میں اخلاقی وجسمانی طہارت بہت اہمیت رکھتی تھی۔ لگتا تھا کہ دولہا' دلہن ایک

بھی کرتے رہتے تھے کہ صبر سے کام لیں' مقدمہ بازی سے دُور رہیں۔ اپنی قلیل آمدنیوں کو فضول مقدموں پر صرف نہ کریں۔ اُن کا رشتہ موکلوں سے بالکل ہمدردانہ ہوتا تھا۔ احساسِ برتری تو تھا ہی نہیں' خلوص اور نیک نیتی کی لوگ کافی تعریف کرتے۔ نتیجتاً ایک اچھے وکیل کی حیثیت سے ان کا نام نہ صرف چتر ادرگا بلکہ پورے کرناٹک میں ہوگیا' ایک کامیاب' خوبرو' ایماندار و غمگسار وکیل کو دامادی میں لینے کی کوششیں زور پکڑنے لگیں۔ دوستوں کا اصرار بڑھنے لگا۔ ماں نیلمّا نے ایک روایتی ہندوستانی ماں کی طرح ایک اچھی بہو اور پوتے پوتیوں کی خواہش ظاہر کی۔ دوستوں نے خوبصورت دلہن کی تلاش شروع کر ہی دی' اور آخر کار چار مناسب لڑکیوں کی ایک مختصر فہرست ترتیب دے ڈالی۔ نجلنگپّا کا خیال تھا کہ روایتی انداز کی شادی مناسب ہوگی' جس میں ماں کی پسند کا دخل ہو۔ دوستوں نے ایک بار ایک لڑکی دکھائی بھی جو ایک مالدار کی بیٹی تھی۔ گھر پر اُن کی اچھی تواضع بھی کی گئی۔ نجلنگپّا نے بغلیں جھانکیں' دوستوں نے چھیڑا بھی' پسند پوچھی گئی تو جواب دیا کہ صاحب خانہ نے ان کی اتنی خاطر مدارات کی ہے تو انکار کیسے کیا جائے۔ دوستوں کو اس بھولے پن پر ہنسی آ گئی۔ اُنہوں نے بتایا کہ لڑکی اَن پڑھ ہے' اور یہ رشتہ منظور نہ کرنا بہتر ہوگا۔ نجلنگپّا نے مزید کہا کہ نہیں نہیں۔ ایسا کریں گے تو لڑکی کا باپ کیا نہیں سمجھے گا۔ اس کو دکھ ہوگا۔ دوستوں کی اس بات پر خاموش ہوگئے کہ کسی لڑکی کو دیکھتے ہی پسند کرلینا دانائی نہیں ہے' اگر ایسا ہوا تو دیکھی گئی ہر لڑکی سے شادی ضروری ہو جائے گی۔

نجلنگپّا کا خیال تھا کہ کسی بھی لڑکی کے گھر جانے سے پہلے متعلقہ تفصیلات حاصل کرلینا چاہئے' تاکہ فیصلہ کرنے میں دشواری نہ ہو۔ دوستوں کو یہ بات پسند آئی۔ آخر کار

پیسہ کا لالچ کبھی نہ تھا۔ اس سے سکون ہی سکون' خوشگوار ماحول' اپنے پاس زیادہ پیسہ نہ سہی' اصل کمائی تو موکلوں کی دعائیں' تعاون اور اپنے ساتھی وکیلوں کی بے پناہ چاہت تھی' جس دن کوئی مقدمہ جیت جاتے گھر میں عید کی سی فضا ہوتی۔

جیسے جیسے کام کا دباؤ بڑھتا گیا' انہوں نے کم عمر جونیئر وکیلوں کو دفتر میں رکھنا شروع کیا۔ انہیں پیشہ کے داؤ پیچ سے اچھی طرح واقف کرایا' جس سے وہ بھی اپنے پیشہ میں بتدریج ماہر ہونے لگے۔ ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی سطح بھی بلند ہوتی گئی۔ بالخصوص موکلوں کے تئیں ہمدردی و غمگساری کی خُو' اُن سب کے اندر جڑ پکڑنے لگی۔ اِس سے اُس پیشہ میں داخل ہونے کا' اُن پر اعتماد بڑھ گیا۔ گویا یہ ایک مشعل بردار تھے۔!!

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے جونیئر وکیلوں کو باقاعدہ ہر ماہ حقِ محنت دے دیتے تھے۔ صرف تین سال میں ان کی ماہانہ آمدنی ایک ہزار روپے ہوگئی۔ جو اس زمانے میں ایک قابلِ لحاظ رقم تھی' مگر نجلنگپّا اپنی آمدنی کا کچھ حصہ پس انداز کرنے یا جائیداد بنانے وغیرہ کے حق میں نہیں تھے۔ دلچسپی ہی نہیں تھی۔ پھر بھی ایک خیال' ضرور تھا کہ خاندان کو ایک عدد ذاتی مکان کی ضرورت ہے۔

بچوں کی آمد کے ساتھ ساتھ' خاندان بڑھتا گیا' 1928ء میں پاروتی اور پھر 1930ء میں اوما کانت' اور 1932ء کو دوسرے بیٹے راج شیکھر کی پیدائش ہوئی۔ اب اپنے کنبے کو ایک کشادہ گھر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ نجلنگپّا نے وینکٹیش پورہ ایکسٹنشن میں ایک مکان خرید کر حسبِ ضرورت ومنشاء' چند ایک معقول تبدیلیں کروائیں۔ ہوا روشنی کی کافی گنجائش نکل آئی۔ اس مکان میں باہر سے آنے والے موکلوں کے قیام کیلئے بھی گنجائش رکھی کہ بے چارے اجنبی شہر کی بے رحم راتوں سے بچیں۔

وہ گھر' خوبصورت نہ ہوتے ہوئے بھی بنیادی ضرورتوں سے مسلّح تھا' ماں اور بیوی

دوسرے کیلئے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔ دولہا روایتی انداز کی پگڑی باندھے کالر کا کوٹ پہنے کافی جاذبِ نظر لگ رہا تھا' تو اُدھر دُلہن اپنے قدرتی حسن وسادگی سے بیحد خوبصورت لگ رہی تھی' باوقار لگ رہی تھی۔

مُری گمّاؔ کو صرف کنڑ آتی تھی' وہ راست گو اور محنتی تھیں' خوش اخلاق تھیں' ایک ہندوستانی مثالی بیوی کی طرح' اپنے شوہر' اور گھر بار کی خدمت کرنا' اپنا فرضِ عین سمجھتی تھی' اور اِدھر نجلنگپّاؔ نے بھی ایک اچھے شوہر کے فرائض میں کوئی کوتاہی نہیں کی' جس سے ان کا ازدواجی رشتہ بہت مضبوط ہو گیا۔

شادی کے فوراً بعد ایک الگ گھر میں منتقل ہو گئے۔ ایک قلیل عرصہ تک مُری گمّاؔ اپنے والدین کے گھر رہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ داونگیرے میں رہ رہی تھیں' نجلنگپّاؔ کے کئی ایک مقدمے' داونگیرے کی عدالت میں بھی تھے' جن کی پیروی کیلئے وہ ہر ہفتہ کی صبح چترادرگا سے داونگیرے پہنچ جاتے' شام تک عدالت میں مقدمے پیش کرتے' اور شام کو گھر چلے جاتے۔ اتوار بیوی کے ساتھ گھر پر گزار کر' پیر کی صبح چترادرگاہ واپس چلے آتے۔ کبھی کبھار شیموگہ کی عدالت کا بھی چکّر کاٹ لیتے۔ آخر کار 1927ء میں انہوں نے اپنا ایک الگ گھر بنا ہی لیا' جس میں اپنی ماں اور بیوی رہتے تھے' اور یہ مکان اپنے دیرینہ مربّی ویریھدرپّاؔ کے گھر کے پچھواڑے میں تھا۔ نجلنگپّاؔ کی گذارش کے باوجود ویریھدرپّاؔ نے ان سے کرایہ نہیں لیا۔ صرف اتنا کہا کہ اگر انہیں کسی قسم کی تکلیف یہاں ہو رہی ہو تو شوق سے کہیں اور جا کر رہ لیں' ورنہ جب تک نجلنگپّاؔ اپنا ایک مکان خود ہی تعمیر نہیں کروالیتے کہیں اور جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس بے پناہ اپنائیت کے آگے' نجلنگپّاؔ آخر کیا کہتے !!۔ وہ رک گئے' گھر میں ماں کا پیار' بیوی کی محبت اور بے لوث خدمت' بس اور کیا چاہئے۔

سخت مزاجی بھی دیکھی۔ کئی ایک اراکین نے بقایا فیس بھری، اور کلب پھر سے فعّال ہوگیا۔ یہ واقعہ ان کی زندگی میں کافی اہمیت رکھتا ہے۔

سرکاری ارکان نے کلب کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ رکھا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ غیر سرکاری، اور سرکاری ارکان میں برابری ممکن نہیں۔ سرکاری ارکان کو برتر درجہ ملنا ہوگا، اور پھر مقامی غیر سرکاری ارکان کو ان کا شکر گذار بھی کہ کلب کی رکنیت کا شرف بخشا۔ نتیجتاً دونوں فریق میں ٹھن گئی، اور بعد ازاں غیر سرکاری ارکان نے اپنا ایک الگ کلب کھول لیا، مگر اس تبدیلی کا اثر یہ ہوا کہ سرکاری کلب برائے نام ہی رہ گیا۔ آمدنی گھٹ گئی، ضلع انتظامیہ کے سربراہ ڈپٹی کمشنر نے مداخلت کی، دونوں فریق سے تبادلۂ خیال کے بعد دونوں کو ملا دیا۔ کلب کی رونق لوٹ آئی۔ نجلنگپّا نے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ ہمیشہ امن و آشتی، اتحاد و اتفاق کے علمبردار تھے۔ اختلافِ رائے اسی وقت ممکن تھی جب کوئی غیر اُصولی مسئلہ کھڑا ہو جاتا۔ گاندھی وادی ہونے کے ناطے فروعی معاملات سے سمجھوتہ کیا۔

ان کی روزمرّہ زندگی با اُصول تھی، صبح پانچ بجے اُٹھنا، رات کے دس بجے بستر پر دراز ہو جانا، گھڑی کی سوئیوں کی طرح جٹے رہنا۔ ہر پل کوئی نہ کوئی مصروفیت، صبح کی معمولات سے فارغ ہوتے ہی، آٹھ بجے دفتر کا رُخ، پہلے اخبار بینی، پھر ماتحتین کو مناسب ہدایات، اس دن کے مقدموں کے فائلوں کی ورق گردانی، اس دوران باہر سے آئے ہوئے لوگوں سے تبادلۂ خیال، اور پھر عدالت کی روانگی، دوپہر کے دو بجے گھر پر کھانا، کسی جرم پر مبنی کیس ہوتا تو عام طور پر دوپہر کا کھانا ناغہ کر دیتے، عموماً چار بجے گھر پر چائے پیتے، یہی وہ وقت تھا جب گھر والوں سے بات چیت ہوتی۔ ماں، بیوی، بچوں کے ساتھ گپ شپ، ہنسی مذاق، تھوڑی دیر چہل قدمی، اور پھر

نے اس کی پا کی صفائی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

نجلنگپّا نے، اپنا جو عام لباس تھا، ترک کر کے مستقل طور پر کھدر پہننے کی عادت ڈال لی۔ کہتے تھے کہ کھدّر روحانی وجسمانی طہارت کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ وقت کی بہت قدر کرتے تھے، ایک پل بھی ضائع نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ مصروف، وقتاً فوقتاً باغ بانی کر لیتے، ان کی نظر میں کوئی بھی کام کمتر نہیں تھا، ہر کام باعثِ تسکین۔

انہوں نے مقامی افسروں کے کلب میں داخلہ لیا، اور اس کی کارروائیوں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نتیجہ میں کلب کا معتمد بننا پڑا۔ جہاں کلب کے حساب کتاب کی ذمہ داری بھی نبھانی پڑی۔ انہیں پتہ چلا کہ، ارکان نے بہت ساری مُراعات کلب کی فیس بھرے بغیر ہی حاصل کر لی ہیں۔ جن میں ایک منصف بھی شامل تھے۔ ایسی بے اعتنائیوں سے کلب کو بچانے کی خاطر، انہوں نے فیس طلب کی، جس سے وہ اراکین برہم ہوگئے۔ نجلنگپّا کو اس کا بخوبی علم تھا کہ ان کی ناراضگی کا اثر ان کی وکالت پر بھی پڑ سکتا ہے، مگر وہ کسی سے خائف یا خوفزدہ ہونے کے عادی نہیں تھے۔ ان تمام اراکین کو نوٹس دی گئی کہ بقایا فیس بھرتی کروادیں، تاکہ رکنیت کی بحالی کی راہ ہموار ہوسکے۔ منصف موصوف نے محاذ کھڑا کر دیا، مجلسِ عامہ کی میٹنگ کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے نجلنگپّا نے فوری اقدام کیا، منصف کی بے جا حرکتوں پر توجہ مبذول کروائی، اجلاس نے ایک قرارداد کے ذریعہ منصف کے رویہ کی مذمّت کی، اور حکومت کو بھجوادی، جس کے نتیجہ میں اُن کا تبادلہ ہوگیا۔ اس واقعہ سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ نجلنگپّا نے بے انصافی، بے راہ روی، بے اُصولی اور اجارہ داری سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔ کبھی اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ اُن کے مقابل، آدمی، طاقتور ہے کہ بارسوخ۔ یہ اُن کے کردار کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے۔ لوگوں نے جہاں ان کی نرم مزاجی کے نمونے دیکھے، وہیں ان کی اُصول پرستی اور

کرنے کیلئے' دیوی دیوتاؤں کے آگے ہاتھ جوڑے بھی تو رسماً' البتہ بزرگوں کے سامنے سر جھکایا ہے کہ اُن میں ایک رُوحانی کشش محسوس کی ہے۔ میں جب بھی راج گھاٹ برنداون' ایڈیور اور مہادیشورا کی پہاڑیوں پر گیا ہوں' اپنے اندر ایک عجیب سی بیداری محسوس کی ہے۔اس وقت مَیں اس بیرونی دنیا کو بالکل بھول جاتا ہوں۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نجلنگپّا کا تمام خداؤں پر ایمان ہے' تمام مذاہب کے تقدس کے قائل ہیں' اپنی ماں کے اندر انہوں نے ایک غیبی روشنی وطاقت محسوس کی ہے' تین پوتے پوتیوں کی پیدائش پر ماں کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ بہو سے محبت بڑھ گئی۔

ماں کی' ہال واگلو سے روانگی کے فوراً بعد نجلنگپّا کی بڑی بہن پٹمّا نے جنہوں نے اپنے ماموں سے شادی کی تھی' اور نجلنگپّا کے بڑے بھائی جن کی تعلیم واجبی تھی' اپنے اپنے اہل خانہ کے ساتھ چترادرگا آ کر ان کے ساتھ رہنے لگے' بڑے بھائی کیلئے انہوں نے ایک دوکان کا انتظام کروادیا۔حتیٰ کہ اپنی کمائی میں اپنے کم نصیب بھائی کو بھی شامل کرتے رہے' سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنے بھانجے بسوراج کی پرورش کی ذمہ داری بھی نبھائی۔

بیوی مُرِی گمّا نے ایک بار صلاح دی کہ اپنے بچوں کی پڑھائی لکھائی اور مستقبل کے بارے میں بھی کبھی کچھ سوچیں' اور تھوڑی سی رقم پس انداز کر کے بُرے وقتوں کیلئے اُٹھا رکھیں۔ نجلنگپّا نے ایک وچن سری بسویشور کا سُنایا کہ' کل کی خاطر کسی کو آج کی خوشیوں سے محروم نہیں کرنا چاہئے۔ بیوی لاجواب ہوگئیں' مگر اندر ہی اندر یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ آگے کیا ہو' پھر اصرار کرنے پر نجلنگپّا نے ناراض ہو کر کہا کہ دیکھو تم میرے ساتھ اتنے برس رہ کر بھی مجھے سمجھ نہیں سکی ہو۔ میرا بھائی بدنصیب ہے' اَن پڑھ' غریب

کلب کا رُخ، جہاں ایک گھنٹہ ٹینس کھیلتے، جو انہیں محبوب تھا، گو کہ ہاکی اور کرکٹ کا بھی شوق تھا، ٹینس کے بعد ایک گھنٹہ تاش سے جی بہلاتے، پھر گھر لوٹ آتے۔ رات کا کھانا، کسی انگریزی ناول یا ڈرامے کا مطالعہ، اس وقت تک جب تک کہ نیند نہیں آ جاتی۔ رات کے دس بجے عموماً بستر پر دراز ہو جاتے۔

ہمیشہ مصروف رہنے کا سبق ماں سے پڑھا تو حکمتِ عملی نانا سے سیکھی، ماں کی بات ٹالنا بالکل پسند نہیں تھا۔ ماں چونکہ پُرانے خیالات کی تھیں، چند ایک باتوں سے اتفاق نہ کرتے ہوئے بھی ماں کی خاطر مان جاتے۔ مثلاً ہر دن صبح نہانے کے فوراً بعد لنگا کی پوجا کرنا، نجلنگپّا کا صرف خدا پر ایمان تھا۔ بندھے ٹکے رسم ورواج یا عقائد کے قائل نہیں تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ بھگوان شیو ہر جگہ ہر چیز میں ہمیشہ موجود ہیں، کہتے تھے کہ اشٹالنگا جیسی مورتیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اُپنشد کے بے شکل خدا پر ایمانِ کامل کہ وہ سب سے زیادہ قوی ہے، اس کی ذات ناقابلِ فہم وتشریح ہے۔ انہیں خاموش عبادت پسند تھی۔ باطنی نیکیوں کے فروغ کے حامی، جس سے بنی نوعِ انسان کی بہتری ممکن ہو سکے کہ یہی وہ زینہ ہے، جو خدا تک لیجا سکتا ہے، یہی وہ نذرانہ ہے، جو خالق کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

13/ اکتوبر 1983ء کو پروفیسر جوارے گوڈا کو اس موضوع پر دئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا۔ ''مجھے اس بات کا علم ہے کہ ہر چیز کے قلب میں ایک غیبی طاقت ہوتی ہے، میں نے کائنات پر نظر ڈالی تو محسوس ہوا کہ مَیں بھی اس کا ایک اٹوٹ حصہ ہوں۔ تخلیق کائنات پر غور وخوض، ایک عظیم عبادت ہے۔ جس سے خدا کی بے پناہ عظمت کا پتہ لگتا ہے، اور اُس فکر میں کھو جاتا ہوں، وہی ہے جس نے خوبصورتی سے حظ اُٹھانے کی حس بخشی، فکر کا شعور بخشا...... مندروں میں گیا بھی تو صرف دوستوں کو خوش

نوکروں کی فرمائش کرتیں۔''

نتیجہ میں نوکروں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا' اور نجلنگپّا کی ہدایات اور اصولوں کے مطابق نوکروں کے ساتھ اہل خانہ کا سا برتاؤ روا رکھا گیا۔ حتیٰ کہ اُن کے قیام کا بھی معقول انتظام کیا گیا۔ انہوں نے نوکروں کا کبھی استحصال نہیں کیا' ان کی عزت کی' عیدین کے موقع پر اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے' اور خوشی محسوس کرتے تھے۔ ایک بار اُن کے ایک نوکر نے گذارش کی کہ ایک سرکاری افسر سے سفارش کر کے تھوڑی زمین بلاقیمت دلوادیں' جواب میں نجلنگپّا نے جیب سے پیسے نکال کر دیتے ہوئے کہا کہ ان سے زمین خرید لے' اپنے باورچی کا انتقال ہوا تو اس کی آخری رسومات کا انتظام اپنی ذاتی نگرانی میں کرایا۔ بلالحاظ مذہب وملت' ہر کسی کی قدر کرتے تھے' ایک سا برتاؤ کرتے تھے۔ فرق نہ محسوس کیا' اور نہ ہی کسی کو محسوس ہونے دیا۔ گھر کے اندر نوکروں کو ہر طرح کی مکمل آزادی تھی' اس سلوک پر نوکروں کو ناز تھا کہ مالک ہو تو ایسا ہو' مگر ایک واقعہ فرض شناسی کا قابلِ ذکر ہے۔

ایک نوکر کے بھائی کا کیس محض اس لئے نہیں لیا کہ وہ جعلی نوٹوں کے کاروبار میں لگا ہوا تھا' مگر جب پتہ چلا کہ وہ بے قصور تھا تو اپنے ایک معتبر دوست سے یہ کیس لڑوایا۔

نجلنگپّا تو عظیم رہبر و مصلح سری بسویشور کی زندگی اور اُن کی تعلیمات سے زندگی بھر متاثر رہے۔ اُنہوں نے اُن کے اس قول سے اتفاق کیا کہ ''ہمدردی وغمگساری تمام مذاہب کی روح ہے۔'' مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر ان کا دل پگھل جاتا تھا۔ وہ نہ صرف انسانوں سے بلکہ جانوروں سے بھی اتنی ہی ہمدردی رکھتے تے۔ بھوکے بھکاریوں کو پھینکے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑتے دیکھ کر کتّوں کی یاد آجاتی۔ دودھ کیلئے گھر پر گائے بھنیس پال رکھی تھی' جن کی دیکھ بھال خود ہی کرتے تھے'

ہے۔ اس کی بروقت مدد سے، نہ صرف وہ خوش ہوگا، بلکہ میری ماں بھی خوش ہوگی۔ تم جانتی ہی ہو کہ میں نے اپنا سفر دوسروں سے ملی ہوئی مدد سے ہی کیا ہے۔ مَیں یہ تعاون کیسے بھول سکتا ہوں، مَیں مستحق لوگوں کی مدد کرنے سے اپنے آپ کو روک نہیں سکتا، ورنہ وہ مایوس ہو کر لوٹیں تو ہمارے بچوں کا بھلا نہیں ہوگا۔ غریب تو بھگوان شیو کے منتخب نمائندے ہوتے ہیں، ہماری کمائی کا ایک حصہ اُن میں بانٹنا ہمارا فرض ہے۔ ہم خالی ہاتھ آئے تھے، اور جائیں گے بھی تو خالی ہاتھ ہی۔

مری گمّا نے ہار نہیں مانی، کہا کہ ہم اپنی بیٹی کیلئے تو کچھ سونے کے زیورات بنوائیں۔ سونا ہمارے آڑے وقت کام بھی تو آئے گا۔ نجلنگپّا نے کہا کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اور یاد دلایا کہ شادی سے پہلے ہی انہوں نے بتا دیا تھا کہ وہ سونے کے زیورات کے حق میں نہیں ہیں۔ ہاں البتہ بہتر تعلیم دلائی جائے، ہم اس کی فکر کریں گے۔ تاکہ وہ خود کفیل ہوسکیں۔ مزید یہ بھی کہا کہ ضرورت سے زیادہ دیکھ بھال سے بچے بگڑ بھی سکتے ہیں۔ اس وضاحت نے بیوی کو لاجواب کر دیا۔

اُن کے گھر والے مہمان نواز تھے، بچوں کی تعداد میں اضافہ، موکلوں اور غریب ونادار طلبا کے لئے گھر پر کھانے کے انتظام سے گھر کے اخراجات میں اضافہ ہوتا گیا۔ نجلنگپّا کی خاص توجہ ان غریب طلبا پر تھی، آمدنی قلیل ہونے کے باوجود مطمئن تھے، مگر مسئلہ یہ کھڑا ہوا کہ ان سب کے لئے کھانا بنانے اور پروسنے والا کہاں سے لائیں؟۔ اس سلسلے میں بیوی نے شکایت بھی کی، جس کو نجلنگپّا نے یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ ''وہ غریب طلبا اگر خود اس کے بچے ہوتے تو وہ کیا کرتیں؟ ان کے پاس پیسہ ہوتا تو وہ آتے ہی کیوں؟ ویسے بھی خدا نے عورتوں کو غیر معمولی جادوئی صبر وتحمل کے ذریعہ ہر قسم کے مردوں کو سنبھالنے کی طاقت بخشی ہے۔ ہاں میں تمہاری بات ضرور مان جاتا، اگر تم زیادہ

بندی وتشکیل اس لئے کی کہ نجلنگپاؔ ذاتی طور پر اپنی ہی ذات کے لوگوں کو زیادہ نمایاں کر کے انہیں برسر اقتدار لانا چاہتے تھے' مگر یہ الزام بے بنیاد ہے۔ وہ کبھی ایسے کوتاہ نظر نہیں تھے۔ معاملہ کی گہرائی تک پہنچنا ان کی عادت تھی' ہر کام عام روش سے ہٹ کر کرنا پسند کرتے تھے' آزادئ خیال کے حامی تھے۔ اس سلسلے میں بسویشور کے اقوال کا ذکر کرتے' اور افسوس کرتے کہ آج کل اُن کے پیروکاران کی تعلیمات کو فراموش کرتے جارہے ہیں' جس سے بسویشور کی عظمت گھنا گئی ہے۔ ان کا یقین تھا کہ جس کا دل ودماغ صاف ہو قول وفعل میں تضاد نہ ہو' ایسا شخص کسی کے آگے سرنگوں نہیں ہوگا۔ حاکمانہ روش' اور من مانی کی مذمت کرتے تھے' اندھی تقلید' پسند نہیں تھی۔ بے جا رسومات کو ترک کرنے کی تلقین کرتے تھے' جمہوریت پر یقین تھا۔ جب بھی چترادرگا لوٹتے' ریاست کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا کے ہاں حاضری نہیں دی۔

1927ء میں بنگلور میں جب ویرشیوامت کے ماننے والوں کا عظیم اجلاس ہوا' تو اُنہوں نے بیواؤں کی دوسری شادی کی تائید میں قرارداد پیش کی' جس پر پرانی ریاستِ میسور سے آئے ہوئے لوگوں نے کافی واویلا کیا...... مگر شرکاء کی اکثریت نے اس تجویز کو پسند کیا۔

رفتہ رفتہ نجلنگپاؔ ریاستی اور قومی سطح پر سیاست کی رُوحِ رواں بنتے جارہے تھے' پر سیاستدان بننا انہیں بالکل پسند نہیں تھا' ان کے بہی خواہوں نے مقامی میونسپل کونسل کا انتخاب لڑنے کیلئے کہا تو رضامند نہیں ہوئے' کہا کہ اس سے عوام میں پھوٹ پڑے گی' بے اعتمادی بڑھے گی۔ لڑائی جھگڑا ہوگا' اور ایسی فضاء قوم وملک کیلئے نقصان دہ ہے' تباہ کن ہے۔ پھر بھی اُن کے بے داغ کردار اور بے لوث خدمات کے اعتراف میں انہیں

نوکروں سے کہہ رکھا تھا کہ بچھڑا جب تک پیٹ بھر دودھ پی نہیں لیتا، گھر والوں کیلئے گائے کا دودھ دوہا نہ جائے۔ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے جو ریچھ، بندر اور کتوں کو نچا کر پیسہ کماتے ہیں۔ سرکس کے جانوروں سے ہمدردی رکھتے تھے، آنگن میں اُگے پودوں سے ایسا پیش آتے جیسے اپنے دیرینہ دوست ہوں۔ پیشے کے اعتبار سے ایک کامیاب وکیل تو تھے ہی، ان کا چرچہ دُور دراز مقامات تک تھا، کم فیس لینے والے ہمدرد و معتبر وکیل کی مقبولیت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ اس سے اُن کا وقار، منزل بہ منزل بڑھتا ہی گیا۔ مثلاً ایک غریب موکل کی زمین کسی رشتہ دار نے ہڑپ لی۔ فیس دینے کیلئے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا، اُس نے نجلنگپّا سے پورے اعتماد کے ساتھ رجوع کیا۔ ایک بار چل کیرے گاؤں کے ایک کمبل ساز نے ایک لنگایت مالدار شخص کے خلاف کیس لڑنا چاہا، اسے شک تھا کہ نجلنگپّا اپنے ہم مسلک حریف کے خلاف کیس نہیں لڑیں گے، مگر انہوں نے کیس لڑا۔

ان کی ایمانداری، فرض شناسی، اور مقبولیت سے ہم پیشہ وکیل، بالخصوص اپنے ہی لنگایت وکیل ان سے جلتے تھے، پھر بھی اُنہوں نے اُن کی پروا نہیں کی۔ معاصرین کی نظر میں بقولِ جورے گوڈا، ایک دُور اندیش قابلِ اعتبار، محنتی، خوش اخلاق و ہمدرد وکیل تھے، ان کا کردار قابلِ تقلید تھا۔

اُن دنوں ایک قابل محنتی، بے داغ وکیل کو، سرکار، اعلیٰ منصب کیلئے نامزد کرتی تھی، انہیں بھی جج کی کرسی پیش کی گئی، مگر اُنہوں نے صاف انکار کر دیا، وہ سرکاری ملازمت کے شروع سے خلاف تھے، ویسے بھی جج کی آمدنی سے ایک وکیل کی آمدنی زیادہ محسوس کی، آمدنی کی کمی نے انہیں کبھی پریشان نہیں کیا۔

ایک الزام، ان کی اگلی زندگی میں یہ عائد کیا گیا کہ، متحدہ کرناٹک کی شیرازہ

کمیشن کا بائیکاٹ' نہرو رپورٹ' اور 1930ء کا لاہور کا وہ تاریخی اجلاس' جس میں ہندوستان کو جمہوری حکومت میں تبدیل کرنے کی قرارداد منظور کی گئی۔

فروری 1928ء میں سردار پٹیل کی قیادت میں ہوئی برڈی ستیہ گرہ کی کامیابی سے یہ متاثر تھے' ان کے بچپن میں کرناٹک گاندھی کے نام سے یاد کئے جانے والے ہردیکر منجپّا کی شخصیت سے بھی متاثر تھے' اس پس منظر کی روشنی میں' ایک مسئلہ کھڑا ہوگیا کہ آیا سیاست میں پوری طرح شامل ہو جانا بہتر ہے یا وکالت کے پیشہ میں ترقی کی جائے۔ یہ گویا' دو منہ زور گھوڑوں کی بہ یک وقت سواری کی سی بات تھی۔ اس کا فیصلہ' وکالت کے حق میں ہی رہا۔ اس دوران' ملک میں چند عجیب واقعات ہوئے' لندن میں گول میز کانفرنس ہوئی' جس میں کوئی بھی کانگریسی لیڈر شریک نہیں ہوا' نتیجہ کانفرنس ناکام ہوگئی' انگریزوں نے محسوس کیا کہ گاندھی جی کی شرکت کے بغیر بات چیت صفر کے برابر ہوگی' لہٰذا دوسری گول میز کانفرنس میں مدعو کئے جانے پر گاندھی جی' نے اقلیتوں کے الگ سے ووٹوں کی تجویز کی پُرزور مخالفت کی کہ ملک کی سالمیت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ لندن سے واپسی کے بعد گاندھی نے پورے ملک کا دورہ کر کے حکومت کو متنبہ کیا کہ کانگریس ایک اور ستیہ گرہ کرے گی' اور حکومت میں عدم اعتماد پر تحریک چلائے گی' جواباً انگریزوں نے کانگریس لیڈروں کو نہ صرف قید کرلیا' بلکہ پارٹی کی کارروائیوں پر روک بھی لگا دی۔

1932ء میں جب یرواڈا جیل میں تھے تو گاندھی جی کو پتہ چلا کہ' حکومت مسلمانوں اور ہریجنوں کیلئے ایک الگ ہی سکریٹریٹ بنانے کی سوچ رہی ہے' تو 20 رستمبر کو انہوں نے احتجاج کے طور پر مرن برت کا اعلان کر دیا' جس سے سارے بھارت میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ دنیا بھر میں یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل

کونسل کے رکن کی حیثیت سے نامزد کر ہی دیا۔ کوئی چار مہینوں میں شہر کے اندر ڈھیر سارے تعمیری کام کروا ڈالے۔ وہ ہر پارٹی سے بے نیاز' صرف خدمت کرنا جانتے تھے۔ اس خدمتِ خلق کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے پیشہ کو متاثر ہونے نہیں دیا۔

اُن کی ذات' ایک انجمن تھی۔ سیاست' فرض' اخلاق' شہرت' کامیابی' ہمدردی' یہ سب اُن کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے' کہتے ہیں کہ سیاست میں داخلہ کے بعد یہ سب کچھ ملتا ہے' مگر خوش نصیبی سے یہ تمام کی تمام' سیاست میں نہ ہوتے ہوئے بھی ان کو مل گئی تھیں۔ اُن دنوں جبکہ انگریزوں کے خلاف چلائی گئی تحریک آزادی ابھی ملک کے کونے کونے میں پہنچ نہیں پائی تھی' ریاست میسور کی خوشحالی کے پیش نظر' یہاں کے راجہ کے خلاف کوئی احتجاج وغیرہ نہیں تھا' اس لئے ریاست میں فضاء پُرسکون ہی تھی۔ نجلنگپّا کی حیثیت ریاستی سطح پر ایک احتجاجی کی سی نہیں' بلکہ ایک تماش بین کی سی تھی' تاہم حالاتِ حاضرہ پر ان کی گہری نظر تھی۔

1922ء کے اوائل ہی میں گاندھی جی کے نظریات سے واقف ہو چکے تھے۔ بالخصوص پُرامن ستیہ گرہ کے تصور سے' جو ایک غیر معمولی اِنقلابی و تاریخ ساز تصورِ احتجاج تھا' گاندھی جی کے ہندو مسلم اتحاد کی بات بھی' نجلنگپّا کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ 1928ء کے بلگام کے اجلاس میں' اُن کی شرکت' انہی نظریات کے باعث ممکن ہو سکی تھی۔

بنگلور کے قریب نندی کے پہاڑی صحت بخش مقام پر' گاندھی جی آرام کرنے اور اپنی صحت بحال کرنے کی غرض سے تشریف لائے تو انہوں نے پابندی سے اخبارات کا مطالعہ کیا' یہ جاننے کیلئے کہ گاندھی جی کی صحت روز بہ روز کیسی ہے۔

فاصلہ پر رہتے ہوئے بھی' حالاتِ حاضرہ سے بخوبی واقف رہے۔ جیسے سائی مون

نجلنگپاؔ کو ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے دیکھا جائے تو ان کی گھریلو ذمّہ داریاں بھی مثالی لگتی ہیں، ان کے کردار کی پاکیزگی سے ان کی بے پناہ سادگی، شرافت اور حکمتِ عملی کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں ان کا خاکہ کچھ زیادہ رنگین لگتے ہوئے بھی حقیقت پسندانہ ہے۔قومی زندگی میں اس نہج پر ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا ایک سیاست دان، اور ایسی ہمہ گیر خوبیوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی اس قدر ایماندار ہوسکتا ہے؟۔اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے، جب ہم آج کل کے سیاست دانوں کے تناظر میں نجلنگپاؔ کی بے داغ زندگی کا آئینہ دیکھتے ہیں، اس دَور کی سیاست نے، جہاں رشوت خوری، جرائم، استحصال خودغرضی اور تعصب کا بول بالا ہے، ایک ایسے مایۂ ناز سپوت کو بھی جنم دیا، اور پرورش کی ہے، جسے دُنیا نجلنگپاؔ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ جنہوں نے ہمیشہ ایک پاک وصاف سماج وملک کا خواب دیکھا، اور عملی طور پر بساط بھر کوشش کی کہ، ہر کوئی خوشحال رہے۔

پچیانویں برس کے نجلنگپاؔ گو کہ ملک کے موجودہ حالات سے مایوس سے لگتے ہیں، تاہم پُر امید بھی ہیں کہ مسلسل جدوجہد سے ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے، اور ہمارے اس تاریخی ملک کو ترقی وخوشحالی کی راہ پر لگایا جاسکتا ہے، جس میں رشوت خوری وجرائم کا صفایا سرفہرست ہونا چاہئے۔

ایک حق شناس مبصّر وتجزیہ کار محقّق کے ناطے، وہ کسی معجزہ پر یقین نہیں رکھتے تھے حقیقت پسندی کے قائل، ضعیف الاعتقادی کے مخالف اور سچائی کے علمبردار تھے۔

اس لئے یہاں جو تصویر پیش کی گئی ہے، اسے ایک پُر امید مصوّر کی مشتاق آنکھوں سے دیکھا جائے، بشرطیکہ ارادہ پختہ، اور حوصلہ بلند ہو، اور کچھ کرگزرنے کی اُمنگ رکھتا ہو!!۔

گئی، امبیڈکر اور دیگر رہنماؤں کی بروقت مداخلت سے بادل چھٹ گئے۔ سارے دیش نے بہ شمول نجلنگپّا نے، اس وقت اطمینان کی سانس لی، جب گاندھی جی نے پھلوں کا شربت پی کر اپنا مرن برت توڑا۔

نجلنگپّا کی خواہش تھی کہ پوری طرح گاندھی وادی ہو جائیں، پر گھر گرہستی کی ذمہ داریاں، مانع تھیں، اُن دنوں گاندھی جی کی جادوئی پرکشش شخصیت سے اثر قبول کرنے والے صرف یہی نہیں تھے، بلکہ سارا دیش تھا۔

1932ء میں گاندھی جی نے ''ہریجن'' کا اجراء کیا تو نجلنگپّا نے اس کے شمارے یوں پڑھے، جیسے کوئی بھگوت گیتا ہو، پوری طرح گاندھی جی کی تقلید نہ کرتے ہوئے بھی اِمکان بھر کوشش ضرور کی۔

1935ء میں انگریزوں نے چند مراعات کا اعلان کیا، جس کے تحت ایک محدود حکومت ہندوستانیوں کو دینے کا وعدہ بھی شامل تھا۔ 1935ء کے ایکٹ کے تحت، کانگریس نے انتخابات میں حصہ لینے کی تجویز منظور کرلی۔ انتخاب لڑا، اور چھ ریاستوں میں اکثریت بھی حاصل کرلی، آج کے بھارت کا تصور کرتے ہوئے گاندھی نے آواز دی تھی کہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد، اس کا غلط استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ رشوت خوری کا صفایا ہو جانا چاہیے۔

ستمبر 1939ء میں جب دوسری جنگ عظیم ہوئی تو کانگریس کے رہنما گاندھی نے جہاں ہٹلر کی بربریت کی مذمت کی، وہیں انگریزوں اور اُن کے ساتھی ممالک کی پُر زور مخالفت بھی کی کہ کسی ملک کی رعایا کو غلام بنا کر رکھنا خلافِ تہذیب وانصاف ہے۔ گاندھی جی نے اُس وقت اس جنگ میں ہندوستانی حکومت کی شمولیت کی مخالفت کی، کوئی تعاون پیش نہیں کیا۔ نتیجتاً چھ کانگریسی ریاستوں کی حکومت نے استعفیٰ بھجوا دیا۔

بے چینی سی محسوس کر رہے تھے کہ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود وہ اس تاریخی جدوجہد کا ابھی تک حصہ کیوں نہیں بن سکے ہیں؟ انہی دنوں میسور اسٹیٹ کی کانگریس پارٹی کے صدر ٹی سدالنگپا نے چترادرگا کا سفر کیا کہ یہاں پارٹی کو مضبوط کیا جائے۔ ان کی خواہش تھی کہ نجلنگپا جیسے خوبیوں کے مالک' اور کردار کے غازی نوجوان' کانگریس میں شامل ہو جائیں۔ اُنہوں نے نجلنگپا سے ملاقات کی' اور آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ کانگریس میں شامل ہو جائیں۔ پہلی ہی ملاقات میں سدلنگپا کو نوجوان وکیل کی بے پناہ قابلیتوں کا اندازہ ہو گیا۔ انہوں نے کانگریس میں شامل ہونے کی گذارش کی۔ جواباً نجلنگپا نے کہا کہ وہ اپنے خاندان کے مفادات کو نظر انداز کر کے سیاست میں کود نہیں سکتے' البتہ امکان بھر کوشش ضرور کریں گے۔ سدلنگپا نے کہا کہ دیکھو ہر عظیم کام کیلئے عظیم قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے' اور اس نوجوان وکیل کو بھی اپنی قربانی کا ثبوت دینا ہو گا۔ نجلنگپا نے یہ کہہ کر اجازت لی کہ ان کے ٹینس کھیلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر بھی سدلنگپا اور اُن کے ساتھیوں نے سپر نہیں ڈالی۔ وہ نجلنگپا کے پیچھے پیچھے کلب گئے' اور ٹینس کھیلنے تک ان کا انتظار کیا' ایک اور کوشش کی' مگر ناکام رہے۔ پھر نجلنگپا کو اکیلا چھوڑ دیا۔ مقامی کانگریس لیڈروں کا اصرار بڑھتا ہی گیا کہ وہ کانگریس میں شامل ہو جائیں۔ بہر حال ایسے باصلاحیت نوجوان کو قومی دھارے میں شامل کرنے کی کوشش ہوتی ہی رہی۔ نجلنگپا کو صرف ایک فکر تھی کہ اگر وہ جیل بھیج دئے گئے تو ان کا گھر بار کون چلائے گا؟ مگر تحریکِ آزادی کے سلسلے میں دیگر محبانِ وطن کی عظیم قربانیاں دیکھیں تو نجلنگپا کی بے چینیاں نقطۂ عروج پر پہنچ گئیں۔ ٹھیک اسی دوران بھارت سیوادل کے بانی اور کانگریس کے اہم لیڈر نارائن راؤ ہارڈیکر ریاست میسور کے دورے پر آئے۔ ان کا تعلق بمبئی۔ کرناٹک کے علاقے سے تھا۔

3. قومی تحریک میں شمولیت

صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو اسے ایک فوری غیر متوقع فیصلہ نہیں قرار دیا جاسکتا' اس لئے کہ یہ جذبہ ایک عرصہ تک اُن کے اندر ہی اندر پرورش پا رہا تھا' البتہ اس لحاظ سے شاید ھم اسے ایک لخت شمولیت کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے راست طور پر علاقائی سیاست میں شامل ہونے کا ارادہ کیا' اور ملک نے ان کی زندگی میں ایک خاص تعمیری موڑ کو اُجاگر ہوتے دیکھا۔ اس شاندار شمولیت سے پہلے ہی گاندھی کے نظریات اور ان کے اصولوں سے یہ کافی متاثر ہو چکے تھے۔ طالبِ علمی کے دور ہی سے سیاسی اتھل پتھل پر برابر نظر رکھے ہوئے تھے۔

ہمیں اس بات کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ اُنہوں نے سیاست سے اپنے آپ کو دُور رکھنے کی شعوری کوشش بھی کی تھی' ابتداء میں انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ انہوں نے برائے نام ہی سہی' قومی تحریک سے اپنا ناطہ جوڑ لیا ہے' جس کے ثبوت میں انہوں نے کانگریس پارٹی کو مالی امداد بھی دی تھی۔ تاہم اندرونی کشمکش بتارہی تھی کہ فیصلہ مشکل ہے کہ آیا سیاست سے منسلک ہو جائیں یا فاصلہ پر رہ جائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے بے باک' پُر جوش و باہوش' محبِ وطن نوجوان کیلئے' جس کی علمیت' مقبولیت' سیاسی شعور اور حکمتِ عملی کا بول بالا تھا' سیاسی کارروائیوں سے دُور رہنا تقریباً ناممکن سا تھا۔ پورا ملک سیاسی سطح پر قومی تحریک کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ طلباء نے کالج' سکول جانا بند کر دیا تھا۔ وکلاء نے عدالتوں کو خیر باد کہہ دیا تو مزدوروں نے کارخانوں میں حاضری بند کر دی' قومی تحریک' سامراجیت کے خلاف ہندوستانیوں کی جدوجہد کا نتیجہ تھی' شب وروز کے ان واقعات سے آنکھیں چرانا ناممکن نہیں تھا' بلکہ ایک طرح کی

انصاف پارٹی سے متاثر تھی۔ غیر برہمنوں کی یہ پارٹی غریبوں اور غیر برہمنوں کے مفادات کی دعویدار تھی' اور کانگریس کے خلاف تھی۔ جہاں کانگریس پکی منصوبہ بندی کے تحت ریاست میں قومی آزادی اور جمہوری نظامِ حکومت کے قیام کا عزم کرچکی تھی' وہیں پر غیر برہمنوں کی پرجا پکشا نے' میسور کے مہاراجہ کی ذمہ دار حکومت کو پسند کیا۔ پھر بھی پرجا پکشا کو احساس ہو ہی گیا کہ قومی آزادی کے بغیر ریاستی حکومتوں کا وجود ناممکن ہے' اور یہ کہ آزادیٔ وطن گاندھی جی کی قیادت میں حاصل ہوکر ہی رہے گی۔ اس لئے بالآخر پرجا پکشا پارٹی کانگریس میں ضم ہوگئی۔ یہ انضمام کانگریس کے حق میں بہتر ثابت ہوا' اب جو غیر برہمن شامل ہوئے۔ ان کی پارٹی کو سخت ضرورت تھی۔ اسی لئے 17 ر اپریل کو چتر ادرگا میں ایک تاریخی واقعہ پیش آیا۔ نجلنگپّا' استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے' کانگریس کی صدارت میسور کانگریس کے لیڈر رکے چنگل رآیا ریڈی نے کی۔ جن کو عوام' اکثر' کے سی ریڈی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ 1937ء کے بعد نجلنگپّا کی زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ ایک پیچیدہ باب' جس میں ان کے پیشہ کے تقاضوں اور سیاسی تقاضوں میں توازن برقرار رکھنا تھا۔ ان کا گھر ہر آنے جانے والے کانگریسی رہنما کیلئے ایک مہمان خانہ سا بن گیا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ کانگریس لیڈر رایچ کے ویرنا گوڈا' سفر چترادرگا کے دوران گلی سے گزر رہے تھے کہ نجلنگپّا ہاتھ میں ٹینس کی ریکٹ لئے کلب کی طرف رواں دواں تھے۔ جیسے ہی انہوں نے کانگریس کا ترنگا ایک کار پر لہراتا ہوا دیکھا' تاڑ گئے کہ کوئی کانگریس لیڈر سفر پر ہے' فوراً پہنچ کر ان تمام لوگوں کو گھر پر کھانے کی دعوت دیدی' اور کلب چلے گئے کہ ایک آدھ گیم کھیل کر گھر لوٹ آئیں گے۔ تب تک سب آرام کرلیں۔ ویرنا گوڈا سے ان کی یہ پہلی ملاقات تھی' ان کی شخصیت اور پُرخلوص مہمان نوازی سے گوڈا بہت متاثر

پروگرام کے مطابق اُنہوں نے چتر ادرگا کا بھی دورہ کیا۔ اس سفر کا اہم مقصد نجلنگپّا کو کانگریس میں شامل کرنا تھا۔ اُن دنوں کانگریس ہی قومی تحریک کی رُوحِ رواں تھی۔ ہارڈیکر نے نجلنگپّا کے ساتھ پورے ضلع کا سفر کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ ہر جگہ نجلنگپّا کو ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہے' ہارڈیکر نے یہ سب بہ چشم خود دیکھا' انہوں نے نوجوان وکیل سے کہا کہ آزادی کی تحریک اپنے آخری مراحل طے کر رہی ہے' اور اب آزادی دُور نہیں ہے' اور گاندھی جی کی قیادت میں انگریزوں سے چھٹکارا مل کر ہی رہے گا۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نجلنگپّا اس تحریک میں نہ صرف شامل ہوں بلکہ تاریخِ آزادئ ہند کا ایک اٹوٹ حصہ بن جائیں۔ ایک دن ہرڈیکر نے نجلنگپّا کے گھر کھانا کھانے کے دوران نجلنگپّا کو تحریک آزادی میں شامل ہونے پر راضی کر ہی لیا......
نجلنگپّا کو اپنے اہل وعیال کی فکر کھائے جا رہی تھی کہ آگے مصیبتوں کا ایک لامتناعی سلسلہ ہوگا۔ فیصلہ کی اس نازک گھڑی میں اُنہوں نے مقدس گیتا اور بسویشور کے وچنوں سے تعلیمات سے روشنی پائی' جس میں واضح ہے کہ کوئی بھی تعمیری کام کرنا فرض ہے' دیر مناسب نہیں ہوگی' چاہے اس کے نتائج کچھ بھی ہو جائیں۔ گو کہ بمبئی۔ کرناٹک علاقہ کے مشہور رہنما اومابائی کُندا پور اور گنگا دھر دیش پانڈے نے بھی چتر ادرگا کا سفر کیا تھا۔ تاہم ہارڈیکر نے ان سب سے زیادہ اثر ڈالا' ہارڈیکر کی واپسی کے بعد نجلنگپّا نے کانگریس کی کارروائیوں میں راست حصہ لینا شروع کر دیا۔ ممبر سازی جیسے چھوٹے موٹے کام' اُنہوں نے کرنے شروع کئے۔ 1936ء میں انہوں نے اپنے پیشے میں دلچسپی کم کر دی' اور اپنا دفتر' ماتحتین کو سونپ دیا۔ 1937ء سے پہلے میسور کانگریس پر برہمنوں اور مالدار طبقہ کی گرفت مضبوط تھی۔ پر ان کی مخالفت میں پرجا پکشا بھی تھی جو انصاف پسند تھی' اور پڑوس کی ریاست' مدراس کی

بھی رضا مندی ہوئی کہ‘ میسور کے جھنڈے کے ساتھ ساتھ کانگریس کا جھنڈا لہرایا جائے گا۔ آخر کار حکومت نے میسور سٹیٹ کانگریس کو‘ رعایا کی ایک ہمدرد و سچی سیاسی پارٹی کے طور پر تسلیم کرلیا۔ پر حکومت نے‘ اپنے کئے ہوئے اُن معاہدوں کو رُو بہ عمل نہیں لایا۔ مزید برآں‘ اپنے ظلم و تشدد کی کارروائیوں کو از سر نو آگے بڑھا ہی دیا۔ تمام اخباروں پر پابندی لگا دی‘ اور رہنماؤں کو حراست میں لے لیا۔ کانگریس نے محسوس کیا کہ حکومت اس طرح کے پُر امن احتجاجات یا اقدامات سے ٹس سے مس نہیں ہوگی۔ اس لئے ان مظالم کے خلاف ایک اور زوردار مہم چلانی چاہئے‘ اور اُسے قومی تحریک سے جوڑ دیا جائے۔

1939ء میں میسور کانگریس کے صدر ٹی سدلنگیّاؔ نے جدّ و جہد شروع کی‘ اور جیسا کہ گمان تھا لیڈروں کو حراست میں لے لیا گیا‘ لاٹھی چارج کیا گیا۔ ان پُر امن احتجاجیوں پر گولیاں چلائی گئیں‘ جنہوں نے ترنگا لہرانے کی کوشش کی۔ یہ دیکھ کر پورا میسور آگ بگولہ ہوگیا۔ بغاوت کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ستمبر 1939ء کو ریاستی کانگریس نے ان مظالم کے خلاف نافرمانی کی مہم چلانے کا فیصلہ کیا۔ حکومت کی طرف سے ترنگا نہ لہرانے کے احکامات پر غصہ کا اظہار کیا گیا۔ احکامات کی خلاف ورزی کی گئی‘ کانگریس کے صدر سدلنگیّاؔ کو بھی حراست میں لے لیا گیا۔ اس اہم موڑ پر نجلنگپّاؔ نے اپنی حکمت عملی‘ اور تدبر کا بھرپور ثبوت دیا۔ نجلنگپّاؔ نے فاریسٹ ایکٹ کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ چتر ادرگا سے کوئی دس میل دُور تاڑ کے پیڑوں کا جنگل تھا۔ نجلنگپّاؔ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ سارے پیڑ کاٹ ڈالیں‘ تاکہ یہاں کشید کی ہوئی تاڑی کا پڑوسی دیہاتوں میں استعمال بند ہو جائے۔ گاندھی ٹوپی پہن کر خود نجلنگپّاؔ نے یہ

ہوئے۔ مہمان نوازی میں بیوی مرّی گمّا بھی حسب عادت پیش پیش تھیں۔ اس دن کے بعد ویرنا گوڈا اور نجلنگپّا تادمِ زیست اچھے دوست بنے رہے۔

1938ء میں میسور کانگریس نے قرارداد منظور کی کہ مدور کے پاس شیو پورہ مقام پر انڈین نیشنل کانگریس کا پرچم لہرایا جائے۔ جس اجلاس میں یہ قرارداد پاس کی گئی، اس کی صدارت سدلنگیّا نے کی تھی، اور اس کا مشاہدہ قابل ستائش تھا کہ کانگریس کس قدر منظّم با اُصول اور وطن دوست پارٹی تھی، طے ہوا کہ اسی سال اپریل میں اس پر عمل کردیا جائے۔ سرکاری احکامات کے برخلاف میسور کی ضلع انتظامیہ نے اجلاس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، خدشہ تھا کہ پولیس فائرنگ ہوگی، ایسا کچھ نہیں ہوا، پر اجلاس میں شریک ہونے والوں کو گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا۔ گمان تھا کہ نجلنگپّا کو بھی حراست میں لے لیا جائے گا، مگر انہیں ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ شیو پورہ کا یہ اجلاس مہاراجہ میسور کے دورِ حکومت کا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے، اور اسے ملک بھر میں سراہا گیا۔ پر حکومت کو خوف ہونے لگا کہ معاملہ سنگین ہوتا جارہا ہے۔ اس لئے وہ تشدد پر اتر آئی، نتیجہ میں کولار ضلع کے وِدوراشوتا مقام پر گولی باری ہوئی۔ ظلم وتشدد کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے حکومت نے تمام اشاعتوں پر پابندی لگادی، اور لیڈروں کو حراست میں لے لیا، تو میسور کانگریس نے آواز دی کہ نمائندوں کی کونسل کے تمام منتخب اراکین مستعفی ہوجائیں۔ حکومت اور کانگریس کے بیچ کے اس تناؤ کو کم کرنے کیلئے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے سردار پٹیل اور آچاریہ کرپلانی نے، میسور کے دیوان سر مرزا اسماعیل سے تبادلۂ خیال کیا۔ نتیجتاً تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے، سیاسی اصلاح کیلئے ایک کمیٹی بنانے، اور اس میں میسور کانگریس کے نمائندوں کو شامل کرنے پر حکومت رضامند ہوگئی۔ مزید اس پر

کرلیں گے، آپ ہماری فکر نہ کریں۔''

ماں نیلمّا نے بھی ایسی ہی رائے دی، اور حوصلہ بڑھایا۔ اُس رات نجلنگپّا نے بڑے اطمینان کی نیند کی۔ علی الصبح کوئی چار بجے کے قریب دروازے پر دستک ہوئی، سب کو یقین تھا کہ وہ پولیس ہی ہوسکتی ہے، انہوں نے دروازہ کھولا اور پولیس سے کہا کہ تھوڑی دیر بیٹھے رہیں، تا کہ تیار ہوسکیں۔ چند ہی منٹوں بعد انہیں حراست میں لے لیا گیا۔ اس کے بعد دیڑھ سال کی قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ حکومت نے ٹُرووَنور کے پیڑ کاٹنے کی پاداش میں دیہاتیوں پر بھاری ٹیکس لگا دیا۔ شُکر نجلنگپّا کا کہ ان کی قیادت میں لوگوں میں بلند حوصلگی، صبر و تحمل اور خود اعتمادی کے جذبات جڑ پکڑنے لگے کہ جنگِ آزادی کو جاری رکھنا ہی بہتر ہے۔ نجلنگپّا کی حراست کی خبر چتر ادرگا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اُن کے چند موکلوں اور شہر کی اہم شخصیتوں نے اُن کے گھر والوں کی بھرپور مدد کا یقین دلایا، اور سارے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ اِن کا دفتر ایک اور وکیل نے سنبھال لیا۔ پیڑ کاٹنے کا عمل دوسرے مقامات پر بھی دہرایا گیا۔ 29 ستمبر 1939ء کو نجلنگپّا کو بنگلور کے سنٹرل جیل میں منتقل کر دیا گیا، جہاں دو چار اہم لیڈر پہلے ہی سے موجود تھے۔ جہاں کا ماحول جہنّم کا نظارہ پیش کر رہا تھا۔ ان کے ساتھ سیاسی قیدیوں کا سا برتاؤ نہ کر کے مجرموں کا سا برتاؤ کیا گیا۔ وہاں بیت الخلاء کا اطمینان بخش انتظام نہیں تھا۔ قیدیوں کو چاہئے تھا کہ وہ خود گڑھے کھود کر بیت الخلاء بنالیں۔ قیدیوں کا کھانا بہت ناقص، خراب تھا، اور طرہ یہ کہ اس کے مستحق بننے سے پہلے دس سیر راگی پیسنا ضروری تھا۔ روٹیاں ادھ کچی اور نا قابلِ استعمال ہوتی تھیں۔ ان کا بستر تو بس ایک کمبل کا ٹکڑا تھا۔ جیل کے حالات نا قابلِ برداشت تھے، بغاوت پر اُکسا رہے تھے۔ حسبِ

کام نہایت خوش اسلوبی و سلیقگی سے کیا۔ ترونور کے جنگل میں اُن کے وفادار ساتھیوں نے بہت سے پیڑ کاٹ ڈالے۔ یہ واقعہ دراصل 18 رستمبر 1939ء کو پیش آیا' جس میں ریاست کے مشہور لیڈر' راج شیکھرپّا' اوران کی بیوی ناگارتنما بھی شامل تھیں۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو حراست میں لے کر چترادرگا لایا گیا۔ اُس گروپ میں ایس رنگاراؤ' بھیمپّا نائک اور گووند ریڈّی بھی شامل تھے۔ ان سب پر فردِ جرم عائد کی گئی۔ پران سب کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ نجلنگپّا کو شک تھا کہ انہیں جیل بھیج دیا جائے گا۔ ایک دو سال کیلئے تو اس کا یہ مطلب تھا کہ ان دو تین سالوں تک ان کے اہل وعیال کیلئے کوئی ذریعۂ آمدنی نہیں ہوگا۔ اس کا یہ بھی مطلب تھا کہ اپنی وکالت کی اطمینان بخش کمائی کو خیر باد کہہ کر اہل خانہ کو جسمانی اور دماغی پریشانیوں کے حوالے کرنا تھا۔ نجلنگپّا کو یقین نہ تھا کہ اہل خانہ اس صورتِ حال سے نپٹ سکیں گے۔ اُن کے آگے ایک سوالیہ نشان تھا کہ کیا وہ اس قربانی کیلئے آمادہ ہوسکیں گے؟ اپنی ماں اور بیوی سے بھی اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا۔ ان لوگوں کو نتائج کا پہلے ہی سے علم تھا' نجلنگپّا نے بالکل صحیح تصویر پیش کی۔ بیوی کو حیرت نہیں ہوئی۔ ہر اچھے بُرے وقت میں انہوں نے اپنے شوہر کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔ حالات کا انہوں نے از سرِ نو جائزہ لیا کہ یہ اقدام گاندھی جی کی آواز پر کیا جارہا ہے' اوراس کے ذمہ دار بحیثیتِ رہنما وہی ہوں گے۔ انہیں اس کا بھی علم تھا کہ اپنے شوہر ایک بہتر مقصد کیلئے لڑ رہے ہیں' انہوں نے اپنے شوہر سے کہا کہ ''دیکھئے آپ نے زندگی میں بہت سے امتحانات پاس کئے ہیں' اب آپ کو گاندھی جی کا امتحان بھی پاس کرنا ہوگا۔ آپ جائیے' بے فکر ہو کر جائیے' ہمارے پاس جو کچھ بھی رہ گیا ہے' اسی سے ہم اپنی زندگی بسر

گئے قیدی لیڈروں کو بہ شمول نجلنگپاؔ آزاد کردیا گیا۔ خیر یہ تو ایک چھوٹی سی رعایت تھی، مگر ان کے جیل بھجوانے سے ان کی وکالت کے پیشہ پر جو کاری ضرب لگی تھی، اس کی تلافی ناممکن تھی۔ وہ یہ کہ وکالت کی سند، حکومت نے واپس لے لی۔ ایسا اقدام ہندوستان میں انگریزوں نے بھی نہیں کیا تھا۔ اپنے ذاتی مسائل کو سرے سے نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے کانگریس کے تعمیری منصوبوں پر عمل پیرائی شروع کردی۔ جیل کے قیام کے دوران انہوں نے انگریزی ناولوں کے ساتھ ساتھ گاندھیؔ جی کی تحریروں کا بھی مطالعہ کیا، اور ان کی پالیسی وحکمت عملی سے بھی کافی واقفیت حاصل کرلی۔ ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کے پیش نظر حکومت نے پینترا بدلا، اور اُن کے ساتھ لالچ کا ڈھیر لگادیا کہ یہ کانگریس کی قومی تحریک سے اپنے آپ کو بالکل الگ کرلیں، مگر انہوں نے پیشکش ٹھکرادی۔ مستقبل قریب میں ہونے والے ریاستی اسمبلی کے انتخابات پر نظر رکھتے ہوئے نجلنگپاؔ نے ریاستی پارلیمانی کانگریس پارٹی بورڈ کے رکن کی حیثیت سے پوری ریاست کا دورہ کیا، نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ دونوں ایوانوں میں کانگریس کو زبردست جیت ملی۔ انتخابات کے فوراً بعد ریاستی کانگریس نے اپنا چوتھا سالانہ اجلاس، ہری ہر شہر کے پاس ہاراپورہ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی صدارت ایچ سدپاؔ کرنے والے تھے۔ نجلنگپاؔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر چنے گئے، اپنی انتھک کوششوں اور صلاحیتوں سے اجلاس کو کامیاب کردکھایا۔ اس اجلاس میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے نمائندے کی حیثیت سے بابو راجندرؔ پرساد نے شرکت فرمائی۔ انہوں نے انتظامیہ کی خوب تعریف کی، بالخصوص صدر کمیٹی نجلنگپاؔ کی۔ اس کا ذکر انہوں نے اپنی رپورٹ میں بھی کیا۔ گاندھیؔ جی سے ملے تو نجلنگپاؔ کی بہت تعریف کی۔

عادت نجلنگپّا نے منتظمین کے خلاف بغاوت کی' نتیجتاً تھوڑی سی تبدیلیاں لائی گئیں۔مثال کے طور پر مٹی کے برتن ہٹا کر المونیم کی پلیٹیں دی گئیں' اُن کے ساتھی قیدیوں میں سینئر لیڈر ٹی سدلنگیّا اور ٹی سبرامنیا بھی تھے۔اُس وقت کے دیوان سر مرزا اسماعیل نے سدلنگیّا کو خصوصیت سے ظلم کا شکار بنایا' اور کہا جاتا ہے کہ ان کے دکھ درد پر خوشی کا اظہار کیا۔جیل کی وارڈن' ایک انڈ وا ینگلین خاتون تھیں' جو نجلنگپّا کے حسنِ سلوک اور شخصیت سے بیحد متاثر ہوئیں۔ وہ اکثر اِن کے پاس آتیں' خیریت دریافت کرتیں' اوران کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔قیدیوں میں اِن کی مقبولیت سے جیل کے افسراِن سے حسد کرنے لگے' اور انہیں کولار جیل منتقل کروادیا' جہاں ایک سوستیہ گرہیوں کے ساتھ سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ اِسی دوران کے ٹی بھاشیم اور ہرڈیکر منجپّا کو شیموگہ جیل تو نجلنگپّا کو ہاسن جیل پہنچادیا گیا۔اِس منتقلی کی آل انڈیا کانگریس کے لیڈروں نے سخت مذمّت کی' اور گاندھی جی نے اِدھر اُدھر ہوتی ہوئی عدم تشدد کی وارداتوں کو بہت پسند فرمایا' اور اپنے سکریٹری مہادیو دیسائی کو ریاست کے حالات کا جائزہ لینے کیلئے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔رپورٹ دی گئی کہ انڈین نیشنل کانگریس' اب ریاست کی جدوجہد آزادی سے اپنے آپ کو کسی بھی طرح الگ نہیں کرسکتی۔ انہوں نے میسور کانگریس کو صلاح دی کہ ستیہ گرہ چھوڑ کر' آنے والے انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کے تعمیری منصوبوں پر اپنا زور لگائیں۔ ٹھیک اُسی دوران شیموگہ میں میسور کانگریس کا سالانہ اجلاس بھاشیم کی صدارت میں ہوا' جس میں مہاتما گاندھی کی تجویز منظوری کیلئے پیش کی گئی' اور پھر اسے پاس بھی کردیا گیا۔

8/دسمبر 1945ء کو جیا چامراج وڈیر کی تاج پوشی کی خوشی میں جیل میں رکھے

اندازہ نہیں ہوسکا کہ یہ رپورٹ مبالغہ آمیز تھی یا کسی کو نشانہ بنانے کیلئے چھپائی گئی تھی، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری جنگ عظیم نے نیشنل کانگریس کو پھر سے زوردار جدوجہد پر آمادہ کردیا، اور یہ جتادیا گیا کہ کانگریس جنگ کے خلاف ہے، اور حکومت کی اس سلسلہ میں کوئی تائید نہیں کریگی۔ پر گاندھیؔ جی نہیں چاہتے تھے کہ ایسے نازک موڑ پر ایک اور ستیہ گرہ ہو، بلکہ یہ صلاح دی کہ فرداً فرداً الگ الگ مقامات پر ستیہ گرہ کی جائے تو زیادہ موثر ہوگی، اور اس کی شروعات ونوبا بھاوےؔ کریں گے۔ حکومت نے جنگی کارروائیوں کی مخالفت کرنے پر ونوبا بھاوےؔ کو حراست میں لے لیا، اور تین ماہ کی سزا ہوگئی۔ اُن کے بعد نہرؔو اور پٹیلؔ کو چار چار سال کیلئے جیل بھجوایا گیا، اور جیسے ہی جنگ ایک اہم موڑ پر پہنچ گئی، حکومت نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے اراکین کو دسمبر 1941ء میں رہا کردیا، تاکہ کانگریس کا تعاون حاصل ہوسکے۔ اس نے سر سٹیفورڈ کرپسؔ کو بات چیت کیلئے نمائندہ بنا کر بھیجا، پر کانگریس نے ان کی تجویز مسترد کردی، اور صرف انڈین کمیونسٹ پارٹی نے اپنی بین الاقوامی پالیسی کے پیش نظر اسے تسلیم کیا۔

کرپسؔ کے مشن کی ناکامی کے بعد کانگریس میں گاندھیؔ جی کا مقام مستحکم ہوگیا، اور ان کے صحیح تعین کا ایک نیا باب کھل گیا۔ نتیجہ میں ''ہندوستان چھوڑو'' کا نعرہ بلند ہوا، اور 1942ء کے اگست کے پہلے ہفتہ میں بمبئی میں ہوئے ایک عظیم اجلاس میں کانگریس نے یہ قرارداد منظور کرلی۔ نتیجہ میں کسی بھی گفت وشنید کا موقع فراہم کئے بغیر حکومت نے گاندھیؔ جی، نہرؔو اور دوسرے لیڈروں کو صبح سویرے حراست میں لے لیا۔

اس تاریخی اجلاس میں نجلنگپاؔ نے میسور کانگریس کی نمائندگی کی تھی۔ جب وہ بمبئی سے لوٹ رہے تھے تو ریاست کی سرحد پر انہیں حراست میں لے لیا گیا۔ کسی کے وہم

اس اجلاس میں تعجب خیز بات یہ بھی تھی کہ اس میں نجلنگپّا کی بنائی ہوئی تصویروں اور خاکوں کی نمائش کی گئی تھی۔ انہیں بیحد پسند کیا گیا' اور چند ایک پیشہ ور مصوّروں نے پوچھ بھی لیا کہ کہیں وہ پیشہ ور مصور تو نہیں؟ نجلنگپّا نے بتایا کہ دراصل وہ تصویریں انہوں نے اپنے جیل کے قیام کے دوران بنائی تھیں' اور یہ کہ مصوّری کا آغاز وہیں سے ہوا تھا' اور وہ کوئی پیشہ ور تجربہ کار تربیت یافتہ مصور تو ہیں نہیں۔ گوکہ بابو راجندر پرساد نے انہیں مصوری کی مشق جاری رکھنے کی صلاح دی تھی۔ نجلنگپّا نے جواب دیا کہ وہ ممکن نہیں۔ ان کی سیاسی زندگی ہمیشہ رواں دواں تھی' جس پر بہ مشکل ایک دو ماہ ہی سال میں گھر پر گزر سکتے تھے۔ میسور کانگریس کے اس اجلاس سے یہ بات سب پر واضح ہوگئی کہ نجلنگپّا ایک بہترین مہتمم ہیں' اور بارسوخ و بااثر شخص ہیں' جن کو تمام وسائل و ذرائع کی باقاعدہ خبر رہتی ہے۔ دوسری بات جو کھل کر سامنے آگئی وہ یہ کہ نجلنگپّا شمالی اور جنوبی کرناٹک دونوں علاقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت تھا کہ متحدہ کرناٹک کا لیڈر بننے کی ساری صلاحیتیں ان میں بدرجۂ اتم موجود ہیں' اور یہ کہ قومی سطح پر ان کو بکھرے ہوئے کرناٹک کے صحیح نمائندہ کی حیثیت سے قبول کیا جاسکتا ہے۔

کانفرنس کا وسیع ہال ونوبھا بھاوے کے نام سے موسوم کیا گیا تھا' اور ہفتہ وار (کنڑ) ''پرجامتا'' نے رپورٹ میں کہا' اور یہ تجویز بھی پیش کی کہ یہ نام بہت مناسب ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ ایک قد آور شخصیت کی عزت افزائی کی جارہی ہے' جو مرقع صداقت وہمدردی ہے' بلکہ اصول بھی کہ' وہ تمام خوبیاں اجلاس کے مہتمم اعظم نجلنگپّا میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں' اور یہ کہ ان کی ہردل عزیزی ریاست اور بیرون ریاست کسی سے کم نہیں ہے۔ قارئین کو ٹھیک سے

نہیں بلوالیا وہ مہمان کی حیثیت سے نجلنگپاؔ کے ہاں ہی رہے۔

دونوں میں تال میل اچھا رہا' 1941ء سے 1949ء تک بسپاؔ نے نجلنگپاؔ کا دفتر بخوبی سنبھالا' اور ڈھیر سارے مقدموں کی پیروی کی' سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے نجلنگپاؔ کی سرپرستی میں ایک بہترین پیشہ ور وکیل کا مقام حاصل کرلیا۔ جب نجلنگپاؔ جیل میں تھے تو بسپاؔ اپنی آمدنی کا ایک حصہ نجلنگپاؔ کے ہاں بھجوادیتے تھے۔ نیلماؔ اور مری گماؔ نے گھر بار چلانے میں کوئی کمی آنے نہیں دی۔ بچوں کی تعلیم وتربیت پر بھی باقاعدہ نظر رکھی۔ گروناتھؔ' بیٹے ردرپاؔ اور ساوتؔکا نے ہر قدم پر ساتھ دیا' اور ایک بہی خواہ ہیگرّے ردرپاؔ نے دکان سے سودا سلف کا انتظام کروادیا۔ مختصر یہ کہ نجلنگپاؔ جیل میں ہونے کے باوجود گھر بار کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ بسپاؔ اس خاندان کے ساتھ گذارے ہوئے سالوں کے واقعات' اوروں کے سامنے بڑے ہی شوق اور اپنائیت سے سُناتے تھے' کہتے ہیں کہ ان دنوں گھر والوں نے اپنے اخراجات میں کافی کمی کرلی' خصوصاً ماں بیوی نے' اُن کی یہی کوشش ہوتی کہ بچوں کی تعلیم پر ان کا اثر نہ پڑے۔ حتیٰ کہ دودھ' ترکاری اور پھلوں پر کافی خرچ کم کردیا۔ ساتھ ساتھ اپنی ساکھ بھی بچائے رکھی۔ بچوں نے باپ کی کمی شدت سے محسوس کی' اور وہ بھی ایک ایسے وقت میں جبکہ باپ کی موجودگی اُن کے لئے بہت ضروری تھی' اس کا اثر بچوں کے دل ودماغ پر بھی ہوسکتا تھا۔ عید برات میں کوئی دلچسپی نہیں تھی' سفر تو کہیں کرہی نہیں سکتے تھے' ظاہر بات ہے رفتہ رفتہ ان کی تعلیم پر اثر پڑا۔ بیٹے راج شیکھر کا کہنا ہے کہ شوہر کی قومی تحریک میں شمولیت پر اُن کی ماں کو ناز تھا' عام طور پر گھر پر دال روٹی پکائی جاتی تھی' اور کبھی کبھار چاول' چاول تو ان دنوں ایک نعمت سے کم نہیں تھے۔ راج شیکھر نے بتایا کہ انکا بچپن دادی ماں کی گود میں گزرا' راست دادی کی نگرانی میں' دادی نے

وگمان میں بھی نہ تھا کہ حکومت ایسا کرے گی۔ اس پر لوگ برہم ہو گئے' اور تحریک آزادی ناگزیر ہو گئی' یکلخت عوام کے یوں بپھر جانے پر حکومت بوکھلا گئی' تو اُدھر لیڈروں کی فوری گرفتاری پر اُن کے اہل وعیال بھی پریشان ہو گئے۔ وہ جن کی جائیدادیں تھیں خوشحال تھے' ان کی پریشانیاں کم تھیں' مگر جو غریب تھے ان کے گھروں میں فاقوں کی بھی نوبت آ گئی۔ ایسے لوگ اپنے خوشحال رشتہ داروں کی طرف امید کی نظر ڈالنے لگے کہ گھر کا واحد سرپرست جیل میں ہے' اور دوسرا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ نجلنگپّا کا خاندان بھی اس قبیل کا تھا' اور وہ بھی اس کی زبردست لپیٹ میں آ گیا۔ نجلنگپّا کے پاس عام طور پر چل کیرے' داونگیرے اور چترادرگا کے لوگ مقدمے لاتے تھے' صبح اُٹھتے ہی ماں نیلمّا جب صفائی کرتیں تو اِدھر اُدھر بیڑی سگریٹ کے ٹکڑے دیکھتیں' اور ان کو سمیٹ لیتیں۔ پر بیٹے سے اس کی شکایت کبھی نہیں کی' مگر نجلنگپّا نے خوش اخلاقی سے کچھ معقول وجہ بتا کر دونوں کی لاج رکھ لی۔

دراصل اس نازک موقع پر وہی لوگ آگے بڑھ کر آئے اور مالی امداد کی بھرپور پیش کش کی۔ نجلنگپّا نے گھر والوں کے ساتھ سیاست پر بہت کم تبادلۂ خیال کیا' اس کے جو خطرناک نتائج ہوں گے' ان سے گھر والے پریشان نہ ہوں۔ انہوں نے کل کیلئے کچھ بھی نہیں رکھا تھا۔ وکالت کی سند کے واپس لینے کے بعد کوئی تین سال اُن کی کمائی بیحد متاثر ہوئی تھی۔ 1941ء میں ان کی ملاقات ٹمکور کے سی آر بسپّا سے ہوئی جن کا تعارف بھانجے گروناتھ نے کروایا تھا' وکالت کی ڈگری کے باوجود بسپّا تیرتھ ہلی کے ایک ہائی اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ جب نجلنگپّا نے انہیں اپنی وکالت کے پیشہ میں شامل کرنا چاہا تو انہوں نے حامی بھر لی' حسب معمول نجلنگپّا نے انہیں اپنا مہمان بنایا' اپنے ہی ہاں ٹھہرایا' اور جب تک انہوں نے اپنے اہل وعیال کو چترادرگا

تحت ''لنگا'' کا پہننا ضروری ہونے کے باوجود گھر والوں نے کبھی اس کی پابندی نہیں کی۔ اندھی تقلید اور ضعیف الاعتقادی اس گھر والوں سے کافی دُور تھی۔ اہلِ خانہ وہی اصول اپناتے جو نجلنگپاؔ کو پسند تھے۔ جیل سے واپسی کے بعد سے انہوں نے اپنی پیشانی پر قشقہ نہیں کھینچا' لنگا کی پوجا ترک کردی۔ گو کہ وکالت کے کامیاب دَور میں ان کی کسی قدر پابندی کرلیا کرتے تھے۔ انہوں نے گرومرتینجیا سوامی کے پیر چھوئے' گویا اوروں کی مدد کیلئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ یہ جتانے کی کبھی کوشش نہیں کی کہ وہ کسی کی مدد کررہے ہیں یا بھلا چاہتے ہیں۔ سیاست میں پوری طرح شامل ہوجانے کے بعد گھر کی دیکھ ریکھ میں ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی' حتیٰ کہ اپنی لڑکیوں کی شادی بھی بغیر طمطراق کے ہوئی' ان کے تین بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے بیٹے کرن شنکر نے شادی کی' اور وہ بھی اپنی ہی کوششوں سے' دوسرے بیٹوں کی شادی اس لئے نہیں کی کہ وہ سمجھتے تھے کہ باپ نے ان کیلئے کچھ نہیں رکھا ہے۔ مختصر یہ کہ اُن کی سیاست میں شمولیت کی قیمت' اہلِ خانہ نے چکائی۔ ان کے صرف دو لڑکوں کی تعلیم مکمل ہوسکی' اور منجھلے کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ نجلنگپاؔ نے اپنی اولاد کیلئے کوئی جائیداد نہیں چھوڑی' ان کا خیال تھا کہ بچوں کو خود کوشش کرلینی چاہئے۔ انہوں نے اپنے بچوں کے مستقبل سنوارنے کیلئے کسی کی سفارش نہیں کی۔ سچ تو یہ ہے کہ بچوں کو اس سے دکھ ہی ہوا کہ باپ کے اصولوں کا وہ شکار ہوئے ہیں' مگر اس سے ان کے باپ کے تئیں ادب واحترام میں کوئی کمی نہیں آنے دی۔

اُن کے جیل جانے کے بعد جن کو سب سے زیادہ مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا' وہ بیوی مری گمّاؔ تھیں' شادی سے پہلے انہوں نے غربت کا منہ بھی نہیں دیکھا تھا' مگر اب بچوں کی پرورش کیلئے غربت کی زندگی گزارنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ چھوٹا بیٹا سائیکل

پوتوں کی اخلاقی تعمیر میں بہت دلچسپی لی، اور ہمیشہ ڈھیر ساری سبق آموز کہانیاں سُناتیں، وہ اس وقت تک کہانیاں سُناتیں، جب تک کہ بچے سو نہیں جاتے۔ کبھی کبھی وہ لوری بھی سُنا دیتی تھیں۔ دادی ماں، اخلاق کا جیتا جاگتا نمونہ تھیں۔ ان کو اپنے ہونہار و قابل بیٹے اور پوتے پوتیوں پر بیحد پیار تھا۔ ایک دیہاتی عورت میں اس قدر خوبیاں جذبۂ ایثار و قربانی، کردار کی بلندی وغیرہ قابل رشک تھی۔ مگر روایت پسند تھیں، مثال کے طور پر ہریجنوں کو گھر میں داخلے کی اجازت نہیں دی یا انہیں قدمبوسی کی اجازت بھی نہیں دی۔ اپنے بیٹے کے ہریجنوں سے میل جول کو بھی پسند نہیں کیا، مگر نجلنگپّا نے جب بسویشور کے وچن سُنا کر کہا کہ ذات پات ٹھیک نہیں ہے، اور ہر آدمی کو ایک دوسرے کی برابری کا درجہ حاصل ہے، اور یہی بات گاندھی جی نے بھی کہی ہے تو ماں کا ذہن بدلا، اور اس کے بعد ہریجنوں کی خاطر تواضع میں کوئی کمی آنے نہیں دی۔ اس سے ماں بیٹے کی بلند کرداری کا ثبوت ملتا ہے۔ ماں کو علاج معالجے سے دلچسپی تھی۔ پوتے پوتیوں کو یاد ہے کہ کس طرح اُن کی دادی ماں مریضوں کا علاج کرنے میں خوشی محسوس کرتیں۔ دھڑلے سے کہتیں کہ "دیکھو یہ جڑی بوٹیاں کس قدر مفید ہیں، بہ نسبت انگریزی دواؤں کے۔" نجلنگپّا نے اپنے بچوں کو کبھی نہیں پیٹا، صرف ایک بار، البتہ پیٹا بھی تو بہت پچھتایا۔ بچوں کے کام کاج و کارناموں کی خوب سراہنا کرتے۔ جب بیٹی پرتبھا نے ایک چار سطری خط لکھا تو نجلنگپّا کو بہت خوشی ہوئی۔ گھر والوں کی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے، جس کیلئے کچھ پابندیاں بھی عائد کردی تھیں۔ گو انہوں نے گھر سے باہر کہیں ہوٹل وغیرہ میں کھانے پر پابندی تو نہیں لگائی، تاہم پسند نہیں فرمایا۔ وہ غذا انہیں پسند تھی جو پاک وصاف ہو اور بس۔ اچھے کھانے کی تعریف کرتے، پر فرمائشی کھانا کبھی نہیں کھایا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مذہبی اصول کے

ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں نے اپنے نظریات و پالیسیوں کو بالائے طاق رکھ کر حکومت سے پرزور اپیل کی کہ گاندھی جی کو فوراً رہا کردیں۔ بالآخر انہیں رہا کردیا گیا۔ تب بمبئی کے جوہو میں گاندھی جی آرام فرمانے کیلئے تشریف لائے' سرکاری سطح پر لارڈ لن لتھ گو کی جگہ لارڈ ویول کو ہندوستان کا وائسرائے بنایا گیا۔ مرکزی مجلسِ منتظمہ نے وائس رائے پر دباؤ ڈالا کہ تمام کانگریسی لیڈروں کو رہا کردیا جائے' اور یہ کہ مرکز میں ایک قومی حکومت تشکیل دی جائے۔

ریاستِ میسور کے وزیرِ قانون جے محمد امام ایک قابل' آزاد خیال شخص تھے' وہ نجلنگپا کے دوست بھی تھے' اور انہوں نے چتر ادرگا کالج ہی میں تعلیم پائی تھی۔ خرابیِ صحت کے باعث کے۔ سی۔ ریڈی کے ہنومنتیا' بسپا اور دیگر افراد کو جیل سے رہا کیا گیا۔ پر ضمانت پر محمد امام کی بڑی خواہش تھی کہ نجلنگپا کی بھی رہائی کا انتظام ہوجائے' جس کیلئے انہوں نے اپنے دوست نجلنگپا کو یہ کہلا بھیجا کہ حکومت کے نام ایک خط لکھیں' جس میں ضمانت پر رہائی کی شرط رکھیں' تاکہ درخواست پر فوری کارروائی کی جاسکے۔ مگر نجلنگپا کو اس طرح کی رہائی منظور نہیں تھی کہ لنگڑے بہانوں کا سہارا لیا جائے۔ 1942ء میں گو کہ انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈر رہنوز جیل میں تھے' حکومتِ میسور نے اپنے سارے قیدیوں کو بلا شرط رہا کردیا۔ نجلنگپا ابتداء ہی سے میسور کانگریس سے مُنسلک تھے' اور اُنہیں اُس کی مجلسِ مُنتظمہ میں' یادگار خدمات کے پیشِ نظر شامل کرلیا گیا۔ اس کے جنزل سکریٹری کی حیثیت سے اُنہوں نے ریاست کا دَورہ کیا' جس سے عوام کا ردّعمل جاننے کا بہترین موقع ہاتھ آیا' اور اُن سے اِنکا رشتہ اور بھی مضبوط ہوگیا۔ ساتھ ساتھ گاندھی جی کے نظریات واُصولوں کی تشہیر کا بھی اچھا موقع ملا۔ اِس دوران اپنے پُرانے موکلوں نے انہیں

پر کالج ہوآتا' بیٹیوں کے پاس صرف دو ساڑیاں تھیں' مری گمّا کا صبر و تحمل اس پایہ کا تھا کہ انہوں نے اپنے موکلوں سے کبھی کسی بھی قسم کی مدد قبول نہیں کی۔ یہ اُن کے بلند کردار ہونے کا ایک معمولی نمونہ ہے۔

''بھارت چھوڑو'' تحریک سے' ملک بھر میں ہزاروں جیالوں نے جیلیں بھر دیں' جہاں دل ہلا دینے والی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ نجلنگپّا نے بھی کوئی نو ماہ کولار گولڈ فیلڈ کے جیل میں گذارے' جہاں ان کو مجرموں کے ساتھ رکھا گیا۔ وہاں سے بنگلور کے جیل منتقل کر دیا گیا۔ ہمیشہ لکھائی پڑھائی میں مصروف رہنے والے نجلنگپّا نے جرائم پیشہ لوگوں کی زندگیوں کو بغور دیکھا' سمجھا' اور ان سے ہمدردی جتائی۔ ان کی مدد کرنے کی امکان بھر کوشش کی۔ اُن کے دفاع کیلئے عرضداشتیں تحریر کر کے دیں۔ ''بھارت چھوڑو'' تحریک کی قرارداد کی منظوری کے بعد جب لیڈروں کی گرفتاری عمل میں آئی تو گاندھی جی نے حکومت کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ وائسرائے سے بات چیت کی' ناکامیابی کے بعد گاندھی جی نے 10 فروری 1943ء کو برت رکھا' اور چھ دن کے بعد اُن کی حالت بگڑ گئی' عوام کے مقبول و محبوب رہنما کے ساتھ کیئے گئے سلوک سے ناراض ہو کر وائس سرائے کی کونسل کے تین ہندوستانی اراکین نے احتجاجاً اپنا اپنا استعفیٰ دیدیا۔ دنیا بھر کی حکومتوں نے' لیڈروں نے انگریز سرکار سے اپیل کی کہ بوڑھے بیمار گاندھی جی کو اپنی گرتی ہوئی صحت کی بناء پر فوراً رہا کر دیں' پر حکومت نے کسی کی نہ مانی۔ الٹے ظلم و تشدد کو بے لگام کر دیا۔ اس کے باوجود گاندھی جی نے 21 اکیس دن تک برت رکھنے میں کامیابی حاصل کر ہی لی۔ تب کہیں دنیا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس دوران مہادیو دیسائی اور کستور با کے انتقال کے بعد گاندھی جی' ملیریا کا شکار ہو گئے' جس سے وہ مزید کمزور ہو گئے۔

خیز تشکیلِ نو پر پوری سنجیدگی سے سوچنے کا زرّین موقع ہاتھ آیا۔ ایک ہی زبان بولنے والوں کی پڑوسی ریاستوں سے کرناٹک میں واپسی کا تصوّر اور پھر اُن کی شیرازہ بندی کی ضرورت روز بہ روز بڑھتی گئی۔ اِن سب کا ایک ہی انتظامیہ کے تحت آنا' بہت مفید محسوس کیا جانے لگا' اور یہ فیصلہ اُن کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ ہونے جارہا تھا۔ جب تک ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا' انہوں نے چین کا سانس نہیں لیا' اور آخر کار یکم نومبر 1956ء کو ایک متّحدہ میسور ریاست وجود میں آئی' جو آگے چل کر کرناٹک کہلائی۔ اِس کا ذکر اِس لئے کیا گیا کہ اِس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے' اور اِس کا ایک الگ باب پیش کیا جانے والا ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ زبانوں کی بُنیاد پر ریاستوں کی تشکیلِ نو کا تصوّر جہاں ایک غیر معمولی سوچ سمجھ کا حامل تھا' وہیں چند ایک کی نظر میں مضحکہ خیز اور ناقابلِ قبول بھی۔ اِس سے اِن کی ہر دلعزیزی متاثر بھی ہوئی' اِدھر اُدھر آزادی کے بعد کی نسل کے چند لوگوں نے اِس کی مخالفت بھی کی' مگر بے سُود۔ اِن کا وقار' اِن کا وژن' سیاسی حلقوں کی رُوحِ رواں تھا ہی' بدستور بنا ہی رہا۔ اِن کے وقار و مقام پر حرف نہیں آیا۔ اِسی مقبولیت و دُور اَندیشی کا نتیجہ تھا کہ اُنہیں آل انڈیا کانگریس کی مجلسِ منتظمہ میں شامل کرلیا گیا۔ اُس وقت کے کانگریس کے صدر پٹّا بھی رامیّا کی بر وقت مدد' کارگر ثابت ہوئی۔ رامیّا جی' نجلنگپّا کے ہم خیال تھے۔ نجلنگپّا نے اپنی وسیع النظری اور دُور بینی سے ثابت کردیا کہ وہ ایک ناقابلِ فراموش سیاسی کارکن و رہنما ہیں۔ مثال کے طور پر 6/اپریل 1954ء کو شیموگہ کا 'ملے ناڈو اجلاس ہوا' جس کا اِفتتاح اُس وقت کے مرکزی وزیر رفیع احمد قدوائی نے کیا تھا۔ انہوں نے ایک ہمہ گیر پروگرام پیش کیا' جس میں علاقے

وکالت کے پیشہ کی طرف لوٹ آنے کی اپیل بھی کی، پر نجلنگپّا کا دل و دماغ اب آزادی کی جدوجہد میں پوری طرح مصروف ہوگیا تھا' اُن کے سامنے صرف ایک منزل تھی' اور وہ تھی حُصولِ آزادی۔ جیل سے باہر نکلتے ہی اُنہیں میسور کانگریس کا صدر بنادیا گیا۔ آج کے دَور میں ایسے منصب سے رُسوخ' اثر اور کیا کچھ نہیں جُڑا ہوتا۔ پر اُن دِنوں یہ منصب اُسی کو پیش کیا جاتا' جس کی قربانیاں بے مثال' کوششیں اَنتھک' حکمتِ عملی بے نظیر اور قوّتِ برداشت مثالی ہوتی تھی۔ اُن کی بلند کرداری اور پُرکشش شخصیت سے ہر کوئی متاثر تھا۔ اُن کا کوئی سیاسی حریف نہیں تھا۔ جیسے ہی میسور کانگریس کی صدارت سے سبکدوش ہوئے' ایک اور بڑی ذمّہ داری اِن کی راہ دیکھ رہی تھی' اور وہ تھی کرناٹکا پراونشیل کانگریس کمیٹی یعنی کے پی سی سی کی صدارت' اِن کی ذات ایک عجیب سنگم' جس میں پُرانی ریاستِ میسور کے جنوبی حصّے' اور پھر شمالی حصّے (جہاں کنڑ بولی جاتی تھی' اور جو اُن دِنوں انگریزوں کے زیرِ ماتحت بمبئی کی ریاست میں شامل تھے) پُوری طرح گُھل مل گئے تھے۔ شمال۔ جنوبی کرناٹک کو تہذیبوں کا سنگم قرار دیا جائے تو اس میں کوئی مُبالغہ نہیں۔ اس لئے کہ اِن کی پیدائش شمالی کرناٹک کی تو تعلیم و تربیت جنوبی کرناٹک میں ہوئی تھی۔

ہندوستان کی تاریخ کے اِس اہم نازک موڑ پر اُنہیں یہ ذمّہ داری سونپی گئی' جب ملک آزادی کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔ انگریزوں کا ایک پاؤں باہر پڑ ہی چُکا تھا' اور ایک قومی حکومت مرکز میں قائم ہوچکی تھی۔ مزید یہ کہ ایک نئے ملک وقوم کی بُنیاد ڈالی جارہی تھی' جس میں ایک دستوری اسمبلی اپنا عملی روپ لینے لگی تھی' ٹھیک اِسی وقت اِنہیں اس کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کیلئے منتخب کرلیا گیا۔

اِس سے ایک جدید کرناٹک کی قومی تحریک میں شمولیت' اور پھر اُس کی ایک معنی

4. متحدہ کرناٹک کیلئے جد و جہد و تشکیلِ نو

اس میں کوئی شک نہیں کہ نجلنگپّا ایک بہترین علاقائی سیاستدان تھے' جن کی مکمل پہچان' اُس لسانی علاقے سے ہے' جہاں سے ان کا خمیر اُٹھا ہے۔ قول وفعل اور خیال وعمل کی روشنی میں فی الحال اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ ان کی حیثیت صرف علاقائی قائد کی ہے' اور زیادہ تر اپنی ہی ریاست کے مسائل سے اُن کی واقفیت اور دلچسپی ہے' تو یہ بات بھی سامنے ابھر کر آتی ہے کہ ان میں قومی جذبات اور قیادت کی ساری خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں' اور ایسے ہی کردار اور پس منظر کا کوئی قابل سچا محبّ وطن ہندوستان جیسے عظیم ملک کی مشترکہ تہذیب وتمدن' زبان ومذہب کی صحیح نمائندگی وترقی کی ضمانت دے سکتا ہے' اور صحیح معنوں میں قومی کردار کا علمبردار ہوسکتا ہے' اپنے اس پس منظر سے قومی سیاسی سطح پر وارد ہونے کیلئے ان میں سب صلاحیتیں موجود تھیں' پھر بھی انہوں نے ریاستی سطح پر ہی اپنی کارروائیوں کو محدود رکھنے کا ارادہ فرمالیا۔

غالباً قومی قائدین نے ان کے ریاستی مقاصد سے شدید لگاؤ کے پس منظر میں کسی حد تک محسوس کیا ہوگا کہ ایسے شخص کو جس کی جڑیں زیادہ تر اپنی ہی سرزمین میں پھیلی ہوئی ہیں' قومی سطح پر اپنے درمیان رکھنا زیادہ عقلمندی کی بات نہیں ہوگی۔ بھارت جیسے ملک میں جہاں کی سچی سیاسی زندگی علاقائی سطح پر موجود ہے کوئی بھی علاقائی لیڈر پسند نہیں کرے گا کہ اس کی سچی سیاسی طاقت' اور مقام کو قومی سطح کی ایک تخیّلی قوت ورونق پر ترجیح دے۔ بی۔سی۔ رائے یا پرتاب سنگھ کیرون جیسے بلند پایہ لیڈروں نے پسند نہیں کیا کہ دلّی کا رخ کریں۔

28/مئی 1997ء کو اُن کے چھوٹے سے پُرسکون گھر میں جب مَیں نے ان کا

کی ہمہ جہتی ترقّی اوراس کی بے پناہ قدرتی دولت کو بروئے کار لانے کی بات کہی گئی تھی۔اب یہاں قومی تحریک کی کہانی کو کسی قدر مُختصر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قومی اور علاقائی سطح کی تحریکوں کو الگ الگ پیش کیا جائے' گوکہ ایسا تصوّر نجلنگپّا نے پسند نہیں کیا تھا۔اُن کی خواہش تھی کہ ایک آزاد ملک ہو' جہاں کا ذرّہ ذرّہ اُس کا ایک جزوِ لاینفک ہو' کوئی حصّہ ایک دوسرے سے جُدا نہ ہو' بلکہ گہوارۂ علم وادب' وتہذیب وتمدّن ہو!!

ہیں، اور نہ ہی ضروری۔ بس اجمالاً اتنا اشارہ کافی ہوگا کہ اس کی تشکیل میں وہ کون سے عناصر تھے، جن کی بدولت یہ کارنامہ ممکن ہوسکا۔ یہ کہانی پیچیدہ بھی ہے، اور اس کا احاطہ مشکل ہے، کوئی اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔

اس تحریک کی شروعات سب سے پہلی بمبئی۔کرناٹک علاقے کے انتظامیہ یونٹ سے ہوئی، کچھ ایسا ہوا کہ اس علاقے میں جہاں کی اکثریت اور برسراقتدار لوگوں کی زبان مراٹھی اور دیگر زبانوں کی تھی، کنڑا بولنے والوں کے مفادات کو دھیرے دھیرے نظرانداز کیا جارہا تھا۔ اس بے انصافی کے خلاف آواز اُٹھانے کی تحریک ہی آگے چل کر ایک الگ متحدہ کرناٹک کا باعث ہوسکی۔

گوکہ مدراس پریسی ڈنسی میں رہنے والے دیگر زبان دانوں کی بھی کچھ ایسی ہی شکایتیں تھیں۔ پہل تو بمبئی۔کرناٹک کے کنڑ دانوں نے ہی کی۔ اسی طرح حیدرآباد کنڑا علاقوں کے کنڑا دانوں نے بھی اپنی زبان دوستی اور بے انصافی کے خلاف آواز اُٹھانا مناسب سمجھا۔ اس لئے کہ نظام الملک کی سرپرستی میں کچھ بارسوخ ومفاد پرست، عوام کا استحصال کررہے تھے۔

ریاستِ میسور میں کنڑ والوں کے حقوق ومفادات محفوظ تھے، اس کا سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کی اکثریت کی زبان کنڑ ہی ہے۔ اسی لئے کوئی احتجاجی جلسے جلوس وغیرہ کی کوئی توقع کم کم ہی تھی، رفتہ رفتہ، کنڑ کی پہچان زور پکڑنے لگی، جو کسی منفی رویہ کے پیش نظر نہیں بلکہ ایک مثبت رخ میں تھی، چونکہ اس زبان کا ایک شاندار تاریخی پس منظر ہے۔ اس لئے پرانی ریاستِ میسور میں ردِعمل ملا جلا ہی رہا۔ چند ایک نے کھلے عام اس کی حمایت کی، تو چند ایک نے اندر ہی اندر اس کی مخالفت بھی کی۔ یہ بات دھیان میں رہے کہ ویرا شیوا اور وکلیگا فرقے کے لوگوں نے مہاراجہ کی حکومت میں اعلیٰ

انٹرویولیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ریاستی سیاست سے کٹ کر قومی سطح کی سیاست میں جانا ہی نہیں چاہتے تھے' دراصل کامراج ناڈر یوں سمجھئے کہ اغوا کر کے انہیں بنگلور سے دلّی لے گئے۔ اسلئے یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ قومی سطح پر نجلنگپّا نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے' وہ ایک قدآور ریاستی لیڈر ہی کے سر جاتے ہیں۔ میسور کے کانگریسی لیڈر کی حیثیت سے جبکہ ریاستِ میسور پر ابھی مہاراجہ کی حکمرانی تھی' اور دوسرا یہ کہ انہیں پورے کنّڑ علاقے کے کانگریسی لیڈر کی حیثیت سے تسلیم کرلیا گیا تھا۔ ریاستی سطح پر انہوں نے نہ صرف قومی کانگریس تحریک کو مضبوط بنایا' بلکہ ریاست میں ایک ذمّہ دار جمہوری حکومت کے قیام کیلئے انتھک کوشش بھی کی۔ اس جدوجہد میں ریاستِ میسور کو بھارت ہی کا ایک حصّہ بنائے رکھنے کی عظیم کوشش بھی شامل تھی۔ اس لئے کہ ایک اہم نازک موڑ پر' میسور کے مہاراجہ نے اپنے آپ کو ہندوستان سے باہر نکال لینے کی کوشش کی۔ ان کا دوسرا اہم کارنامہ بھارت میں ایک متحدہ کرناٹک کا قیام تھا' اور پھر اس کی تشکیل نو کی مضبوط بنیاد پر اس کی ہمہ جہتی ترقی کے سارے امکانات' تلاش کرنا تھا' اگر یہ پوچھا جائے کہ ان دو عظیم کارناموں میں کونسا کام عظیم تر ہے؟ تو جواب دینا مشکل ہوگا۔ تاہم کنّڑ بولنے والوں کے علاقوں کو مہاراشٹر' آندھرا اور تملناڈو سے نکال کر کرناٹک میں شامل کرنا' اور ایک متحدہ کرناٹک کا قیام عمل میں لانا عظیم تر کام ہے۔ ایک انٹرویو کے دوران جس کا ذکر اس سے پہلے کیا گیا ہے' نجلنگپّا نے خود یہ تاثر دیا کہ کرناٹک سٹیٹ کی بنیاد ڈالنا' ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے' گوکہ بحیثیتِ وزیراعلیٰ ان کی کارکردگی پر انہیں فخر ہے۔

متحدہ کرناٹک کی تشکیل کے بارے میں کچھ بتانے سے پہلے یہ بتانا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریک کہاں' کب اور کیسے شروع ہوئی' اس کے بعد نجلنگپّا کی اس سلسلہ میں گرانمایاں خدمات پر روشنی ڈالی جائے گی۔ یہ ایک لمبی تاریخ ہے' جس کی تفصیلات نہ ممکن

ایک الگ تحریک کے طور پر بھی تسلیم کیا گیا۔ ویسے یہ تحریک کنڑ دانوں تک ہی محدود نہیں تھی، اس کی حیثیت بتدریج ملک گیر ہوتی گئی، اور مختلف ریاستوں کی سرحدوں پر بولی جانے والی اقلیتوں کی زبانوں اوران زبانوں کے استعمال کرنے والوں کی حق تلفی کے تدارک کیلئے کی گئی۔

جہاں تک کرناٹک کا تعلق ہے، مطالبہ کیا گیا کہ پڑوسی ریاستوں میں جہاں تقریباً بیس (20) انتظامیہ یونٹ ایسے ہیں، جہاں کنڑ بولنے والے بکھرے پڑے ہیں، انہیں کرناٹک میں پھر سے شامل کرلیا جائے، اور ایک متحدہ کرناٹک کی ازسرِ نو تشکیل کی جائے، 1924ء کی بلگام کانفرنس سے بہت پہلے دراصل 1920ء میں مادھوراؤ پی۔ وی کی صدارت میں ہوئی دھارواڑ کانفرنس میں متحدہ کرناٹک کا مطالبہ بڑے زور وشور سے کیا گیا، اوراس ضمن میں ایک قرارداد بھی منظور کی گئی۔

کانگریس کی ناگپور کانفرنس میں کاڈپاؔ، راگھویندرراؤ وغیرہ نے اس سلسلے میں کافی دوڑ دھوپ کی، کرناٹک سے آئے ہوئے کوئی دوسومندوبین نے 1925ء میں کرناٹک کیلئے ایک الگ کانگریس کمیٹی کی شاخ کی منظوری لینے میں کامیابی حاصل کرلی۔ اس مطالبہ کو مزید تقویت اس وقت ملی جب کھدر آریویدا تاریخ، صنعت وحرفت، تجارت وثقافت وغیرہ پر مختلف اوقات میں الگ الگ کانفرنسوں کا انعقاد عمل میں آیا۔

شمالی کرناٹک (یا بمبئی۔ کرناٹک) میں دھارواڑ کو اس سلسلے میں مرکزی حیثیت حاصل رہی، اور تحریک کی روشنی یہیں سے چاروں طرف پھیلتی رہی۔ مشہور کنڑ شاعر بیندرؔے سے متاثر چند ادب دوست احباب کی ایک ٹولی گیلیرا گمپو، (دوستوں کی انجمن رحلقۂ احباب) کے بھرپور تعاون سے رہنمائے وقت مدویرا، کاڈپاؔ، ہونّا پور مٹھ وغیرہ نے اپنے ذاتی صرفے سے اسے پروان چڑھایا۔

منصبوں پر قبضہ جمائے رکھا تھا۔

یہاں ایک اور مخالفت ان لوگوں کی تھی، جو تحریک آزادی کی روحِ رواں کانگریس کے خلاف تھی، ان کا کہنا تھا کہ کانگریس پر خصوصیت سے برہمنوں اور دیگر اونچی ذات کے لوگوں کی گرفت ہے، پھر بھی متحدہ کرناٹک کی تحریک کو ان لوگوں نے بھی پسند فرمایا، اور تعاون بھی پیش کیا۔ ایک لحاظ سے اس طرح کی تحریک انیسویں صدی کے اواخر ہی سے شروع ہو چکی تھی، مگر منظّم تحریک تو بعد ازاں ہی ہو سکی۔

غالباً تحریکِ آزادی کی شاندار شروعات کے اعزاز میں، اور کرناٹک کی شیرازہ بندی کی تحریک کو ٹھوس شکل دینے کیلئے، 1924ء میں بلگام میں، اس میدان میں، جہاں کانگریس کا پہلا تاریخی سالانہ اجلاس ہوا تھا، ایک کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔

نجلنگپّا جنہوں نے بلگام کی اس تاریخی کانفرنس میں شرکت کی تھی، شاید متحدہ کرناٹک کی تحریک سے جڑی کانفرنس میں بھی شرکت کی ہوگی، پر اس کی تائید میں کوئی ٹھوس ثبوت حاصل نہیں ہو سکا۔

چند ایک مورّخوں اور عالموں کا خیال ہے کہ ایکی کرن (شیرازہ بندی) کی تحریک خود کی پہچان، اور شناخت کی سمت ایک ناپا تلا قدم تھا، اور اس کا محرک کافی حد تک جدید مغربی ذہن تھا۔ خیر یہ پس منظر رہا ہو تو ہو، پر اقلیتوں کے مفادات کا تحفظ ہی اہم مقصد رہا ہوگا۔ کم سے کم ان علاقوں میں جہاں کنڑ بولنے والوں کی تعداد نسبتاً کم تھی۔

تحریک میں حصہ لینے والے مفکّر، شاعر اور اخبار نویس وغیرہ تھے، ادب شناس اور ادب پرور طبقہ بھی اس میں شامل تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ سیاست دانوں نے تحریک آزادئ ہند کی تائید کرتے کرتے اس تحریک کو بھی سیاسی رنگ دینا چاہا کہ مادری زبان سے دوری سیاسی غلامی کے نتیجہ میں ہے، تو اس طرح رفتہ رفتہ اس تحریک کو سامراجیت کے خلاف

میں بمبئی اور مدراس کی مجلسِ مقنّنہ نے متحدہ کرناٹک کی تشکیل کی تائید میں قرار دادیں پاس کیں۔

1947ء میں ٹھیک اسی وقت، جبکہ نجلنگپاؔ کے پی سی سی کے صدر تھے، اس معاملہ میں کچھ کرگزرنے کی سوچی، اور جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جاچکا ہے، کے پی سی سی اور متحدہ کرناٹک تحریک کا اشتراک ہوچکا تھا، بس اس کے بعد زبان کی بنیاد پر صرف کنڑ بولنے والوں کے علاقوں کے الحاق کی جدوجہد میں نجلنگپاؔ نے اپنے آپ کو پوری طرح مصروف کرلیا۔

1946ء میں انہوں نے کرناٹکا ایکی کرنا سنگھا کی کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اپنے افتتاحی خطبہ میں سردارؔ پٹیل نے ایک علیحدہ متحدہ کرناٹک کی تشکیل کی تحریک کی حمایت کردی۔ اس کانفرنس میں اور 31/ اگست 1946ء کو داونگیرے میں ہوئے کل کرناٹک کنونشن میں نجلنگپاؔ نے زیادہ گرم جوشی دکھائی۔ صرف یہ بتانے کیلئے کہ جذباتی طور پر وہ اس الحاق کے حق میں ہیں۔ اس جدوجہد کو آگے بڑھانے کیلئے اس کنونشن میں ایک کمیٹی کی تشکیل دی گئی، جس میں نجلنگپاؔ، مہاراشٹر کے وزیر مال ایم۔ پی۔ پاٹل، کے۔ پی۔ جنیاراؔجاہیگڈے کو شامل کیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد کے سی ریڈیؔ کی صدارت میں میسور کانگریس کمیٹی نے بھی ایک قرارداد بنگلور کے اجلاس میں پاس کی کہ ایک متحدہ کرناٹک کی تشکیل ہونی چاہئے۔

دسمبر 1947ء کو کیرلا کی سرحد پر واقع کاسرگوڈ کے سالانہ کنڑ ادبی اجلاس کو متحدہ کنونشن سے جوڑ دیا گیا۔ اس تاریخی اجلاس میں نجلنگپاؔ نے کھلے الفاظ میں اعلان کیا کہ کسی بھی صورت کنڑ دانوں کے مفادات کا تحفظ ہو اور ایک الگ متحدہ ریاستِ کرناٹک کی تشکیل عمل میں آنی چاہئے، اور یہ کہ کسی اور پابند منصوبہ کو قبول نہیں کریں گے۔ اِسی

ابتداً اس تحریک کو ایکی کرنا سبھا (مجلسِ اتحاد) کا نام دیا گیا۔ جسے آگے چل کر ''کرناٹکا ایکی کرنا سنگھا'' میں بدل دیا گیا۔ یہ مجلس کرناٹکا پردیش کانگریس کمیٹی کے شانہ بہ شانہ اپنی کارروائیوں کو آگے بڑھاتی رہی۔ 1947ء تک اس نے کرناٹک کے مختلف مقامات پر کوئی گیارہ کانفرنسیں کیں۔ اس ضمن میں دھارواڑ کو امتیاز حاصل ہے کہ یہاں چار کانفرنسیں یعنی 1928ء، 1933ء، 1938ء اور 1944ء میں ہوئیں۔

1947ء سے پہلے' اس مجلس نے کانگریس سے اپنا مطالبہ منوانے کیلئے کامیابی حاصل کرلی۔ مثال کے طور پر 1937ء میں اس مطالبہ کو کانگریس کے انتخابی منشور میں شامل کرلیا گیا تو اس طرح یہ تحریک سارے ملک میں پھیل گئی۔

1938ء میں بنگلور میں بیناگل راماراؤ کی صدارت اور بی۔ شیومورتی شاستری کی معتمدی میں ''کرناٹکا ایکی کرنا سنگھا'' کا قیام عمل میں آیا' اور اس مرکزی انجمن نے مڈک سرا' ہوسور' کولیگال' ادونی وغیرہ ریاستی سرحدوں پر واقع مقامات میں بسنے والے کنڑ دانوں میں اپنی مادری زبان سے رشتہ کا احساس جگایا۔

1946ء تک یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ انگریز' جلد یا بدیر ہندوستان چھوڑنے والے ہیں' اور یہ بات کھل کر اس وقت عوام کے سامنے آئی' جب دسمبر 1946ء میں دہلی میں قانون ساز اسمبلی نے اپنا کاروبار سنبھال لیا۔ اس خوشگوار تبدیلی سے بکھرے پڑے کنڑ ادانوں اور کنڑا کے علاقوں کے انضمام کی کوششیں زور پکڑتی گئیں۔

اس لئے 1942ء میں بمبئی میں ایک اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی' بعد ازاں اس وقت کے وزیر خزانہ یم۔ پی۔ پاٹل کی صدارت میں داونگیرے میں ہوئے کل کرناٹک کنونشن میں ایک متحدہ کرناٹک کی تشکیل کا مطالبہ کیا گیا۔ خصوصیت سے قانون ساز اسمبلی پر زور ڈالا گیا کہ ایک متحدہ کرناٹک کی تشکیل فوراً عمل میں لائی جائے' اور پھر اپریل 1947ء

وخوض کرنا چاہئے۔ قانون ساز اسمبلی کے صدر راجندر پرساد کی صدارت میں دلّی میں علاقائی کانگریس کمیٹیوں کی نشست ہوئی' جس میں فروری 46ء کو اسی مقصد کیلئے ایک قرارداد منظور کی گئی۔

1948ء میں میسور کی قانون ساز اسمبلی نے استعفیٰ دیدیا' تاکہ ریاست کے دستور میں وسیع تر ریاستِ میسور کی تشکیل کی گنجائش رکھی جاسکے' جہاں کنڑّ زبان استعمال کرنے والے علاقوں کو ان کی باقاعدہ اجازت کے بعد شامل کیا جاسکے۔ بہت سارے دانشوروں' ادبی شخصیتوں نے کنڑّ علاقوں سے نمائندگی کی' اور ایک متحدہ کرناٹک کی تائید میں بیانات جاری کئے۔ صرف ایک شخص نے اس کی مخالفت کی' اور وہ تھے ڈی۔ وی۔ گنڈپاؔ (ڈی وی جی)۔ انہوں نے کہا کہ ایک کے عوض دو ریاستوں کی تشکیل ہونی چاہئے' جس میں حالیہ ریاستِ میسور پر مشتمل ایک کرناٹک' اور بقیہ علاقوں بشمول دوسری ریاستوں سے منتقل شدہ علاقے' ایک اور کرناٹک کی تشکیل ضروری ہے۔ قومی قائدین نے بالخصوص نہروؔ نے' اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ تاہم پارلیمان میں انہوں نے اعلان کیا کہ کرناٹک اور آندھرا میں' آندھرا کی تشکیل نو آسان ہے' ظاہر بات ہے کہ اس اعلان پر کرناٹک میں کافی برہمی کا اظہار ہوا۔ چند ایک نے یہاں تک محسوس کیا کہ نہروؔ کرناٹک کے قائدین میں پائے گئے اختلافات کا استحصال کررہے ہیں۔

نہروؔ کے اعلان کے فوراً بعد کرناٹک کی قانون ساز اسمبلی کے اراکین اور یہاں کی مجلسِ منتظمہ نے 25 جنوری 1948ء کو دلّی کا سفر کیا' اور کانگریس کی مجلس منتظمہ کے سامنے ایک پیشکش رکھی' نجلنگپاؔ نے جو اُن دنوں کے پی سی سی کے صدر تھے' اس وفد کی قیادت کی' وفد میں کے۔ آر۔ کارنتؔ' ایم۔ پی۔ پاٹلؔ' اور آر۔ آر۔ دیواکرؔ بھی شامل تھے۔

دوران 24 / اکتوبر 1947ء کو پُرانے میسور میں مہاراجہ کی سرپرستی میں ایک ذمہ دار حکومت کا رقیام عمل میں آیا۔

6 / نومبر 1948ء کو بیرور میں ہوئے میسور کانگریس کے اہم اجلاس میں وزیراعلیٰ کے سی ریڈّی نے کھلے عام اعلان کیا کہ پرانی ریاست میسور ایک متحدہ کرناٹک کی تشکیل میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ اجلاس میں اس بات پر بھی ایک قرارداد منظور کی گئی کہ انڈین نیشنل کانگریس، زبانوں کی بنیاد پر الگ الگ ریاستوں کے قیام کے حق میں ہے، اور یہ کہ میسور سٹیٹ کانگریس نے اسے قبول کرلیا ہے، اور یہ بھی کہ جب تک ایک الگ ریاست کنڑ دانوں کے مفادات کی حفاظت کیلئے وجود میں نہیں آئے گی وہ علاقے جہاں کنّڑ دان بستے ہیں، ترقی کر نہیں سکتے۔ ایسے علاقوں میں کنّڑ دان اقلیت میں ہیں، قرارداد میں یہ واضح کردیا گیا کہ کرناٹک کے عوام، عام طور پر جذباتی سطح پر ہم خیال پائے گئے ہیں، اس لئے گذارش کی گئی کہ مہاراجہ کی سرپرستی میں ایک متحدہ کرناٹک وجود میں آئے، قرارداد اتفاق رائے سے منظور کی گئی۔

1946ء میں اسمبلی کے اجلاس کے دوران قانون ساز اسمبلی پر زور ڈالنے کی کوشش کی گئی کہ ہندوستان کے دستور میں لسانی بنیاد پر ملک کی ریاستوں کی ازسرنو تشکیل عمل میں لائی جائے۔

8 / دسمبر 1946ء کو دلّی میں ایک اجلاس، لسانی ریاستوں کی حمایت کرنے والوں نے منعقد کیا، جس کی صدارت پٹّا بھی رامیّا نے کی۔ اجلاس میں کانگریس کو یاد دلایا گیا کہ لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل نو کا وہ 1920ء ہی میں وعدہ کرچکی ہے، اور یہ کہ 1945ء کے انتخابی منشور میں بھی اس کا وعدہ کیا گیا ہے، اور یہ کہ انہی خطوط پر ہندوستان کا نیا نقشہ بنایا جائے گا۔ اس لئے قانون ساز اسمبلی کو اس ضمن میں فوراً غور

اہم قائد کی سی ہوگئی۔ اس لئے کہ اس کاز کیلئے اپنے نیک خیالات کا اظہار کرنے والوں کو انہوں نے نہ صرف یکجا کیا، بلکہ ایک پلیٹ فارم پر لے آئے۔ انہوں نے قومی رہنماؤں کی پارلیمان، اور اس کے باہر کھلے الفاظ میں مذمت کی، اور تشکیل نو کی اہمیت، غرض وغایت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ اعداد وشمار کے ساتھ اس سلسلے میں وہ اس حد تک مصروف ہوگئے کہ ان کی ہر سانس، بس اسی مقصدِ اتحاد کیلئے گویا وقف ہوگئی تھی۔

دسمبر 1948ء جے پور کے انڈین نیشنل کانگریس کے 55 ویں سالانہ اجلاس میں، اس احتجاج کا سنجیدگی سے جائزہ لیا گیا، اور ایک سہ رکنی کمیٹی بنائی گئی، جس میں پٹا بھی رامیا، نہرو اور پٹیل کو نامزد کر کے ان سے ایک رپورٹ طلب کی گئی۔ اس کمیٹی کا تقرر بھی تقریباً اسی مقصد سے کیا گیا، جس کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے۔

یکم اپریل 1949ء کو جو رپورٹ پیش کی، اور شائع کی گئی، اس میں وہی بات دہرائی گئی کہ فی الحال یہ معاملہ ملتوی کیا جانا چاہئے۔ اس لئے کہ اس سے قومی سالمیت کے متاثر ہونے کا بھرپور امکان ہے، اور بہت ممکن ہے سرحدوں کی حفاظت اور اقتصادی حالت بھی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا کہ آندھرا کی تشکیل نو فوری طور پر ہو جانی چاہئے، اس کو فوقیت غالباً اس لئے دی گئی کہ اس کمیٹی میں ایک اہم رکن آندھرا کا رہنے والا تھا۔

اس رپورٹ سے حسب توقع کرناٹک کے عوام میں ناراضگی کی لہر سی دوڑ گئی، اور صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ اس رپورٹ پر غور وخوض کیلئے 8 / مئی 1949ء کو ہبلی میں کے پی سی سی کی ایک نشست نجلنگپا کی صدارت میں ہوئی، جس میں رپورٹ کی مذمت کی گئی۔

علیحدہ کرناٹک اور آندھرا کی تشکیل کے سلسلے میں نجلنگپا اور دیگر ہم خیال قائدین کی

وفد نے قومی قائدین کو صاف صاف بتا دیا کہ لسانی ریاستوں کی تشکیل نو کے معاملے میں آندھرا کو کرناٹک پر ترجیح دی گئی تو، کرناٹک کی مجلس منتظمہ کے تمام اراکین استعفیٰ دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ وفد نے گاندھی جی سے بھی ملاقات کی، اور عرضداشت کی ایک نقل انہیں بھی پیش کی۔ گاندھی جی کے بے دردانہ قتل سے اس تشکیل کی کارروائی میں ایک عرصہ تک جُھول رہا۔ پر آندھرا، کیرلا، کرناٹکا اور مہاراشٹر کے قائدین نے اس مطالبہ کو زیادہ جوش وخروش سے مرکزی کانگریس کی قیادت میں پیش کیا۔

جب کبھی حکومت فوراً کسی معاملہ کا حل ڈھونڈنا نہیں چاہتی تو ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیتی ہے، جس سے تاخیر ناگزیر ہو جاتی ہے، اور حکومت تب تک مطمئن ہو جاتی ہے، بالکل بے فکر ہو کر رہ جاتی ہے۔

مرکزی نیشنل کانگریس کی سرکار نے اس سلسلہ میں ایسا ہی کیا، اور ایس۔ کے۔ دھر کی صدارت میں ایک کمیٹی بٹھا دی گئی، اور اس کا اعلان 17 رجون 1948ء کو ہوا۔ ایسا لگتا ہے کہ جس مقصد کے تحت اس کمیٹی کی تشکیل دی گئی تھی، عین اس کے مطابق کمیٹی نے یہ رپورٹ پیش کی کہ حالاتِ حاضرہ، اور دیگر پائی جانے والی چند پیچیدگیوں کے پیشِ نظر، ریاستوں کی تشکیل نو کا معاملہ، فی الحال ملتوی کر دیا جائے۔

جہاں تک کرناٹک کے مفادات کا تعلق تھا، یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ تملناڈو اور تلگو بولنے والے علاقوں سے کنڑ بولنے والے علاقوں کو علیحدہ شناخت کر کے انہیں کرناٹک میں شامل ہونے دیا جائے۔ پر اس تشکیل کو مشکل بنانے میں مہاراجہ کی پرانی ریاست میسور، روڑے اٹکا رہی تھی، جیسا کہ توقع تھی، کے پی سی سی کی قیادت میں پورے کرناٹک میں اس مخالفت کے خلاف آواز اُٹھائی گئی، اس احتجاج کے دوران نجلنگپّا کی حیثیت ایک

لوگوں کی مخالفت کی بنیاد پر خود آندھرا کا معاملہ بھی ملتوی کردیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مہاراجہ کی سرپرستی والی پرانی ریاست میسور میں لوگوں نے متحدہ کرناٹک کے قیام کی مخالفت کی، تاہم اکثریت والے لنگائیتوں نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ متحدہ ریاستِ کرناٹک کا مطلب تھا حکومت میں بٹوری جانے والی سہولتوں میں کمی یا محرومی، اس کے باوجود، جیسا کہ نجلنگپّا کے ایک انٹرویو سے ظاہر ہے، اس خیال کو منظوری ملنے پر مخالفت پھیکی پڑگئی۔ دراصل یہ نجلنگپّا کی شاندار وایماندار شخصیت ہی کا نتیجہ ہے کہ پرانی ریاست میسور کے قائدین کو اتحادِ ریاست کے موضوع پر آخرکار ہم خیال ہونا ہی پڑا، مگر کچھ اہم قائدین جیسے ایچ۔ سی۔ داسپّا، کے۔ سی۔ ریڈّی، کے۔ ٹی۔ بھاشیم، اے۔ جی۔ بنڈی گوڈا وغیرہ نے متحدہ کرناٹک کے خلاف کبھی کچھ نہیں کیا۔ یہ معاملہ کسی حد تک کھٹائی میں اس لئے بھی پڑا کہ جہاں شمال میں قومی قائدین نے ٹال مٹول کی پالیسی اپنائی، وہیں خود ہمارے کنڑ دانوں میں سے چند ایک نے متحدہ کرناٹک کی تشکیل کی مخالفت کی۔ اس تاخیر کیلئے پرانے میسور کے اہم قائد کے ہنومنتیّا نے موثر قیادت کی کمی، اور عوام میں عدم تعاون کو قصوروار ٹھہرایا۔

انہوں نے راست الزام یہ لگادیا کہ جنوب کی علاقائی لیڈرشپ نے مقامی مقصد کو پس پشت ڈال کر قومی رہنماؤں کے سامنے سپر ڈال دی ہے۔ پھر بھی بہت سارے اداروں نے تشکیل نو کی اس جدوجہد کو جاری رکھا۔

مثال کے طور پر 12/ جولائی 1951ء کو کے یم۔ ردرپّا کی صدارت میں کرناٹک یواپریشد (کرناٹکا یوتھ کانفرنس) کی مجلسِ منتظمہ نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں اتحاد کی تحریک کا نہ صرف خیر مقدم کیا، بلکہ اس تحریک سے بھرپور تعاون کا وعدہ بھی کیا۔

نجلنگپّا نے اس وقت کے کانگریس صدر پرشوتم داس ٹنڈن سے ملاقات کرکے

برسوں کی انتھک کوششوں پر پانی پھر گیا' گوکہ کانگریس نے ان کے مطالبات کو تسلیم کر کے دستور میں جگہ دے دی۔

3 / دسمبر 1949ء کو ہبلی میں ہوئی کے پی سی سی کی ایک میٹنگ میں یہ قرارداد پاس کر کے سنگین حالات کو ڈنکے کی چوٹ پر بیان کیا گیا کہ اب خموشی جان لیوا ہوگی۔ اس تحریک کو' اور موثر بنانے کیلئے' مجلس مقننہ کے تمام اراکین کو مستعفی ہو جانے پر آمادہ کرنا چاہئے' اور ایسا ہی پارلیمان کے تمام اراکین سے بھی گذارش کی جائے کہ وہ اپنی اپنی سیٹیں خالی کر دیں۔

یہاں اس بات کی صاف صاف نشاندہی ہو رہی تھی کہ کنڑ دان بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ ان کا کانگریس پر سے بھروسہ اُٹھ گیا ہے' اور یہ کہ ایک متحدہ ریاست کی عدم موجودگی سے روزانہ ہمہ قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے' اور یہ کہ کنڑ دانوں کے مفادات و جائز حقوق کی پامالی ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہو رہی ہے' اور غضب یہ کہ ان لوگوں کو قومی دھارے میں شامل ہو کر ملک و قوم کی ترقی میں شریک ہونے سے روکا جا رہا ہے۔

اراکینِ اسمبلی کو استعفیٰ پیش کرنے کے سوا' اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے فرائض نہیں نبھائے تھے۔ 4 / جنوری 1955ء کو نجلنگپّا نے بمبئی میں ولبھ بھائی پٹیل سے مل کر اس تاریخی قرارداد سے واقف کرایا۔ بعدازاں وفد نے دلّی میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کو ذاتی طور پر قرارداد پیش کی۔ کانگریس صدر راجندر پرساد نے یقین دلایا کہ اس معاملہ میں کرناٹک سے کوئی بے انصافی نہیں ہونے دیں گے' اور اس کے مفادات کو کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔

اس دوران' رائل سیما میں شامل بلاری' کرنول' کڈپہ اور اننت پور اضلاع کے

انجمن کے خلاف پروپگنڈہ میں مصروف ہو گئے۔

اپنے من کی بات بلا جھجک کہنے والے با اصول بیباک نجلنگپّا' اس وقت کے کانگریس کے صدر آچاریہ کرپلانی سے ملے۔ بتایا جارہا تھا کہ اس مجوزہ انجمن کے قیام کیلئے ہری جھنڈی دکھانے والے یہی تھے' نجلنگپّا نے ان سے پوچھا کہ کیا وہ چاہتے ہیں کہ ملک دوحصوں میں بٹ جائے؟ کرپلانی نے انہیں نہرو سے ملنے کو کہا' اور جیسا کہ توقع تھی نہرو نے انہیں سردار پٹیل سے ملنے کو کہا۔ سردار پٹیل نے دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے اس معاملہ کی اگلی شکل کا اندازہ کرتے ہوئے نجلنگپّا کو نصیحت کی کہ اس ضمن میں تمام ریاستوں میں ستیہ گرہ کروائیں' اور وعدہ کیا کہ بقیہ سب خود ہی سنبھال لیں گے۔ انہوں نے نجلنگپّا کی ان کوششوں کو خوب سراہا۔ انہوں نے منشی سے بھی مل کر اپنے احتجاج کا ذکر فرمایا۔

دراصل انہیں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ کے۔ ایم۔ منشی نے اسے ایک خالص تکنیکی معاملہ سمجھ کر ایک تجربہ کار قابل وکیل کی نظر سے دیکھا ہے۔ منشی نے بتایا کہ اس کام کیلئے انہیں تیس (30) ہزار روپے دئے گئے تھے۔ پھر بھی ایک وفادار کانگریس کی طرح وہ نجلنگپّا کے ساتھ کام کریں گے۔ بشرطیکہ وہ کرناٹک بھر میں ستیہ گرہ کروائیں۔

یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ لسانی بنیاد پر بنی ریاستوں کے معاملے میں' نجلنگپّا کا رول محدود تھا' پر نازک تھا' اس پس منظر میں کہ مجوزہ انجمن سے ریاستوں کی تشکیل نو کے مسئلہ کو زبردست دھکا لگ سکتا تھا۔ خوش نصیبی سے جمہوریت اور فیڈرلزم کیلئے نجلنگپّا کی طرف سے کئے گئے احتجاج نے' مجوزہ انجمن کو اپنی پیدائش سے پہلے ہی ختم کر ڈالا۔

19/دسمبر 1952ء کو غیر متوقع طور پر ہوئی ایک تبدیلی کے بعد حکومت ہند نے پارلیمان میں یہ اعلان کیا کہ آندھرا کا قیام عمل میں آئے گا۔ یہ اس لئے ممکن ہوسکا کہ آندھرا کے پوٹی سری راملو نے مرن برت رکھ کر بات منوالی۔ 58/دن کے بعد سری

طویل تبادلۂ خیال کے بعد لسانی بنیاد پر نئی ریاستوں کی تشکیل نو کی فوری ضرورت کا احساس دلایا۔ انہوں نے کانگریس کی مجلس منتظمہ میں بھی شرکت کی' اور صاف صاف بتادیا کہ لوگوں کا اعتماد کانگریس پر سے اُٹھ گیا ہے' اس لئے کہ کانگریس خود اپنے کئے ہوئے وعدے سے مُکر گئی ہے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ اس فیصلہ سے بدظن عوام انتخابات میں کانگریس کے خلاف ووٹ دیں گے۔ اسی دوران ایک نجی ملاقات کے دوران نجلنگپّا نے نہرو سے کہا کہ کانگریس کے خلاف جو بے اعتمادی پھیل رہی ہے وہ کرناٹکا کانگریس کے حق میں صفر ثابت ہوسکتی ہے' اور غیر کانگریسی پارٹیاں اس کا یقیناً استحصال کریں گی' اس وضاحت کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1951ء کے کانگریس کے انتخابی منشور میں لسانی ریاستوں کی تشکیل کا وعدہ کیا گیا۔ 17 رجولائی 1951ء کو شنکر راؤ دیو کی صدارت میں ہوئی علاقائی کانگریس کمیٹیوں کے صدور کی میٹنگ میں' اس کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس معاملہ کو مزید تقویت پہنچانے کے مطالبہ پر گرفت مضبوط کرنے اور عوام اور اداروں کو جذباتی سطح پر تحریک سے جوڑنے کیلئے نجلنگپّا کی صدارت میں ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

اس دوران مقامی حکمرانوں کی نمائندگی کرنے والے رجعت پسند طاقتوں نے جنوب کے حکمرانوں پر مشتمل ایک الگ آزاد انجمن بنانے کی کوشش کی' اس سلسلہ میں سب سے پہلے سانگلی کے مہاراج نے ایک میٹنگ بلائی' کرناٹک جیسی سترہ (17) ریاستوں نے خواہش ظاہر کی کہ ایک ایسی انجمن ہو' جو سیاسی شناخت رکھتی ہو' اور یہ کہ اس کا ایک الگ دستور ہو۔ گوکہ دلّی کے امپریل ہوٹل میں سانگلی کے مہاراجہ کی دی ہوئی پارٹی میں کانگریس قائدین پٹاّ بھی سیتارامیاّ' آر۔آر۔ دیواکر' اور شنکر راؤ دیو وغیرہ نے شرکت کی۔ نجلنگپّا جو کہ ایک سچے جمہوریت پسند' اور ترقی پسند خیالات کے قائد تھے' اس

کہ نظام کے حیدرآباد کی' لسانی سطح پر تقسیم نہ ہو' اور یہ بات سوائے مولانا آزاد کے کسی کو پسند نہیں آئی۔ انہوں نے نہرو پر تھکان کا الزام لگایا' اور یہ بھی کہ ان میں قوتِ ارادی کم ہو رہی ہے' اور یہ بھی کہ ان کی نظر میں چند ایک مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں نہرو ایک کٹ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ نجلنگپّا نے یہ افسوس بھی ظاہر کیا کہ نہرو خوشامد پسند ہو گئے ہیں' اور یہ کہ لوگوں کی صحیح پرکھ کا ان میں اب وہ شعور نہیں رہا۔

کبھی کبھی نجلنگپّا کو ایک کمزور آدمی کے روپ میں دیکھا گیا ہے' مگر سچ تو یہ ہے کہ ان کی باطنی نرمی اور حسن اخلاق کو بدنصیبی سے ایک کمزوری سمجھ لیا گیا ہے' ورنہ ان کے ارادے کی پختگی کے پیش نظر کمزوری کا لفظ بھی ان کے حق میں صحیح نہیں ہو گا۔

جیسا کہ حیدرآباد کے تعلق سے دیکھا گیا۔ نجلنگپّا نے تنِ تنہا وقت کے ہم عصر و طاقتور انسان نہرو کے خلاف کمر کس لی' یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ ملک کے وزیراعظم ہیں۔

دراصل یہ دیکھ کر انہیں افسوس ہوا کہ داسپّا نے بھی نہرو کے خطوط پر چلنا پسند کیا' اور یہ کہ ملیا نے یہاں تک بے انصافی کا ثبوت دیا کہ اتحاد کرناٹک کا مطالبہ ایک معمولی بات ہے' اور بمبئی۔ کرناٹک کے دو اضلاع کی منتقلی پر اکتفا کر لینا چاہئے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نجلنگپّا نے شروع ہی سے قومی قیادت کو للکارا۔ اس دوران ایک خوش آئند بات یہ ہوئی کہ پرانی ریاست میسور کے ایک اہم قائد کے ہنومنتیّا نے دیگر کنڑ علاقوں کو پرانی ریاست میسور میں ضم کرنے اور ایک متحدہ کرناٹک کی تشکیل کی تحریک کو نہ صرف پسند کیا' بلکہ اپنا عملی تعاون بھی پیش کیا۔ مثال کے طور پر ایک ضلع بلاری کو کرناٹک میں شامل کرنا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نجلنگپّا نے کس قدر یکسوئی' صبر و تحمل' دیدہ وری اور ارادے کی پختگی سے نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے

راملو کا انتقال ہوگیا' اور آندھرا کی تشکیل کیلئے ان کی قربانی ایک شہید کی موت قرار دی گئی۔ اس کے فوراً بعد پورے تلگو علاقوں میں غصہ کا طوفان سا اُمڈ آیا' اور نتیجتاً تشدد' لوٹ مار وغیرہ کی وارداتیں ہوگئیں۔ نہرو گوکہ اسی پرتشدد وارداتوں سے متاثر یا خائف ہوکر اپنے فیصلے بدلنے والے نہیں تھے۔ تاہم اس مطالبہ کو تسلیم کرنے میں عافیت محسوس کی' مگر اب ایک اور دشواری یہ آن پڑی کہ آندھرا اور کرناٹک کے درمیان پائی جانے والی سرحدوں کا تعین کیسے ہو؟ ان میں سب سے اہم مسئلہ ضلع بلاری کا تھا کہ آیا اسے آندھرا میں رہنے دیا جائے یا کرناٹک سے اس کا الحاق حق بجانب ہوگا۔

اس سلسلے میں بنائی گئی یک رکنی وانچو کمیٹی نے متعلقہ امور کا مکمل جائزہ لینے کے بعد اپنی رپورٹ پیش کی۔ بلاری میں کنڑ دانوں کی تعداد نسبتاً سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے کرناٹک کا قیام عمل میں آنے تک صرف سات تعلقہ جات کو آندھرا میں شامل کردیا جائے' تو اس کا یہ مطلب تھا کہ کرناٹک کے قیام کے وقت یہ تنازعہ پھر کھڑا ہوگا۔

12 / جنوری 1953ء میں نجلنگپا نے جو کہ کرناٹک کے کاز کیلئے ایک بے مثال علمبردار تھے' تقریباً ایک گھنٹہ تک پوری تیاری سے کرناٹک کی تشکیل پر روشنی ڈالی کہ وہ کیوں ضروری ہے۔

15 / جنوری 1953ء کو ہوئی مرکزی حکومت کی عدم فیصلگی اور کانگریس کی قیادت' بالخصوص نہرو کی قیادت سے' نجلنگپا ذہنی طور پر پریشان ہوگئے' جس کا ذکر انہوں نے اپنی ڈائری میں 15 / جنوری اور 19 / جنوری 1953ء کو تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے یہ کہہ کر کاری ضرب لگائی کہ غالباً فیصلہ میں دیر اس لئے ہوگی کہ قائدین حالات کا جائزہ لے کر صحیح مطلب نکالنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں' اور یہ کہ اپنی ذہنی صلاحیتیں اپنے بڑھاپے کی وجہ سے کم ہوگئی ہیں۔ انہوں نے پتہ لگایا کہ نہرو چاہتے ہیں

سے نہیں کی گئی تو کرناٹک کانگریس کے ساتھ ساتھ تمام اراکین پارلیمان مستعفی ہو جائیں گے۔قرارداد کے ذریعہ مرن برت رکھنے والے شنکر گوڈا سے گذارش بھی کی گئی کہ وہ اپنا برت توڑ دیں۔عارضی طور پر ہی سہی۔

جب 2رمئی 1953ء کو نجلنگپّا نے بلاری کا سفر کیا تو پتہ چلا کہ پورا شہران کا حامی ہے' اور ہر ممکن تعاون پر آمادہ ہے۔شہر میں ان کا شایانِ شان خیر مقدم کیا گیا' اور ایک شاندار جلوس کی شکل میں ان کو شہر کی شاہراہوں پر لیجایا گیا۔چند ایک تلگو دانوں نے اس جلوس کو روکنے کی کوشش بھی کی' پر ایک نہ چلی' اِس احتجاج سے مجبور ہو کر مرکزی حکومت نے بلاری کی شمولیت کے مسئلہ کا از سر نو جائزہ لینے کیلئے جسٹس یل یس مشرّا کی سرپرستی میں ایک رکنی کمیٹی بٹھائی۔

نجلنگپّا نے بتادلۂ خیال کے بعد جسٹس مشرّا کو ایک سپاس نامہ پیش کیا۔آخر کار فیصلہ نجلنگپّا کے حق میں دیا گیا۔مسلمانوں نے بھی اس مطالبہ کا بھرپور ساتھ دیا۔مرکزی حکومت نے جسٹس مشرا کی سفارش کو قبول کرلیا۔

اب اتحادِ کرناٹک کے سامنے جو دوسرا مسئلہ درپیش تھا' وہ پڑوسی ریاستوں کی سرحدوں کے تعین کا تھا۔ضرورتاً تحریک کو ان سرحدی علاقوں تک پہنچانا تھا۔پرانے مدراس پراونس سے جڑے ہوئے نیلگری کے علاقہ کو کرناٹک میں ضم کرنے کیلئے کنڑ دانوں نے زور ڈالا' اور اس تحریک کو ٹھوس شکل دینے کیلئے 25رمئی 1953ء کو نیلگری کی کرناٹک سنگھ نے نجلنگپّا کی صدارت میں یہ مطالبہ پیش کیا کہ وہاں کے 'بڈاگار' کو کرناٹک میں شامل کرنا ہوگا۔اس کا افتتاح' اس وقت کے وزیر اعلیٰ کے ہنومنتیّا نے کیا' اور اس موقع پر بڈاگار قبیلہ کے لوگوں نے خود یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ کرناٹک میں رہنا پسند کریں گے۔اس سلسلے میں ایک سپاس نامہ بھی پیش کیا گیا۔

کرناٹک کے مفادات کو ہمیشہ فوقیت دی۔

28/جنوری 1953ء کو جسٹس وانچو سے دوسرے راؤنڈ کی بات چیت کے دوران نجلنگپّا نے اپنے دوسرے رفقائے کار جیسے کے۔ایس۔ہیگڈے کے ساتھ بلاری ضلع کو کرناٹک میں شامل کرنے پر جوزور دیا' وہ اپنی مثال آپ ہے' ورنہ اس کو آندھرا کا ایک اٹوٹ حصہ بنا کر رکھ دیا جاتا۔

11/مارچ 1953ء کو نجلنگپّا نے نہرو کو خط لکھا' جس میں زور ڈالا کہ ضلع بلاری اور مڈک سرا کو کرناٹک ہی میں ضم کرنا ہوگا۔ جب سرکاری طور پر آندھرا کی تشکیل کا اعلان ہوا تو اس کی حدود میں بلاری کے تین تعلقہ جات کو بھی شامل کر دیا گیا۔ یعنی ادونی' آلور' رائے درگ اور ستم بالائے ستم یہ کہ شہر بلاری کو بھی آندھرا ہی میں رکھا گیا تھا۔

اور اِدھر کرناٹک کی تشکیل سے پہلے' آندھرا کی تشکیل پر اور پھر بلاری شہر کو آندھرا میں شمولیت کے اعلان پر کرناٹک کے عوام بھپر گئے۔ بلاری کے عوام نے ہڑتال کی' عام حالات زندگی متاثر ہو گئے' اس سلسلہ میں بلاری کے پاس کے گنجی گاؤں کے شنکر گوڈا کا مرن برت ایک قابلِ ذکر و تحسین واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ حالات اتنے سنگین ہو گئے کہ ہبلی میں 19/اپریل 1953ء کو نجلنگپّا کی صدارت میں کے پی سی سی کی ایک میٹنگ بلائی گئی' تا کہ حالاتِ حاضرہ کا صحیح جائزہ لیا جا سکے۔ وزیراعظم کی پالیسی' سرکاری اعلان کی عمل آوری کے خلاف کرناٹک کے عوام نے جم کر صدائے احتجاج بلند کی' جس میں شریک ہونے کیلئے لوگ ریاست کے مختلف مقامات سے جوق در جوق آئے۔ اجلاس میں ہجوم کے جوش وخروش اور دل دہلا دینے والی نعرہ بازی سے انتظامیہ کی بنیادیں ہلنے لگیں۔ حکومت کا مذاق اڑایا گیا۔ نظم ونسق کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ نتیجتاً پولیس نے ہجوم پر گولی چلائی۔ کے پی سی سی نے ایک قرارداد پاس کی' کہ اگر کرناٹک کی تشکیل 1954ء

13/اگست 1953ء کو دلّی میں منعقدہ کانگریسی پارلیمانی گروپ کے ایک اجلاس میں نجلنگپّا نے جہاں آندھرا کی تشکیل کے سرکاری اعلان کا خیر مقدم کیا، وہیں یہ بھی کہہ ڈلا کہ اگر کرناٹک کی تشکیل کا اعلان بھی ساتھ ساتھ کر دیا جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا، پورے اعداد وشمار کے ساتھ اس کا بھی مطالبہ کیا کہ ہوسور، ادونی، آلور، رائے درگ اور نیلگری کو مجوزہ متحدہ کرناٹک میں شامل کر دینا چاہئے۔

معاملہ کی نزاکت وسنجیدگی کا اندازہ کرتے ہوئے نہرو نے اعلان کیا کہ حکومت ایک کمیشن بٹھائے گی، تاکہ لسانی بنیاد پر تمام ریاستوں کو از سرِ نو تشکیل کا تفصیلی جائزہ لے سکے، اور ٹھوس سفارشات پیش کرے، اور یہ کہ اس سلسلے میں 1955ء کے وسط میں ایک عبوری رپورٹ بھی پیش کرے۔ اس بات کا سرکاری اعلان 22/دسمبر 1953ء کو پارلیمان میں ہوا۔ اس کمیٹی کے صدر اس وقت کے اُڑیسہ کے گورنر سید فضل علی تھے، اور اراکین کمیٹی ہیچ۔ ین۔ کنندرو اور سردار کے۔ یم۔ پنکّر۔ 4/فروری 1954ء کو ہبلی میں ہوئی کانگریس کی قانون ساز اسمبلی کی نشست میں، ہنومنتیّا نے یس آر سی کے قیام کا خیر مقدم کیا، اور یقین دلایا کہ پرانی ریاست میسور، اس معاملہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔ اس کے باوجود وہاں کے کچھ قائدین نے کرناٹک کے دو حصے کر کے ریاست کی تشکیل کی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ پرانی ریاست میسور کو بحال رکھتے ہوئے ایک اور کرناٹک کی تشکیل یوں ہو کہ پڑوسی ریاستوں سے منتقل کئے جانے والے علاقے، اور پرانے میسور سے ہٹ کر جو اضلاع ہیں، وہ سب کے سب ایک اور کرناٹک کی مجوزہ ریاست میں شامل کر دئے جائیں، اور اس طرح کرناٹک ہی میں متحدہ کرناٹک کے مطالبہ پر اختلاف رائے کی گنجائش نکال لی گئی۔ میسور کانگریس کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ وہ یس آر سی کو کوئی سپاس نامہ پیش نہیں کرے گی۔

ڈاکٹر کے۔ شِو رام کارنت کے ساتھ ڈاکٹر ایس۔ نجلنگپا جی

نجلنگپّا کا طریقِ کار یہ تھا کہ وہ کسی بھی مسئلہ کا حل ڈھونڈنے میں عجلت نہیں کرتے تھے، جہاں کہیں تبادلۂ خیال کی یا کافی غور وخوض کی ضرورت پڑتی اپنا ذاتی فیصلہ پس پشت ڈال دیتے۔ انہوں نے سخت روّیہ اسی وقت اپنایا، جبکہ حالات بے قابو ہو جاتے یا جبکہ ایسے روّیہ کی انتہائی ضرورت ہوتی۔ ان کے کام کرنے کا ڈھنگ ہر کسی کو پسند آتا تھا۔ اسی لئے سرحدی تنازعہ، اور پھر کمیشن کے روبرو اتحاد ریاست کا کیس کامیابی سے پیش کیا گیا، پر جب بھی مرکزی کانگریس کمیٹی سے ان کا سابقہ پڑتا، ان کا برتاؤ کسی قدر ترش، سخت، بے باک اور جارحانہ ہو جاتا۔

مثال کے طور پر 29/جنوری 1956ء کو انہوں نے نہرو کے نام ایک خط لکھا، جس میں صاف الفاظ میں لکھا کہ اگر بلاری کا مسئلہ منصفانہ انداز سے حل نہیں کیا گیا تو نتائج اچھے نہیں ہوں گے۔ ہوائی خبریں گردش کر رہی تھیں کہ ایس آر سی آخر کیا کرنے جا رہی ہے، اور یہ افواہ دراصل گرم تھی، اور پریشان کن بھی، کہ کمیشن ایک متحدہ جنوبی ہند کی واحد ریاست کی تشکیل پر سنجیدگی سے غور کر رہا ہے۔ یہ سُنتے ہی نجلنگپّا نے جنوبی ہند کے قائدین سے بالخصوص کامراج ناڈر سے ملاقات کی۔ پتہ چلا کہ جنوبی ہند کی ریاستوں کا کوئی بھی قائد اس تجویز کے حق میں نہیں ہے، مگر انہیں جب یقین ہو گیا کہ یہ افواہ بے بنیاد ہے تو 2/جنوری 1956ء کو بنگلور کے جیادیوا ہوسٹل میں منعقد کی گئی۔ سرحدی علاقوں سے آئے ہوئے کنّڑ زبان کے نمائندہ قائدین کی کانفرنس کے افتتاحی خطاب میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا۔ اس کانفرنس میں کوئی چار سو مندوبین نے شرکت کی، جن میں سے چند ایک نے کھلے الفاظ میں جنوبی ہند پر مشتمل مجوزہ ریاست کی تشکیل نو کی پرزور مذمت کی، اس شک پر کہ نہرو کی طرف سے ایک اور رکاوٹ حائل ہو رہی ہے، مندوبین نے نہرو پر راست الزام دھرا، اور کھلے لفظوں میں ان پر حملہ کیا۔ اس دوران

میسور کانگریس کو چھوڑ کر کرناٹک میں رہنے والے تمام اداروں، انجمنوں، کرناٹک پراونس فارمیشن کانفرنس، اکھنڈ راجیہ نرمانا پریشد، کرناٹکا یووَکا سنگھا، جرنلسٹس اسوسی ایشن، کرناٹکا ایکی کرن سنگھا، کرناٹکا وَنِک سنگھا، اور دوسرے غیر کانگریسی سیاسی پارٹیوں نے بھی کمیٹی کی خدمت میں عرضداشتیں اور سپاس نامے، تحریکِ اتحادِ کرناٹک کی پرزور حمایت میں پیش کیں، اور یہ سب کچھ نجلنگپّا کی شاندار قیادت اور انتھک کوششوں سے ممکن ہوسکا۔ حکومتِ میسور نے پھر بھی ایک کمیٹی سیشادری کی سرپرستی میں بنائی کہ ''ایکی کرن'' (اتحادِ ریاست) کے بارے میں مکمل تحقیق کر کے ایک رپورٹ لیس آر سی کو دھیان میں رکھتے ہوئے پیش کرے۔

اس کمیٹی نے پرانی ریاست میسور کو چھوڑ کر بقیہ کنڑ بولنے والے سارے علاقوں کا احاطہ کر کے ایک تفصیلی، اور حقیقت پسندانہ رپورٹ پیش کی، جس میں یہاں کے تمام وسائل و ذرائع، سماجی و اقتصادی ترقی وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی، اور واضح کر دیا کہ اگر انضمام نہ ہوسکا تو نتائج لوگوں کے حق میں بُرے ہوں گے، اس کے تدارک کیلئے انہوں نے کچھ اقدامات کی نشاندہی بھی کی، تو اس طرح اس کمیٹی کی حیثیت ہی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی تھی۔

7 رمئی 1954ء کو اس دوران نجلنگپّا نے کمیشن سے رجوع کیا، اور متحدہ کرناٹک کا پُرزور مطالبہ پھر سے کیا۔ اس کے بعد 28 راور 29 رمئی 54ء کو داونگیرے میں تمام پارٹیوں اور شعبۂ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے، قابل نمائندوں کا ایک اجلاس ہوا کہ کس طرح لیس آر سی کو رضامند کیا جاسکتا ہے، اور پھر اس سلسلہ میں ایک سپاس نامہ بھی تیار کیا گیا۔ اجلاس میں اتفاقِ رائے سے نجلنگپّا سے گذارش کی کہ باقی کارروائی کی ذمہ داری قبول کرلیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نجلنگپّا سب کے قائد تسلیم کر لئے گئے ہیں۔

ایس آر سی نے 20 ستمبر 1955ء کو حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کی، جس پر تبادلۂ خیال کیلئے 10 فروری 1956ء کو امرتسر میں کانگریس کا اجلاس منعقد کیا گیا، جہاں کی گئی تقریروں میں تعمیری نظریات اور ملک وقوم کی ترقی سے ہٹ کر قائدین نے تنگ نظری ہی کا ثبوت دیا۔ دراصل اکثر قائدین کو سچ کہنے کی جرأت ہی نہیں تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کسی بھی ٹھوس معنی خیز حل کے بغیر اجلاس ختم ہوگیا۔ یہاں تو صرف ایک شخص کی چل رہی تھی۔

10 فروری 1956ء کو اپنی ڈائری میں نجلنگپا نے لکھا ہے کہ ''لوگ اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کی جرأت نہیں رکھتے، اور سطحی بیانات دینے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں، اور یہ بات ملک کے حق میں مضر ہے۔'' کانفرنس میں جگ جیون رام کے اصرار کے باوجود نجلنگپا نے کچھ نہیں کہا۔ اس لئے کہ نتیجہ کا انہیں علم ہو چکا تھا۔ نجلنگپا نے دیکھا کہ ین وی گاڈگل نے قرارداد کی مخالفت کی تو بہ شمول نہرو پنت اور دیگر چوٹی کے قائدین نے بھی اس کی پرزور مخالفت کی۔ اب لے دے کے ایک ہی بات رہ گئی تھی وہ یہ کہ ذولسانی ریاستوں کی تشکیل ہو، اور تمام قائدین بالکل اس کے حق میں تھے، اس معاملہ میں علاقائی سیاسی حریفانہ کشمکش اُبھر کر سامنے آ گئی۔

مثال کے طور پر مدراس کے سبرامنیم نے جو کامراج کے حریف کی حیثیت سے مشہور تھے، مشترکہ جنوبی ہند کی ریاست کے حق میں بیان دیا۔ نجلنگپا کو پتہ تھا کہ ذولسانی ریاستوں کا تصور پیچیدہ، اور مکمل طور پر ناقابل عمل ہے۔ انہیں افسوس تھا کہ لوگ کس طرح کسی کی شخصیت کو مجروح کرنے پر اتر آتے ہیں۔

19 فروری 1956ء کو بنگلور میں ہوئی میسور پردیش کانگریس کمیٹی نے اس مجوزہ ذولسانی ریاستوں کی تجویز پر تبادلۂ خیال کیا۔ یہ نظریہ ان لوگوں کو پسند آیا جو اتحاد یا الحاق

اتفاق سے کسی کام کے سلسلہ میں نہرو بنگلور تشریف لائے' اور مدراس' میسور اور آندھرا کے وزرائے اعلیٰ کو مجوزہ جنوبی ہند کی مشترکہ ریاست کی تشکیل کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ اس سے واضح ہوگیا کہ اب تک کی گرم افواہوں' اور اس تجویز کے پیچھے' نہرو ہی کا ہاتھ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نہرو کو پتہ چل گیا تھا کہ متحدہ کرناٹک کی جدوجہد میں نجلنگپا اپنا آخری قطرۂ خون بھی بہادیں گے۔

اِسی دوران نجلنگپا کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ نہرو کے دماغ میں ان کے خلاف زہر بھرنے والوں میں جنوبی کنڑ اور دھارواڑ ضلع کے کچھ لیڈر ہیں' جنہوں نے نجلنگپا کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ یہاں کے عوام انہیں بے انتہا پسند کرتے ہیں۔ ان نام نہاد لیڈروں کے دل میں نجلنگپا کے خلاف حسد کے جذبات تھے' اور وہ ان سے خائف بھی تھے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ جب تک نہرو نجلنگپا کو پسند نہیں کریں گے' ان کے تعلقات نہرو سے اچھے ہوں گے' اور ان کی کرسیاں اور عہدے محفوظ ہوں گے۔ پھر بھی وہ لیڈران واقف تھے کہ نجلنگپا نے کبھی منصب کی طلب نہیں کی' اور یہ کہ ان کی گندی چالوں کا ان پر اثر نہیں ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہرو کے ساتھ نجلنگپا نے بلاری کی شمولیت کے بارے میں گفت وشنید کی تھی' اور نہرو کو پتہ نہیں تھا کہ مجوزہ جنوبی ہند کی مشترکہ ریاست کے بارے میں نجلنگپا کے ٹھوس نظریات کیا ہیں' اور اس لئے نہرو نے اس تجویز کا کوئی حوالہ بات چیت کے دوران دیا ہی نہیں۔

نجلنگپا خوشامد اور غلط بیانی کے کبھی عادی نہیں تھے۔ دوسری صبح جب نہرو دلّی لوٹے تو نجلنگپا ان قائدین میں نہیں تھے جنہوں نے ایرپورٹ میں نہرو کو خدا حافظ کہنے کیلئے لائن بنا رکھی تھی' نہرو کو بُرا ہی لگا ہوگا کہ نجلنگپا وداع کرنے نہیں آئے۔ اس لئے کہ نہرو خوشامد پسند تھے۔

ذات پات کی بناء پر ایسی تنگ نظری پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

بعد ازاں جب بنگلور میں نجلنگپّا نے اس وکلّیگا قائد سے کارنت سے ملاقات، اور بات چیت کا حوالہ دیا تو اس قائد نے کہا کہ دراصل وہ اتحادِ کرناٹک کے حق میں ہیں، اور پھر انہوں نے اپنا عملی تعاون بھی پیش کیا، ان کا نام ساہوکار چنیّا تھا، اور جن کے بارے میں نجلنگپّا کو خدشہ تھا کہ دلّی کے قومی قائدین کے دباؤ میں آ کر وہ اپنا بیان بدل سکتے ہیں۔

23/اپریل 1956ء کو مرکزی وزیر داخلہ پنت نے لیس آر سی کی رپورٹ لوک سبھا میں پیش کی، اور یہ تجویز سامنے رکھی کہ ایوان کی ایک منتخب کمیٹی کو یہ رپورٹ سونپ دی جائے۔ جیسا کہ توقع تھی اس کمیٹی میں نجلنگپّا کو بھی شامل کیا گیا، مگر جب اسپیکر صاحب نے سرکاری فہرستِ اسمائے اراکین کا اعلان کیا تو، اس میں نجلنگپّا کا نام نہیں تھا۔ نجلنگپّا نے محسوس کیا کہ یہ ان کی مقبولیت سے خار کھائے بیٹھے ہوئے جنوبی کنڑا ضلع کے ایک لوک سبھا ممبر کی کارستانی ہے، اور انہی کی ایماء پر ان کا نام کاٹ دیا گیا ہے۔ اسی وقت ایک رکن لوک سبھا سی۔ آر۔ بسپّا نے اس فہرست کی طرف فوراً اسپیکر کی توجہ مبذول کرائی تو وزیر داخلہ نے نجلنگپّا کا نام شامل کیا، اور اسپیکر نے اعلان کیا۔ سلیکٹ کمیٹی میں نجلنگپّا نے بلاری کو کرناٹک میں اور بمبئی کو مہاراشٹرا میں شامل کرنے کا پُرزور مطالبہ رکھا۔ کرناٹک کے ان گنت جانے پہچانے، اور انجانے محبانِ ریاست کی کوششوں اور معتبر قیادت کی وجہ سے جس میں نجلنگپّا کا نام سرفہرست ہے، متحدہ کرناٹک کی تجویز کو لسانی بنیاد پر تسلیم کر لینا ناگزیر ہو گیا۔

وہ لوگ جنہوں نے اس تحریک کی مخالفت کی تھی، اب وہ بھی اس کی تائید کے بغیر نہیں رہ سکے، بلکہ مجبور ہو گئے، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود، ان مخالفوں نے ایک اور

کے قائل نہیں تھے، جن میں ایچ ۔ کے ۔ ویرنّا ، ایچ ۔ سی ۔ داسپّا اور ایم ۔ وی ۔ کرشنپّا بھی شامل تھے ۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ مجلس منتظمہ کا اس ضمن میں فیصلہ تسلیم کرلیا جائے ۔

ایس آر سی کے رکن پنکّر نے نجلنگپّا کو جنوب کا صحیح نمائندہ مانتے ہوئے ان سے گذارش کی کہ ذولسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل نو یا ایک متحدہ جنوبی ہند کی ریاست کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں ۔ آگے چل کر پنکّر نے نجلنگپّا سے بحث کی کہ بڑی ریاستوں کی تشکیل اس لئے بھی مشکل ہے کہ ان میں نظم ونسق اور دیگر متعلقہ امور میں مرکز کو کافی دشواریاں پیش آئیں گی ۔ اس کے باوجود نجلنگپّا کو ذولسانی اور ہمہ لسانی ریاستوں کا مسئلہ ستاتا رہا ۔ متحدہ کرناٹک کے مسئلہ کی پیچیدگی، اور اندرونی اختلافات قائدین کی بدولت خصوصاً ریاست کی دو بڑی ذاتوں، لنگایتوں اور وکلّیگا لوگوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کی وجہ سے پیچیدہ ہوگیا تھا ۔ مخالفت زیادہ تر وکلیگا لوگوں سے تھی، کہ اس سے اتحاد ریاست کی آڑ میں مخالف لنگایتوں کی اکثریت اور برسر اقتدار آنے کا قوی امکان تھا ۔

جیسا کہ نجلنگپّا سمجھاتے آرہے تھے گو کہ انہیں پتہ تھا کہ مخالفت کمزور ہے، اور قابل نظر انداز ہے، انہیں کبھی کبھار خود اپنی ہی خود اعتمادی اور طمانیت پر شک ہوجاتا تھا ۔ 3/ مارچ 1956ء کو انہوں نے ایک واقعہ اپنی ڈائری میں قلمبند کیا ہے ۔ 3/ مارچ 56ء کو ایسا لگتا ہے کہ جب وہ کڈور سے میسور کا ریل میں سفر کر رہے تھے تو شیورام کارنت ان کے ہمسفر تھے ۔ قدرتی طور پر دونوں میں زبان پر اور خصوصیت سے لسانی ریاستوں کی تشکیل پر تبادلۂ خیال ہوا ۔ کارنت نے بتایا کہ ایک مقتدر وکلیگا قائد نے ان سے بات چیت کے دوران متحدہ کرناٹک، اور متحدہ جنوبی ہند کی واحد ریاست کی مخالفت میں بات کی ہے، تاکہ لنگایتوں کو برسر اقتدار آنے سے روک دیا جائے ۔ کارنت نے

گوکہ پنت نے اعلان کیا کہ اس تشکیل سے زیادہ فائدہ کرناٹک کا ہو رہا ہے، نجلنگپّا نے اس پر بھی اپنی مخالفت کی کہ دراصل کنڑ دانوں کی حق تلفی ہی ہوئی ہے۔ انہوں نے اس نہج پر خموش رہنا بہتر سمجھا کہ معاملہ پھر کہیں کھٹائی میں نہ پڑ جائے۔ انہوں نے دل وجان سے اس کمیٹی میں کام کیا کہ کرناٹک کے مفادات کا پورا پورا تحفظ ہو' جب سلیکٹ کمیٹی کی سفارشات لوک سبھا میں زیر بحث آئیں تو سب سے اہم مسئلہ جو اُٹھ کھڑا ہوا' وہ تھا بمبئی کا مستقبل۔

اس مسئلہ پر وزیر مال سی۔ ڈی۔ دیش مکھ نے استعفیٰ دیدیا' چند اراکین کی یہ رائے تھی کہ مہاراشٹر اور گجرات کو عارضی طور پر ایک ہی ذولسانی ریاست کے دائرہ میں رکھا جائے۔ کرناٹک کا جو مسئلہ زیادہ دردسر بنا ہوا تھا' وہ تھا سرحدوں کے تعین کا۔ اس کا حل ڈھونڈنے کیلئے کرناٹک' آندھرا' مہاراشٹر اور کیرلا کے نمائندوں نے نجلنگپّا کی صدارت میں ایک اجلاس طلب کیا' جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہر ریاست میں کس قدر ہر دل عزیز تھے' اور اپنی حکمت عملی کا کیسا وقار تھا۔ بدنصیبی سے اجلاس سے کوئی ٹھوس حل نہیں نکلا۔ اس لئے کہ زبان سے جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ البتہ اس میں تھوڑی سی تیزی یوں آئی کہ ذیلی کمیٹی کی تشکیل دی گئی کہ سرحدی تنازعوں کو کس طرح سلجھایا جاسکتا ہے۔ اس وقت جب تک متحدہ کرناٹک کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے جارہا تھا۔ ذولسانی ریاستوں کا مسئلہ پھر سے ایک لخت منظرِ عام پر آ گیا یا کھڑا کردیا گیا۔

وہ پی۔ شیواراؤ اور سی۔ پی۔ میتھیو تھے' جنہوں نے اس مسئلہ کو پھر سے زندہ کیا' مگر اس کا سہرا داسپّا کے سر جاتا ہے کہ انہوں نے اُس کی بھرپور تائید کی۔

8/ اگست 1956ء کو اپنی ڈائری میں نجلنگپّا یوں رقم طراز ہیں کہ ''انہوں نے اس خیال کی مخالفت کرنے والے داسپّا کو فون کیا۔ 9/ اگست 1956ء کو لیس۔

پینترہ بدلا کہ مجوزہ متحدہ کرناٹک کا نام میسور رکھا جائے نہ کہ کرناٹک' اور اس طرح اتحاد کی کوشش میں لگے عوام کے سامنے ایک اور تازہ غیر متوقع مسئلہ کھڑا کر دیا گیا۔ اس مخالفت کے گروہ میں آلور وینکٹ راؤ بھی تھے۔

متحدہ کرناٹک کے نظریہ کے خلاف چلائی گئی تحریک کی عارضی فتح کا سہرا دیوراج ارس کے سر ہے۔ سلیکٹ کمیٹی نے ذولسانی ریاستوں کا نظریہ مسترد کر دیا تو اس وقت کے صدر کانگریس یو ین ڈیبھر نے نجلنگپا سے اپنی مایوسی کا ذکر کیا۔ 13 رمئی 1957ء کو اپنی ڈائری میں نجلنگپا نے تحریر فرمایا ہے کہ چوٹی کے رہنما ڈیبھر جیسے شخص نے بھی حالات حاضرہ کی تہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی' اور یہ کہ وہ بھی کان کترنے والوں کے جھانسے میں آ گئے' اور یہ کہ ویسے لوگوں کا عوام سے رشتہ ہی منقطع ہو گیا ہے' حالانکہ ڈیبھر ایک سادہ لوح دردمند آدمی تھے۔ جب بھی سلیکٹ کمیٹی رپورٹ پر تبادلۂ خیال کیلئے بیٹھتی' دلّی سیاسی کارروائیوں میں مصروف ہو جاتی' اور ملک بھر کے لوگ اپنے اپنے مطالبات وسفارشات منوانے چلے آتے۔ مثال کے طور پر سری رام ریڈّی' کے۔ آر۔ کارنت' امیش راؤ اور دیگر افراد نے نجلنگپا پر دباؤ ڈالا کہ مڈک سرا' اور کاسر گوڈ کو کرناٹک میں شامل کرنا ہو گا' گو کہ نجلنگپا نے سلیکٹ کمیٹی کے اجلاس میں یہ بات رکھی۔ تاہم زیادہ دباؤ اس پر اس لئے نہیں ڈالا کہ اس مسئلہ سے بڑھ کر بھی کچھ اور مسئلے زیر بحث تھے' اور نجلنگپا کا خیال تھا کہ بڑے مسئلے اپنی جگہ' چھوٹے مسائل بات چیت سے حل کئے جا سکتے ہیں۔ پھر بھی انہیں یہ احساس کبھی کبھی ستاتا کہ اس لئے ایک چھوٹے سے مسئلہ کو پُر امن بات چیت سے حل کرنا' ان کی اپنی دیرینہ پالیسی ہے' جسے تعمیری کاوش سمجھنے میں چند ایک کو تامل ہے۔ اس لئے بھی انہوں نے زیادہ دباؤ سے گریز کیا کہ کہیں کاروار اور بلگام کو مہاراشٹرا میں شامل کرنے کا مطالبہ نہ اُٹھ کھڑا ہو جائے۔

روشنی میں اپنی اخلاقی سطح کو استوار کیا' اور ساتھ ساتھ گاندھی جی کو ہمیشہ اپنے سامنے ایک نمونہ بنا کر تقلید کی ۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر ہوتی کہ خیر وشر میں جیت ہمیشہ خیر کی ہی ہوتی ہے۔اسی لئے فروعی مسائل' رسم ورواج' اور ضعیف الاعتقادی کو کبھی اہمیت نہیں دی' اور نہ ہی اپنے اوپر حاوی ہونے دیا۔اس کے باوجود اگر کوئی انہیں متعصّب قرار دیتا ہے تو سراسر ناانصافی ہوگی۔ غیر شریفانہ حرکت ہوگی' جس کسی نے بھی ان سے بالمشافہ گفتگو کی ہے' وہ جانتے ہیں کہ نجلنگپّا ایک بہترین انسان ہیں۔

بہر حال بسویشور اور گاندھی جی کی تعلیمات اور نظریات سے انہوں نے اپنے دل ونظر کو روشن رکھا' اور زندگی سچائی' حقیقت پسندی' مساوات اور انصاف کی ڈگر پر ہی چلائی۔تحریکِ اتحادِ کرناٹک کو کسی بھی قسم کا مذہبی رنگ دینا غیر منصفانہ الزام ہے۔ اوّل یہ کہ ایسا کوئی ثبوت کہیں نہیں ملتا کہ تحریکِ اتحادِ کرناٹک میں صرف لنگایتوں نے حصہ لیا' اور اس پر انہوں نے اپنی گرفت بنائے رکھی۔ مانا کہ زیادہ حصہ لینے والے لنگایت ہی رہے ہوں گے' پر فائدہ تو ہر کسی کا ہوا۔لنگایتوں کا ہی نہیں' سچ تو یہ ہے کہ یہ تحریک برہمنوں نے شروع کی' بعد ازاں دوسری ذات کے لوگوں نے اسے ایک عام مطالبہ سمجھ کر اپنی مادری زبان کے تحفظ' اور ترویج کیلئے' اور اپنے ثقافتی اقدار کو بچانے کیلئے انہوں نے اپنے آپ کو اس تحریک سے جوڑ دیا۔جیسا کہ نجلنگپّا نے مجھے اس دوران بتایا' پُرانی ریاست میسور کے کئی ایک وکلّیگا قائدین نے کبھی اس تحریک کی مخالفت نہیں کی۔

یہ الزام بھی بے بنیاد ہے کہ لنگایتوں کی مخالفت صرف وکلّیگا لوگوں نے کی' جیسا کہ ساری دنیا جانتی ہے' ہمارے نظریات' طریقِ زندگی وغیرہ میں تھوڑا بہت فرق ہونے کے باوجود اغراض ومقاصد سب کے ایک رہے ہیں۔صرف اپنا الگ وجود تسلیم کرانا کہ

آر۔ ایل کی تیسری ریڈنگ جب پارلیمان میں ہو رہی تھی تو نجلنگپّا کی زندگی کا ایک سنہرا باب کھل رہا تھا' وہ ان کی بھرپور خوشیوں کا دن تھا کہ ان کی منزل مقصود بالکل آنکھوں کے سامنے آرہی تھی۔

10/ اگست 1956ء کو جب تیسری ریڈنگ ختم ہوئی تو لوک سبھا کے کئی اراکین نے نجلنگپّا کو دلّی مبارکباد دی تو چند ایک نے مصافحہ کیا' اور کسی نے بغلگیر ہو کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ یہ کارنامہ لائقِ تحسین تھا ہی' پر نجلنگپّا کی زندگی کا ایک اہم واقعہ بھی' کہ جدید بھارت کی جو تاریخ لکھی جانے والی تھی' اس میں اُن کا نام سنہری حروف کا منتظر تھا۔ اب کرناٹک کے اتحاد کے مسئلہ کو بالائے طاق رکھ کر ان کے تاریخی رول کو متعین کرنے کا وقت آرہا تھا۔ اس عظیم کارنامہ پر چند ایک نے تنقید کی بھی تو کھلے عام نہیں۔ اس لئے کہ اس شیرازہ بندی کی تحریک سے نجلنگپّا پر دھرے گئے ایک بڑے الزام کو اگر صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے تو یہ کہ کرناٹک میں لنگایتوں کا راج قائم کرنے کی نجلنگپّا نے بھرپور کوشش کی۔ اس لئے کہ وہ خود لنگایت ہیں' اور اسی لئے ان کو کٹّر مذہبی قرار دیا جائے گا۔

ایک سطح پر یہ الزام جاندار بھی لگتا ہے' پر اس کی کمزوری بھی اپنی جگہ مسلّم ہے۔ مان بھی لیا جائے کہ لنگایتوں کے سیاسی اغراض و مقاصد کیلئے یہ تحریک چلائی گئی تو انصاف پسندی کا تقاضہ ہے کہ نجلنگپّا نے ساری زندگی میں کبھی ایسا اوچھاپن نہیں دکھایا کہ وہ بس کسی ایک ذات یا فرقے کے مفاد کیلئے کام کرتے ہیں۔ اُن میں مذہبی تعصّب کبھی نہیں تھا۔ ان کی ساری زندگی کوتاہ نظری سے پاک تھی۔ انہوں نے تو بس کرناٹک اور اس کے کنڑ والوں کی بھلائی کی۔ جہاں ذات پات' زبان و عقیدہ کا کہیں لحاظ نہیں رکھا۔ وہ ایک انسان دوست تھے' تنگ نظری و تعصّب سے ہمیشہ اپنا دامن بچائے رکھا۔ عظیم مصلح بسویشور کے اقوال زرّین اور ان کے روشن فرمودات جو صدیوں سے مستعمل ہیں' کی

جارہا ہے۔ کبھی خود کے مفادات کیلئے' تو کبھی دوسروں کے مفادات کیلئے۔ ہونا تو یہ ہے کہ اقتدار کو ہر کسی بھلے کیلئے ہی استعمال کرنا چاہئے' جس کی بنیاد اخلاق پر ہو۔

نجلنگپا نے جب بھی کوئی کرسی سنبھالی' وہ رکن کی ہو یا صدر کی یا وزیر اعلیٰ کی' خدمتِ خلق ہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ سیاست دان اقتدار کا شکار ہوتے ہیں' اور نتیجتاً الزامات کا شکار بھی ہو جاتے ہیں' مگر نجلنگپا پر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اس لئے کہ وہ اقتدار کے بھوکے تھے' اور نہ ہی بے اصولی کا شکار۔ وہ اگر اقتدار کے بھوکے ہوتے تو قومی قائدین سے اکثریوں نہ ٹکراتے۔ بس اپنے اصولوں کے تحفظ کیلئے اور اپنی شخصیت کی طہارت کے پیش نظر قربانیوں کو منصب پر ترجیح دی۔ ہم لوگ سیاست دانوں کے داغدار کارنامے دیکھ دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہر سیاست دان بے ایمان ورشوت خور ہے' مگر نجلنگپا اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک سچے گاندھی وادی کی یہی پہچان ہے۔

ہاں البتہ ایک الزام یہ ہے کہ سنگینِ حالات میں ان کا مزاج لچکدار ہو جاتا ہے۔ پر حل ڈھونڈنے کیلئے کسی کا کسی حد تک لچکدار ہونا ایک خوبی بھی ہو سکتا ہے۔ اگر کسی کا حق دلانا' ہمدردی جتانا' کسی کے آنسو پونچھنا کسی کو پروقار زندگی کا راستہ دکھانا ایک خاصہ ہے تو نجلنگپا کانٹوں کا یہ تاج بھی اپنے سر باندھنے کیلئے تیار ہیں۔

ایک غیر معمولی سچائی یہ ہے کہ انہوں نے خلوص دل اور انتھک و بے لوث خدمت سے کردار کا غازی بننا پسند کیا' اور اپنے اندر ایک شریف و دردمند انسان کو زندہ رکھا' اور اس کیلئے کبھی برائی' بزدلی' بے انصافی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔

میں ایک لنگایت ہوں' یا کنڑ دان ہوں' سب غیر ضروری ہے۔ بس یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ ہم سب کرناٹک اور ہندوستانی ہیں' فلاں مقام سے تعلق رکھتے ہیں' اور بس' یہی جذبہ تھا جس نے متحدہ کرناٹک کی اور آزادئ ہند کی تحریک میں ممد و معاون ثابت ہوا کہ مَیں کرناٹکی ہوکر بھارت کی آزادی کیلئے لڑ رہا ہوں۔ ہندوستان میں تعصّب کا الزام دھرنا آسان ہے' اسی لئے کچھ بھی کہتے ہوئے غیر معمولی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب بھی کسی موضوع پر گفتگو ہو' اس تعصب سے اپنے آپ کو ملوث کئے بغیر بات کرنا بیحد ضروری ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مختلف مذاہب و عقائد کے لوگوں کے درمیان اختلاف رائے کی گنجائش کہیں نہ کہیں سے نکل آجاتی ہے۔ پر تاریخی شواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ تحریکِ اتحادِ کرناٹک ایک سچی اور پر خلوص تحریک تھی' جہاں صرف اپنی دھرتی سے لگاؤ' اور اس کے تیئں اپنا فرض نبھانا ہی ہر کسی کے پیش نظر تھا۔

یہاں اس کا احاطہ کرنا غیر ضروری ہے کہ یہاں کس کو کامیابی ملی' اور کون ناکام رہا' مگر اتنا یاد رکھنا ضروری ہے کہ تاریخ میں فیصلے کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ کامیاب یا ناکام' اور یہ کہ ہر جیت میں ایک ہار ہوتی ہے' اور ہر ہار میں ایک جیت۔

تیسرا الزام نجلنگپّا پر یہ ہے کہ وہ اقتدار کے بھوکے ہیں' اور صرف اپنے ذاتی مفاد کیلئے کرناٹک کی شیرازہ بندی کی۔ ایسا الزام ان کا سخت ترین حریف بھی نہیں لگا سکتا' بشرطیکہ وہ کرناٹک کی تاریخ سے واقف ہو۔ ان کی زندگی ایسی بے داغ و پیچیدگی سے پاک ہے' کہ ان پر کسی بھی قسم کا الزام لگانا سراسر ناانصافی ہوگی۔ اقتدار اور منصب دراصل ان کی تلاش میں آئے' انہوں نے کبھی اس کی تمنّا نہیں کی۔ یہ ایک امرِ مسلّم ہے کہ اقتدار کے ساتھ خود غرضی و رشوت بھی چلے آتے ہیں' پر اقتدار کی کمی سے بھی آدمی رشوت خور ہو سکتا ہے۔ سیاست اور عوامی زندگی میں اقتدار کا غلط استعمال یا استحصال کیا

5. وزیراعلیٰ

یہ جاننے سے پہلے کہ ایک وزیراعلیٰ کی حیثیت سے نجلنگپّا نے کیا کارہائے نمایاں انجام دئے' یہ سوال پوچھنا مناسب لگتا ہے کہ یہ کام کوئی کس طرح کرسکتا ہے؟۔ بہتر طریقہ ہے کہ پہلے یہ معلوم کرلیا جائے کہ ایک وزیراعلیٰ کے کیا اختیارات وذمہ داریاں ہیں' تاکہ اُس کسوٹی پران کی کارکردگی کو پرکھا جاسکے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ایک ہندوستانی ریاست میں ایک وزیراعلیٰ کا مقام بہت اہم ہوتا ہے۔ دراصل اِسی روشنی میں ان کی کارکردگی ان کے صحیح معیار ومقام کا تعین کرتے ہیں۔ جذبۂ ایثار وقربانی' خدمتِ خلق کا سلسلہ وغیرہ بھی بیحد اہم رول ادا کرتے ہیں' تو معلوم یہ ہوا کہ یہ ایک ایسی پیچیدہ ذمہ داری ہے' جس پر توازن برقرار رکھنا بیحد ضروری ہے' جو ان غیر متوقع پیچیدگیوں اور مسائل کے لامتناعی سلسلوں کے ساتھ ساتھ بیرونی طاقتوں اور واقعات سے نپٹنے کی صلاحیت کی روشنی ہی میں کہا جاسکتا ہے کہ ایک وزیراعلیٰ کی کارکردگی' کتنی پاک وصاف ہے' آئینہ دار ہے۔ پھر بھی روزمرّہ حالات سے نپٹنے کی صلاحیت اور تاریخی واقعات کی نت نئی محرومیوں کی روشنی میں ان کی حکمت عملی سے پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس حد تک اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ بھارت کی کسی بھی ریاست کا کوئی بھی وزیراعلیٰ ایک دستور کے تحت کام کرتا ہے' اور وہ اپنی ریاست کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے۔ جہاں ریاست کے گورنر کی حیثیت' ایک سرپرستِ اعلیٰ کی سی ہوتی ہے' جنہیں چند ایک مقامات پر حالات کے پس منظر میں رسمی رول ادا کرنا ہوتا ہے' جیسے کسی ریاست میں کسی ایک پارٹی کو بھاری اکثریت نہ ملی ہو' ایسے موقع پر انہیں اپنے دستوری

کرناٹک سرکار کی طرف سے ڈاکٹر ایس۔ نجلنگپا جی کو ''کرناٹک رتن'' کا اعزاز پیش کرنے کے موقع پر۔ وزرائے کرناٹک ایم۔ پی۔ پرکاش اور لیلاوتی آر پرساد کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

سے بہتر بنائے رکھنا ہوتا ہے۔ جمہوری نظامِ حکومت میں جس پر ہم چل رہے ہیں، یہ رول بیحد نازک پایا گیا ہے، اور پھر ایوان کے لیڈر کی حیثیت سے حزب مخالف سے بھی اچھے دوستانہ تعلقات رکھنا ضروری ہے، چونکہ یہ کام بہت مشکل ہے، مخالف پارٹیاں ہمیشہ کارکردگی میں مین میخ نکالتی رہتی ہیں۔

پانچواں یہ کہ ایک حکومت کے سربراہ کے ناطے، ایک تحریر شدہ مستند دستور کی ہدایات کے مطابق ہی کام کرنا ہوتا ہے۔ اس بات کو ہمشہ مدنظر رکھتے ہوئے کہ مالی امداد کیلئے ہر ریاستی حکومت کو مرکزی حکومت پر تکیہ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے مرکز سے خوشگوار رشتہ بنائے رکھنا، کسی بھی ریاستی حکومت کا اہم ترین اور مشکل ترین کام ہوجاتا ہے۔ اگر ایک ہی پارٹی ریاست اور مرکز میں برسرِ اقتدار ہوتو ریاستی وزیراعلیٰ کے کام میں نسبتاً آسانی ہوگی، مگر ایسی صورتحال تقریباً 1967ء سے اِدھر، اکثر ریاستوں کو نصیب نہیں ہوسکی۔ اگر دوسری پارٹی مرکز میں برسرِ اقتدار ہوتو وزیراعلیٰ کو مزید دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کیلئے غیر معمولی حکمتِ عملی درکار ہوتی ہے۔

چھٹواں مرحلہ، مالیات کا ہے۔ ہر قدم پر اقتصادی بحران کا سامنا ہوتا ہے، جس سے نظم ونسق میں بے ضابطگی، اور ڈھیل ناگزیر ہوجاتی ہے۔ نتیجتاً ریاست میں صنعت، زراعت اور اقتصادی ترقی متاثر ہوجاتی ہے۔ کئی ایک امور میں وزیراعلیٰ کا راست دخل نہ ہوتے ہوئے بھی سرمایہ دار اور مزدوروں کے درمیان بالخصوص مفاہمت برقرار رکھنے کیلئے ہمہ وقتی ایک صبر آزما کام وزیراعلیٰ ہو کہ وزیرِاعظم، معاشرہ میں انصاف اور امن وآشتی کے فروغ کیلئے ہوتی ہے۔ یہی اس عہد کا تقاضہ بھی ہے۔ اس رول کو بخوبی انجام دینے اور منزلِ مقصود پر پہنچنے کی لئے اخلاقی وسیاسی استدلال ضروری ہے، ورنہ حکومت کی پالیسیوں کا نفاذ ادھورا وغیر اطمینان بخش ہوجاتا ہے۔

اختیارات استعمال کرنے ہوتے ہیں۔اس لئے ایک وزیراعلیٰ کی سب سے اہم ذمہ داری ایک ریاستی حکومت کا پورا نظم ونسق سنبھالنا ہوتا ہے۔اس مرحلے میں اپنی ہی پارٹی کے اراکین میں سے' اُن کے ساتھی وزیروں اور برسراقتدار سرکاری عملہ ان کی مدد کرتا ہے'ان کی کارکردگی پر وزیراعلیٰ کو برابر اور گہری نظر رکھنی ہے' جس کیلئے حکمت عملی' اور انتظامیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔حکومت کی پالیسیوں کا وہ راست ذمہ دار ہوتا ہے'اور ان کو مناسب ڈھنگ سے روبہ عمل لانا بھی اس کا اہم فرض ہے۔

دوسرا یہ کہ اسمبلی میں وہ اپنی پارٹی کا قائد بھی ہوتا ہے' جس کیلئے بہت سی صلاحیتیں درکار ہوتی ہیں۔اپنی حکومت کی پالیسیوں کی وضاحت کرنا' ان پر اراکین اسمبلی کی منظوری لینا' اعداد وشمار کی روشنی میں ضروری احتیاط' اور قابل قبول انداز میں جواز پیش کرنا بھی ان کی اہم ذمہ داریوں میں شامل ہے۔اراکین اسمبلی کو مطمئن کرنے کیلئے بہتر زبان کا استعمال' اور دلوں کو جیتنے والے فن تقریر کی ضرورت ہوتی ہے۔اس ضمن میں جہاں پہلا رول رشتوں کو بنائے رکھنا ہے' بالخصوص سیاسی کارکنوں کے ساتھ تو دوسری طرف افسران بالا' اور سیاسی قائدین کے درمیان بہترین تعلقات رکھنا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

تیسرا یہ کہ خود اپنا امیج بنائے رکھنا ہے' اس کیلئے ایک ایسی زبردست پرکشش شخصیت درکار ہے' جو عوام میں مقبول بھی ہو' محترم بھی ہو' ان خوبیوں کی ضرورت خاصی طور پر انتخابات کے دوران کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتی ہے۔

چوتھا یہ کہ ان کی حیثیت پارٹی کے دو اہم لیڈروں میں سے ایک ہوتی ہے۔دوسری اہم شخصیت برسراقتدار پارٹی کے صدر کی ہوتی ہے' ان کا کام مجلس منتظمہ اور پارٹی کے امیج کو بہتر' خوشگوار تعلقات بنائے رکھنا' اور خود اپنی پارٹی کا امیج ریاست سے باہر بہتر

رکھا۔اس سے برسر اقتدار پارٹی میں عدم استقامت، آلودگی، اور کشیدگی آ گئی، جس سے وزیراعلیٰ اوران کے ساتھی وزراء کی پوری توانائیاں حزبِ مخالف سے نپٹنے کے ساتھ ساتھ، خود اپنی ہی پارٹی کے اندرونی اختلافات سے نپٹنے میں صرف ہونے لگیں۔اسے مزید جھٹکا اس وقت لگا جبکہ پارٹی کی مرکزی قیادت نے خود اپنے مفادات کے پیش نظر مداخلت کا ارادہ کیا۔ریاست کی سیاست میں ایسی مداخلت ایک بیحد اہم رول ادا کرتی ہے۔اس لئے کہ، مرکز کی، ریاست کے وسائل و ذرائع پر گرفت ہوتی ہے، چونکہ کے۔ سی۔ریڈّی کی حکومت کے وزیراعظم نہرؔو سے تعلقات اچھے تھے، ان کی حکومت کسی حد تک ایسی صورتحال سے کم کم ہی دوچار ہو سکی۔

نگران کے جان نشین کے۔ہنومنتیّا بہت صاف گو تھے، اور اپنی بات اپنے ڈھنگ سے منوا لیتے تھے، جس سے مرکز سے تعلقات بنائے رکھنے میں اکثر دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔تاہم ان کی ذاتی حکمت عملی نے ریاستی نظم ونسق میں مرکز کو مداخلت کا موقع نہیں دیا۔البتہ ہنومنتیّا فرقہ وارانہ جھگڑوں اور پارٹی کے اندرونی اختلافات سے پیدا ہونے والے تنازعوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔خود نجلنگپّا اور ہنومنتیّا کے درمیان ایک مسئلہ آ کھڑا ہوا، جب ہنومنتیّا نے رشوت خور اور بے اصول اشخاص کو اپنی کابینہ میں شامل کیا۔

اپریل 1952ء کی نجلنگپّا کی ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ اپنے سیاسی حریف سداویرپّا سے مشورے طلب کرنے کی بناء پر ہنومنتیّا سے تعلقات اور بگڑ گئے۔ دریں اثناء نجلنگپّا نے یہ بات بھی محسوس کی کہ ہنومنتیّا نے نجلنگپّا سے ذاتی طور پر بھی ملاقات کی، اور مشورے طلب کئے۔شاید یہ دونوں کے بیچ تلخی کو مٹانے کی غرض سے کیا گیا تھا۔ہنومنتیّا کی شخصیت نے انہیں اس وقت چڑ کہ لگایا کہ (ان کی انا ان کی سیاسی

پرانی ریاست میسور کے دو بار وزیراعلیٰ کی حیثیت سے ان کے کارناموں کی فہرست مرتب کرنے سے پہلے' اور بعد کی حکومتوں کا تقابلی مطالعہ' بیحد ضروری ہے کہ کس حد تک ہمارے تہذیبی ورثہ کا تحفظ ہوا ہے' اور کس قدر رول ان حکومتوں کا رہا ہے۔

کلچر' مختلف جماعتوں اور پارٹیوں میں الگ الگ روپ میں پایا جاتا ہے' اور اس کے سفر کے دوران ذہن' ثقافتی اور تہذیبی اختلافات ہوتے ہی رہتے ہیں' جس سے افراد کی توانائیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ سماجی ڈھانچہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتحال کسی بھی وزیراعلیٰ کیلئے لمحۂ فکریہ ہوتی ہے۔ مزید برآں مخالف سیاسی پارٹیاں موقع کی تاک میں رہ کر تنقید کیلئے پر تولتی رہتی ہیں۔

ایک مکمل ذمہ دار جمہوری حکومت کا قیام اکتوبر 47ء میں پرانی ریاست میسور میں عمل میں آیا' جب ریاست میں اس کی باقاعدہ جمہوری کوشش ہوئی' اسی ماہ میں کے۔ سی۔ ریڈّی نے اس ذمہ دار حکومت کے وزیراعلیٰ کے عہدہ کا حلف لیا۔

جو شخص جدید جمہوریت کی تاریخ سے' چاہے پارلیمانی ہو کہ صدارتی جمہوریت' بخوبی واقف ہے' اسے یہ جان کر متعجب نہیں ہونا چاہئے کہ دراصل گروہ بندی' فرقہ واریت اور سیاسی بے ایمانی' ذاتی مفاد' اقتدار کی ہوس' جیسے عناصر سے یہ سیاسی نظام وجود میں آیا ہے' اور یہ قدرتی بات ہے۔ اس لئے کہ جمہوری نظام میں اداروں کے ذریعہ گروپوں اور افراد کو رسائی ملتی ہے۔ اس طرح متعلقین کو سیاسی رنگ میں رنگے جانے' اور آپسی چپقلش کے مواقع فراہم ہونے لگتے ہیں۔ ایک سماجی مسئلہ' یکلخت سیاسی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

میسور میں جمہوری نظام کی بدولت دو بڑی ذاتوں' لنگایتوں اور وکلّیگا لوگوں کے درمیان رسہ کشی بڑھ گئی۔ ذاتی مفاد نے اربابِ حل وعقد کو اپنی ذمہ داریوں سے فاصلہ پر

نئی ریاست کا افتتاح یکم نومبر 1956ء کی دو پہر تین بج کر تیس منٹ پر صدرِ ہند راجندر پرساد کے ہاتھوں سنٹرل کالج کے وسیع میدان میں عمل میں آیا۔ نجلنگپّا نے، بہ شمول ان کے، بارہ افراد پر مشتمل اپنی کابینہ کا اعلان کیا۔ کابینہ کے دوسرے ساتھی کڈی دال منجپا، اے۔ بی۔ شٹّی، یم۔ پی۔ پاٹل، سی۔ یم۔ پونچّا، ہیچ۔ یس۔ رُدرپّا، جگناتھ راؤ چندرکی، ٹی۔ مَری اَپّا، یم۔ وی۔ راما راؤ، آر چنّگا رامیّا، بھیمپّا نائک اور ہیچ۔ کے۔ ویرنّا گوڈا تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ان بارہ وزیروں میں سے آٹھ وزیر پرانی ریاست میسور سے تعلق رکھتے تھے۔ دوسرے چھوٹے علاقوں سے بھی ایک ایک رکن کی نمائندگی تھی جیسے مدراس سے اے۔ بی۔ شٹّی، بمبئی۔ کرناٹک سے یم۔ پی۔ پاٹل، کورگ سے سی ایم۔ پونچّا اور حیدرآباد۔ کرناٹک سے جگناتھ راؤ چندرکی۔ اگر ذاتوں کے حساب سے دیکھیں تو بہ شمول وزیرِاعلیٰ تین لنگایت، دو وکلیگا، جنوبی کنارا سے ایک بنٹ، کورگ سے ایک برہمن، ایک ہریجن اور پسماندہ طبقات سے ایک کو کابینہ میں لیا گیا تھا۔

علاقائی اور طبقاتی ذات پات کے آئینہ میں دیکھا جائے تو وہ ایک متوازن کابینہ تھی، اس نازک صورت حال اور قلتِ وقت کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ ایک رائے یہ ہوسکتی ہے کہ نجلنگپّا نے مختلف ذاتوں کی نمائندگی سے بڑھ کر سرحدی علاقوں کو مدِّنظر رکھ کر یہ کابینہ بنائی ہوگی۔ ایک دیہاتی غریب لڑکا جس کو تاریخ اپنے اندر ایک اہم مقام دینے جارہی تھی، اپنی ریاست کی سیاست کا مقبول عام رہنما ہونے جارہا تھا۔ اس غیر معمولی تبدیلی کا ان پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ حسب عادت وہ پرسکون و مطمئن تھے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ کسی نامہ نگار نے ان سے پوچھا بھی تھا کہ حلف لیتے وقت وہ روایتی میسوری پگڑی باندھیں گے یا گاندھی ٹوپی پہنیں گے؟ تو نجلنگپّا نے فوراً جواب دیا کہ پگڑی کے دن جاتے رہے، اور یہ کہ وہ ٹوپی پہنیں گے ضرور، مگر سردی میں، ورنہ سر پر کچھ نہیں رکھیں گے۔

زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ تھی)

ان کی وزارت کو اس وقت معزولی کا شکار ہونا پڑا' جب کہ ذاتی جھگڑے زور پکڑنے لگے۔ اس میں نظریاتی پالیسیوں کا کوئی دخل نہیں تھا' ممکن ہے نجلنگپا نے بھی ان کی معزولی میں کوئی رول ادا کیا ہوگا' تاہم اتنا ضرور ہے کہ وقتاً فوقتاً انہوں نے ہنومنتیا کے خلاف اِدھر اُدھر ایک آدھ بیان ضرور دیا تھا' جس کا پتہ ان کی 1954ء کی ڈائری سے چلتا ہے۔

ہنومنتیا کے کرسی سے اترنے کے بعد ان کی جان نشینی کیلئے رسہ کشی شروع ہوگئی۔ ان میں اہم امیدوار ساہوکار چنیا اور بیچ۔ کے۔ ویرنا گوڈا تھے۔ نجلنگپا ذاتی طور پر چنگا رامیا جیسے کسی تیسرے امیدوار کے حق میں تھے' گو کہ ایسے میں ان کی مرضی کے خلاف کڈی دال منجپا کو وزیراعلیٰ بنادیا گیا۔ انہوں نے منجپا کو پسند کیا' محض اس لئے کہ وہ ایک ایماندار وخوش اخلاق آدمی تھے۔

غرض وزیراعلیٰ اور ان کے ساتھی وزیروں کو نجلنگپا کے وزیراعلیٰ ہونے کے عرصہ میں دوبار یعنی 57-1956ء اور 68-1962ء کو جن حالات سے گزرنا پڑا' اسے کانگریس کی آزادی کے بعد کی سیاسی' اور گروہ بند سیاست کا نتیجہ کہنا چاہئے۔

یکم نومبر 1956ء کو بھارت کے پارلیمان کے ایک ایکٹ کے تحت جدید متحدہ وسیع تر ریاستِ کرناٹک وجود میں آئی۔ ریاست کے حکمران جیا چامراجا وڈیر کو جدید ریاست کا پہلا گورنر بنایا گیا۔ حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ جس شخص نے اس وسیع تر متحدہ ریاست کی تشکیل کیلئے برسوں دن رات جدوجہد کی تھی' اس کو ریاست کا پہلا وزیراعلیٰ بنایا جاتا' لہٰذا ان کے گذشتہ کارناموں ہی کا نتیجہ تھا کہ انہیں وزیراعلیٰ کی حیثیت سے منتخب کرلیا گیا' گو کہ اسوقت وہ رکنِ اسمبلی بھی نہیں تھے۔

سابق صدر ہند ڈاکٹر راجندر پرساد اور جے چامراجیند راوڈیر کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا

کابینہ کی تشکیل کسی بھی وزیر اعلیٰ کیلئے ایک بیحد نازک پیچیدہ اور مشکل کام ہے اور نجلنگپّا اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ نجلنگپّا نے پرانے میسور کے بارسوخ وبااثر عوامی نیتا' ساہوکار چنیّا کو اپنی کابینہ میں شامل کرنے کی ناکام کوشش میں کابینہ کی تشکیل واعلان میں دیر کردی۔ یہ بات چنیّا نے خود اخباری نمائندوں سے کہی تھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد چنیّا نے وزیر کا عہدہ قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔

یکم نومبر 1956ء کو اپنی ریڈیائی تقریر میں' نجلنگپّا نے توقع ظاہر کی کہ لسانی بنیاد پر بنائی گئی ریاستیں ملک کو طاقتور بنائیں گی' مگر یہ بھی ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ اگر نتائج ملک کے مفاد میں نہ ہوں گے تو پالیسی پر از سر نو غور وخوض کرنا ہوگا۔ یہ تو بس شروعات تھیں' اور نئی ریاستِ کرناٹک کی تعمیر کا کام پورے انہماک سے شروع ہونے والا تھا۔

ریاست رو بہ ترقی تو تھی ہی' پر زراعت' صنعت وحرفت' کشتی سازی' جنگلات سے حصولِ زر' ماہی گیری اور تمباکو کی کاشت وغیرہ پر زیادہ توجہ درکار تھی۔ کرناٹک میں قدرتی وسائل کی کوئی کمی نہیں تھی' پر مرکز کی مالی تائید کے بغیر ریاست کی ترقی منزلِ مقصود تک پہنچ نہیں سکتی تھی' اور ان کا نصب العین ایک ''ویلفیر سٹیٹ'' یا ''کلیان راجیہ'' کی تشکیل کا تھا۔

اس دوران ریاست کو ایک نئے مسئلہ سے دوچار ہونا پڑا۔ پانچ پڑوسی ریاستوں سے جو علاقے کرناٹک میں شامل کئے گئے تھے' ان کا نظم ونسق الگ الگ تھا۔ ان کی ساخت الگ' اور ترقی کا سفر غیر اطمینان بخش تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو جذباتی طور پر ایک دھاگے میں پرونا تھا۔ یعنی ان سب نو واردوں کی جذباتی ہم آہنگی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی گو کہ ویسی مبارک کوشش اتحادِ کرناٹک کی جدوجہد کے دوران ہی شروع ہوگئی تھی' تاہم اسے اور ہوا دینے کی ضرورت تھے۔

انتظامی ڈھانچے کی ضرورت کا سوال کھڑا تھا۔

8/نومبر 1956ء کو شیموگہ میں ہوئی کل ریاستی اُپّارو کانفرنس میں جس کی صدارت راجیہ سبھا کے نائب چیرمین ایس۔ وی۔ کرشنا مورتی راؤ نے کی تھی، وزیراعلیٰ نے سرکاری افسروں سے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا کہ وہ عوام کے دوست، رہنما اور ہمدرد بن کران کی بروقت مدد پر ہمیشہ کمر بستہ رہیں۔

10/نومبر 1956ء کو نئی حکومت کے چیف سکریٹری پی۔ وی۔ آر۔ راؤ نے بنگلور میں اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ نان گزیٹڈ افسروں کی ایک بڑی ٹولی حیدرآباد، کورگ اور مدراس سے بنگلور پہنچ گئی ہے، ان کی نوآبادکاری کا مرحلہ درپیش ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حکومت نے بہت سارے منصوبوں کی اب تک ہری جھنڈی دکھادی ہے۔ نجلنگپاؔ کی انتظامیہ کی تفصیلات میں گہری دلچسپی پر لوگوں کو حیرت ہوگی۔ ریسرچ گروپ (IMRUP) کی ریاستی شاخ کے افتتاح کے موقع پر میسور کے دوسرے پنج سالہ منصوبہ کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کے مختلف شعبوں کی از سرنو تشکیل، ایک خوشحال سماج کی تعمیر، اور ایک بہتر انتظامیہ کیلئے ضروری اقدامات کی تجویزیں پیش کرنے کیلئے یہ شاخ بھرپور کوشش کرے گی۔ یہ اس لئے کہ حکومت ایک ایسے ہی معاشرے کی تعمیر کا نصب العین رکھتی ہے۔ ان میں ایک اہم مسئلہ نئی حکومت کے سامنے مکان یا کرایہ داری قوانین (Tenancy Laws) کا تھا، جو الحاق شدہ پانچوں علاقوں میں الگ الگ شکلوں میں تھا، جن پر عملی جامہ پہنانا بیحد مشکل تھا۔ اس میں اختلاف رائے تھا۔ مثال کے طور پر بمبئی۔ کرناٹک کا قانون اس علاقے سے تعلق رکھنے والے افسران اور اراکین مجلس مقننہ نے 17/نومبر 1956ء کو دھارواڑ میں ایک اجلاس منعقد کیا، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ موجودہ بمبئی ٹینیسی لاء کو بدل دیا جائے۔ اس

وزیراعلیٰ کیلئے ایک اہم دردِسر وزراء میں قلمدانوں کی تقسیم کا ہے' جس سے ساتھی وزیروں وغیرہ میں ذاتی عناد اور ناپسندیدگی جڑ پکڑ سکتی ہے۔ پر نجلنگپّا نے یہ فرض بھی بخوبی انجام دے ڈالا' اور انہوں نے ریاست کا عام نظم ونسق خدمت عامہ' سیول سرویس' رشوت کا قلع قمع' پبلک سرویس کمیشن اور کولار گولڈ فیلڈ کے قومیانے کے شعبے جیسے اہم شعبوں کو اپنے ذاتی کنٹرول میں رکھا۔ کڈی دال منجپّا کو تعلیم' اے۔ بی۔ شٹی کو صحت' یم۔ پی۔ پاٹل کو مالگذاری' سی۔ یم۔ پونچاّ کو تجارت صنعت وحرفت' ایچ۔ یس۔ ردرپاّ کو زراعت ماہی گیری' اور جنگلات' جگناتھ راؤ چندرکی کو آب کاری' محنت اور دیہی صنعت' ٹی مری اپاّ کو خزانہ' کمزور طبقات کی فلاح و بہبود (فہرست دہندہ ذاتوں کو چھوڑ کر) یم۔ وی۔ راماراؤ کو قانون' اطلاعات' داخلہ اور ٹرانسپورٹ' آر چنگا رامیاّ کو لوکل سیلف گورنمنٹ' فہرست دہندہ ذاتوں کی فلاح و بہبود' بھیمپاّ نائک کو امدادِ باہمی' مارکیٹنگ' اور سرود یہ اور آخر میں ہیچ۔ کے۔ ویرنا گوڈا کو پبلک ورکس اور بجلی کے قلمدان تجویز کئے گئے۔ کابینہ کا اعلان کرنے کے بعد نجلنگپّا نے کہا کہ کابینہ بغیر کسی طمطراق کے سیدھے سادے طریقے سے اپنے کام سے مطلب رکھے گی۔

مگر پریس نے یہ خبر بھی چھاپی کہ امبالی چنپاّ' چن بسپاّ جو کہ ان دنوں بیمار تھے' اپنی صحت یابی کے بعد کابینہ کے تیرھویں وزیر کی حیثیت سے شامل ہوں گے' چونکہ پانچ مختلف علاقوں سے اراکین پارٹی کی نمائندگی مقصود تھی' نجلنگپّا کیلئے یہ کام کسی قدر دشوار تھا' مثال کے طور پر 18/نومبر 1956ء کو ہبلی سے ایک پریس نوٹ شائع ہوا کہ نئی حکومت نظم ونسق پر اپنی گرفت ابھی مضبوط نہیں کرسکی ہے' اور اپنے مقامی دفاتر سے رابطہ قائم کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکی ہے۔ انتظامیہ کو عوام کی روزمرہ سہولتیں فراہم کرنے میں دشواری ہورہی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وزیراعلیٰ کے سامنے ایک اچھے

نمائندوں سے بات چیت کے دوران بتایا کہ جذباتی سطح پر تو اتحادِ کرناٹک ممکن ہو سکا' پر پانچ مختلف انتظامیہ کے طریقوں' ملازمتوں اور ملازموں کے درپیش مسائل' اور قوانین کا اطمینان بخش حل ڈھونڈنے کے مراحل ابھی باقی ہیں۔ جو پیچیدہ ہیں' اور کافی وقت کے متقاضی بھی ہیں۔ انہوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مرکز نے ان کی ضروریات پر ہمدردی سے غور کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ نجلنگپّا حکومت کا ایک بیحد اہم اقتصادی کارخانہ کولار گولڈ فیلڈس کا قومیانہ ہے۔ تقریباً اسّی (80) سال کے غیر ملکی قبضہ کے بعد 29/نومبر 56ء کو جان ٹیلر کمپنی سے 164 لاکھ روپیوں کے عوض کولار گولڈ فیلڈس کو اپنے ماتحت لے لیا گیا۔ جس کیلئے کمپنی کے منیجنگ ڈائرکٹر لیس ٹی۔ یم۔ ٹیلر کو نجلنگپّا نے صرف 123 لاکھ روپیوں کا ایک چیک پیش کیا۔ حسبِ عادت انہوں نے اپنے طور پر خوش اخلاقی کا ثبوت دیتے ہوئے یقین دلایا کہ وہ گولڈ فیلڈس کی اگلی کارکردگی میں ہاتھ بٹائیں گے۔

11/دسمبر 1956ء کو نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل کی میٹنگ میں نجلنگپّا نے زور دیا کہ ریاست میں گھٹاپربھا' اور مالاپربھا پراجکٹوں کو ایڈ لگائیں۔ انہوں نے مرکز پر دباؤ ڈالا کہ دھارواڑ' بیجاپور کے اضلاع اور بنگلور سٹی کو چاول فراہم کرے۔ انہوں نے کونسل کو بتایا کہ ریاست کے پاس پہلے ہی سے شراوتی بھدرا' اور تنگا بھدرا جیسے بڑے پراجکٹ ہیں' اور اب چھوٹے چھوٹے پراجکٹوں کی بھی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔

ریاستی حکومت نے انتظامیہ کے مسائل کو سمجھتے ہوئے وزیروں کی تنخواہیں مقرر کیں' اور الاؤنسیس کی ادائیگی کے حق میں ایک سرکاری حکمنامہ جاری کیا۔ جیسا کہ نجلنگپّا جیسے سادہ لوح وزیر اعلیٰ سے توقع کی جاسکتی ہے' ان وزراء کی تنخواہیں بھی بیحد معمولی تھیں۔ ایک وزیر کی ماہانہ تنخواہ نوسو (900) روپے' کار الاؤنس دوسو روپے' اور گھر کا کرایہ ماہانہ

لئے اسی کے تحت زمینداروں اور کسانوں کے مفادات کو خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچے گا۔ وزیر مال گذاری یم۔ پی۔ پاٹل نے اس کی صدارت کی۔ انہوں نے کہا کہ ایک مساوی قانون بنایا جائے گا۔ جیسا کہ نجلنگپا نے پہلے ہی اپنے نشریہ میں ریاست کے عوام کو آ گاہ کر دیا تھا۔ مرکزی حکومت سے زیادہ سے زیادہ مالی امداد حاصل کرنا بہت ضروری تھا۔

22 /نومبر کو ریاست کی تشکیل نو کے چند ہی ہفتوں کے اندر مرکزی وزراء سے ریاست کے کئی ایک نازک مسائل پر تبادلۂ خیال ہوا۔ انہوں نے نہرو اور صدر کانگریس یو این ڈھیبر سے ملاقات کی' اور یقین دلایا کہ ریاستی کانگریس پارٹی میں اتحاد بڑھ رہا ہے' اور یہ ان کی حکومت کیلئے ایک فال نیک ہے۔ بالخصوص انہوں نے وزیر ریل سے ہاسن' منگلور' ہبلی' کاروار کی ریلوے لائنوں' بلاری اور بلگام کے عوام کیلئے زیادہ ریلوں کی سہولت اور ریاست میں چلنے والی موجودہ ریلوں کی رفتار تیز کرنے پر زیادہ دھیان دینے کی گذارش کی۔

وزیر زراعت سے مل کر کہا کہ ریاست میں ماہی گیری اور اندرونِ سمندر ماہی گیری کے طریقوں پر زیادہ دھیان دیں۔ وزیر موصوف کو انہوں نے یہ بھی بتایا کہ عنقریب کیناڈا سے ماہی گیری کے ماہر اس ضمن میں ریاست کا دورہ کریں گے۔

وزیر آبپاشی سے گذارش کی کہ گھٹا پر بھا ہائیڈرو الیکٹرک پراجکٹ کا کام' اور زیادہ تیز کرنے پر زور دیں۔ ساتھ ساتھ مالا پربھا' اور اپر کرشنا پراجکٹوں پر بھی زیادہ توجہ فرمائیں۔

پلاننگ کمیشن سے گذارش کی کہ منگلور بندرگاہ کو جدید تر بنانے میں اور تیزی دکھائیں۔ ساتھ ساتھ کاروار' بھٹکل کی قدرتی بندرگاہوں کی ترقی کا منصوبہ بنائیں۔

بہ حیثیت وزیراعلیٰ اپنے پہلے سفر دلّی سے واپسی کے بعد بنگلور میں اخباری

جنرل تمیّا کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

دو سو پچاس روپے مقرر کیا گیا۔ وزیروں کو بھی ہدایت دی گئی کہ بجلی کا بل ماہانہ پینتیس (35) روپیوں سے زیادہ نہ ہو۔ ان سے کہا گیا کہ کوئی بھی منافع بخش کاروبار نہ کریں۔

اگر آج کے حالات سے اس کا موازنہ کیا جائے تو حیرت ہی حیرت ہوگی۔ اراکین اسمبلی جب ایوان میں حاضر ہوتے اور اگر یم یل اے ہوسٹل میں قیام پذیر ہوتے تو روزانہ ساڑھے بارہ روپے کے مستحق ہوتے، اور اگر ان کا قیام ہوسٹل سے باہر ہوتا تو روزانہ سولہ روپے کے مستحق ہوتے۔

اوائل 1957ء میں ہونے والے عام انتخابات کی تیاری میں نجلنگپّا کی قیادت میں کانگریس پارٹی جٹ گئی، اس سلسلے میں 17 دسمبر کو شہر میسور کے ٹاؤن ہال میں یم پی سی سی کا اجلاس ہوا، جسے انتخابی مہم کا پہلا اجلاس کہنا بہتر ہوگا۔ اس میں کامراج نے شرکت کی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نجلنگپّا نے زور دیا کہ نمائندوں کو ٹکٹ ان کی ذاتی قابلیت اور جذبۂ خدمت خلق کے پس منظر ہی میں دئے جائیں گے، اور کسی بھی صورت ذات پات یا ذاتی پسند و ناپسند کو ترجیح نہیں دی جائے گی۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ پچھلے انتخابات میں کانگریس نے ایسا نہیں کیا تھا۔ اگر اب کی بار کانگریس کی کارکردگی بہتر نہیں ہوئی تو عوام میں اس کا وقار کم ہو جائے گا۔

19 دسمبر کو قانون ساز اسمبلی اور اراکین اسمبلی کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں گورنر نے نجلنگپّا حکومت کی مجوزہ پالیسیوں کا خاکہ پیش کیا گیا۔ اوّل یہ کہ حکومت کی یہ پالیسی ہوگی کہ "ٹیننسی لاء" میں ایسی ترمیم ہوگی کہ جس سے کسان اور زمیندار دونوں کا فائدہ ہوگا، تاہم زمینداروں کی اجارہ داری ختم ہوگی، اور رعیتوں کا استحصال بند ہو جائے گا۔ دوسرا یہ کہ میسور سٹیٹ پبلک ٹرانسپورٹ سرویس کا تبادلہ ان کے پہلے علاقۂ اختیار سے میسور منتقل کرنے کی کارروائی مکمل کر دی جائے گی۔ تیسرا یہ کہ

25 ر دسمبر 56ء کو بتایا گیا کہ ریاست کی تینوں کمیٹیوں' یعنی بمبئی۔ کرناٹک کی' کے پی سی سی' پرانے میسور کی میسور کانگریس کمیٹی' اور کرناٹک۔ حیدرآباد کانگریس کمیٹی نے فہرستوں کو قطعیت دے دی ہے۔ ان تینوں فہرستوں سے پارٹی کے اراکین میں بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی' اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے پاس متبادل فہرستیں بھجوادی گئی تھیں' جن کو ناراض گروپ کے نمائندوں جیسے جناردھن راؤ دیسائی' کولور ملپّا کے۔ یف۔ پاٹل اور ٹی۔ آر۔ نیسوی نے ترتیب دی تھی۔

دو بھاری شکایتیں یہ کی گئیں کہ اندرونی گروپ بندی کے سبب ایک طاقتور گروپ نے (اپنی گرفت مضبوط کر کے دوسری) گروپوں کی حق تلفی کی ہے' اور یہ کہ اقلیتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ یہ شکایتیں مرکزی ٹیم کے روبرو پیش کی گئیں' ٹیم میں شریمان نارائن مارگھم چندر شیکھر اور دیبیشور شرما شامل تھے۔

24 ر دسمبر کو گورنر کے خطاب کا جواب دیتے ہوئے نجلنگپّا نے کہا کہ انہیں ریاست کی ہمہ جہت ترقی کی فکر ہے' اور یہ کہ تمام پارٹیوں سے عملی تعاون کی گذارش ہے۔ یہ بھی کہا کہ اس عظیم کوشش میں دراصل ریاست کے ہر ذمہ دار شہری کی خدمات ضروری ہیں۔ انتخابات سر پر ہونے کے باوجود حکومت کو تو چلنا ہی ہے' لہٰذا کوئی کارروائی ملتوی نہیں ہوگی۔

27 ر دسمبر کو وزیر مال ٹی۔ مری اپّا نے بیان دیا کہ تمام سرکاری ملازمین کی تنخواہیں برابر کر دی جائیں گی۔

دلّی میں امیدواروں کی فہرست پر تبادلۂ خیال کے بعد نجلنگپّا' وینکٹپّا (نئی پردیش کانگریس کمیٹی کے صدر) اور ایس چنیّا (صدر یم پی سی سی)' 31 ر دسمبر کو بنگلور لوٹے۔ انہوں نے بیان دیا کہ چونکہ یم پی سی سی کی فہرست ہنوز نامکمل ہے' بورڈ نے فیصلہ کیا

ریاست میں تکنیکی تعلیم کو فروغ دینے' اور اسے پھیلانے کیلئے جگہ جگہ انجینئرنگ' اور میڈیکل کالجوں کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔ چوتھا یہ کہ مختلف ''سب ریجنوں'' میں موجود طرح طرح کے قوانین کو ایک لڑی میں پرویا جائے گا۔ پانچواں یہ کہ حکومت آبپاشی کے پراجکٹوں کو زیادہ اہمیت وبڑھاوا دے گی' اور آخر میں صنعتی ترقی کیلئے ریاست میں بجلی کی زیادہ پیداوار پر بھرپور توجہ دی جائے گی۔

16 رنومبر کو زیرو آور (Zero Hour) کے دوران رکن اسمبلی ملکا گووندریڈی نے یہ سوال ایوان میں اُٹھایا کہ کیا نجلنگپّا جو کہ رکن اسمبلی نہیں ہیں' اس ایوان کی کارروائی میں حصہ لے سکتے ہیں؟۔ انہوں نے کہا کہ گو کہ وہ اپنی پارٹی کے اراکین کے قائد کی حیثیت سے چن لئے گئے ہیں' اور یہ جواز کہ کوئی بھی شخص چھ ماہ کی مدت کے اندر کسی حلقہ سے انتخاب جیت کر ایوان میں داخل ہوسکتا ہے۔ یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ یہاں کوئی ضمنی انتخاب فی الحال پیش نظر نہیں ہے۔ یعنی تکنیکی سطح پر وہ وزیراعلیٰ بننے کے مستحق تو ہیں پر اخلاقی سطح پر وہ مستحق ہونے کا دفاع پیش کر ہی نہیں سکتے۔ سپیکر کنتھی نے' اپنا فیصلہ سُنایا کہ نجلنگپّا وزیراعلیٰ کی کرسی پر بیٹھ سکتے ہیں۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ 1962ء میں ایک ایسی ہی صورتحال درپیش ہوئی تھی' جب پارٹی کی اکثریت نے انہیں وزیراعلیٰ بنانا چاہا' حالانکہ وہ انتخاب ہار چکے تھے' شاید انہی واقعات کو یاد کرتے ہوئے نجلنگپّا نے منصب قبول نہیں کیا' اور کہا کہ جب تک وہ انتخاب جیت نہیں لیتے' ان کی جگہ فی الحال کسی اور کو ذمہ داری دی جائے' مگر سپیکر نے یہ فیصلہ بھی سُنایا کہ وزیراعلیٰ کو جو کہ ایک رکن اسمبلی نہیں ہے' ووٹ دینے کا حق نہیں ہے' تو فوراً نجلنگپّا نے سرکاری کاموں سے توجہ ہٹا کر دوسرے عام انتخابات کی مہم پر توجہ مرکوز کردی' اب امیدواروں کا انتخاب ایک مشکل امر تھا۔

ریزرویشن پالیسی کے خلاف نہیں جائے گی۔

جہاں تک اگلے عام انتخابات کا تعلق تھا' اس میں میسور میں چھ سیاسی پارٹیاں انتخاب لڑرہی تھیں' کانگریس' کمیونسٹ' سوشیلسٹ' جن سنگھ' لوک سیواسنگھ' اور پرجا سوشیلسٹ پارٹی یعنی پی یس پی۔

پارٹی کا مقابلہ صحیح معنوں میں صرف پی یس پی سے تھا' پارٹی کی اندرونی مخالفت ایک پہاڑ بن کر کھڑی ہوئی تھی' جس کا ذکر ہم نے پہلے ہی کردیا ہے۔ پرانی میسور کانگریس میں موجود اختلافات کی ایک لمبی تاریخ تھی' مگر اس ضمن میں سب سے پہلے ہنومنتیاؔ کے عہد میں 1952ء میں احتجاجی صدا بلند ہوئی تھی۔ ناراض گروپ نے حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی' جو ناکام ہوگئی۔ اس سے فی الحال ناراض گروپ کو مطمئن نہ کرنے کے ساتھ ساتھ مخالفت روکنا' اور زیادہ مشکل ہوگیا۔ نشانہ اکثر وبیشتر ہنومنتیا ہی تھے۔ آخر کار وہ مستعفی ہونے پر مجبور ہوگئے۔ جب مناسب جانشین کی تلاش شروع ہوئی تو ایک قلیل مدت کیلئے کڈی دال منجپاؔ کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا' مگر اس سے پرانی عداوتیں اور پارٹی کے اندرونی اختلافات ختم نہیں ہوئے۔ پرانے زخم تازہ تھے' اور سیاسی زندگی کو ایک عرصہ تک پریشان کرتے رہے۔ اس کا حل ڈھونڈنے میں دقت ہورہی تھی۔

12 رجنوری کو یس چنیاؔ' یم پی سی سی کے چنے ہوئے اُمیدواروں کی فہرست کے ساتھ دلّی پہنچ گئے۔ اس فہرست سے کئی ایک کو اطمینان نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں ناراض گروپ نے دلّی کو ایک مراسلہ بھجوایا' جس کے دستخط کرنے والوں میں نجلنگپاؔ اور چار اور افراد تھے۔

انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوا تو دوسو آٹھ سیٹوں سے کانگریس کو ایک سو پچاس

ہے کہ اگلے ہفتہ پوری فہرست پر پھر سے غور وخوص ہوگا۔ نجلنگپا کے فوری توجہ طلب مسائل میں سے ایک سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں برابری' اور تنخواہوں کا قابلِ قبول ایک ڈھانچہ بنانا تھا۔ حکومت نے آخر کار اس میں کامیابی حاصل کر ہی لی' پر ملازمین کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ پرانے یا نئے سکیل میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ تنخواہوں کے نئے سکیل سے حکومت پر کوئی چار کروڑ روپیوں کا سالانہ دباؤ پڑنے جا رہا تھا۔

اندور میں ہونے والے کانگریس اجلاس میں شرکت کیلئے نجلنگپا 3 رجنوری 57ء کو بنگلور ایرپورٹ جاتے ہوئے ایک چھوٹے سے حادثہ کا شکار ہو گئے' ان کی کار ایک ٹرک سے ٹکرا گئی' اندور کا سفر منسوخ کرنا پڑا۔ صحت یابی کے فوراً بعد انہوں نے پھر سے مختلف مقامات کا دورہ شروع کر دیا۔ 9 رجنوری کو ان کے اعزاز میں ہاسن میں وڈّروں نے ایک اجلاس بلایا' جس میں ان کے کچھ مطالبات رکھے جانے والے تھے۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نجلنگپا نے کہا کہ ذات پات کی بنیاد پر الگ الگ ہوسٹلوں کے قیام کے نظریہ کو وہ پسند نہیں کرتے' گوکہ وہ خود ایسے ہوسٹلوں میں رہ چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ معاشرتی نظام ایسی تخصیص کیلئے موزوں نہیں ہے' چاہے ماضی کچھ بھی رہا ہو' مگر تیقن دیا کہ موجودہ منصوبوں کی پیش رفت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ انہوں نے کمزور طبقوں بالخصوص فہرست دہندہ طبقوں سے کہا کہ تکنیکی اور میڈیکل تعلیم حاصل کر کے آگے بڑھیں۔ حکومت ان کے بچوں کو ہوسٹلوں میں قیام وطعام کا بندوبست کریگی۔ مالی امداد دے گی' پر زمین مفت نہیں دے گی۔ انہوں نے اس موقع پر ذات پات کی بنیاد پر ریزرویشن کی مخالفت کی' اور امید ظاہر کی کہ دستوری حقوق میں دس سال تک تو مراعات دی گئی ہیں' اس کے بعد ریزرویشن کو روک دینا چاہئے۔ البتہ یہ بھی کہا کہ یہ ان کی ذاتی رائے ہے' اور خود ان کی حکومت' اس

سابق صدر ہند ڈاکٹر رادھا کرشنن اور سابق راجیہ پال شری جے چامراجیند راوڈیر کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

سیٹ ملیں جو کل کا دو تہائی حصہ ہے۔ رعیتا کولی دار راپارٹی' اور شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن کو دو دو سیٹیں ملیں' اور کمیونسٹ پارٹی کو ایک' پینتیس (35) آزاد اُمیدواروں کو ملیں' جن میں بہت ممکن ہے ناراض کانگریس امیدوار بھی ہوں گے' جن سنگھ اور سماج وادی پارٹیوں کو ایک بھی سیٹ نہیں ملی۔

نجلنگپّا نے بھاری اکثریت سے انتخاب جیت لیا' جن اہم لوگوں نے انتخاب ہارا' ان میں نجلنگپّا کے ساتھی وزیر اور دیرینہ دوست یم۔ وی۔ راما راؤ بھی تھے۔ پارلیمانی انتخابات میں کانگریس نے ریاست میں اٹھائیس (28) میں سے تئیس (23) سیٹیں جیت کر اپنی بھاری مقبولیت کی مہر لگا دی۔ پی ایس پی شیڈولڈ کاسٹ فیڈریشن اور لوک سیوا سنگھ کو ایک ایک سیٹ ملی۔ اس طرح ریاست میں 1957ء میں کانگریس حکومت کیلئے راہیں ہموار ہوگئیں' گو کہ ایسی شاندار جیت کا سہرا نجلنگپّا ہی کے سر باندھنا مشکل ہے۔ تاہم اس وقت کے وزیر اعلیٰ نیز کانگریس کے سب سے بڑے قائد کی حیثیت سے اس انتخاب میں ان کی گزشتہ کارکردگی کا بڑا دخل تھا۔ اتنی بڑی اکثریت کے بعد نجلنگپّا کو نہ ہی وزیر اعلیٰ کے عہدہ کیلئے منتخب کیا گیا' اور نہ ہی کوئی اور بڑا مقام پیش کیا گیا' جس کے سبب شاید آگے چل کر ملے گا۔

سابق وزیر اعلیٰ کرناٹک کے ہنومنتیا ودھان سودھا کی تعمیر سے جڑے ہوئے گھپلے کی وجہ سے اخباروں کی اہم سرخی بننے لگے' تو ایک تحقیقاتی کمیٹی سے رپورٹ طلب کی گئی۔ اس واقعہ سے نجلنگپّا اور ہنومنتیا کے درمیان تعلقات مزید بگڑ گئے' مگر حسب معمول نجلنگپّا نے آئینہ داری کے اصول پر حرف آنے نہ دیا۔

27 مارچ کو جگلو راماّم چاہتے تھے کہ اسمبلی میں رپورٹ پر بحث ہو' سپیکر کنتھی نے محض اس تکنیکی بناء پر بحث کی اجازت نہیں دی کہ رپورٹ ابھی تک رسمی طور پر ایوان

یہ کہ اسے انتخابات کے فوراً بعد شائع کیا گیا ہے۔ نجلنگپّا نے کہا کہ ہنومنتیا نے ان کو وزیر اعلیٰ بنانے میں مدد کرنے کا وعدہ تو کیا پر پچھلے پانچ مہینوں میں اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ اخباری نمائندوں پر یہ بات واضح کی کہ کانگریس کی شکست' زبان کی بنیاد پر نہیں ہوئی۔

نجلنگپّا نے کہا کہ انہیں فخر ہے کہ پچھلے پانچ مہینوں میں ان کی حکومت نے ایک نئی ریاست کی مضبوط بنیاد ڈالی ہے۔ کانگریس کی لیجسلیٹر پارٹی نے اپنا قائد چننے کیلئے 6/ اپریل کو اجلاس طلب کیا' جس کی صدارت مرکز کے مبصر کے پی مادھون نے کی۔ انا راؤ گن مُکھی نے نجلنگپّا کا نام تجویز کیا' جس کی تائید شریمتی رتنا مادھوا راؤ نے کی۔ نجلنگپّا اتفاق رائے سے منتخب ہوگئے۔ بلا مقابلہ جیت کے پیچھے بہت کوششیں رہیں۔ ایس چنیّا نے کہا کہ اتفاق رائے بنانے کیلئے جو چار رکنی کمیٹی بنائی گئی تھی' ان میں ان کا بھی نام تھا۔ پہلے پہل چار نام زیرِ غور تھے' نجلنگپّا ' منجپّا ' ٹی۔ سبرامنیا' اور ہنومنتیّا۔ کمیٹی کی پہلی میٹنگ میں کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا۔ دوسری نشست میں نجلنگپّا کو بلا مقابلہ منتخب کرلیا گیا' جس میں کے۔ سی۔ ریڈّی نے نمایاں رول ادا کیا' گو کہ نجلنگپّا نے 15/ کو اپنی کابینہ کا اعلان کرنے کا وعدہ کیا' پر اسے 16/ تک ملتوی کرنا پڑا۔ جسے مزید ملتوی کر دیا گیا۔ یقیناً کوئی رکاوٹ رہی ہوگی۔

17/ کو نجلنگپّا نے ایک نامکمل کابینہ کا اعلان کیا' جس میں بہ شمول وزیر اعلیٰ صرف آٹھ وزیروں کے نام تھے' جبکہ گیارہ وزیروں کی کابینہ طئے تھی۔ اعلان شدہ فہرست میں ہیچ۔ کے۔ ویرنا گوڈا' ٹی مریپّا' ہیچ۔ ایس۔ ردرپّا' آر چنّگا رامیّا' سی یم پونچّا' یم۔ آر۔ پاٹل اور محمد علی' پچھلی کابینہ میں محمد علی کے سوا باقی سبھی ساتھی وزیر رہ چکے تھے۔

نامکمل فہرستِ کابینہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی تو وزیر اعلیٰ نے کہا کہ جن

میں پیش نہیں کی گئی ہے۔ نجلنگپا نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے (ہنومنتیا کی طرف سے ان کے خلاف عائد کئے گئے) الزامات کا جواب دیا۔ سب سے پہلے انہوں نے ہنومنتیا کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ان کے علم میں نہ آئی ہوئی باتیں بتلائیں۔ ایسا لگتا ہے کہ نجلنگپا کو پارٹی کے قائد کی حیثیت سے بالاتفاق رائے منتخب ہونے میں ہنومنتیا بھی ذمہ دار ہیں۔

نجلنگپا نے اس الزام کی بھی تردید کی کہ انہوں نے ہنومنتیا کے خلاف والی رپورٹ کا استحصال کیا ہے۔ان کا کہنا تھا کہ ہنومنتیا نے اس تنازعہ پر بحث کرنے کیلئے تین بار ان سے ملاقات کی' بہ شمول جنوری کی پہلی ملاقات کے' یہ جاننے کیلئے کہ آیا کوئی تحقیق ودھان سودھا کی تعمیر کے بارے میں کروانے کا ارادہ ہے کہ نہیں' اگر ہے تو کسی ایسے شخص کو صدر نہ بنایا جائے جو ہنومنتیا کو پسند نہ کرتا ہو۔ نجلنگپا نے جواباً کہا کہ اگر ایک کمیٹی بنا بھی دی گئی تو کوئی ضرر رساں شخص کو ان کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔

ہنومنتیا نے دوسری بار نجلنگپا سے اس وقت ملاقات کی' جب تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ منظر عام پر آئی' اور نجلنگپا سے گذارش کی کہ اس انجینئر کی رپورٹ بھی شائع کی جائے جو تعمیراتی کام میں ملوث تھا۔

ایوان میں ایک رکن اسمبلی نے نجلنگپا پر یہ الزام دھرا کہ وزیر اعلیٰ بننے کی غرض سے انہوں نے ہنومنتیا کے خلاف رپورٹ چھپوائی ہے۔ نجلنگپا جنہیں کبھی کبھار ہی غصہ آتا تھا۔ اس الزام پر سخت برہم ہوئے' اور اسے ایک شرمناک جھوٹ قرار دیا۔ انہوں نے بتایا کہ کمیٹی کے کسی بھی رکن سے انہوں نے ملاقات نہیں کی ہے۔ اس سوال کے جواب میں کہ رپورٹ کی اشاعت قصداً کیوں ملتوی کی گئی؟ نجلنگپا نے وضاحت کی کہ رپورٹ 2 رجنوری کو ان کے پاس آئی' اور اسے صرف 8 رفروری ہی کو شائع کیا جاسکا' اور

یم پی سی میں نجلنگپّا کے سیاسی حریف ایس چنیا کو 10 / جون کو صدر منتخب کرلیا گیا۔ یم وی راماراؤ کے اکیاسی (81) ووٹوں کے مقابل ایس چنیاّ نے ستاسی (87) ووٹ حاصل کئے۔ دونوں گروپوں میں مصالحت کی ناکام کوشش کی گئی، اور انتخابات ناگزیر ہوگئے۔ دراصل اتفاق رائے بنانے کی انتھک کوششیں کی گئیں، جس کیلئے تین امیدوار ہلی کیری گڈلیپاّ، کے وی شنکرے گوڈا، اور ڈی۔یم۔سدپاّ نے اپنی امیدواری واپس لے لی۔ پر اس تبدیلی سے نجلنگپّا کی حکومت کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔

حکومت کی طرف سے ایک خاص پالیسی کا اعلان ہوا، اور وہ نشہ بندی کے تعلق سے تھا۔ 15 / جون 1957ء کو وزیر خزانہ ٹی مری یپاّ نے اسمبلی میں اعلان کیا کہ حکومت نشہ بندی کی پالیسی پر قائم رہے گی، اور سپر نہیں ڈالے گی۔ حکومت کی دوسری زوردار پالیسی ملناڈ کی ترقی میں تعاون پیش کرنے کی تھی، نئی حکومت کے سامنے جو نیا مسئلہ تھا، وہ پانچ سب ریجنوں سے متعلق منصوبوں سے تال میل و برابری کا تھا۔ ایک شکایت یہ بھی تھی کہ پرانے میسوری علاقوں کی ترقی کیلئے تخصیص برتتے ہوئے حکومت نے بہت سی رقم مختص کی ہے، وزیر خزانہ نے یقین دلایا کہ حکومت کسی بھی علاقے کے لوگوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کرے گی۔

19 / جولائی 1957ء کو گورنر کے خطاب پر، بحث کے دوران نجلنگپّا نے اپنی حکومت کی مدافعت میں کہا کہ انہوں نے بہت ہی قلیل وقت میں فلاح و بہبود کے بہت سے کام کئے ہیں۔ وزیر خزانہ نے اپنے ایک علیحدہ بیان میں اس پالیسی کا اعلان کیا کہ حکومت کبھی پبلک ڈیٹ سے پیسہ نہیں نکالے گی، مگر ایسا نہیں ہوسکا، جس کا علم آپ کو آگے چل کر ہوگا۔

نجلنگپّا کی وزارت نے پہلے اعلان کیا تھا کہ وہ پُرانے میسور کے کالج کے طلبا کے

دوستوں کو کابینہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی ہے' انہوں نے اس پر غور کرنے کیلئے کچھ مہلت مانگی ہے' اس لئے 18 / کو بقیہ ناموں کا بھی اعلان ہوگا۔ پہلے دس رکنی کابینہ کا فیصلہ کیا گیا تھا' پر گیارہ کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ تمام ریجنوں کی نمائندگی ہو سکے۔ انہیں پتہ تھا کہ گیارہ کوئی مبارک نمبر نہیں ہے۔

کہا گیا کہ نائب وزیر صرف تین ہوں گے' جن کے ناموں کا اعلان 18 / تاریخ کو کیا جائے گا' مگر اٹھارہ سے پھر 19 / تک ملتوی کر دیا گیا۔ تین نئے وزیر بی وینکٹا بالیگا' وینکٹپا اور آر۔ یم۔ پاٹل تھے۔ ایک اور وزیر کی شمولیت کے امکان سے کابینہ میں بارہ رکنی کابینہ کی گنجائش نظر آ رہی تھی' مگر بارہویں وزیر اور تین ڈپٹی وزیروں کے نام کا اعلان نہیں ہوا۔ 26 تاریخ کو صرف تین ڈپٹی وزیروں کا اعلان ہوا۔ پر بارہویں وزیر کا نام ابھی صیغۂ راز میں تھا۔ تین نائب / ڈپٹی وزیر راما کرشنا ہیگڈے' ویریندر پاٹل اور گریس ٹکر تھے۔ وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے فوراً بعد نجلنگپا نے تمام جلسوں میں بار بار اپنی حکومت کی پالیسیوں کے بارے میں عوام کو آگاہ کیا۔ مثال کے طور پر انہوں نے آبپاشی پر بہت زیادہ زور دیا۔

7 / مئی 1957ء کو دھارواڑ میں ہوئے کنڑ ساہتیہ سمیلن' جس کی صدارت کوویمپو نے کی تھی' کا افتتاح کرتے ہوئے نجلنگپا نے یقین دلایا کہ کنڑ زبان وادب کی ترویج وبقاء کیلئے حکومت پورا پورا تعاون کرے گی۔ بلگام میں ہوئے آٹھویں شمالی کرناٹک ہریجن پریشد کا افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے ہریجنوں کی ترقی کیلئے اپنی سرکاری کی حوصلہ افزاء پالیسیوں کا اعلان کیا۔

کسی بھی پارلیمانی مجلس منتظمہ کی اطمینان بخش کارکردگی کیلئے ایک مجلس مُقنّنہ اور پارٹی کی تنظیمی شاخ کے درمیان نہایت پاکیزہ' مستحکم' اور جاندار رشتہ ضروری ہے' مگر نئے

پنڈت جواہر لعل نہرو راجیہ پال پکواسا اور کرشنا ائیر کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

داخلوں کے سلسلہ میں جاری کردہ سرکاری حکم نامے پر عمل درآمد کریں گے۔ 23/ جولائی 1957ء کو وزیر تعلیم وینکٹپّا نے اسمبلی میں اس پالیسی کی اہمیت پر پھر سے زور دیا، جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے ایک پارلیمانی جمہوری نظام میں مجلس مُقنّنہ اور برسر اقتدار پارٹی کی مختلف شاخوں کے درمیان ایک بامعنی رشتہ برقرار رکھنا، ایک نہایت نازک مسئلہ ومشکل کام ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نجلنگپّا کی سرکار کیلئے ایک بڑا دردِسر ہی تھا، یم پی سی سی کی مجلس منتظمہ کی ایک بیٹھک میں قرارداد منظور کی گئی کہ ان دونوں میں مکمل اتحاد واتفاق کی کمی کو دُور کرنا ہوگا۔

30/ اگست 57ء کو پریس نے یہ خبر دی کہ حکومت کوئی چار کروڑ روپے پبلک ڈیٹ / ہاؤزنگ سے بطور قرضہ لے گی۔ دوسرا دیرینہ مسئلہ جو درپیش تھا، وہ پڑوسی ریاستوں کی سرحدوں کے تعین کا تھا۔

4/ ستمبر 57ء کو نجلنگپّا نے پریس کو بتایا کہ سرحدی تنازعوں کا اطمینان بخش حل ڈھونڈنے کے لئے آندھرا، کیرلا اور بمبئی کی ریاستوں کے ساتھ اعلیٰ سطحی بات چیت چل رہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مغربی زونل کونسل اس ماہ کے اواخر میں اسی مسئلہ پر تبادلۂ خیال کرے گی۔ اسی پریس کانفرنس میں نجلنگپّا نے پریس کی ان خبروں کو غلط بتایا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی، کرناٹک پردیش کانگریس کمیٹی کے نام کے عوض، میسور پردیش کانگریس کمیٹی کا نام ہی بحال رکھے گی، اور یہ کہ بنگلور کوئی پردیش کمیٹی کا مستقر بنانا چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دراصل یہ سوال آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سامنے کبھی آیا ہی نہیں کہ یہ خالص پردیش کمیٹی کا مسئلہ ہے۔

ہبلی میں ایک میڈیکل کالج کے قیام کا اعلان کر کے حکومت نے بمبئی۔ کرناٹک علاقے کے لوگوں کی ایک دیرینہ ضرورت پوری کردی۔ 6/ ستمبر 1957ء کو وزیر خزانہ

واتفاق سے ریاست کی بہبودی کیلئے کام کریں۔انہوں نے نہ صرف اس موضوع پر تقریریں کیں، بلکہ اس کی تحریک بھی شروع کردی۔'بین السطور' پڑھتے وقت کسی کو یہی شک ہوگا کہ اس بیان کا وہی مطلب تھا کہ دہلی کے ایک اخبار کی رپورٹ کو بھی انہوں نے جھٹلایا کہ ان کے اور گورنر کے درمیان' اختلافات بڑھ گئے ہیں۔البتہ انہوں نے اس سے اتفاق ضرور کیا کہ ہاتھی کی سواری کے بارے میں یعنی''جمبوسواری'' کے بارے میں صرف تھوڑا سا اختلاف تھا' جو بعد میں ختم ہوگیا۔انہوں نے گورنر کو ایک اچھا گورنر بتایا۔ایک ایسا گورنر' جو حکومت کی روزمرہ کارکردگی میں مداخلت نہیں کرتا۔ ویسے سیاسی بحران اور حکومت کے برسر اقتدار رہنے کا جو مسئلہ کسی قدر سنگین بننے جا رہا تھا' وہ اپنی جھلکیاں دکھانے لگا تھا۔اس دوران ارسیکرہ میں 16 رنومبر 57ء میں ہوئی میٹنگ میں یم پی سی سی نے کثرتِ رائے سے یہ قرارداد منظور کی کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے گذارش کی جائے کہ میسور پردیش کانگریس کمیٹی کا نام بدل کر' کرناٹکا پردیش کمیٹی کردیا جائے۔قرارداد کے محرک وی۔ٹی۔ ماگڈیؔ تھے۔وہ ایک غیرسرکاری قرارداد تھی۔ریاستی حکومت کے سامنے غالباً سب سے زیادہ چیلنج کرنے والا مسئلہ یہ تھا کہ پنج سالہ پلان میں نشان دہی کئے گئے ترقیاتی پروگراموں کا معینہ مدت میں کیسے پورا کیا جائے۔وزیر خزانہ ٹی۔مری یپاؔ نے اس اعتراض کو قلمبند کیا کہ دوسرے پنج سالہ پلان میں یہ کام اطمینان بخش نہیں ہے'اور وعدہ کیا کہ ترقیاتی کاموں کو آگے بڑھائیں گے۔

دریں اثناء مرکز نے ہدایت دی کہ شراوتی پراجکٹ جیسے پراجکٹوں کو تیسرے پنج سالہ پلان تک ملتوی کردیں' کہ فی الحال زرمبادلہ کی دشواریاں اس کی اجازت نہیں دے رہی ہیں' مگر ریاستی حکومت نے اس پلان میں اس کی تکمیل کا مصمم ارادہ کرلیا۔

نجلنگپّا نے 14 ردسمبر 57ء کو پریس کو بتایا کہ پچاس کروڑ روپیوں کے شراوتی

ٹی۔ مریپاّ نے کالج کا افتتاح کیا۔ جلسے کی صدارت وزیر صحت آر۔ یم۔ پاٹل نے کی۔ دوسرے دن ریاست کے وڈّالکمیونٹی کی چھٹویں کانفرنس سے خطاب کرنے کیلئے وزیراعلیٰ ہبلی گئے۔ جہاں انہوں نے اس ذات کے لوگوں کی بھرپور تائید کا اعلان کیا کہ وہ پسماندہ ہیں، پر یہ تنبیہہ بھی کی کہ لوگ سرکاری ملازمتوں پر پوری طرح تکیہ نہ کریں۔

نجلنگپاّ کی حکومت ان ذمہ دار سرکاروں میں سے ایک تھی، جو انتظامی امور نظم ونسق میں بامعنی تبدیلیوں کی متمنّی تھی، اور اس لئے اس نے یک رکنی کمیشن نظم ونسق میں سدھار لانے کیلئے بٹھایا تھا، انتظامی امور کے ماہر اے۔ ڈی۔ گوڑوالا کی سرپرستی میں یک رکنی کمیٹی کی تشکیل دی گئی۔

وقتاً فوقتاً اسمبلی میں برابر کوشش ہوتی رہی کہ ریاست کا نام بدل کر کرناٹک رکھا جائے، مگر خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ 30/ستمبر 57ء کو اے جے دوڈ میٹی نے اس سلسلہ میں ایک سرکاری قرارداد کی تحریک پیش کی، مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلا، جب دسہرہ کے روایتی جلوس میں مہاراجہ نے ہاتھی کی سواری منسوخ کردی تو نجلنگپاّ کو ایک چھوٹے سے نازک دَور سے گزرنا پڑا۔ نجلنگپاّ نے فوراً میسور کا رخ کیا۔ حسب توقع وہاں اندرون پارٹی کے اختلافات کا سامنا کرنا پڑا۔ فرشتہ صفت ونوبھاوے نے پارٹی کے اندرونی اختلاف پر اپنی ناراضگی ظاہر کی، اور کہا کہ اس طرح کی گروہ بندی اور رسہ کشی، پارٹی اور حکومت کیلئے مضر ہے۔

12/اکتوبر 1957ء کو بیدر میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے میسور کانگریس کے قائدین کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس کے بعد 14/اکتوبر کو بسونگڈی بنگلور کے نیشنل ہائی اسکول کے وسیع میدان میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ریاستی کانگریسی لیڈروں سے اپیل کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم کرکے اتحاد

فیلڈ مارشل جنرل کے۔ یم۔ کاری یپّا کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

پراجکٹ کی تکمیل ہی سے ہماری بجلی کی ضرورت پوری ہوسکتی ہے' اور اس کیلئے دوسرے پنج سالہ پلان میں اس کی گنجائش رکھنی ہوگی۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ چونکہ پراجکٹ کیلئے زرمبادلہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اسے دوسرے پلان ہی میں آسانی سے شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جب پلاننگ کمیشن نے چونتیس (34) کروڑ چورانوے لاکھ کے ریاستی مطالبہ کو گھٹا کر تیئیس (23) کروڑ بیس لاکھ کردیا' تو ریاست کو مالی بحران کا سامنا کرنا پڑا' مگر مرکز نے یہ یقین دلایا کہ اگر مرکز کی مالی حالت سدھر گئی تو کمیشن اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے گا۔ پلاننگ کمیشن نے ہائیڈل پراجکٹ' اور تعلیم پر خرچ میں کمی کا مشورہ دیا' جو وفد پلاننگ کمیشن سے اس سلسلہ میں ملنے گیا' اس کی قیادت نجلنگپّا نے کی۔ وفد میں پونچاّ' مری یپاّ' ویرناّ گوڈا' ایم۔ پی۔ پاٹل اور وینکٹ بالیگا شامل تھے۔ پلاننگ کمیشن نے متحدہ کرناٹک کے وجود میں آنے کے بعد ریاست کے ترقیاتی منصوبوں' اور دوسرے انتظامی امور پر اطمینان ظاہر کیا۔

2 رجنوری 1958ء کو نجلنگپّا نے اعلان کیا کہ اس تخفیف کے باوجود حکومت اپنے پراجکٹوں کو متاثر ہونے نہیں دے گی' اور بالخصوص شراوتی پراجکٹ کو کسی بھی حال میں ادھورا نہیں چھوڑے گی' چونکہ وزیر اعلیٰ اپنی ریاست کیلئے ہمیشہ بہترین سہولتیں فراہم کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ 5 رجنوری 1958ء کو بنگلور میں مرکزی ہیلتھ کونسل کا افتتاح کرتے ہوئے مرکز سے گذارش کی کہ بنگلور میں ایک کینسر ریسرچ اسپتال قائم کرے۔ انہوں نے مرکزی وزیر صحت ڈی۔ پی۔ کرماکر سے جو کہ کرناٹک کے رہنے والے تھے' گذارش کی کہ اس سلسلہ میں تعاون فرمائیں۔ ساتھ ساتھ بہتر کاشت کاری' دیہی طبی خدمات وغیرہ کی سکیموں پر زیادہ سے زیادہ پیسہ لگانے کی انہوں نے مرکز سے گذارش کی۔ کرناٹک کی جدید شیرازہ بندی کی تحریک میں یہاں کی زبان کنڑ کی ترقی

4 اور 5 رمئی 58ء کو نجلنگپّا نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل کی میٹنگ میں شرکت کیلئے دلّی گئے' جہاں سے 6 رمئی کو اخباری نمائندوں سے کہا کہ دوسرے پنج سالہ پلان میں شراوتی پراجکٹ کو شامل نہ کرنے کے باوجود ان کی حکومت' اس پر کام جاری رکھے گی۔ برسراقتدار کانگریس پارٹی کے اندر ایک خاموش طوفان سا اُٹھ رہا تھا' جس سے گمان سا ہورہا تھا کہ نجلنگپّا کو وزارتِ اعلیٰ سے ہٹانے کی کوششیں ہورہی ہیں۔ اندرونی اختلافات ایک ایسی نہج پر پہنچ گئے تھے' کہ وہاں سے واپسی تقریباً ناممکن تھی۔ لہٰذا 7 رمئی 58ء کو اے آئی سی سی کے جنرل سکریٹری شری نارائن نے ان میں مصالحت کی خاطر بنگلور کا سفر کیا' اور نجلنگپّا اور چنیّا سے تبادلۂ خیال کیا۔ غیر اطمینان بخش کارکردگی کی بناء پر چنیّا کے رفیقوں نے ریاست کی قیادت میں تبدیلی کا پُر زور مطالبہ کیا۔ تو اُدھر نجلنگپّا کے حامیوں نے حکومت کی کارکردگی کو بیحد اطمینان بخش بتایا۔ مزید یہ بھی کہا کہ آبپاشی اور تنظیم نو کے شعبوں میں نجلنگپّا نے قابلِ تعریف کام کیا ہے' تو ادھر چنیّا گروپ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ نجلنگپّا کو ہٹا کر ہی رہیں گے' اور اس کیلئے ایک پانچ رکنی کمیٹی کی تشکیل بھی دے ڈالی۔ شریمان نارائن نے پہلے ہنومنتیّا سے اور پھر ناراض گروپ میں سے بی۔ ڈی۔ جتی' ہیچ۔ یم۔ چن بسیّا' ٹی سبرامنیا' کولور ملپّا وغیرہ سے ملاقات کی۔ انہوں نے نجلنگپّا کے حمایتیوں میں سے دیوراج ارس اور ہُچ ماستی گوڈا سے ملاقات کی' رات بھر تبادلۂ خیال کرنے کے بعد نجلنگپّا اپنے ساتھی وزیروں کے ساتھ شریمان نارائن سے ملنے گئے' دوسرے دن یعنی 8 رمئی 58ء کو شریمان نارائن کی صدارت میں قیادت کے تنازعہ پر اختلافات مٹانے کی غرض سے کانگریس اراکین اسمبلی کی ایک بیٹھک ہوئی' گو کہ شریمان نارائن بنگلور میں موجود تھے' پر نجلنگپّا نے ان سے ملاقات نہیں کی' پارٹی میٹنگ میں بحث کے دوران شریمان نارائن نے اختلافات مٹانے کی

وترویج وبقاء اوراس کے جائز مقام کی تجویز بھی شامل تھے۔اس طرح نجلنگپا کی حکومت نے عوام کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ حکومت اس پالیسی کو فوقیت دے رہی ہے۔

26رجنوری 58ء کو بنگلور میں منعقدہ ''پتریکا پریشد'' کے اجلاس میں وزیراعلیٰ نے اعلان کیا کہ ان کی حکومت کنڑ کے فروغ کا مصمم ارادہ کرچکی ہے اور یہ کہ اسے بہت جلد ریاست کی سرکاری زبان بنادیا جائے گا۔5رفروری 58ء کوانہوں نے ملک کے سب سے بڑے ہائیڈل پراجکٹ کاافتتاح کیا۔

آبپاشی اور برقی قوت کے ساتھ ساتھ نجلنگپا حکومت کی ایک بڑی پالیسی سماجی انصاف، خصوصاً غریب ونادار لوگوں، پسماندہ طبقات کوخصوصی مراعات کی فراہمی تھا۔30راپریل 58ء کو اسمبلی میں حکومت کی غیر اطمینان بخش کارکردگی کو لے کر کانگریس اور مخالف سیاسی پارٹیوں نے خوب واویلا مچایا۔شکایت کی گئی کہ حکومت نے ان طبقات کی اقتصادی، تعلیمی اور سماجی ترقی کیلئے کچھ نہیں کیا ہے، چونکہ پرانے میسور کا سرکاری حکمنامہ جوذات پات سے تعلق رکھتا تھا، پیش رفت کیلئے تیار تھا، اور جوسماجی انصاف کی جانب ایک مثبت قدم تھا، حکومت نے سوچا کہ اس کا اطلاق ریاست کے دوسرے علاقوں پر بھی ہونا چاہئے۔اسی لئے یکم مئی 58ء کو اسمبلی میں اس کا اعلان کیا گیا۔نتیجتاً 57فیصد سرکاری نوکریاں سرکاری حکم نامہ کے مطابق مستحق لوگوں کو مختص کردی گئیں۔اس کے ساتھ ہی یہ تجویز بھی رکھی کہ ایسے لوگوں کے کالجوں میں داخلے کیلئے بھی خصوصی مراعات کی فراہمی زیرغور ہے۔فہرست دہندہ طبقات کی فلاح وبہبود کے وزیر آر۔چنگارامیاّ نے 2رمئی 58ء کو اسمبلی میں اعلان کیا کہ حکومت پسماندہ طبقات کے مسائل کا مطالعہ کرنے کیلئے ایک کمیٹی کی تشکیل کرے گی، اور ساتھ ساتھ دی جانے والی مراعات پر بھی برابر نظر رکھے گی۔

نجلنگپّا کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اُنہوں نے بکھرے پڑے علاقوں کا معنی خیز الحاق کیا' اوران کے نظم ونسق کیلئے نہایت موثر اقدامات کئے' جن کی اہمیت تاریخی ہے۔ ان کا دوسرا عظیم کارنامہ ریاست کے مختلف ترقیاتی منصوبوں پر عمل درآمد تھا' آبپاشی کے میدان میں ان کی خصوصی توجہ سے نتائج حوصلہ افزاء تھے۔ بجلی کی پیداوار بڑھانے کے منصوبوں کو صنعتی ترقی سے جوڑکر ریاست کی ہمہ گیر ترقی کیلئے بتدریج راہیں ہموار کیں۔

تیسرا بڑا کارنامہ تمام ملازمین کی تنخواہوں اور ملازمتوں میں یکسانیت' چوتھا یہ کہ الگ الگ ریاستوں سے منتقل شدہ علاقوں کے قوانین کو ایک ہی لڑی میں پرونا' فہرست دہندہ اور پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود کیلئے جو منصوبے انہوں نے وضع کئے' اوراس مد میں مثبت اقدامات کئے' وہ بہت کامیاب نہ سہی' پر ایک سنگِ میل کی حیثیت ضرور رکھتے ہیں۔ اسی لئے اٹھارہ ماہ وزیراعلیٰ کی میعاد ختم ہونے پر بھی ان کا سیاسی تشخص ختم نہیں ہوا۔ کوئی چارسال کے وقفہ کے بعد وہ 1962ء میں پھر سے وزیراعلیٰ بنائے گئے' مگر اس کہانی کے خوش آئند اختتام کیلئے چارسال کا انتظار ناگزیر تھا۔

جس کسی نے نجلنگپّا کو قریب سے دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ انہیں اقتدار کی ہوس کبھی نہیں تھی' گوکہ وہ ہر ذمہ داری قبول کرنے کیلئے اپنے آپ کو ہمیشہ تیار پاتے' اور جہاں بھی جو بھی خدمت کا موقع ملتا' اسے قبول کرلیتے' دوبار وزیراعلیٰ کے عہدوں کے درمیان وقفہ میں انہوں نے اپنے آپ کو کیسا محسوس کیا؟ اوّل یہ کہ وہ پارٹی کا کوئی بھی کام بہ حسن وخوبی انجام دے سکتے تھے۔ دوسرا یہ کہ عوام کی فلاح و بہبود کے منصوبوں میں اپنے آپ کو مصروف رکھ سکتے تھے' اور پھر کسی کمیٹی یا کمیشن کے صدر یا رکن کی حیثیت سے ریاست یا قومی سطح پر گراں بہا خدمات انجام دے سکتے تھے۔ غرض خدمتِ

بھرپور کوشش کی، بات چیت کے دوران ہی نجلنگپّا نے اپنا استعفیٰ پیش کردیا۔ اراکین اسمبلی کی خواہش تھی کہ ان کا جانشین نجلنگپّا کے معیار کا ہی ہونا چاہئے، جس نے ریاست کی ترقی کیلئے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہو، گوکہ ٹی سُبر امنیا کا نام قیادت کیلئے بار بار لیا گیا۔ تاہم شمالی کرناٹک، اور حیدرآباد۔ کرناٹک سے آئے اراکین نے یکلخت بی ڈی جتّی کا نام تجویز کیا، جبکہ وہ اُمیدوار ہی نہیں تھے، اور بی ڈی جتّی کو پارٹی کے قائد کی حیثیت سے منتخب کرلیا گیا۔ 11 رمئی 58ء کو شریمان نارائن نے آئی ین سی کے صدر یو ین ڈیبھر سے فون پر بات کی۔

نئے قائد بی ڈی جتّی نے تمام اراکین سے اپیل کی کہ کانگریس کی پالیسیوں کو روبہ عمل لانے میں اپنا بھرپور تعاون کریں، نجلنگپّا نے اپنے تعاون کا تیقن دیا۔ انہوں نے اخباری نمائندوں سے کہا کہ وزیراعلیٰ کا عہدہ چھوڑ کر وہ اطمینان کا سانس لے رہے ہیں کہ اب وہ قومی یکجہتی کی طرف زیادہ دھیان دے سکیں گے۔ اس دوران بی ڈی جتّی دلّی گئے، جہاں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے سیشن میں انہوں نے کابینہ کی تشکیل کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا۔ 12 یا 13 مئی 58ء کو انہیں دلّی سے بنگلور لوٹنا تھا۔

غرض اس طرح ایک سیاسی ڈرامہ اختتام پذیر ہوا، جس کے ساتھ ہی نجلنگپّا کی اٹھارہ مہینوں کی حکومت بھی ختم ہوگئی۔ اُن کے دورِ اقتدار میں ہوئی ترقیوں کے پیشِ نظر اگر ایماندارانہ جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ وہ دور واقعی لائقِ تحسین تھا، اگر اندرونی اختلافات کا مسلسل سامنا نہ ہوتا تو وزیراعلیٰ کی اور زیادہ بہتر کارکردگی یقیناً ممکن ہو پاتی، جس میں حزبِ مخالف کی طرف سے کوئی پریشانی یا رکاوٹ نہیں تھی، گوکہ اس نے اسمبلی میں ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کی تھی، جو کافی حد تک رسمی تھی، جس سے ان کی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کے صدر ویرناّ گوڈا' سابق صدر چدیاّ' جتّی اور نجلنگپّا تھے۔

2/فروری 59ء کو اندرا گاندھی کو انڈین نیشنل کانگریس کا صدر بنادیا گیا' اور ان دنوں یہ خبر گرم تھی کہ اس عہدہ کیلئے جو نام زیرِ غور تھے وہ نجلنگپّا' اور راجستھان کے کمبھارام آریہ۔ اندرا گاندھی 8/فروری 59ء کو صدر کا عہدہ سنبھالنے والی تھیں' انہوں نے سترہ اراکین کی مجلس منتظمہ کا اعلان کیا' جن پانچ اراکین کو فوراً شامل کیا گیا' ان میں نجلنگپّا بھی تھے۔ خود نہرو کو بھی اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ تاہم ایک مستقل رکن پارلیمان کی حیثیت سے ایک معزز مقام انہیں دیا گیا۔

دلّی سے واپسی کے بعد 7/اپریل 59ء کو نجلنگپّا اور ویرناّ گوڈا نے ایک پریس کانفرنس سے کہا کہ ریاست میں موجودہ صنعتی پراجکٹوں کو تیزی سے آگے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے' جن میں ہاسپیٹ میں فولاد کا کارخانہ' ٹمکور میں سیمنٹ کا کارخانہ اور بلگام میں المونیم فیکٹری بھی شامل تھے۔

9/مئی 59ء کو جتّی حکومت نے سرکاری ملازمتوں میں اسامیاں مختص کرنے (ریزرویشن پالیسی) کا اعلان کیا' جس کے مطابق پسماندہ طبقات کو 57 فیصد' ہریجنوں کو 15 فیصد اور فہرست دہندہ قبائلی طبقوں کو 3 فیصد کا اعلان کیا گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پچہتّر (75) فیصد جگہیں ریزرو کی گئی ہیں' اور صرف 25 فیصد دیگر ذاتوں کیلئے اُٹھا رکھی ہیں۔ پسماندہ طبقات کی جو نئی فہرست نکلی' ان میں لنگایت اور وکلّیگا بھی شامل تھے۔

یہ ایک ہندوستانی سیاسی رواج بن گیا ہے' کہ قائدین' اتالیق بن کر لوگوں کو ایک بہتر زندگی کی ترغیب دیتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی قابل رہنماؤں کی مثالیں' اور نصیحتیں بھی' اخلاقی عناصر کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اس کا مثبت نتیجہ نکلتا ہے۔ لوگ اچھے لوگوں کی باتوں

خلق کے کئی راستے ان کے منتظر تھے۔

9 رمئی 58ء کو تکنیکی وجوہات کی بناء پر وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے استعفیٰ دینے کے بعد گورنر نے اسے قبول کرلیا' اور ان کی کابینہ سے اختیارات چھن گئے' تاہم گورنر نے گذارش کی کہ اگلی کابینہ کی تشکیل تک وہ اپنے فرائض نبھاتے رہیں۔ 16 رمئی 58ء کو جتی کے وزیر اعلیٰ بنتے ہی نجلنگپا نے اپنی کرسی خالی کردی' چونکہ نجلنگپا ہمیشہ ایک آزاد انسان کی طرح سوچتے تھے' مرکزی قیادت انہیں کسی حد تک پسند نہیں کرتی تھی' جس کا ذکر مئی میں خاکسار کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں نجلنگپا نے خود کیا' کہ ان کے مرکزی رہنماؤں سے تعلقات بہتر نہ سہی' انہیں ناخوشگوار بھی کہا نہیں جاسکتا۔ جتی کے انتخاب پر نہرو خوش تھے' تعمیر ملک کیلئے جوان خون کی ضرورت تھی۔ جتی کی کابینہ میں پچھلی حکومت کے دو وزیر شامل تھے' جتی نے نجلنگپا کو اپنی کابینہ میں شامل ہونے کی دعوت بھی نہیں دی' حالانکہ کئی ایک کا خیال تھا کہ اگر پیش بھی کرتے تو نجلنگپا اسے شاید قبول نہ کرتے۔ نجلنگپا کے ہٹنے سے حکومت کی پالیسیوں میں کوئی تبدیلی نہ کرنے' بلکہ انہیں بڑھانے کا جتی نے اعلان کیا۔ یہاں اس بات کی یاددہانی بہتر معلوم ہوتی ہے کہ چاہے نجلنگپا ہوں کہ جتی' کوئی بھی وزیر اعلیٰ اپنی پارٹی کے دستوری نظام کے چوکھٹے میں رہ کر ہی ایسی سوسائٹی کی فلاح و بہبود کے موثر منصوبے بناسکتا ہے' جہاں سماجی برابری کی رُوح' رواں دواں ہو' اور جہاں اقتصادی پریشانیوں سے سماج آزاد ہو۔

2 ردسمبر 58ء کو نجلنگپا کو کانگریس لیجسلیچر پارٹی کے ایگزی کیٹیو کی حیثیت سے منتخب کرلیا گیا۔ ان کے ساتھ کمیٹی میں گیارہ اور اراکین بھی تھے' ایک پریس نوٹ شائع ہوا' کہ نہرو اور ڈیبھر کی دعوت پر میسور کانگریس کے قائدین حالات حاضرہ پر تبادلۂ خیال کیلئے 13 دسمبر 58ء کو دلّی کا سفر کریں گے۔ قائدین جنہیں مدعو کیا گیا تھا' وہ یم پی سی سی

اس کا واحد مقصد دراصل غلہ کی پیداوار میں اضافہ ہے۔ بعدازاں یم پی سی کی مجلس منتظمہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کانگریسیوں کو متنبہ کیا کہ اختلاف پارٹی کیلئے مضر ہے' اور اس کیلئے ذاتی غرض سے اپنے آپ کو اوپر اُٹھانا ہوگا' اور کہا کہ یہ کام صرف کانگریس ہی کرسکتی ہے' اور وہی دراصل غریبوں کی حامی ہے۔

اس دوران جتّی حکومت کا بھی وہی حشر ہونے جارہا تھا' جو نجلنگپاؒ حکومت کا ہوا تھا۔ پارٹی کے اندرونی اختلافات یہاں بھی گُل کھلانے لگے تھے۔ 8/اگست 59ء کو یہ خبر شائع ہوئی کہ اراکین اسمبلی کی اکثریت پندرہ ماہ کی جتّی حکومت معزول کرنے کے منصوبے بنارہی ہے' مگر کانگریس لیجسلیٹرس کی میٹنگ کے بعد انہوں نے اپنا ارادہ اب ترک کردیا ہے۔

ہنومنتیاّ نے جتّی حکومت کی تعریف کی' جبکہ یم پی سی کے صدر ویرناّ گوڈا نے اندرونی اختلافات کی نشاندہی کی' اور کہا کہ اس سے حکومت کی کارکردگی پر بُرا اثر پڑتا ہے۔ آٹھ ماہ کے بعد بھی اختلافات بدستور قائم تھے۔ نجلنگپاؒ نے یم پی سی ایگزی کیٹیو سے کہا کہ جب تک اختلافات ختم نہیں ہوتے' ریاست میں کانگریس کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اصولاً تمام قائدین نے جن میں جتّی' ہنومنتیاّ' ویرناّ گوڈا' اور دیوراج ارس اہم تھے۔ پارٹی میں اتحاد پر زور دیا۔ تحریکِ اتحاد کیلئے 16/اپریل 60ء کو کانگریس کے قائدین کی ایک نشست کا اہتمام بنگلور میں کیا جارہا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ یم پی سی کی مجلس منتظمہ کے صدر اور اراکین کا انتخاب حسب روایت بلامقابلہ ہو۔ میٹنگ کے بعد سیاسی حلقوں میں یہ توقع ظاہر کی جارہی تھی کہ اتحاد واتفاق کی بات چیت تقریباً ناکام ہوگئی ہے' اور یہ کہ اس میں نجلنگپاؒ بھی شریک تھے۔ چنیاّ اور نجلنگپاؒ کے درمیان کوئی ایک گھنٹہ کی بات چیت کے باوجود کوئی حل نہیں نکلا۔ نجلنگپاؒ' ویرناّ گوڈا' چنیاّ اور یو۔ یس۔ ملیاّ

پر کان دھرتے ہیں، اور قابل عمل سمجھتے ہیں۔ نجلنگپا اس سے مستثنیٰ نہیں تھے۔

مثال کے طور پر بنگلور میں اخبار نویسوں کی ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ لیڈروں کو چاہئے کہ ایک تعصب سے پاک اُونچی سطح پر رہ کر ایماندارانہ رول ادا کریں، تا کہ اس سے سچائی، خلوص اور اچھائیوں کی تبلیغ ہو سکے۔

31 رمئی کو دھارواڑ میں دوسری ضلعی سیاسی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ ناگپور کانگریس سیشن میں پاس کی گئی زرعی اتحاد باہمی قرارداد موثر ہو سکتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کانگریس ایک خالص خدمت گذار ادارہ ہے، جس کے کندھوں پر تعمیر وطن کی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس لئے اس میں کسی خود غرض شخص کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے، اور ایسے لوگوں کو کانگریس سے الگ ہو جانا چاہئے۔ ایک اور رکاوٹ ان کی زندگی میں آئی جب 9 رجون 59ء کو حکومت ہند نے انہیں ایک ٹاسک فورس کا چیرمین بنا دیا۔ ان کے ذمہ یہ کام دیا گیا کہ اتحاد باہمی سے قائم کردہ سوسائٹیوں کی تکنیکی واقفیت بہم کریں۔ ان کے ساتھ جو دوسرے اراکین تھے، وہ ڈاکٹر رام سبھاگ سنگھ، سردار گربخش سنگھ، وی۔ کے۔ آر۔ وی راؤ، بی ڈی پانڈے، ڈاکٹر اے یو شکلا، ڈاکٹر جے ایس پاٹل، جکھیڑے اور یم۔ پی۔ بھارگوا تھے...... اے آئی سی سی کا اگلا سیشن بنگلور میں ہونے جا رہا تھا۔ یم پی سی سی کے صدر ویرنا گوڈا نے ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ نجلنگپا مالیاتی کمیٹی کی صدارت کریں گے، اور اس سیشن کیلئے چندہ اکٹھا کریں گے۔

حسب عادت نجلنگپا نے پوری دلچسپی و اعتماد کے ساتھ 18 رجولائی 59ء کو ضلعی اور منڈل کانگریس کمیٹیوں کے صدور و معتمدین کے ساتھ کانگریس ورکرس کی ایک میٹنگ سے خطاب کیا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ پارٹی نے اتحاد باہمی کی زرعی سوسائٹیوں کا جو منصوبہ پیش کیا تھا، اس سے خانگی زمینداری کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، اور

کئی ایک کانگریسیوں نے اقتدار اور کرسی کی ہوس میں پارٹی کے تقاضوں، اور تعمیری منصوبوں کو فراموش کردیا ہے۔ خود غرض سیاست دانوں کیلئے اب سیاست ایک ذریعۂ اقتدار بن گئی ہے۔

24/جون 60ء کو اخباری نمائندوں سے کہا کہ یہ افواہ بالکل بے بنیاد ہے کہ جتّی کی حکومت کو گرانے کی کوشش ہورہی ہے۔ ایک پالی ٹیکنک کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے نجلنگپّا نے لیس۔ چنیاّ کے بیان پر تعجب ظاہر کیا کہ ان کی کابینہ کو اگلے انتخابات تک بحال رکھنا ہے، ورنہ اس کا برا اثر ہوگا۔ ویسے اس سے پہلے نجلنگپّا نے کہا تھا کہ پارٹی اور جتّی حکومت کے درمیان تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔

جب پریس نے ان کی توجہ اس بیان کی طرف مبذول کرائی تو نجلنگپّا نے کہا کہ انہوں نے جو بھی کہا تھا، وہ تو ایک کھلا راز ہے، اور ہر کوئی اس سے بخوبی واقف ہے کہ پارٹی میں اختلافات ہیں، اور گروہ بندی ہے، مگر انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ بات صرف میسور کی حد تک محدود نہیں ہے، بلکہ دیگر ریاستوں میں بھی ہے، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ حالات بدستور اطمینان بخش نہیں ہیں۔

صدر کانگریس سنجیوا ریڈّی نے 22/جولائی 60ء کو بنگلور آنا ضروری سمجھا، کہ اندرونی اختلاف کا از سرنو جائزہ لیا جائے۔ ان کی خواہش تھی کہ جتّی حکومت کو معزول ہونے سے بچالیا جائے۔ تین مختلف گروہوں نے ریڈّی سے ملاقات کی، ایک گروپ نے شکایت کی کہ جتّی حکومت کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہے، اس ضمن میں اس نے چند وزیروں کے نام بھی لئے، وہ چاہتے تھے کہ کابینہ بدل دی جائے، یا تبدیل ہو تو کم سے کم ہو۔

دوسرے گروپ نے جتّی حکومت کی بھرپور حمایت کی، اور کہا کہ یہ سب سیاسی چالیں

نے 17/اپریل 60ء کی ایک نشست میں یہ طے کیا کہ یم پی سی کی مجلس منتظمہ کے انتخابات کو مئی کے پہلے ہفتہ میں، اگر ہو سکے تو 6/مئی تک ملتوی کردیں۔ 5/مئی 60ء کو ایک پریس رپورٹ بنگلور سے شائع ہوئی، جس میں کہا گیا کہ یم پی سی کی مجلس منتظمہ کی میٹنگ 6/مئی 60ء کو ہوگی، اور یہ کہ عہدہ داروں کی میعاد دو سال ہوگی۔

اب کی بار جو عہدہ دار منتخب ہوں گے، ان پر 1962ء کے عام انتخابات میں پارٹی کو جتانے کی بھاری ذمہ داری پڑنے والی ہے، کڑا مقابلہ تو صرف دو گروہوں کے درمیان ہی نظر آرہا تھا، گو کہ چُھٹ پُٹ اُمیدوار دوسرے بھی تھے، ان میں سے ایک گروپ تو وہ تھا جو منتظمہ پر قابو رکھے ہوئے تھا۔ دراصل دونوں گروپوں کی اصل طاقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ ایک گروپ نے صدارت کیلئے ہلی کیری گڈلپاؔ کا نام تجویز کیا، حالانکہ کے۔ وی۔ شنکرے گوڈا، کولو رملپاؔ اور ڈاکٹر ناگپاؔ آلوا کے نام بھی زیرِ غور تھے۔ تو دوسری طرف ین سی ناگیاؔ ریڈی اور ڈاکٹر ناگناؔ گوڈا کے نام لئے جارہے تھے، کئی ایک نے چنیاؔ اور نجلنگپاؔ کے نام بھی شامل کئے۔ کوشش ہورہی تھی کہ صدر کا چناؤ بلا مقابلہ ہو۔

6/مئی 1960ء کے انتخابات میں نجلنگپاؔ بھاری اکثریت سے یم پی سی کے صدر کی حیثیت سے چن لئے گئے۔ مقابلہ صرف ین سی ناگپاؔ سے تھا، جن کے مقابلے صرف 85 ووٹ حاصل کئے۔ نجلنگپاؔ کے مخالف گروپ کے قائد لیس۔ چنیاؔ نے دعا کی کہ نئے صدر تمام اختلافات کو بھول کر اراکین کو ساتھ لے کر خدمت انجام دیں۔ اعزازی جلسے میں نجلنگپاؔ نے کہا کہ صدر کی حیثیت سے ان پر جہاں بھاری ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، ان میں اندرونی اختلافات کا مٹانا بھی شامل ہے۔

اپنی پالیسی کا ایک خاکہ پیش کرتے ہوئے 10/مئی 60ء کو نجلنگپاؔ نے کہا کہ گو اتحاد بیحد اہم ہے، پر بے اصولی کے سمجھوتے پر نہیں۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ

نجلنگپاؔ کی حمایت اور جتیؔ کی مخالفت کرنے والوں میں کے ہنومنتیاؔ اور کولو رملپاؔ پیش پیش تھے۔ میٹنگ میں دو دن تک وزراء کے خلاف لگائے گئے الزامات پر گرما گرم بحث ہوتی رہی، پرنتیجہ صفر کے برابر رہا۔ بحث 13 ؍اگست 60ء کی نصف شب تک جاری رہی۔

14 ؍اگست کو جتیؔ نے ایک پریس کانفرنس کو بتایا کہ ان کے اور پارٹی کے اراکین کے درمیان، اختلافات ختم ہو گئے ہیں، اور یہ کہ ان کے کابینی رفقاء پر لگائے گئے الزامات بے بنیاد ہیں، اور کہا کہ کشیدگی کم کرنے کی نجلنگپاؔ کی کوششوں کو سراہا۔

17 ؍اگست 60ء کو پریس نے جتیؔ مخالف گروپ کی دلّی جانے اور مرکزی قائدین سے جتیؔ کی کابینہ کے خلاف شکایتیں پیش کرنے کی تجویز کے بارے میں اطلاع دی۔

28 ؍اگست کو اطلاع ملی کہ نہرؔو 16 ؍ستمبر کو میسور کانگریس لیجسلیچر پارٹی سے خطاب کریں گے، اس کے بارے میں نہرؔو نے جتیؔ کو خط بھی لکھا۔ دریں اثناء 27 ؍اگست 60 کو ناراض اراکین کا ایک وفد دلّی گیا۔ 30 ؍اگست کو دلّی میں خبر چھپی کہ مرکز جتیؔ کی کابینہ یا ان کی قیادت کی تبدیلی کے حق میں نہیں ہے۔ بنگلور میں صدر کانگریس سنجیوآ ریڈّی نے اس خبر کی تصدیق کی، جیسا کہ طے تھا، نہرؔو نے 16 ؍ستمبر 60ء کو بنگلور میں کانگریسیوں سے خطاب کیا، اور جتیؔ سے ناراض گروپ کو خوب آڑے ہاتھوں لیا۔ یہ بھی کہا کہ وہ قیادت کی بار بار تبدیلی کے حق میں نہیں ہیں۔ جتیؔ پر لگائے گئے الزامات کو معمولی قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان کا تعلق صرف اور اکثر انتظامی امور سے ہے۔ انہوں نے کانگریسیوں میں موجود اقتدار کی ہوس کی مذمت کی، مگر ناراض گروپ کی مخالف مہم ختم نہیں ہوئی۔

10 ؍اکتوبر 60ء کو یہ خبر چھپی کہ ناراض گروپ کے قائد ہنومنتیاؔ نے بذریعہ ہوائی جہاز دلّی کا سفر کیا ہے کہ مرکز سے مداخلت کی گذارش کریں، اور ایک وسیع تر کابینہ کی تشکیل

ہیں، جن کو نظر انداز کر دیا جائے، اور کوئی تبدیلی نہ کی جائے، تیسرے گروپ کی شکایت تھی کہ صرف ایک گروپ کی پارٹی وسرکار پر اجارہ داری ہے، جس سے ضلعی سطح پر پارٹی کی کارکردگی متاثر ہورہی ہے۔ 24/جولائی 60ء کو ریڈی نے اعلان کیا کہ اختلافات آپسی بات چیت سے ختم کردیں، اور پھر ہائی کمان کی مداخلت کا موقع نہ دیں۔ اسی دن نجلنگپّا اور جتّی سے ملاقات کے بعد ریڈی وغیرہ نے یہ طے کیا کہ اگست کے دوسرے ہفتہ میں اراکین مجلس منتظمہ کی ایک میٹنگ طلب کی جائے، جس میں انتظامیہ کے آگے بڑھتے ہوئے مسائل پر کھل کر تبادلۂ خیال ہوسکے۔

نجلنگپّا نے اراکین سے کہا کہ جتّی حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد کم سے کم اگلے عام انتخابات تک پیش نہ کریں۔ ہنومنتیّا، جتّی حکومت کے خلاف اپنی مہم تیز کررہے تھے۔

31/جولائی 60ء کو اپنے گھر پر بلائی گئی ایک پریس کانفرنس میں انہوں نے جتّی حکومت پر نکتہ چینی کی کہ صرف ایک گروپ اُن کی پشت پناہی پر لگا ہوا ہے، گو کہ کابینہ کے چند وزراء کے خلاف سنگین الزامات ہیں۔ اس لئے ایک نئی کابینہ کی ضرورت ہے، اور وہی ایک مناسب حل ہے۔

9/اگست 60ء کو ایک پریس کانفرنس میں جتّی نے نجلنگپّا کے بیانات پر اظہار خیال کرنے سے انکار کیا، کہ وہ کسی بھی تنازعہ میں الجھنا نہیں چاہتے۔ کسی اخبار نے یہ خبر چھاپی کہ 11/اگست 60ء کو پارٹی کے بحران پر تبادلۂ خیال کیلئے یم پی سی کا ایک خصوصی اجلاس ہوگا۔ ایک گروپ چاہتا تھا کہ جتّی کی حکومت بدستور کام کرتی رہے، مگر نجلنگپّا کے حمایتی اس کے مخالف تھے، اور اس کا مطالبہ کرنے والوں میں وہ بھی تھے، جو کبھی نجلنگپّا کی کابینہ میں رہ چکے تھے، اور جنہیں جتّی نے اپنی کابینہ میں جگہ نہیں دی تھی۔

یم پی سی کی مجلس منتظمہ نے 16 رنومبر 60ء کو ایک قرارداد منظور کی کہ جتّی مستعفی ہو جائیں' کہ ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کیے جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ان کی حکومت کا آگے بڑھنا پارٹی کے حق میں مضر ثابت ہوگا۔ پارٹی میں بے اصولی کا اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس سے قبل پارلیمانی بورڈ نے باوجود پہلی قرارداد کے ایک اور قرارداد کے ذریعہ جتّی کو آزادانہ فیصلہ سے روک دیا۔ سُنا گیا کہ نجلنگپا نے نہرو اور ریڈی سے ناراض گروپ کے ارادوں سے آگاہ کر دیا تھا۔

17 رنومبر 60ء کو نہرو نے نجلنگپا سے اس میٹنگ میں کہا کہ وہ جتّی کی کابینہ کی تبدیلی کے حق میں نہیں ہیں۔ ایک کانگریسی جی۔ یس۔ پرکاش نے یم پی سی کی قرار داد کو بے ترتیب' اور غیر حقیقتانہ کہا۔ انڈین آئل کمپنی کے صدر کی حیثیت سے نجلنگپا جب دلّی گئے تو نہرو اور ریڈّی سے ملاقات کی۔ اعلان کیا گیا کہ کانگریس میں پارلیمانی بورڈ 22 رنومبر 60ء کو میسور کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال کرے گا۔ 30 رنومبر 60ء کو پتہ چلا کہ صدر کانگریس ریڈّی نے اس تنازعہ کو ختم کرنے کیلئے دوسری نشست کیلئے نجلنگپا اور جتّی دونوں کو بلایا ہے۔ 3 ردسمبر 60ء کو نجلنگپا نے ریڈّی سے مل کر یم پی سی کی جتّی حکومت کے خلاف پاس کی گئی قرارداد پر تبادلۂ خیال کیا۔ جتّی خود 4 دسمبر 60ء کو دلّی پہنچنے والے تھے' اس کے بعد چنیّا نے ریڈّی سے ملاقات کی۔ ان ملاقاتوں کے بعد سُنا گیا کہ ریڈّی نے میسور کا تنازعہ ختم کرنے کیلئے ایک قابلِ قبول فارمولہ تیار کر لیا تھا۔

17 ردسمبر 60ء کو ہونے والی ایک میٹنگ میں پارلیمانی بورڈ کانگریس مجلس منتظمہ کے ساتھ میسور کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال کرنے والا تھا۔ ریڈّی نے 15 ردسمبر کو اعلان کیا کہ پارلیمانی بورڈ کے ایجنڈے میں میسور کا تنازعہ شامل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس پر بہت پہلے ہی فیصلہ کر لیا جا چکا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بورڈ کی سترھویں میٹنگ

پر رضامند کر سکیں۔

11 اکتوبر 60ء کی شب کو جتّی کی رہائش گاہ پر نجلنگپّا نے ملاقات کی' اور ایک گھنٹہ تک دونوں کی بات چیت ہوئی کہ اختلافات ختم ہو جائیں' جس کے بعد دونوں نے صدر کانگریس سنجیوا ریڈّی کو اپنے خیالات سے آگاہ کیا' ناراض گروپ کا مطالبہ تھا کہ یا تو کابینہ بدل دی جائے یا جتّی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔

24 اکتوبر 60ء کو خبر چھپی کہ کانگریس اعلیٰ کمان نے جتّی حکومت کی بحالی پر اپنی مہر لگا دی' ناراض گروپ نے اپنی مہم تیز کر دی۔ اسی دن ہنومنتیّا نے اعلان کیا کہ کابینہ کی توسیع سے مسئلہ حل نہیں ہوگا' بلکہ کابینہ کی تبدیلی ہی سے حالات میں سدھار آ سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ہائی کمانڈ اس معاملہ میں مثبت قدم اٹھائے گا۔

اے آئی سی سی کے رائے پور سیشن میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کسی بھی ریاست میں کابینہ میں ردّ و بدل نہیں ہوگی' حالانکہ اتر پردیش' کیرلا اور میسور میں اس کا مطالبہ زوروں پر تھا' مگر کانگریس کی مجلس منتظمہ نے ان اندرونی اختلافات پر بحث ہی نہیں کی۔ سیشن 28 اکتوبر 60ء کو ختم ہو گیا۔ پارٹی کے طاقتور پارلیمانی بورڈ کے پانچ اراکین کیلئے دوبار انتخابات کرائے گئے' مگر چار اراکین ہی کا انتخاب ہو سکا' کہ ایک اور کو لازمی دو تہائی ووٹ حاصل نہیں ہوئے' جو چار اراکین منتخب ہوئے وہ لال بہادر شاستری (280) نجلنگپّا (240) وائی بی چوہان (237) اور ایس کے پاٹل (227) تھے۔ مگر نجلنگپّا نے پریس کانفرنس کو بتایا کہ میسور کانگریس کے بحران کے بارے میں پارلیمانی بورڈ سے کوئی سرکاری مراسلہ نہیں آیا ہے۔ نجلنگپّا نے اعتراف کیا کہ کابینہ بدلی نہیں جائے گی' مگر اس میں ردّ و بدل ہو سکتا ہے۔

داد کے ذریعہ یم پی سی سی نے اتفاق رائے سے یہ قرارداد منظور کی کہ نجلنگپاؔ اور جتیؔ دونوں مل کر یم پی سی سی انتخابی کمیٹی اور منڈل کمیٹیوں کے بیچ اختلافات ختم کروائیں گے۔ بات چیت کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ ناراض گروپ کے چار اراکین کو کابینہ میں شامل کیا جائے' اور ان کے ناموں کا اعلان 25 فروری 61ء کو ہونے کی توقع تھی۔ دونوں قائدین نے یم پی سی سی کی انتخابی کمیٹی کے اراکین کی نامکمل فہرست سے اتفاق کیا ۔25 رفروری 61 کے اعلان کے مطابق حسب توقع ہیچ کے ویرناؔ گوڈا' بی۔ وی۔ بالیگا' ہیچ۔ ایس۔ رودرپاؔ اور ویریندر پاٹل کو وزیروں کی فہرست میں شامل کرلیا گیا۔ انتخابی کمیٹی میں یم۔ وی۔ راماراؤ' وینکاریڈی ہولیؔ' یم۔ وی۔ کرشنپاؔ' ہلّی کیرے گڈلپاؔ مالی مریپاؔ' لیس۔ شری راماریڈی' اور شنکر آلوا شامل تھے' جہاں پارٹی کی اندرونی صورت حال یہ تھی ۔حزبِ مخالف کے کوئی 65 فعال اراکین اسمبلی نے 27 رفروری 61 کو کابینہ کی توسیع کو خالص' فرقہ وارانہ بتاتے ہوئے واک آؤٹ کردیا۔

یم یل سی آنجنپاؔ نے اس توسیع کے بارے میں یہ نکتہ چینی کی کہ اس سے انتظامیہ کی مالی حالت پر اثر پڑے گا۔ حزبِ مخالف نے جتیؔ کی حکومت کے خلاف 9 رمارچ 61ء کو عدم اعتماد کی تحریک پیش کردی' جسے اکثریت سے ناکام کردیا گیا۔

گوکہ وہ اقتدار کی کرسی سے باہر تھے' تاہم نجلنگپاؔ بہ حیثیت صدر یم پی سی ریاست کے ایک اچھے لیڈر کی حیثیت سے عوام کے مفادات کیلئے ہر ممکن کوشش میں جٹے رہے۔

15 رمئی 61ء کو مڈکیری میں چوتھی ملناڈ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے حکومت پر زور ڈالا کہ کورگ کے مفادات کو نظر انداز نہ کرے۔ 24 رمئی 61ء کو بلگام میں کانگریس ورکروں کی ایک میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے متنبہ کیا کہ اپنے آپ کو صرف گاندھی وادی یا نہروؔ کے معتقد بتا کر پارٹی کو بچایا نہیں جاسکتا۔ جذباتی

میں میسور کا معاملہ زیر بحث نہیں آئے گا۔ 18 / دسمبر 60ء کو پارلیمانی بورڈ نے جتّی کو اپنی کابینہ کی توسیع کی اجازت دیدی، مگر نجلنگپّا نے 21 / دسمبر 60ء کو ایک پریس کانفرنس کو بتایا کہ کابینہ کی توسیع سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، بلکہ کابینہ کو بدلنے ہی سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے۔ وہ دراصل پارلیمانی بورڈ کے فیصلے پر اپنے ردِعمل کا اظہار کررہے تھے۔ اسی دن نجلنگپّا کے مخالف گروپ کے سربراہ لیس۔ چنیّا نے زور دیا کہ وہ بورڈ کے فیصلے سے اتفاق کریں، ورنہ پارٹی کے ڈسپلن کے خلاف قرار دیا جائے گا۔

نجلنگپّا کی عادت سی تھی کہ گھر کے چُھٹ پُٹ حادثوں سے پریشان ہوجاتے تھے، 24 / دسمبر 60ء کو گھر پران کا گھٹنا زخمی ہوگیا۔ پوتے کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اس کے ساتھ کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگتے ہوئے گر گئے۔ انہیں ایک ماہ تک آرام کرنے کو کہا گیا۔ ان کی جسمانی مستعدی نے تھکان کو کبھی پاس بھی آنے نہیں دیا۔...... اسی لئے ان کے کام کاج میں کبھی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ پتہ چلا کہ بھاؤنگر کے 62 ویں کانگریس سیشن کے دوران تبادلۂ خیال کے بعد جتّی ہائی کمانڈ سے بات چیت کے بعد اپنی کابینہ کی توسیع کریں گے۔ جتّی نے واضح کردیا کہ وہ اپنی کابینہ میں کوئی ردوبدل نہیں کررہے ہیں، بلکہ صرف اس کی توسیع کررہے ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ نجلنگپّا کی سرپرستی والی یم پی سی سی اور ان کی قیادت میں چلنے والی مجلس مُقنّنہ کے درمیان ایک خوشگوار رشتہ برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ نجلنگپّا مجلس مُقنّنہ کے لیڈر رہ چکے تھے۔

نجلنگپّا کا وقار اس وقت اور زیادہ بلند ہوگیا، جب سنجیوا ریڈّی نے انہیں کانگریس ورکنگ کمیٹی (جو پارٹی کی پالیسی بنانے والی بڑی کمیٹی ہے) کیلئے نامزد کیا۔

عنقریب پارٹی کے انتخابات ہونے جارہے تھے، اور 19 جنوری 61ء کو ایک قرار

ڈسٹرکٹ کمیٹی میں پائے گئے اختلافات کے پیشِ نظر ایسا اقدام لازمی تھا۔مثال کے طور پر اس واقعہ سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ نجلنگپاؔ وقت آنے پر سخت بھی ہو سکتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اُن کی نرم مزاجی کو ان کی کمزوری قرار دینا غلط ہوگا۔حسب معمول ان کے سخت سے سخت اقدامات بھی نظم و نسق کے تقاضوں کے تحت ہی ہوتے تھے اور وہ بھی ہائی کمان سے صلاح و مشورے کے بعد ہی حسب توقع معزول شدہ ضلعی کمیٹی کے صدر اے وی نرسمہا ریڈّی نے اپنی معزولی کو غیر منصفانہ غیر آئینی اور متعصب بتایا۔جتّی نے اس کی مذمت کی اور کہا کہ بالخصوص اس وقت ان کی معزولی کی بالکل ضرورت نہیں تھی جبکہ انتخابات سر پر تھے اور اس سے پارٹی میں نفاق کے امکانات بڑھ جائیں گے۔

انہوں نے کہا کہ سنجیواؔ ریڈّی سے اس سلسلہ میں انہوں نے تبادلۂ خیال کیا تھا اور یہ تجویز رکھی تھی کہ حفظِ ماتقدم کے طور پر ایسی سخت کارروائی مناسب نہیں تھی۔ 17/ اکتوبر 61ء کو بنگلور کی پریس کانفرنس سے نجلنگپاؔ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس امیدواروں کے انتخاب میں انہوں نے کبھی طرفداری نہیں برتی اور یقین دلایا کہ صرف مستحق لوگوں کو ہی ٹکٹ دئے جائیں گے۔یہ بات اُنہوں نے جتّی کے اس بیان کے جواب میں کہی کہ حکومت کے حمایتیوں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

البتہ 31/اکتوبر 61ء کو جتّی نے دعویٰ کیا کہ اب اتفاق رائے سے امیدواروں کی ایک ہی فہرست بنانے کیلئے ماحول سازگار ہے مگر نجلنگپاؔ نے کہا کہ یہ اتفاق ساٹھ تا ستر فیصد ہی ممکن ہے۔

یم پی سی سی نے کانگریس امیدواروں کی فہرست پر تبادلۂ خیال کیلئے ایک اجلاس طلب کیا۔یہ تو ظاہر ہو ہی گیا کہ انتخابی کمیٹی متحد نہیں تھی اسی لئے اختلافات ہنوز باقی تھے جو زیادہ تر ہاسن چکمگلور رائچور کورگ اور شمالی کینرا اضلاع کے

ہوکر بھی کچھ تعمیری کام نہیں کیا جا سکتا۔ علم اور جذبۂ خدمت خلق ہی اصل جوہر زندگی ہے۔

ہاسپیٹ میں 29 / مئی 61ء کو ایک عام اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ کانگریس کوئی ایسی ویسی پارٹی نہیں ہے، جسے یکلخت چھوڑ دیا جائے۔ گوکہ یہ سچ ہے کہ کانگریس میں بہت سے نااہل عناصر شامل ہوگئے ہیں۔ پر وہ اقلیت میں ہیں۔ اس لئے اچھے لوگوں کو پارٹی سے نکلنے کی ضرورت نہیں، اگر کوئی پجاری اچھا نہیں تو مندر نہ جانا کہاں کی عقلمندی ہے۔؟

15 / جولائی 61ء کو بتایا گیا کہ یم پی سی نے ایک قومی یکجہتی کمیٹی کی تشکیل کی ہے، جس کے صدر نجلنگپّا ہونگے، اور جتی ایک مستقل رکن کے طور پر مدعو ہوں گے۔ موسلا دھار بارشوں کی وجہ سے کئی جگہ دریاؤں میں سیلاب آ گیا، جس سے جانی ومالی نقصان ہوا۔ یم پی سی کے صدر کی حیثیت سے نجلنگپّا کو اس سے بڑی تشویش ہو رہی تھی۔

20 / جولائی 61ء کو انہوں نے سیلاب زدہ علاقوں کا، بالخصوص ورداندی کے آس پاس کے متاثرہ قریوں کا معائنہ کیا، اور سیلاب زدگان کو دلاسہ دیا۔ حسب توقع جیسا کہ اکثر ہوتا آیا ہے۔ انتخابات کیلئے امیدواروں کے اسمائے گرامی کے انتخاب پر اختلافِ رائے منظر عام پر آ گئی۔ صدر کی حیثیت سے ان کا سامنا کرنا نجلنگپّا کیلئے ضروری ہو گیا۔

8 / اکتوبر 61ء کو چند ایک اضلاع سے امیدواروں کی فہرست پر شکایتیں ملیں کہ ان کا انتخاب محض گروہ بندی کی بُنیاد پر ہوا ہے، جس سے مستحق خدمت گذار امیدواروں کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہے۔ شکایت نامہ صدر کانگریس سنجیوا ریڈّی اور معتمد صادق علی کو تھما دیا گیا۔

13 / اکتوبر 61ء کو بہ حیثیت صدر یم پی سی نجلنگپّا نے بنگلور ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کو معطل کر دیا، اور ایک عارضی کمیٹی وینکٹپّا کی صدارت میں تشکیل دیدی۔

حسب توقع ٹکٹ سے محروم ناراض اراکین نے کھلے عام اعتراضات کی بوچھاڑ کردی۔ 6 جنوری 62ء کو ایک سو کانگریسیوں نے جن کو ٹکٹ نہیں ملا تھا' بنگلور میں اکٹھا ہوکر آزاد امیدواروں کی حیثیت سے انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا کہ وہ سب کے سب کانگریس کے منظور شدہ امیدواروں کے خلاف لڑیں گے۔ میٹنگ کی صدارت ایس ۔کری یپّا نے کی' جو کہ میسور کانگریس میں لیجسلیچر پارٹی کے رکن تھے' یہ میٹنگ مدراس ووڈلنیڈ ہوٹل میں ہوئی۔

11 /جنوری 62ء کو نجلنگپّا نے بنگلور میں اعلان کیا کہ فہرست میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ 17 /جنوری 62ء کو دلّی کی ایک رپورٹ سے پتہ چلا کہ ہائی کمان نے یہ تجویز نہیں رکھی تھی کہ نجلنگپّا ریاست کی کانگریس لیجسلیچر پارٹی کے نئے قائد ہوں گے' اور یہ کہ یہ بات انتخابات کے نتائج کے اعلان کے بعد ہی زیر بحث آسکے گی۔

اس دوران ٹکٹ سے محروم ناراض کانگریسی آزاد امیدواروں کی حیثیت سے کانگریس کے منتخب امیدواروں کے خلاف لڑنے پر کمربستہ ہوگئے۔ کولار کے چنتامنی حلقہ کیلئے سرکاری امیدوار جن کو ہائی کمانڈ نے منظوری دی تھی' یم۔سی۔آنجنیا ریڈّی تھے' پر یم پی سی نے سیتپّا کو ٹکٹ دیدیا۔

یہ پردیش کانگریس میں موجود بے اصولی کا ایک غیر معمولی جیتا جاگتا واقعہ تھا' جو ٹکٹ سے محروم ناراض امیدواروں کی مخالفت سے بالکل مختلف تھا۔

اے آئی سی سی کے معتمد راج گوپالن نے نجلنگپّا سے کہا کہ سیتپّا کو منوائیں کہ وہ اپنی امیدواری واپس لے لیں۔ اگر ایسا نہیں ہوسکا تو یم پی سی کے خلاف اقدامات کرنے کے بارے میں سوچا جائے گا۔

یم پی سی نے خود ان کانگریسیوں کے خلاف اقدامات تیز کردئے' جنہوں نے

امیدواروں کے انتخابات سے متعلق تھے۔ ایک گروپ میں نجلنگپاّ یم۔ وی۔ راما راؤ‘ یم۔ وی۔ کرشنپاّ‘ ہلی کیری گڈ لیپاّ اور شنکر آلوا تھے تو ناراض گروپ میں‘ جتّی‘ مالی مریپاّ‘ ونکاریڈّی ہولّی‘ اور شری رام ریڈّی تھے۔

20 اکتوبر تا 17 رنومبر 61ء تک کافی بحث کے بعد یم پی سی نے فہرست کو آخری شکل دیدی۔ کل دوسو آٹھ اسمبلی اراکین اور چھتیس لوک سبھا کے امیدواروں کی فہرست ترتیب دینی تھی‘ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود 14 رنومبر 61ء تک صرف چالیس فیصد امیدوار ہی اتفاق رائے سے چنے جاسکے۔ بعدازاں 19 رنومبر 61ء کو آخری فہرست کوئی چوبیس دن کی طویل گفت وشنید کے بعد ترتیب دی گئی۔ تاہم ان میں صرف ستہتّر (77) اسمبلی کے اراکین اور آٹھ لوک سبھا کے اراکین اتفاق رائے سے چنے جاسکے‘ باقی امیدوار کافی لے دے کے بعد ہی چُنے گئے۔

یم پی سی نے کرماکر‘ داتار‘ راچیاّ اور گنامکھی کے بارے میں فیصلہ پارلیمانی بورڈ پر چھوڑ دیا۔ 8 ردسمبر 61 کو دلّی سے لوٹنے کے بعد جتّی نے پارلیمانی بورڈ کی فائنل لسٹ پر اطمینان ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس میں اتفاق رائے ہے۔ یہ بھی کہا کہ جو بات بنگلور میں نہ ہوسکی وہ دلّی میں ہوگئی۔ انہوں نے بورڈ کے فیصلے کو نجلنگپاّ اور خود اپنی وضاحتوں کا نتیجہ بتایا۔ جب ٹکٹوں کی تقسیم کا شورشرابہ ختم ہوگیا تو نجلنگپاّ نے یم پی سی سے اپیل کی کہ ڈسپلن‘ اتحاد اور کچھ کردکھانے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں۔ ساتھ ساتھ متنبہ بھی کیا کہ جولوگ خلاف ورزی کریں گے‘ انہیں کانگریس میں کوئی جگہ نہیں ملے گی۔ انہوں نے کہا کہ پارٹی کو اراکین کی ضرورت سے زیادہ ان کی قابلیت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا کہ چند ایک نے کانگریس پارٹی اس لئے چھوڑ دی کہ انہیں ٹکٹ نہیں ملا۔

پتہ چلا کہ ہائی کمان جتی کے حق میں ہے۔ دلّی سے لوٹنے کے بعد نجلنگپاّ نے کہا کہ اگر انہیں انتخاب لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی تو ان کی پسند کے کسی شخص کو اس وقت تک لیڈر بنایا جائے، جب تک کہ وہ ضمنی انتخاب جیت نہیں جاتے۔

۷ جون ۶۲ء کو لال بہادر شاستری' بنگلور آئے کہ نجلنگپاّ اور جتی کے درمیان لیڈر شپ کے لئے چلی آرہی رسہ کشی کا کوئی اطمینان بخش حل نکال سکیں۔ شاستری نے 'بعد ازاں' پریس کو بتایا کہ نجلنگپاّ نے انتخاب نہ لڑنے کی ان کی نصیحت مان لی ہے۔ کسی ایک شخص پر سب کا اتفاق نہ ہونے پر نجلنگپاّ کے حمایتی ایس' آر' کنٹھی کو' آخر کار لیڈر کی حیثیت سے منتخب کر لیا گیا' جس کا سہرا' شاستری کے سر ہے۔ ہائی کمان نے کنٹھی سے کہا کہ دونوں مخالف گروہوں پر مشتمل کابینہ کی تشکیل کریں۔ کنٹھی نے محسوس کیا کہ یہ مناسب نہیں ہے ۱۴ر وزیروں' دس ڈپٹی وزیروں کی متوقع کابینہ میں' کنٹھی صرف نو وزیروں' اور دو ڈپٹی وزیروں کی ہی کابینہ بنا سکے۔ کنٹھی کے ساتھ' یم۔ وی۔ کرشنپاّ' یم۔ وی۔ راماراؤ' آر ایم پاٹل' یشودھرا داسپاّ' کے۔ ملپاّ' ڈاکٹر ناگپاّ آلوا' ویریندرا پاٹل اور بی راچپاّ کابینہ میں شامل تھے اور جو دو ڈپٹی منسٹر بنائے گئے' وہ دونوں مسلمان تھے' ہچ۔ آر۔ عبد الغفار اور مقصود علی خان۔

کابینہ کی تشکیل' کنٹھی کے لئے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ ہائی کمان کا اصرار تھا کہ جتی کے حمایتیوں کو بھی کابینہ میں شامل کیا جائے۔ اس دوران اطلاع ملی کہ نجلنگپاّ' باگل کوٹ سے مستعفی رکن اسمبلی' بی۔ ٹی۔ مُرنال کی جگہ ضمنی انتخاب لڑیں گے۔ اس حلقہ کے پانچوں امیدواروں نے اپنے نام واپس لے لئے تو نجلنگپاّ' بلا مقابلہ انتخاب جیت گئے۔

جب کنٹھی' وزیر اعلیٰ بنے تو سمجھا جا رہا تھا کہ وہ نجلنگپاّ کے اسمبلی میں داخلے تک ہی

سرکاری امیدواروں کے خلاف نامزدگی کے فارم داخل کروائے تھے۔

۱۵ فروری ۱۹۶۲ء کو نجلنگپّا نے شیموگہ سے کانگریس کی انتخابی مہم شروع کردی۔ ۱۷ر فروری ۶۲ء کو رپورٹ آئی کہ میسور میں انتخابی مہم ۱۹ر فروری سے شروع ہوگی۔ ریاست میں 1,12,54254 ووٹر تھے۔ کانگریس نے 2082 سیٹوں میں سے 138 سیٹیں جیت لیں، مگر نجلنگپّا، ہوس درگا حلقہ سے اپنا انتخاب ہار گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سازش کے تحت، انہیں ہرایا گیا۔ نوزائیدہ سوتنترا پارٹی نے نو، پی ایس پی نے بیس اور کمیونسٹ نے تین سیٹیں جیتیں۔ سوشیلسٹ پارٹی کو صرف ایک سیٹ پر اکتفا کرنا پڑا، جن سنگھ اپنا کھاتہ کھولنے میں ناکام رہی، آزاد امیدواروں نے 37 سیٹیں حاصل کیں۔

نئی سرکار کی تشکیل کے لئے جتّی سرکار نے یکم مارچ ۶۲ء کو استعفیٰ پیش کردیا، کانگریس اراکین اسمبلی کے نئے لیڈر کا انتخاب ۷ مارچ ۶۲ء کو ہونے جارہا تھا۔ پارٹی کے اندرونی اختلافات اور گروہ بندیوں کے پیش نظر صدر کانگریس سنجیوا ریڈی نے بات چیت کے لئے نجلنگپّا، اور جتّی کو دلّی بلایا، دریں اثناء پتہ چلا کر محتاط طریقے سے نجلنگپّا کے حمایتیوں نے ان کی تائید میں ابھی سے مہم تیز کردی ہے، اور کہا جارہا تھا کہ لیڈر بننے کے لئے وہ اپنی منظوری بھی دے چکے ہیں، چونکہ وہ انتخاب ہار چکے تھے۔ تکنیکی طور پر، لیڈر کا منصب سنبھالنے کے چھ ماہ کے اندر، کسی ضمنی انتخاب میں کامیابی حاصل کرنا، ان کیلئے بیحد ضروری تھا۔ فی الحال، ان کی حیثیت ایک ہارے ہوئے امیدوار کی تھی، پھر بھی ان کے حمایتیوں نے دباؤ ڈالا کہ انہیں لیڈر کا انتخاب لڑنے کی اجازت دی جائے۔ انہوں نے یہ جواز پیش کیا کہ ان کی ہار دراصل ایک سیاسی سازش کا نتیجہ ہے، اور اسے صحیح معنوں میں ہار نہیں کہہ سکتے۔ نجلنگپّا اور جتّی دونوں نے امیدواری کا دعویٰ پیش کیا۔ اس دوران

۔ پارٹی میں گروہ بندی کے بارے میں پوچھنے پر' نجلنگپا نے بتایا کہ گروہ بندی' اگر اصولوں یا پالیسیوں پر مبنی ہے' تو ٹھیک ہے۔ پر' میسور کانگریس کا گروپ' ذاتی اغراض پر مبنی ہے۔ اس لئے' اُن کی مذمت ضروری ہے' اور ان کے خلاف تادیبی کارراوئی ہونی چاہئے۔ نجلنگپا نے اپنی پالیسیوں کے بارے میں کہا' خصوصاً ان مسائل کے بارے میں' جن سے کرناٹک کے عوام' پریشان تھے' اور ان میں اہم مسئلہ مہاراشٹر سے گوا کے الحاق کا تھا۔ مہاراشٹریوں نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ چونکہ گوا کے لوگوں کی زبان کونکنی ہے' جو کافی حد تک مراٹھی سے قریب ہے'۔ اس خیال کو اُچھالنے والے ماہرلسانیات' ڈاکٹر کٹرے تھے۔ کنڑ دانوں کو یہ فکر لاحق ہوگئی کہ اگر ایسا ہو گیا تو مہاراشٹر' کاروار اور بلگام کو سمیٹنے کی کوشش کرے گا۔

وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے سے پہلے ہی' نجلنگپا نے یہ بات واضح کردی کہ جغرافیائی' تاریخی' ثقافتی پس منظر میں دیکھا جائے تو گوا کا الحاق' کرناٹک سے ہی ہونا چاہئے۔ ۲۸ رمئی ۶۲ء کو کانگریس پارلیمانی بورڈ نے نجلنگپا کی قیادت کو منظوری دے دی۔ نئے قائد کا انتخاب' ۲۱ رجون ۶۲ء کو' ریسیڈنسی' میں صبح کے ساڑھے آٹھ کو مقرر ہوا' جس میں اتفاق رائے سے نجلنگپا کو قائد کی حیثیت سے چن لئے جانے کی پوری امید تھی' صدر کانگریس' سنجیوا ریڈی نے' نجلنگپا کو ورکنگ کمیٹی سے ہٹا دیا۔

۱۷ رجون ۶۲ء کو' نجلنگپا نے کہا کہ وہ ایک ایسی وسیع تر کابینہ بنائیں گے' جس میں 14 یا 15 وزیر ہوں گے اور یہ کہ کنٹھی کی کابینہ کے تمام وزیر شامل ہوں گے' جتی نے کہا کہ ان کا گروپ ایک ایسے شخص کو اپنا لیڈر مانے گا جو اتفاق رائے سے منتخب ہو۔

انتخاب کے لئے' راہ ہموار کرنے کی غرض سے ۲۰ رجون ۶۲ کو کنٹھی سرکار نے استعفیٰ پیش کردیا' اور جتی کی تعریف کی کہ انہوں نے اتفاق رائے سے' ایک ہی قابل

رہیں گے۔اس کے بعد 'نجلنگپّا' حکومت کی باگ ڈور سنبھال لیں گے۔اسی لئے عرف عام میں، کنٹھی کو 'بھرت' کہا جارہا تھا۔دراصل 'کنٹھی' کو ایسے بیانات پر مایوسی ہوئی' اور غالباً اندر ہی اندر'اس کی مذمت بھی کررہے تھے۔

۸ رمئی ۶۲ء کو انہوں نے کہا کہ بھرت کے نام سے انہیں موسوم کرنا' ایک لطیفہ ہے جس پر سنجیدگی سے سوچنا' فضول ہے' اور یہ کہ چاہے ان کی میعاد مختصر سہی' وہ ایک وزیرِاعلیٰ کی حیثیت سے 'پورے اختیارات کے ساتھ' سرکار چلائیں گے۔ یہ بات انہوں نے اسمبلی میں کہی' مگر انہوں نے یہ بھی کہا کہ 'بہتر نظم ونسق کے لئے' ریاست کی ہمہ گیر ترقی کے لئے' پارٹی کی قیادت میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔

۱۱مئی ۶۲ء کو پریس نے خبر دی کہ کنٹھی نے صدر کانگریس' ریڈّی کو خط کے ذریعہ' مطلع کیا ہے کہ وہ 'لیڈر' کا منصب چھوڑ رہے ہیں۔انہوں نے نہرو اور لال بہادر شاستری کو بھی خطوط لکھے وہ نجلنگپّا کو قائد بنانے کی غرض سے سبکدوش ہورہے ہیں' اور اس میں اراکینِ اسمبلی کی خواہش بھی شامل ہے۔توقع تھی کہ جون کے اوائل میں نجلنگپّا اقتدار کی باگ ڈور سنبھالیں گے۔

۱۶رمئی ۶۲ء کو دلّی میں پارٹی اعلیٰ کمان سے تبادلۂ خیال کے بعد' نجلنگپّا بمبئی پہنچے' کنٹھی نے اسی دن' اخباری نمائندوں کو بتایا کہ نہرو نے' ان کے خط کے جواب میں' نجلنگپّا کے حق میں دستبردار ہوجانے کے لئے کہا ہے' مگر کنٹھی نے خط کے دیگر مندرجات کے بارے میں بتانے سے انکار کیا۔

۲۳رمئی ۶۲ء کو نجلنگپّا نے بتایا کہ اسی ماہ کے آخر میں' نئے قائد کے انتخاب کے لئے' کانگریس اراکین اسمبلی کی ایک بیٹھک ہوگی۔مگر اس سے پہلے' کنٹھی کا استعفیٰ 'اصولاً' ضروری تھا' اور یہ کام ۲۹ رمئی کے پارلیمانی بورڈ کی میٹنگ ہی میں ممکن تھا

یوم آزادی کے موقع پر ڈاکٹر ایس۔ نجلنگپّا جی عوام سے خطاب کرتے ہوئے

قبول لیڈر منتخب کرنے میں بھرپور تعاون پیش کیا ہے۔

۲۱ر جون ۶۲ء کو، برسراقتدار پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے نجلنگپّا کا انتخاب ہو گیا۔ صبح کے گیارہ بج کر ۲۲ منٹ پر اسی دن گورنر، منگل داس پکواسا نے، نجلنگپّا سرکار کو حلف دلایا، کنٹھی سرکار کی کابینہ کے تمام وزیر یعنی کنٹھی، یم وی کرشنپّا، ایم وی راما راؤ، آر ایم پاٹل، یشودھرا داسپّا، کے ملپّا، ڈاکٹر ناگپّا آلوا، ویریندرا پاٹل اور بی راچیا کو وزیر کا، اور نجلنگپّا کو وزیر اعلیٰ کا حلف دلایا گیا۔

نجلنگپّا نے اعلان کیا کہ اور چند وزیروں کو ایک ہفتہ کے اندر شامل کیا جائے گا، جس کے ساتھ ہی، کابینہ کی تشکیل کا کام مکمل ہو جائے گا۔ حسبِ عادت، نجلنگپّا نے صنعتی اور زرعی ترقی کے لئے بجلی کی پیداوار پر زور دینے والی اپنی پالیسی کو دہرایا۔

۲۳ جون ۶۲ء کو، داونگرے میں دوسری کُل میسور تاجروں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تاجر، نئے نئے کارخانے کھولیں، جس کیلئے ان کی سرکار، ہر ممکن تعاون پیش کرے گی، بنگلور میں ۲۵ر جون ۶۲ء کو نجلنگپّا نے جواب بھی انڈین آئل کارپوریشن کے چیئرمن تھے، اپنے خطبۂ صدارت میں مجلس منتظمہ سے کہا کہ کرناٹک میں، منگلور میں، ایک آئل ریفائنری قائم کی جائے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ریاست میں ہمہ گیر ترقی کے لئے، انہوں نے، ہر ممکن موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا، مگر ترقیاتی منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے ساتھ ساتھ، ایک وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے تشکیل کابینہ کی تکمیل کا بڑا مرحلہ بھی انہیں طئے کرنا تھا۔

مرکزی قائدین سے تبادلۂ خیال کے بعد، ۲۷ر جون ۶۲ء کو انہوں نے پریس سے کہا کہ وہ ایک قابل قبول فہرست کے ساتھ لوٹیں گے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حقیقت میں، ریاستی کانگریس میں، کوئی گروہ بندی نہیں ہے، بلکہ صرف افراد ہیں۔

سات کروڑ اور سرکاری انٹر پرائزس سے تیرہ کروڑ کا قرضہ لیں گے۔ جمہوری نظامتِ حکومت میں 'حزبِ مخالف' ہمیشہ برسرِ اقتدار پارٹی کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرتا رہتا ہے' اور ہندوستان میں' برسرِ اقتدار پارٹی کے لئے دوسرا دردِ سر پارٹی کے اندرونی اختلافات سے ہے۔

دوسرا اہم مسئلہ' کنڑ زبان وادب سے متعلق تھا۔ دراصل' یہ کہنا بہتر ہوگا کہ' ایکی کرن (الحاق) کا مقصد یہی تھا کہ کنڑ زبان کے ثقافتی سرمایہ کو بحال کیا جائے۔ ۲۱ر جولائی ۶۲ کو' انہوں نے اعلان کیا کہ کنڑا کی ترقی کے لئے ان کی سرکار' ہر ممکن کوشش کرے گی' اور عوام سے اپیل کی کہ وہ' کنڑا کے نام پر ہنگامہ نہ کریں۔

فی الحال' ان کے دورِ حکومت میں جو بڑا مسئلہ تھا' وہ تھا غلہ کی کمی۔ اس لئے کہ ریاست کے کئی ایک علاقوں میں قحط کا سا حال تھا۔ ۳۱ر اگست ۶۲ء کو نجلنگپا نے اعلان کیا کہ قحط سے نپٹنے کے لئے' حکومت' ایک ہمہ گیر منصوبہ بنائے گی۔ آبپاشی پر زور دینے سے اناج کی پیداوار میں اضافہ مقصود تھا۔ یکم ستمبر ۶۲ء کو وزیر زراعت' نارائن گوڑا نے پریس کو بتایا کہ حکومت' قحط سے نپٹنے کے لئے' ہر سال آبپاشی کے لئے دس ہزار کنویں کھدوانے کا انتظام کریگی۔ نجلنگپا' چترادرگا میں ہوئی یم پی سی سی کی ایک میٹنگ میں' یم پی سی سی کی صدارت سے مستعفی ہوگئے۔ چونکہ ناگپا آلوا اور رام کرشنا ہیگڈے وزیر تھے' وہ بھی معتمدین کے عہدوں سے مستعفی ہوگئے۔ اتفاق رائے سے' دسمبر میں ہونے والے انتخابات کے پیش نظر' عبوری طور پر محمد علی کو نجلنگپا کا جانشین چن لیا گیا۔

وزیراعلیٰ کی پوری میعاد کے دوران نجلنگپا کو اپنے محبوب پراجکٹ' یعنی شراوتی پراجکٹ کی وجہ سے' مسلسل نکتہ چینی کا شکار ہونا پڑا۔ اس موضوع پر اسمبلی میں بحث کے دوران' نجلنگپا نے اس بات کا اعتراف کیا کہ دو کنٹراکٹروں کو پچاس لاکھ کی رقم زیادہ دی

قیاس کیا جارہا تھا کہ وہ جتی اور کڈی دال منجپا کو شامل نہیں کریں گے کہ ان کی شمولیت کی پرزور مخالفت کی گئی ہے۔

۲۱ر جون ۶۲ء کو انہوں نے نہرو سے مل کر کابینہ کی تشکیل پر تبادلۂ خیال کیا۔ اندازہ تھا کہ چار نئے وزیر شامل ہوں گے، جن میں دو پُرانے میسور سے اور دو دوسرے علاقوں کی نمائندگی کریں گے، جو نام بار بار اس سلسلہ میں لئے جا رہے تھے، وہ تھے دیوراج ارس، نارائن گوڑہ، رام کرشنا ہیگڈے اور یم آر پاٹل۔

جتی کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔ پر ہائی کمان نے ان کی شمولیت پر زور ڈالا، اسکا مطلب تھا، یم آر پاٹل کو ہٹا دینا، مگر نجلنگپا نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ کڈی دال منجپا کو شامل نہیں کریں گے۔

۳۰ر جون ۶۲ء کو نجلنگپا نے اپنی کابینہ میں بی ڈی جتی، جی نارائن گوڈا، دیوراج ارس، رام کرشنا ہیگڈے اور کے پٹا سوامی کو شامل کر دیا۔ اس طرح چار کے عوض پانچ وزیروں کو کابینہ میں جگہ دی گئی۔ ۲ر جولائی ۶۲ء کو آٹھ ڈپٹی منسٹروں کی شمولیت کے ساتھ، کابینہ کی مزید توسیع کی گئی، نئے وزیر، گریس ٹکر، جے ہیچ شمس الدین، وائی راجچند را، کے پر بھاکر، ملّی کارجنا سوامی، کونڈجی بسپّا، آلور ہنومنتپا اور دیانند ساگر تھے۔ اس بیچ، جو نئی بات ہوئی وہ یہ کہ، دو پارلیمانی سکریٹریوں، یعنی جی بی شنکر راؤ اور ہیچ۔ سی۔ بوریّا کا تقرر کیا گیا۔

جتی کو وزیرِ خزانہ بنانے کے ساتھ ہی، دو اہم امیدواروں کی رسہ کشی ختم ہوگئی۔ ترقی کی سمت گامزن حکومت کے سامنے، ہمیشہ جو مسئلہ درپیش ہوتا ہے، وہ ہے پیسہ کا مسئلہ۔ ہندوستان میں، ریاستی سرکاریں، مالی اعانت کے لئے، ہمیشہ مرکز پر تکیہ کرتی رہتی ہیں کہ کئی چھوٹی موٹی پالیسیوں پر عمل ہو سکے۔ پیسہ اکٹھا کرنے کی دوسری صورت، عوام سے لینا ہے۔

۴ر جولائی ۶۲ء کو، نجلنگپا نے اسمبلی کو بتایا کہ ''وہ پبلک بارونگ'' سے

میں شراوتی پراجکٹ میں رشوت ستانی، کالج کی شرح فیس کے اضافہ سے پیدا شدہ طلباء کے مسائل و پریشانیاں، تین غیر مستحق وزیروں کا تقرر، لینڈ ر فارمس کے عمل درآمد میں ناکامی اور اشیائے ضروری کے نرخوں میں غیر معمولی اضافوں کا احاطہ کیا گیا۔

آبکاری کی پالیسی پر نظر ثانی کے بارے میں، وزیر اعلیٰ نے ۲۲ ستمبر ۶۲ء کو اسمبلی میں کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اس ضمن میں سر جوڑ کر سوچا جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس موضوع پر بمبئی میں انہوں نے، حال ہی میں، ایک بیان بھی دیا ہے۔

۲۷ ستمبر ۶۲ء کو، تحریک عدم اعتماد پر بحث کے دوران، نجلنگپا نے جواب دیا کہ شراوتی پراجکٹ میں کوئی دھاندلی نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے کسی بھی عدالتی تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ اُنہوں نے ذاتی طور پر اس سلسلہ میں تحقیق کر لی ہے۔ یہ بات بھی اُنہوں نے واضح کر دی کہ مشوروں کا ہمیشہ خیر مقدم ہے بشرطیکہ وہ تعمیری ہوں، ورنہ برائے نام الزامات سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ۵ ار کتوبر ۶۲ء کو نجلنگپا نے کہا کہ مرکزی وزیر آبپاشی، نندا نے انہیں کہا ہے کہ پلاننگ کمیشن کے ماہرین کی ایک ٹیم، ملک کے اس سب سے بڑے ہائیڈل پراجکٹ کی پیش رفت کا معائنہ کرنے کے لئے، کرناٹک آئے گی، کہ فی الحال سست رفتار سے چلنے والا کام، تیزی پکڑ سکے، اور لوگوں میں اطمینان کی فضاء پھیل سکے، ریاستی سرکار نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس دوران، نجلنگپا نے، شراوتی پراجکٹ کا جائزہ لینے کے لئے شیموگہ ڈسٹرکٹ کا دورہ کیا۔

۱۰ ار کتوبر ۶۲ء کو پلاننگ کمیشن کا ایک وفد بنگلور پہنچا۔ وزیر آبپاشی، جے۔ ایچ۔ شمس الدین نے بتایا کہ پراجکٹ کی وجہ سے بے گھر ہوئے لوگوں کے مسائل سے نپٹنے کے لئے حکومت کو تیس کروڑ روپیوں کی ضرورت ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ، ان لوگوں کی نو آبادکاری کا تھا۔ یہ وہ دَور تھا، جبکہ چینی حملوں نے ملک میں انتشار پھیلا رکھا تھا۔ نہ

گئی تھی۔ حزبِ مخالف کے لیڈر شیوپّا نے کہا کہ ہر طرح کی افواہیں اس معاملہ میں گشت کر رہی ہیں۔ لہٰذا ان معاملات کی پوری پوری، اطمینان بخش تحقیقات کیلئے، ایک کمیٹی تشکیل دی جانی چاہئے۔ نجلنگپّا نے کہا کہ ایک کمیٹی کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ کوئی بھی شکایت انکے پاس بھجوائی جاسکتی ہے، جس پر وہ خود ذاتی طور پر تحقیق کریں گے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ کسی بھی غیر اطمینان بخش کام کی صورت میں، ٹھیکہ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ فریقین، بیٹھ کر، حل تلاش کریں۔ اسی وجہ سے افزود رقم کی ادائیگی، ممکن ہوسکی تھی، جسکی اب گنجائش ختم کی جارہی ہے۔ مخالف پارٹیوں کو اس جواب سے اطمینان نہیں ہوا۔ یہ ایک امر مسلّم ہے کہ ایسی صورت حال جب بھی پائی گئی ہے، وزیر اعلیٰ کو غیر مطمئن عناصر کا، ہڑتالوں، ستیہ گرہ وغیرہ کی شکل میں سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ طریقۂ احتجاج جمہوری نظام کا صحت مند و موثّر حصہ ہے۔ لہٰذا نجلنگپّا کی سرکار، اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بے اطمینانی کی لہر دوڑی، اور اس کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا گیا، اور عوام کے جذبات، اور اُن کے منشاء کے مطابق، اس کا حل ڈھونڈ لیا گیا۔ اس ضمن میں، ایک واقعہ، ۷ ار ستمبر ۶۳ء کو ہبلی کے تاجروں کی طرف سے، حکومت کے سامنے، یہ تجویز رکھی گئی کہ اشیائے ضروری، بالخصوص اجناس، ملکیتوں اور کارخانوں پر ٹیکسوں کا ارادہ ترک کردیا جائے۔ ۱۷ ار ستمبر ۶۲ء کو چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹریس کی طرف سے ایک کامیاب ہڑتال کا اہتمام کیا گیا۔ جمہوری حکومت میں، حزبِ مخالف، ہمیشہ سرکار کو چوکنا کرتا رہتا ہے، اور اس کا آخری سرا، تحریک عدم اعتماد پر ختم ہوتا ہے۔

۲۱ ر ستمبر ۶۲ء کو حزبِ مخالف کے لیڈر، شیوپّا نے، نجلنگپّا کی سرکار کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کردی، چونکہ، اس کے لئے ضروری تیس اراکین کی حمایت حاصل تھی، اسپیکر نے تکنیکی بنیاد پر، تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کی اجازت دے دی۔ اس تحریک

شراوتی پراجکٹ' بدستور دردِ سر بنا رہا۔ ۵ مارچ ۶۳ء کو کڈی دال منجپاؔ نے اسمبلی میں پھر سے یہ معاملہ اُٹھایا۔ یہ معاملہ نجلنگپاؔ کے حریفوں کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک ہتھیار کی طرح' استعمال ہوتا رہا۔ خود اپنی پارٹی کے اندر بھی چہ میگوئیاں رہیں۔ منجپاؔ نے کہا کہ چند سیاست دانوں نے' شراوتی پراجکٹ میں خوب پیسہ بٹورا ہے' اور یہ کہ حکومت صحیح اعداد و شمار پیش کر کے اپنی صفائی ثابت کرے۔ اس دوران' الیکٹری سٹی بورڈ کے چیرمن' ضلع کولار کے چنّیاؔ نے (یاد رہے یہ وہ چنّیاؔ نہیں جو نجلنگپاؔ کے بڑے سیاسی حریف تھے) '۶/ مارچ ۶۳ء کو پریس سے خطاب کرتے کہا کہ شراوتی پراجکٹ کا پہلا مرحلہ' قریب الختم ہے' اور وہاں جو بجلی پیدا ہوگی' اس کے استعمال کے لئے' ٹرانسمیشن کیبل کی ضرورت ہے' تا کہ تقسیم کاری میں سہولت ہو' جس کے لئے مرکز کا مالی تعاون ازحد ضروری ہے۔

۱۱/ مارچ ۶۳ء کو نجلنگپاؔ نے' ویریندراؔ پاٹل کے ساتھ' دلی کا سفر کیا' اور کرشنا اور گوداوری ندیوں کے بارے میں مرکز سے تبادلۂ خیال کیا۔

نجلنگپاؔ نے دوسری اہم اسکیم جو پیش کی' وہ کمزور طبقوں کو قانونی مدد فراہم کرنے کے بارے میں تھی' وزیر قانون یم۔ وی۔ راؔما راؤ نے اسمبلی کو بتایا کہ اس سلسلہ میں انہوں نے ایک خاکہ تیار کرلیا ہے۔ نجلنگپاؔ نے اسمبلی کو بتایا کہ مرکز نے کرشنا اور گوداوری کے پانی کی تقسیم میں کرناٹک سے انصاف نہیں کیا ہے۔ اس بیان پر' حزبِ مخالف نے سرکار پر نکتہ چینی اور تیز کردی' سماج وادی لیڈر اور یم ایل اے اور اسمبلی میں حزب مخالف کے لیڈر شیوپاؔ نے مرکز کی مذمت کی' اور کہا کہ مرکز کے اس فیصلہ کے پیش نظر' ریاست کرناٹک کو' اگلے پندرہ سالوں تک صرف انہی دو پراجکٹوں پر اکتفا کرنا پڑے گا۔ مذمت کا زور' ریاست کی غیر اطمینان بخش پالیسی سے بڑھ کر مرکز کی آندھرا نوازی پر زیادہ تھا۔

معلوم وجوہات کی بناء پر چینیوں نے یکلخت جنگ روک دی ۔ ملک کے تحفظ کا مسئلہ اور زیادہ سنگین ہو گیا تو چندہ اکٹھا کرنا ضروری ہو گیا۔

۱۰ر دسمبر ۶۲ء کو 'نجلنگپا' ساٹھ سال کے ہو گئے' پر کوئی جشن ولادت نہیں منایا' چینی حملوں کے پیش نظر' اُن کا یہ فیصلہ بیحد مناسب تھا۔ ۱۶ر دسمبر ۶۲ء کو' بنگلور میں' کانگریس پارٹی کے اراکین سے خطاب کرتے ہوئے' متنبہ کیا کہ ایسے حالات میں ہر شہری کا فرض بنتا ہے کہ اندرونی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر' نہرو کی قیادت کو مضبوط بنایا جائے۔

جہاں تک' ریاست کے اندرونی حالات تھے' بالخصوص بجلی کی کمی کے بارے میں' زیادہ فکرمندانہ رویہ اختیار کیا گیا۔ ۱۲ر فروری ۶۳ء کو ریاستی ترقیاتی کونسل کو خطاب کرتے ہوئے' انہوں نے کہا کہ بجلی کی کمی کے باعث' ریاست میں خاطر خواہ ترقی نہیں ہو رہی ہے' تاہم ان کی حکومت ہر قریہ میں بجلی فراہم کرنے کا مصمم ارادہ کر چکی ہے۔

۱۸ر فروری ۶۳ء کو گورنر نے اسمبلی کے بجٹ سیشن کا افتتاح کرتے ہوئے 'زراعت اور بجلی پر حکومت کی پالیسی اور گہری دلچسپی کا اعلان کیا' جس کے پیش نظر' ریاست نے' کالی پراجکٹ (ہائیڈل) کو عملی جامہ پہنانے کے لئے' مرکز سے پانچ کروڑ روپیوں کا مطالبہ کیا۔

آبپاشی اور برقی پیداور کے شعبوں کی بہتر کارکردگی کے لئے' یہ واضح کیا گیا کہ چونکہ کرناٹک کے دریاؤں کا پانی' پڑوسی ریاستوں کو بھی سیراب کرتا ہے' ریاستوں کے درمیان' پانی کی جائز تقسیم بیحد ضروری ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو...... اور یہ صورت حال آج بھی ہمارا منہ چڑا رہی ہے۔ نجلنگپا نے اسمبلی کو یقین دِلایا کہ کرشنا اور گوداوری ندیوں کے پانی کی تقسیم میں کرناٹک کے مفاد کو دھیان میں رکھا جائے گا۔ یکم مارچ ۶۳ء کو' ریاستی وزیر خزانہ' جتی نے اسمبلی میں تمیں لاکھ روپیوں کے خسارے کا بجٹ پیش کیا۔

جائزہ لینے کا اِرادہ بھی ظاہر کیا۔ اس کمیٹی کے دیگر اراکین تھے‘ وزیرِ مال گذاری کرشنپّا‘ وزیر امورِ امداد باہمی‘ رام کرشنا ہیگڈے‘ وزیر زراعت نارائن گوڑا‘ وزیر فلاح و بہبودِ عامہ‘ ویریندر اپاٹل اور وزیر آبپاشی‘ آلور ہنومنتپّا۔

دریا کے پانی کے بارے میں وزیراعلیٰ ہمیشہ چوکس رہتے تھے۔ مدراس کی حکومت کو ۱۷رمئی ۶۳ء کو انہوں نے آڑے ہاتھوں لیا کہ کرشنا ندی کے پانی کا غلط استعمال ہو رہا ہے‘ جبکہ اس کا پانی‘ مدراس میں صرف پینے کیلئے فراہم کیا جانا طے تھا۔

پارٹی کے اندرونی اختلافات سے سرکار اور وزیراعلیٰ بدستور پریشانی کا سامنا کرتے رہے۔ میسور کانگریس کے چند اراکین نے‘ صدر کانگریس سنجیویّا سے‘ شکایت کی کہ ریاست میں‘ پارٹی عہدیداروں کے‘ حالیہ انتخابات میں‘ دھاندلی ہوئی ہے۔ اسلئے نتائج کو رد کر کے‘ تحقیق کرائی جائے۔ دستخط کرنے والے سب کے سب‘ وزیراعلیٰ کے مخالفین میں سے تھے‘ جن میں ایس۔ چنیّا‘ ٹی سبرامنیا‘ کڈی دال منجپّا‘ ٹی مری یپّا‘ بی بسوالنگپّا‘ ہچ یم چنپّا‘ اے جی رام چندر راؤ‘ ہچ سداویرپّا اور وینکٹ رامیّا تھے۔ چنیّا‘ ان دنوں یم پی سی سی کے صدر تھے‘۔ مگر یم پی سی سی کے ایک ترجمان نے ان الزامات کی تردید کی‘ اور کہا کہ ۲۲۶ حلقوں میں سے‘ صرف چھ حلقوں میں منڈل سمیتیوں کا انتخاب نہیں کرایا جاسکا ہے‘ اور یہ کہ نجلنگپّا سرکار نے کونڈجی بسپا کمیٹی کی تشکیل دے کر یہ بالکل واضح کردیا ہے کہ سرکار‘ پنچایت راج کے ذریعہ‘ دیہاتوں میں حکومت کے اقتدار کو برابر تقسیم کرنے کا پکّا اِرادہ کرچکی ہے۔ اُس کی باقاعدہ رپورٹ جون ۶۳ء میں آہی گئی کہ ایسے اقدامات سے ضلع‘ تعلق اور دیہاتی سطح پر‘ اقتدار کی تقسیم ہونی چاہئے۔ اس رپورٹ میں بڑے تعلقہ جات کی تقسیم پر بھی زور دیا گیا۔ ۷رجون ۶۳ء کو نجلنگپّا نے خود اخباری نمائندوں سے‘ حیدرآباد میں‘ یہ بتایا کہ ریاست میں کانگریس کے انتخابات میں

نجلنگپّا کی سرکار، صنعتی وتجارتی ترقی پر زیادہ دھیان دے رہی تھی، اور اس کے لئے وسائل وذرائع آمدورفت پر دھیان دینا بھی ضروری ہوگیا۔ وزیرِ صنعت، کے۔ ملپّا نے یکم مئی ۶۳ء کو پریس سے مخاطب ہوکر کہا کہ حکومت، جاپان کو خام مینگنیز بیچنے کا منصوبہ بنا رہی ہے، جس سے حاصل شدہ رقم سے، کاروار بندرگاہ کی ترقی ممکن ہوسکے گی۔ یہ بات یہاں قابلِ ذکر ہے کہ اب جبکہ غیر ملکی سرمایہ داروں کو ہمارے ملک میں سرمایہ لگانے کی دعوت دی جاتی ہے، یہ کام ایک عرصہ پہلے، نجلنگپّا سرکار نے کردکھایا، چاہے وہ محدود پیمانے پر ہی کیوں نہ ہو۔ مثال کے طور پر، اس وقت کے وزیر برقی قوت، جے ایچ شمس الدین نے ۳ر مئی ۶۳ء کو پریس سے کہا کہ کالی ہائیڈل پراجکٹ کے لئے جاپان کی مشہور زمانہ کمپنی مِتسوبشی نے تکنیکی صلاح کا وعدہ کیا ہے۔ صنعتوں کی توسیع وہمہ گیر ترقی، دراصل حکومتِ کرناٹک کی پالیسی کا ایک اہم حصہ تھی۔

دوسرے ہی دن، نجلنگپّا نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ بیدر، ہریور، اور یم کے ہلی میں شکر کے تین کارخانے کھولے جائیں گے، جو امدادِ باہمی کی پالیسی پر مبنی ہوں گے، اور اس سے مختلف علاقوں میں توازن برقرار رہنے کی امید ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ منڈیا اور سنکیشور کے موجودہ کارخانوں کی توسیع کی جائے گی۔

جہاں پر ترقیاتی منصوبوں پر زور دیا جارہا تھا، وہاں متوقع فوائد اور نتائج پر بھی نظر رکھی جارہی تھی کہ ان سے تعمیراتی کام کیسے لیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر، ۱۳ر مئی ۶۳ء کو انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ ریاست کرناٹک تنگا بھدرا پراجکٹ کا پورا پورا فائدہ اُٹھانے میں ناکام رہی ہے، کوئی آٹھ لاکھ ایکڑ زمین کی سیرابی متوقع تھی، پر، فی الحال پانی صرف تین لاکھ ایکڑ کو ہی مل رہا ہے۔ زراعتی پیداوار کی ذیلی کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے، انہوں نے پراجکٹ کا دورہ کرنے، اور حالاتِ حاضرہ کا

اندرا گاندھی کو سونے میں تولا گیا جو ڈیفنس فنڈ کو دے دیا گیا۔ اندرا گاندھی کا وزن 108 پاؤنڈ تو نجلنگپا کا 162 پاؤنڈ تھا۔ اس جلسہ کے لئے عوام نے 1,18,526 گرام سونا اکٹھا کیا تھا، جس کی قیمت ان دنوں پندرہ لاکھ روپئے تھی۔ اس جلسہ کی صدارت آندھرا کے وزیر اعلیٰ سنجیوا ریڈی نے کی۔

جلسہ کے چند دنوں بعد سیاسی حریفوں نے اِن کے گروپ پر ایک اور حملہ کیا۔ ۵/ جولائی ۶۳ء کو ٹی۔ سبرامنیم نے یم پی سی سی پر الزام لگایا کہ اس کے صدر کا انتخاب ٹھیک سے نہیں ہوا ہے۔ انہوں نے یہ بات، بنگلور میں ایک پریس کانفرنس میں کہی۔

انہوں نے ہلی کیری گڈ یلپا پر بھی تنقید کی کہ ریاستی لیجسلیٹیو کونسل کے چیرمن ہونے کے ناطے ان کا صدارت کیلئے انتخاب لڑنا، پارٹی کے قوانین کے مطابق نہیں ہے، اور یہ کہ چیئرمن کو سیاست سے بالاتر رہنا ہے۔ انہوں نے اِسے بھی شراوتی پراجکٹ کی رشوت وغیرہ الزامات سے جوڑ دیا۔

۵/ جولائی ۶۳ء کو ٹی۔ سبرامنیا، لیس چنیا اور یچ۔ یم۔ چن بسپا نے ایک پریس کانفرنس، چنیا کے گھر پر بلائی، اور الزامات کی چھان بین کے لئے عدالتی تحقیق کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد، غیر کانگریسیوں نے بھی ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ ۱۱/ جولائی ۶۳ء کو حزب مخالف کے لیڈر، شیوپا نے پریس کو بتایا کہ شراوتی پراجکٹ کی دھاندلی، عدالتی تحقیق کی متقاضی ہے۔ انہوں نے خصوصیت سے اس بات پر زور دیا کہ اسمبلی میں کئے گئے وعدوں پر نجلنگپا نے کوئی کارروائی نہیں کی ہے۔

قومی سطح پر کامراج ناڈر نے ایک دھماکے کی طرح ''کامراج پلان'' پیش کیا، جس کو دلی میں منعقدہ ایک میٹنگ میں اے آئی سی سی نے منظوری دے دی، یہ بات بھی سنی گئی کہ کامراج پلان، دراصل نہرو ہی کا پلان تھا، تا کہ غیر ضروری اور غیر اطمینان بخش

رشوت کا دخل نہیں تھا۔ اس جواب سے مخالفین کو تسلی نہیں ہوئی۔ نجلنگپّا پر حملہ کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو ایک اچھا کانگریسی کہا' اور یہ الزام لگایا کہ انتخابات منصفانہ طریقے سے نہیں ہوئے ہیں۔ کانگریس کو آلودگی سے پاک کرنے اور ریاست میں اسے اور بھی زیادہ مستحکم کرنے کیلئے اُنہوں نے بنگلور میں اکٹھا ہونے کا فیصلہ کیا۔ ۷/جون ۶۳ء کو ایس چنّیا اور ٹی۔ سبرامنیا نے اِس کا باقاعدہ اعلان' پریس کے سامنے کیا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ ان کی صرف ایک ٹولی ہے' جس کی اجارہ داری ہے' اور یہ کہ انہوں نے ووٹروں کی ایک بوگس فہرست تیار کر رکھی ہے' اور ایسے افسروں کو انتخابات کرانے کی ذمہ داری دی ہے جو متعصّب ہیں۔

اس دوران ۲۳/جون ۶۳ کو صدر کا انتخاب ہونا تھا' اور یہاں دونوں گروپوں میں تصادم ناگزیر معلوم ہو رہا تھا۔ توقع تھی کہ مقابلہ' محمد علی کولوّ رملپّا اور ہیچ یم چن بسپّا کے بیچ ہوگا' جس میں پہلے کے دو نام نجلنگپّا کے حمایتیوں کے تھے۔ نجلنگپّا کے حمایتی چاہتے تھے کہ محمد علی یا کولوّ رملپّا منتخب ہوں۔ دوسرا نام جو پیش کیا گیا' وہ ہلی کیری گڈیلپّا کا تھا جو نجلنگپّا کے گروپ سے وابستہ تھے۔ یم پی سی میں چونکہ نجلنگپّا کے حمایتیوں کی اکثریت تھی۔ امید کی جارہی تھی کہ انہی کا امیدوار منتخب ہوگا۔ حقیقتاً 201 ووٹوں سے محمد علی منتخب ہوگئے' جبکہ ان کے حریف امیدوار چن بسپّا کو صرف 23 ووٹ ملے۔ توقع کے مطابق چن بسپّا نے الزام لگایا کہ انتخاب میں بے انصافی ہوئی ہے' گو کہ نجلنگپّا' شور شرابے اور نام ونمود کے خواہش مند نہیں تھے' مگر کبھی کبھار' بہتر نتائج کے لئے ان کے استعمال کے زیادہ مخالف بھی نہیں تھے۔ اس دوران چینی حملے کے پیش نظر' تحفظ ملک کے لئے' عوام سے مالی امداد حاصل کرنے کی خاطر' ایک ملک گیر تحریک چلائی گئی۔

۲/جولائی ۶۳ء کو بیدر میں ایک عظیم الشّان جلسہ منعقد کیا گیا' جس میں نجلنگپّا اور

سرکاری پالیسی کو ٹھوس شکل دینے، اور ریاست میں کارخانے کھولنے والے سرمایہ داروں کو ہر ممکن تعاون کا بھی یقین دلایا گیا۔ اس دوران، حزب مخالف نے ان کی سرکار کے خلاف تحریکِ عدم اعتماد پیش کرنیکا منصوبہ بنایا۔ ۵/ اکتوبر ۶۳ء کو اسمبلی نے اس پر بحث کرنے کی منظوری دے دی، ۷ اکتوبر کو لیڈر لیس شیوپاؔ نے ان کی سرکار پر رشوت ستانی، بالخصوص شراوتی پراجکٹ، پر الزامات کی بوچھار کردی، دیگر الزامات میں کھادی بورڈ میں خُرد بُرد بھی شامل تھا ۔حسبِ توقع، 4 کے مقابلے 115 ووٹوں سے تحریکِ عدمِ اعتماد ناکام ہوگئی۔ اس موقع پر، دسہرہ کے ایک جلوس سے مخاطب ہوکر، کے ہنومنتیاؔ نے کہا کہ اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے ہی ہم لوگ، ہر میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ پتہ نہیں، اس میں ہنومنتیاؔ نے خود کو بھی شامل کیا تھا یا نہیں؟۔

یکم ستمبر ۶۳ء کو نجلنگپاؔ نے ''راجیوتسوا ڈے'' کے ایک پیغام میں ریاست کے عوام سے پُرزور اپیل کی کہ ان کی حکومت کے ہاتھ مضبوط کریں کہ ملک میں ترقی کے اعتبار سے کرناٹک کا نمبر ایک ہو، ساتھ ساتھ تحفظ ملک کا بھی برابر دھیان رہے ۔اس عظیم الشّان جلسہ میں، نجلنگپاؔ نے شراوتی پراجکٹ کا حوالہ دیا۔ انہوں نے پریس سے کہا کہ اس ضمن میں، کوئی عدالتی تحقیق نہیں ہوگی، اور یہ کہ وہ ایک قرطاسِ ابیض پیش کرنے کی سوچ رہے ہیں، جس میں صحیح اعداد وشمار ہوں گے، اور یہ کہ انہوں نے ذاتی طور پر تحقیق کے بعد، اطمینان کرلیا ہے کہ شراوتی کے ٹھیکہ میں کہیں بھی کوئی دھاندلی نہیں ہوئی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ یہ سب سیاسی چالیں ہیں، تاکہ عوام کو گمراہ کیا جاسکے۔ یہ بھی بتایا کہ شراوتی پراجکٹ کے لئے انہوں نے مرکز سے آئندہ سال کے لئے مزید بائیس کروڑ کی مالی امداد طلب کی ہے۔ انہوں نے یقین

کارکردگی کے اراکین سے پارٹی کو پاک وصاف کرلیا جائے' اور اس لئے بھی کہ سینئر اراکین ورہنماؤں کی خدمات' پارٹی کو مستحکم کرنے کے لئے استعمال کی جاسکیں۔

۱۱راگست ۶۳ء کو' نجلنگپّا نے ایک پریس کانفرنس کو بتایا کہ کامراج پلان کے تحت' وہ مستعفی ہونے کے لئے تیار ہیں کہ ان کی نظر میں سرکار اور پارٹی الگ الگ نہیں ہیں۔

۱۵راگست ۶۳ء کو یومِ آزادی کے موقع پر' آل انڈیا ریڈیو پر نشر کی گئی ایک تقریر میں' نجلنگپّا نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اپنے ذاتی اختلافات بھول کر' ملک وقوم کی بھلائی اور تعمیر کے لئے ایک جُٹ ہوکر کام کریں' جس سے ایک مضبوط ملک وقوم کی تشکیل ہوگی۔

۲۴ اگست کو'' کامراج پلان'' کے تحت' عہدوں سے سبکدوش ہونے والے قائدین کی ایک فہرست کا اعلان کیا گیا' جن میں مرکزی وزیر مرارجی دیسائی' جگجیون رام' لال بہادر شاستری' ایس کے پاٹل' بی گوپال ریڈی اور ڈاکٹر شری مالی تھے۔ تو وزرائے اعلیٰ میں کشمیر کے بخشی غلام محمد' اڑیسہ کے وجیانند پٹنائک' اتر پردیش کے سی بی گپتا' بہار کے ونود انند جھا اور مدھیہ پردیش کے بی اے منڈ ولائی تھے۔ یہ خبر گرم تھی کہ پارٹی ہائی کمان' نجلنگپّا کو بھی اس لپیٹ میں لے لے گا۔

نجلنگپّا نے اپنے مصمّم ارادے کا اعادہ کیا کہ ترقیاتی مہم میں' زراعتی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہر حال میں ہونا چاہئے۔ مثال کے طور پر' ہاویری میں کسانوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ انہوں نے کہا کہ قحط سالی سے نپٹنے کیلئے' ریاستی حکومت' منصوبے بنارہی ہے۔

۵ رستمبر ۶۳ء کو اسمبلی میں انہوں نے کنڑا زبان وکلچر کے فروغ کی پالیسی کو بڑھاوا دینے کا پھر سے وعدہ کیا۔ یہ بیان سرکاری زبان کی بل کے جواب میں دیا گیا۔ صنعتی ترقی اور زراعتی پیداوار میں اضافہ کیلئے ان کی

پر، کامراج پلان کے تحت کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رُکن کی حیثیت سے ان کا ارادہ اس صف میں شامل ہونے کا ہے۔ دس نامزدگیوں میں ان کا بھی نام تھا۔ کالج کے طلباء کی فیس کے اضافے کے نتیجے میں کوئی تینتیس دن تک پرانے میسور کے علاقوں میں ایک منظّم تحریک چلائی گئی...... نجلنگپّا اس سے بخوبی نپٹنے میں کامیاب ہو گئے اور ۱۵ جنوری ۶۴ء کو انہوں نے اعلان کیا کہ اس معاملہ کی جانچ کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی ۔رشوت ستانی کی روک تھام کے لئے نجلنگپا نے ودھان سبھا میں اعلیٰ افسروں کی ایک میٹنگ بلائی اور کہا کہ ایک ایسا قانون بنایا جائے جس سے رشوت خوروں اور نااہل افسروں کو سزا دینا ممکن ہو سکے۔

رشوت خور سرکاری ملازمین سے نپٹنے کیلئے قومی سطح پر یک رکنی کمیشن بٹھا کر ایک مثبت قدم اُٹھایا گیا جس کے سب سے پہلے کمشنر میسور ہائی کورٹ کے وظیفہ یاب جسٹس نٹو رسرینیواس راؤ تھے۔

ناراض کانگریس گروپ کے لیڈر ٹی۔ سبرامنیا نے میسور میں ایک جلسۂ عام سے مخاطب ہو کر کہا کہ برسر اقتدار کانگریس کے خلاف ایک علیحدہ کانگریس پارٹی کا وجود عمل میں آئے گا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ سینئر کانگریسی ان کے اس مشن میں ساتھ ہیں اس جلسہ سے خطاب کرنے والوں میں نجلنگپّا کے دو اہم مخالفین یعنی لیس چنیّا اور ہیچ۔ ایم۔ چنّابسپّا بھی تھے۔

ہنومنتیّا نے محسوس کیا کہ ایک عرصہ سے کانگریس میں غلاظت اکٹھا ہو رہی ہے۔ انہوں نے اخباری نمائندوں سے کہا کہ آنے والے انتخابات میں ریاستی کانگریس پارٹی سے غلاظت دُور کردی جائے گی اور نئی نسل کے ہونہار لوگوں کو شامل کیا جائیگا۔ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ نہرو خود اپنا عہدہ چھوڑ کر ایک مثال قائم کریں اور حکومت کے

دلایا کہ وہ اگلے دو سالوں کے بجٹ میں کوئی نیا ٹیکس نہیں لگائیں گے۔ انہیں پتہ ہے کہ عوام مزید ٹیکس ادا کرنے کے قابل نہیں ہے۔ ۱۴ رنومبر کو ایک بار پھر نجلنگپّا نے عدالتی تحقیق سے انکار کیا، اور وعدہ کیا کہ شراوتی کے تعلق سے اگلے دو تین ہفتوں میں وہ ایک قرطاسِ ابیض پیش کریں گے۔

۱۱ ردسمبر ۶۳ء کو دھارواڑ میں جن سنگھ لیڈر اٹل بہاری واجپائی نے کہا کہ شراوتی معاملہ میں عدالتی تحقیق ضروری ہے اور عوام یہی چاہتے ہیں۔ اتفاق سے، دوسرے ہی دن نجلنگپّا نے، دھارواڑ کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شراوتی کے مخالفین، دراصل، مایوس کن سیاسی مخالف ہیں، انہوں نے اپنا یقین دہرایا کہ کانگریس ملک کو ترقی کی راہ پر لے جانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنے وعدے کے برخلاف ۳۱ ردسمبر ۶۳ء کو اسمبلی نے ترقیاتی ٹیکس کی پالیسی کے تحت، تالابوں، نالوں اور بندھ کے پانی کے استعمال پر کسانوں سے ٹیکس کی وصولی کی منظوری دے دی۔

۴ رجنوری ۶۴ء کو سرکار کو ایک ہڑتال نُما صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ بنگلور ٹرانسپورٹ سروس کے مزدوروں کی ہڑتال کے سلسلہ میں، سٹی مارکیٹ کے پاس، ایک جم غفیر اکٹھا ہوگیا۔ پولیس کے بیان کے مطابق اُن میں دیکھی گئی بے اطمینانی اور غم وغصہ کے پیش نظر، ان پر گولی چلائی گئی، جس کے نتیجہ میں ایک شخص کی موت واقع ہوگئی، اور ایک شخص بُری طرح زخمی ہوگیا۔

نجلنگپّا کی سرکار کے ساتھ، بدامنی اور رشوت ستانی کی وارداتیں ہمیشہ قدم بہ قدم چلتی ہی رہیں جو الزامات کی شکل میں منظر عام پر آتی تھیں، مگر وزیر اعلیٰ نے کبھی سِپر نہیں ڈالی۔ انہوں نے پریس سے خطاب کرکے کہا کہ رشوت کا قلع قمع کرنے کے لئے اُن کی سرکار، ایک کمیشن بٹھانے کی سوچ رہی ہے۔ گویا، نجلنگپّا کا عندیہ ظاہر ہو رہا تھا کہ قومی سطح

میں موجود تھے۔ اس میٹنگ میں ایک اور رکن ہیچ یم چنّا بسپّا کو پارٹی سے باہر نکالنے کی تجویز، اگلی میٹنگ تک ملتوی کر دی گئی۔

جتّی نے ۲/ مارچ کو سال رواں ۶۵-۶۴ء کا بجٹ پیش کیا۔ یہ بجٹ' نئے ٹیکسوں سے پاک' خسارے سے بچاؤ کا بجٹ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سات لاکھ روپیوں کی بچت کا بجٹ تھا۔ اس دوران وڈیر کا تبادلہ' مدراس کے گورنر کی حیثیت سے ہو گیا' جن کی جگہ جنرل لیس۔ ایم۔ شری ناگیش نے لے لی۔ آخر کار' سرکار نے ۹/ مارچ ۶۴ء کو' اسمبلی میں شراوتی معاملہ پر' قرطاس ابیض پیش کیا' جس سے ناقدین کو تسلّی نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر ناراض کانگریسیوں کے لیڈر' انا راؤ گن مُکھی نے نشان دہی کی کہ اس قرطاس ابیض ہی سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بڑی رقم ' گھپلے کا شکار ہوئی ہے' اور یہ کہ ایسا لگتا ہے کہ پراجکٹ چلانے والے' ٹھیکیدار ہی ہیں' اور یہ کہ سرکار اور ٹھیکیداروں نے مل کر رقم لوٹ لی ہے۔

ایک اور ناقد جی۔ ڈ گپّا نے سرکار پر گہری چوٹ کی' اور تمسخرانہ لہجہ میں کہا کہ یہ وزیراعلیٰ کی ''ہاوَلی'' (تباہی) ہے۔ خود اُن کے اپنے ضلع میں اور یہ کہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ گن مُکھی کا الزام یہ تھا کہ اس ٹھیکہ میں طرفداری سے کام لیا گیا ہے' اور ایک ٹھیکیدار رامیّا کو غیر مستحق طور پر تیرہ لاکھ روپیے ادا کئے گئے ہیں' جبکہ دوسرے ٹھیکیدار' جیسے بسویّا اور بوریّا کو انہی حالات میں' رقم نہیں دی گئی ہے۔

مگر' شراوتی کے معاملہ میں نجلنگپّا کو' مرکزی وزیر آبپاشی' کے یل راؤ کی حمایت حاصل رہی۔ وزیر موصوف نے کہا کہ تحقیقاتی کمیشن کی کوئی ضرورت نہیں' اور یہ کہ ریاستی سرکار نے رشوت خوری کے الزام کی اطمینان بخش تردید کی ہے۔

ایک گروپ نے' جس نے اپنے آپ کو' کانگریس سداچار سمیتی بتایا' ایک بیان ۱۲/

ایک مشیر کے فرائض انجام دیں۔

انہوں نے اپنے بارے میں کہا کہ' اب تک انہوں نے کوئی ٹھوس فیصلہ نہیں کیا ہے' اور اسی لئے' ناراض گروپ کی ان میٹنگوں میں اب تک شرکت نہیں کی ہے' جن کے مہتمم ٹی۔ سبرا منیا وغیرہ ہیں' جن کا ارادہ ایک نئی سیاسی پارٹی کی تشکیل ہے۔ اس بات کی توثیق کی کہ وہ نجلنگپا کی قیادت سے مطمئن نہیں ہیں' مگر کس حد تک' اس کا جواب دے نہیں سکتے۔ بہر حال' انہوں نے بڑی دُور اندیشی سے اپنا منشاء ظاہر ہونے نہیں دیا۔

۲ر جنوری ۶۴ء کو امدادِ باہمی کے اداروں کی ایک کانفرنس میں نجلنگپا نے کہا کہ بھارت کے اہم مسائل' غربت' لاعلمی' بیروزگاری اور عدم اعتماد ہیں' مایوسی ومحرومی بھی ہیں۔ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہندوستان میں' امدادِ باہمی کے اداروں کے ذریعے ہی 'ایک طاقتور معاشرے کی تشکیل ممکن ہے۔ ان کے رفیق کار اور وزیر برائے امداد باہمی' رام کرشنا ہیگڈے کا مشورہ تھا کہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں پر' حکومت کا دباؤ کم کم ہی ہو' مگر انہیں کھلی چھوٹ دے دینا بھی' خطرے سے خالی نہ ہوگا۔

ایک چھوٹا سا حادثہ رونما ہو گیا۔ ۱۵ر فروری ۶۴ء کو نجلنگپا غسل کرتے ہوئے گر گئے' جس سے ان کے پاؤں میں تھوڑی سی چوٹ آئی' جس کے نتیجہ میں' اگلے دس دن کے سارے پروگرام منسوخ کردئے گئے' مگر دس دن سے پہلے ہی' انہوں نے' ریاستی ترقیاتی کونسل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگلے پندرہ سے بیس سال تک کے لئے' ایک مثبت ترقیاتی پلان بنائیں گے۔

کانگریس کے اندرونی اختلافات نے اپنا رنگ جمایا۔ ۲۳ر فروری ۶۴ء کو یم سی سی نے ایک قرار دادِ کے تحت' اپنے ایک اہم' دیرینہ' رکن و بانی ٹی۔ سبرا منیا کو پارٹی سے خارج کر دیا۔ اس میٹنگ کی صدارت' صدر کانگریس محمد علی نے کی اور نجلنگپا اس میٹنگ

۲۹ر مارچ ۶۴ء کو نجلنگپا نے عوام اور اراکین اسمبلی سے اپیل کی کہ متحد ہو کر ایک خوشحال کرناٹک کی تعمیر میں، ان کا ہاتھ بٹائیں۔ انہوں نے ریاست کی تقسیم کی بات کو پاگل پن قرار دیا، نجلنگپا نے اپنے پڑوسی ریاستوں سے دوستانہ سلوک روا رکھا، گوکہ ان کے ساتھ جائز مطالبات پر اپنا اختلاف ظاہر کرنے میں کوئی راز داری نہیں برتی۔ حکومت میسور نے، مثال کے طور پر، شراوتی پراجکٹ سے گوا کے لئے پچاس ہزار کیلوواٹ کی برقی قوت فراہم کی۔ گوا کے گورنر لفٹننٹ سچدیو نے نجلنگپا کا شکریہ ادا کیا۔ زراعت کو فروغ دینے کی غرض سے اسی سال، ہبال میں ایک زرعی یونیورسٹی کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔

حریفوں کو پارٹی سے نکال باہر کرنے میں ناکام ہونے پر، مایوس احتجاجی کانگریسیوں نے وہی کیا جس کی توقع تھی۔ یعنی انہوں نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر ایک نئی پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا۔ پریس نے خبر دی کہ چنیا، سبرامنیا اور ان کے ساتھی، جنوری یا فروری ۶۵ء میں پنچایت اور تعلقہ بورڈ کے انتخابات لڑنے کے لئے، ایک نئی پارٹی بنائیں گے۔ اس ضمن میں، ناراض کانگریسی، بنگلور میں جلد مل بیٹھیں گے۔ ان کی اہم شکایت یہ تھی کہ ریاستی سرکار اور میسور کانگریس تک رسائی صرف نجلنگپا کے حامیوں کو ہی حاصل ہے، اور یہ بات پارٹی ہائی کمان، خصوصاً صدر کامراج کے علم میں لانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ رشوت خوری کے انسداد کے لئے نجلنگپا نے، ۱۲ر مئی ۶۴ء کو، ترونڈرم میں منعقدہ، جنوبی زونل کونسل کی میٹنگ میں اعلان کیا کہ قومی وجلنس کمیشن کے خطوط پر 'ایک ریاستی وجلنس کمیشن کا قیام عمل میں آئے گا۔

۱۸ر مئی ۶۴ء کو، کامراج کے ہاتھوں، ہر موسم کے قابل بنائی گئی منگلور بندرگاہ کے افتتاح سے نجلنگپا کے کھاتے میں ایک اور کارنامے کا اضافہ ہو گیا، اس بندرگاہ پر کل پندرہ

مارچ ۶۴ء کو جاری کیا' جو شراوتی پر پیش کیے گئے قرطاسِ ابیض کے خلاف تھا۔ اس فورم نے الزام لگایا کہ قرطاسِ ابیض خود رقم کی دھاندلیوں کا صاف آئینہ پیش کرتا ہے' اس لئے عدالتی تحقیق ضروری ہے۔ اس تحریری بیان کو' اس فورم کے ترجمان چن بسپّا نے پریس کے سامنے جاری کیا۔ اس موقع پر' نجلنگپّا کے سارے حریف جیسے لیس چنیّا' گن مُکھی' مالی مری یپّا اور اے۔جی۔ رامچند رراؤ کے ساتھ ساتھ ایک آزاد امیدوار سی جے مکلپّا بھی تھے' جنہوں نے اپنا پرانا الزام دہرایا کہ سرکار نے پرانی ریاست میسور کے مفادات کو نظر انداز کر دیا ہے' اس لئے موجودہ ریاست کی تقسیم ضروری ہے۔ اس الزام کی تائید' پرانی ریاست میسور سے باہر کے لیڈروں نے کی۔

۱۷/ مارچ ۶۴ء کو' اسمبلی میں حزبِ مخالف کے لیڈر لیس شیوپّا نے نجلنگپّا کی علالت کو ایک متنازعہ فیہ مسئلہ کے روپ میں پیش کیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ وزیرِاعلیٰ کے صحت یاب ہونے تک' کسی کو قائم مقام وزیرِاعلیٰ بنایا جائے۔

۱۷/ مارچ کو' ویریندرا پاٹل نے الزام کی تردید کی کہ پرانے میسور کے علاقوں سے بے انصافی برتی گئی ہے' کرناٹک کے ایکی کرنا سمیتی کے لیڈر' اندانپّا دوڈامیٹی نے مُکلپّا کے خلاف آواز اٹھائی کہ انہوں نے تقسیمِ ریاست کی بات کی ہے۔ جتّی نے نجلنگپّا پر الزامات کا اعادہ کرتے ہوئے' ودھان پریشد میں کہا کہ آبپاشی کے پراجکٹوں سے عوام کا بھلا ہونا تو دُور کی بات' پر اس سے کروڑوں روپیوں کا نقصان ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے نئے پراجکٹ لینے میں دشواریاں حائل ہوں گی۔

۲۵/ مارچ ۶۴ء کو' صحت یابی کے بعد نجلنگپّا نے اعلان کیا کہ آلمٹی بندھ کے کام سے دستبردار نہیں ہوں گے۔ اس سلسلہ میں ستیہ گرہی احتجاجیوں سے اپیل کی کہ وہ احتجاج ختم کر دیں۔

فیصلہ کیا کہ مرکز سے درخواست کی جائے کہ پچاس ہزار ٹن چاول اور پچاس ہزار ٹن گیہوں فوراً فراہم کرے۔

اس وقت، نجلنگپّا کو قحط سالی اور مالی بحران نے بہت پریشان کیا۔ نجلنگپّا نے وِدھان پریشد میں اعلان کیا کہ بہت جلد آبپاشی کے پراجکٹوں پر ''ڈیولپمنٹ سرچارج'' لاگو کیا جائے گا۔ اجناس کے تاجروں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اجناس کی قیمتیں بڑھانی شروع کیں، بلکہ ذخیرہ اندوزی بھی کرنے لگے۔ نجلنگپّا نے متنبہ کیا کہ اگر اُن بیوپاریوں کی نیّت خراب پائی گئی تو حکومت سخت اقدامات کرنے سے گریز نہیں کرے گی۔ نجلنگپّا نے زراعت پیشہ لوگوں کی راحت رسانی کی کوشش کی، اور اسمبلی میں اعلان کیا کہ قحط سالی کے پیش نظر، محصول پر، سرچارج وصول نہیں کیا جائے گا، سرکار نے، حسبِ وعدہ اس اعلان پر سختی سے عمل کیا۔

مثال کے طور پر، شکر کی تقسیم میں دھاندلی کرنے والے بیوپاریوں کے لائسنس منسوخ کر دئے گئے۔ ان پریشانیوں کے ساتھ ساتھ، ناراض کانگریسیوں اور غیر کانگریسی حریفوں کے بار بار عائد کئے گئے الزامات کا بھی سامنا کرنا تھا۔ ۱۵/ جولائی ۶۴ء کو انہوں نے، اسمبلی میں اعلان کیا کہ شراوتی پراجکٹ کے سلسلہ میں عدالتی جانچ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسمبلی کے دس کانگریسی اراکین نے نجلنگپّا اور ان کے چند ساتھی وزیروں پر رشوت خوری اور عہدہ کے غلط استعمال کا الزام لگایا۔ ایسے چوبیس کیسوں کی فہرست، صدر کانگریس کامراج، وزیراعظم شاستری اور وزیرِ داخلہ گلزاری لال نندہ کو دی گئی۔

اس دوران، کالج کی شرح فیس کے مسئلہ پر، ہڑتالوں کا سلسلہ سا چل پڑا۔ کئی ایک مقامات پر دفعہ 144 نافذ کیا گیا۔ دھارواڑ، ہبلی بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ سرکار اس

کروڑ بیالیس لاکھ روپئے خرچ ہوئے تھے۔

سترہ سال سے وزیر اعظم کے عہدہ پر فائز رہنے والے تاریخ ساز نہرؔو کا دلّی میں ۲۷/مئی ۶۴ء کو انتقال ہو گیا' جس کے ساتھ ہی' ایک نئے دور کا آغاز ہوا...... صبح ان کی صحت خراب ہو گئی اور دوپہر کے دو بجے' اُن کی روح پرواز کر گئی۔ ان کے انتقال سے' ہندوستانی جمہوریت اور قومیت کے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان لگ گیا۔ ہر کسی کی زبان پر یہی سوال تھا کہ نہرؔو کے بعد کیا ہوگا؟ بیرونی ممالک میں یہ خدشہ ظاہر کیا جانے لگا کہ اُن کے انتقال سے سیاسی اُتھل پتھل ہوگی' اور غیر مستحکم حالات کا بول بالا ہوگا۔ تاہم ہندوستانی جمہوریتی نظام میں' تب تک اتنی پختگی و توانائی آچکی تھی کہ وہ کسی بھی ایسی غیر متوقع صورت حال کا دیدہ دلیری سے مقابلہ کر سکے۔

کامراؔج ناڈر نے' لال بہادر شاستری کو نہرؔو کا جانشین بنانے میں کلیدی رول ادا کیا' اور ۹/جون ۶۴ء کو شاستریؔ نے وزیر اعظم ہند کا حلف لیا۔ اُن کی کابینہ میں' جہاں اسی کابینہ کو برقرار رکھا گیا' وہیں سنجیوا ؔریڈی اور اندرؔا گاندھی کو بھی شامل کر لیا گیا۔ کامراؔج پلان کے تحت' ایس۔ کے۔ ؔپاٹل نے کابینہ سے استعفیٰ دیدیا تھا' انہیں پھر سے' شاستریؔ نے اپنی کابینہ میں شامل کر لیا۔

مرکز میں قیادت کی تبدیلی سے' نجلنگپؔا اور مرکز کے بیچ' تعلقات پر' کوئی اثر نہیں پڑا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہرؔو کے عہد میں تھوڑی بہت جو بے اطمینانی تھی' وہ جاتی رہی اور بہتر تعلقات کے ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔

اُن دنوں' پوری ریاستِ کرناٹک' قحط سالی کی گرفت میں تھی' اور ریاستی سرکار' ہر ممکن کوشش کر رہی تھی کہ عوام کی پریشانی میں کمی ہو۔ اس ناگہانی مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لئے' مرکز سے امداد کا پُرزور مطابہ کیا گیا۔ حقیقتاً ۱۹/جون ۶۴ء کو' میسور کی کابینہ نے'

اور پارٹی کے بیچ کا ناخوشگوار رشتہ۔ اس معاملہ کی جانچ کیلئے یم پی سی نے ایک ''سَمَن وَیا سمیتی''، یعنی مفاہمتی کمیٹی تشکیل دے دی۔

۱۱رنومبر۶۴ء کو منعقدہ اس کمیٹی کی میٹنگ میں، جس میں نجلنگپا بہ نفس نفیس پارلیمانی بورڈ کے ایک رکن کے ساتھ شریک تھے، یہ طے کیا گیا کہ یم پی سی کو پورے اختیارات و آزادی دی جائے کہ وہ ریاستی سرکار کو اہم پالیسیوں کے بارے میں اور ان کے عمل درآمد میں مناسب ہدایات دیتی رہے۔

۲۷رنومبر۶۴ء کو گلزاری لال نندہ نے راجیہ سبھا کو بتایا کہ نجلنگپا نے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات کا جواب دیا ہے، کرناٹک کے کانگریسی رُکن پارلیمان سی آر بسپّا نے اعلان کیا کہ اگر نجلنگپا کے خلاف الزامات ثابت ہو گئے تو وہ استعفیٰ دے دیں گے۔ ۱۷ر دسمبر۶۴ء کو میسور کے ناراض اراکین اسمبلی، شیوپّا کی قیادت میں، صدر ہند رادھا کرشنن سے ملے، اور ایک عرض داشت پیش کی، جس میں رشوت خوری، جانب داری اور انتظامی امور وغیرہ پر تحقیقات کی مانگ کی۔ اس میمورنڈم پر حزبِ مخالف کے بیالیس اراکین اسمبلی کے دستخط تھے۔

۲۶ر دسمبر۶۴ء کو ناراض گروپ کے لیڈر چنیّا نے بیان دیا کہ مرکزی کابینہ کی ایک ذیلی کمیٹی، نجلنگپا اور ان کے ساتھی وزیروں کے خلاف دھرے گئے الزامات کا جائزہ لے گی، اور اب اس کمیٹی کے سامنے الزامات اور جوابات تیار ہیں، نجلنگپا اور یم پی سی نے مرکز سے مطالبہ کیا کہ اقتصادی ترقی میں، ریاست کی مدد کرے۔

جنوری ۶۵ء کو نجلنگپا نے مرکز سے گذارش کی کہ ریاست میں ریل کی سہولتیں بڑھانے کے منصوبے بنائے، اور کرناٹک میں فولاد کا پانچواں بڑا پلانٹ بھی قائم کرے۔

کانگریس نے اپنے دُرگا پور کے ۶۹ رویں اجلاس میں، یہ فیصلہ کیا کہ زراعتی

سلسلہ میں کچھ بھی نہ کرسکی۔ تاہم کالجوں میں شرح فیس' کسی قدر گھٹانے کی تجویز کو مانتے ہوئے حکومت نے یقین دلایا کہ کالجوں کو ''گرانٹ ان ایڈ'' ملے گی۔ کرناٹک یونیورسٹی کے احاطہ میں منعقدہ' پرائیوٹ کالجوں کے اربابِ حل وعقد اور پرنسپالوں کی ایک میٹنگ میں انہوں نے یہ بیان دیا' جس کے بعد' ۲۸ راگست ۶۴ء کی صبح نو بجے' اس علاقے کے طلباء نے اپنی بھوک ہڑتال واپس لے لی۔

۶ رستمبر ۶۴ء کو' اخباروں نے اطلاع دی کہ پرائیوٹ کالجوں میں فیس گھٹا دی گئی ہے۔ شمالی کرناٹک کے سائنس اور آرٹس کے لئے سالانہ فیس ایکسو چوالیس (144) روپئے اور کامرس کے طلباء کی سالانہ فیس ایک سو ساٹھ (160) روپئے مقرر کی گئی۔ نجلنگپا نے طلباء سے اپیل کی کہ احتجاج ختم کر کے' پڑھائی میں دلچسپی لیں۔ اپنے اور ساتھی وزیروں پر دھرے گئے الزامات کے بارے میں' نجلنگپا نے اپنا موقف بدلا۔ انہوں نے ہائی کمان سے کہا کہ وہ ان کے خلاف تحقیقات کے لئے تیار ہیں' جس کا مطالبہ اسمبلی کے دس اراکین کر رہے تھے۔ پارلیمانی بورڈ کا خیال تھا کہ اس طرح کی تحقیق سے پارٹی کی کارکردگی میں سہولت ہوگی۔ ہائی کمانڈ نے کہا کہ ان الزامات کی جانچ' وزیر اعظم خود کریں گے' اور اگر کوئی ٹھوس ثبوت ملا تو ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھائیں گے۔

دراصل' یہی طریقۂ کار' پنجاب کے وزیر اعلیٰ پرتاپ سنگھ کیرون کے تعلق سے اپنایا گیا تھا۔ نجلنگپا نے نامہ نگاروں سے کہا کہ وہ تحقیقات کا خیر مقدم کرتے ہیں' اور وہ خود بھی اپنی صفائی کیلئے مواد اکٹھا کر رہے ہیں۔ پھر بھی ان کا یہی خیال تھا کہ تحقیقات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ الزامات بے بنیاد اور غیر اہم ہیں۔ نامہ نگاروں کو بتایا کہ انہوں نے الزامات کا ابھی کوئی جواب نہیں دیا ہے' ویسے جلد ہی وزارتِ داخلہ کو ایک رپورٹ پیش کریں گے۔ اس متنازعہ فیہ مسئلہ سے ایک اور تنازعہ ٹکرا رہا تھا' اور وہ تھا ریاستی سرکار

سے کرسیٔ وزارت طلب کی ہے۔

اس دوران، ریاست کے گورنر، شری ناگیشن کی جگہ، نئے گورنر وی وی گری نے لے لی۔ الزامات سے بے نیاز، شراوتی کا کام جاری رہا، اور مرکزی وزیر برقی قوت، کے ایل راؤ کے ہاتھوں، شراوتی کے پہلے برقی جنریٹر کا افتتاح عمل میں آیا۔ ۲۷ر دسمبر ۶۵ء کو، نجلنگپّا نے سوال جواب کے وقفہ کے دوران، اسمبلی کو بتایا کہ منگلور بندرگاہ کی تعمیر کے خلاف، سیاسی سرگرمیاں دیکھی جارہی ہیں، مگر، ان کی سرکار، مصمم ارادہ کرچکی ہے کہ وہ کسی بھی صورت بندرگاہ تعمیر کرواکر ہی رہے گی۔

۳۱ر جنوری ۶۵ء کو، ان کے جشن ولادت کے سلسلہ میں موجود پرستاروں سے خطاب کرتے ہوئے، انہوں نے کہا کہ وہ کانگریس کے ایک ادنیٰ خادم ہیں۔ انہوں نے یقین دلایا کہ جب تک اُن میں دَم خَم ہے، وہ کانگریس اور ملک وقوم کی خدمت کرتے رہیں گے۔ کامراج نے جلسہ کی صدارت کی، اور جلسہ کی رونق بڑھانے والوں میں نجلنگپّا کے رفیقِ دیرینہ سنجیوا ریڈی اور اُتلیہ گھوش بھی تھے، چونکہ اُن کا تعلق، غیر ہندی علاقوں سے تھا، تینوں نے اس بات کی تنبیہ کی کہ غیر ہندی ریاستوں میں ہندی مسلط کرنا ملک کی سالمیت کے خلاف ہوگا۔

ایک بات جو گاندھی جی نے اپنے پیچھے چھوڑی تھی، وہ تھی شراب نوشی پر مکمل پابندی، جس کو ہمیشہ ہی کانگریس نے قابل عمل سمجھا، مگر مالی اور انتظامی نقطۂ نظر سے اسے عملی جامہ پہنانے میں کافی دِقّت کا سامنا کیا۔ ایک حقیقت پسند اور ایماندار گاندھی وادی ہونے کے باوجود، یکم فروری ۶۵ء کو نجلنگپّا نے اسمبلی میں کہا کہ ٹیک چند کمیٹی کی رپورٹ کے پیش نظر، شراب بندی کی سرکاری پالیسی پر ازسرِ نو غور کرنے کا پھر سے وقت آگیا ہے۔ اسی سیاسی حقیقت کے پیش نظر انہوں نے، مرکز کو یہ صلاح بھی دی کہ ہندی کی پالیسی

اور دیہاتی منصوبوں کی کامیابی کے لئے ہر ممکن تدبیر کی جائے۔ دراصل، نجلنگپّا کی عرصۂ دراز سے یہی کوشش تھی کہ ایسا ہی ہو۔ ناراض گروپ نے حزبِ مخالف (جو اب تک ایک کُل ہند ادارہ کی شکل اختیار کر چکے تھے) کے ساتھ مل کر ''کل ہند انسدادِ رشوت پریشد'' کے نام سے' یہ مطالبہ کیا کہ نجلنگپّا اور ان کے ساتھی وزیروں کے خلاف' سارے الزامات کی تحقیقات کرائی جائے۔ اس کے سکریٹری' اے ڈی منّی نے بنگلور میں کہا کہ انہوں نے یہ مطالبہ تسلیم کرلیا ہے' تاہم اس نہج پر عدالتی تحقیق سے بیرونِ ملک سے ملنے والی تائید پر اثر پڑے گا۔

۱۸ر جنوری ۶۵ء کو' نجلنگپّا اور ان کی سرکار پر الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے' حزبِ مخالف کے لیڈر ایس شیوپّا نے مطالبہ کیا کہ نجلنگپّا مستعفی ہوجائیں' اور ازسرِنو انتخاب لڑیں کہ ان پر سے عوام کا اعتماد اُٹھ گیا ہے۔ انہوں نے تحریک عدم اعتماد پیش کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا۔

ریاستی وزیر داخلہ آر ایم پاٹل نے' الزامات کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ ایس ایس پی کے اراکین' محض اس لئے الزامات دھر رہے ہیں کہ وہ وزیر بننے میں کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ نجلنگپّا نے اسمبلی کو بتایا کہ اُن پر دھرے ہوئے الزمات کے جوابات' بہ حیثیت وزیراعلیٰ نہیں' بلکہ بحیثیتِ فرد ارسال کئے گئے ہیں۔ اس بات کو انہوں نے دہرایا کہ الزامات بے بنیاد ہیں۔ غیر ذمہ داری کے حامل ہیں' اور غیر متعلقہ ہیں' اس لئے کسی بھی تحقیق کے مستحق نہیں ہیں۔

حسبِ توقع' ۲۱ر جنوری ۶۵ء کو ۱۷۱ ووٹوں سے تحریک عدم اعتماد کو شکست ہوگئی۔ تائید کرنے والے صرف ۲۹ر اراکین تھے۔ اس وقت نجلنگپّا نے اپنی سیاسی ایمانداری کا ثبوت دیتے ہوئے کہا کہ یہ سچ نہیں ہے کہ ایس ایس پی کے کسی بھی رُکن نے اُن

سرحدی تنازعوں کے تعلق سے نجلنگپا اوران کی سرکار نے جس مسئلہ پر توجہ مبذول کی، وہ مہاراشٹرا میں گوا کے انضمام سے تعلق رکھتی ہے، نہ صرف حکومتِ میسور، بلکہ ریاستی عوام بھی اس معاملہ میں ناراض تھی، ۱۳ر مارچ ۶۵ کو، میسور کی قانون ساز اسمبلی نے گوا کے مہاراشٹر میں انضمام کی تجویز کی مذمت کی، اور ایک قرار داد اس تعلق سے منظور بھی کردی کہ یہ ایک سیاسی خطا ہے، اور مہاراشٹر کا مطالبہ حق بہ جانب نہیں ہے۔ اس سے پہلے، ۱۲ر مارچ کو، گوا اسمبلی کے حزبِ مخالف کے اراکین نے، اس انضمام کے خلاف آواز اٹھانے پر، نجلنگپا کا شکریہ ادا کیا تھا۔

۱۵ر مارچ ۶۵ ءکو، میسور اسمبلی میں یہ قرارداد پاس کی گئی کہ کم سے کم، دس سال تک، گوا کی حیثیت، بدستور قائم رہے، اور انضمام ناگزیر سمجھا جارہا ہے تو اس کا الحاق میسور ہی سے ہو۔ جب ریاست اور حکومت کئی ایک مسائل کا حل تلاش کررہے تھے، تو اپوزیشن کو اپنے مستقبل کی فکر کھائے جارہی تھی۔

۲۶ر اپریل ۶۵ ءکو خبر ملی کہ ناراض کانگریسیوں نے اپنا لائحۂ عمل تیار کرنے کے لئے، ایک کانفرنس بلانے کا ارادہ کیا ہے۔ انہیں، اس بات سے خوشی نہیں ہوئی کہ مرکزی کابینہ کی ذیلی کمیٹی نے نجلنگپا اوران کے ساتھی وزیروں کو الزامات سے بَری کردیا ہے، حزبِ مخالف کے لیڈروں نے، پہلی بار، ۹ر اپریل ۶۵ ءکو اسمبلی میں محصول میں اضافہ کے خلاف بھوک ہڑتال کی، بتایا گیا کہ برسرِ اقتدار پارٹی ہی کے اندر اس معاملہ میں اختلافِ رائے ہے۔

۲۸ر اپریل ۶۵ ءکو ناراض کانگریسی لیڈروں نے فیصلہ کیا کہ ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی جائے جس کا مقصد، ریاست کو ایک ایماندار، فعّال اور صاف ستھری سرکار ملے۔ میٹنگ میں شرکت کرنے والوں میں، ناراض کانگریسیوں کے ساتھ، حزبِ مخالف کے

کے عمل درآمد میں جلد بازی سے کام نہ لیں' اور یہ کہ یو پی ایس سی کے امتحانات' ہندی میں لکھنے کی پالیسی اور مرکز سے خط و کتابت' ہندی میں کرنے پر زور نہ دے کر' موجودہ پالیسی کو کم سے کم پندرہ سال تک جاری رکھا جائے۔

۲۲ رفروری ۶۵ ء کو' وزیر اعظم لال بہادر شاستری نے' لوک سبھا کو بتایا کہ مرکز نے' نجلنگپّا اور ساتھی وزیروں کے خلاف عائد کردہ الزامات کی تحقیق کی ہے' اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ کسی بھی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے۔

چونکہ فی الحال' رشوت خوری اور شراوتی پراجکٹ کے الزامات سے نجلنگپّا وغیرہ کو بَری کر دیا گیا تھا' اُن پراجکٹوں پر تیزی سے کام ہونے لگا۔ حکومت میسور نے' مرکز سے گذارش کی کہ پراجکٹ کا پورا خرچ برداشت کرے' مگر مرکزی وزیر کے یل راؤ نے' لوک سبھا سے کہا کہ یہ تجویز' قابل قبول نہیں ہے۔ میسور کے اراکینِ پارلیمان' آر جی دوبے اور سی آر بسپّا نے کہا کہ پراجکٹ پر خرچ کم ہوا ہے' اور چونکہ دیگر ریاستوں کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے' مرکز اس کا پورا خرچ برداشت کرے۔

کے۔یل راؤ نے اعتراف تو کیا کہ اقتصادی طور پر یہ پراجکٹ زیادہ خرچیلہ تو نہیں' تاہم مرکز اِسے اپنے ذمہ لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اب تک کوئی پچاس کروڑ روپئے اس پراجکٹ پر صرف ہوئے ہیں' اور بقیہ بیس کروڑ کی ذمہ داری' ریاست ہی پر ہے' درحقیقت' اس کی لاگت' بائیس کروڑ سے پچاس کروڑ ہوگئی ہے ۔ریاست چاہتی تھی کہ آبپاشی کی ضروریات کے لئے مرکزی امداد ضروری ہے۔

نار گند کے کسان پریشد کے ایک جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے نجلنگپّا نے کہا کہ ریاست میسور میں' صرف چھ فی صد سہولیات موجود ہیں۔ لہٰذا مرکز کو چاہئے کہ بپاشی کی مزید سہولتیں فراہم کرنے میں پیش پیش رہے۔

حسبِ روایت و مزاج٬ باہر سے آنے والوں کا٬ میسور خیر مقدم کرتا آیا ہے٬ اور اُن کے تہذیبی ورثہ کے تحفظ کا ضامن بھی ہے٬ بشرطیکہ وہ بھی اس ریاست کی ترقی و بہبودی میں برابر کا ہاتھ بٹاتے رہیں۔ یہ بات اہم ہے کہ انہوں نے اس کا اعلان ۱۰ر مئی ۶۵ء کو٬ کاروار میں کنڑا ساہتیہ سمیلن کے پینتالیسویں اجلاس میں کیا۔ نجلنگپّا نے کہا کہ مرکز کی عائد کردہ مالی پابندیوں کے پیش نظر٬ ریاست کرناٹک کو بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ریاستی ترقیاتی کونسل سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مالی بحران کی بدولت٬ تیسرے پلان کی کامیابی٬ حسبِ توقع نہیں ہے۔ پھر بھی٬ مدد کیلئے مرکز سے رجوع ہونا٬ ناگزیر تھا۔

انہوں نے کہا کہ انہوں نے وزیر اعظم سے گذارش کی ہے کہ میسور٬ گوا٬ آندھرا اور مدراس میں فولاد کے کارخانے کھول کر٬ ان ریاستوں میں پائی جانے والی تمام اشیاء کے بہتر استعمال کی گنجائش نکالی جائے٬ جس سے٬ ریاستوں کے اخراجات میں کمی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ کرناٹک میں٬ فولاد کا کارخانہ کھولنے کے لئے٬ ہاسپیٹ بہت مناسب ہے۔

۲۰ر جون ۶۵ء کو٬ نجلنگپّا نے شراوتی پراجکٹ کے دوسرے مرحلے کا افتتاح کرتے ہوئے٬ عوام سے وعدہ کیا کہ چوتھے پلان میں کالی پراجکٹ شامل کیا جائے گا۔ ریاست کے پانچویں پلان کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے٬ نامہ نگاروں کو نجلنگپّا نے بتایا کہ اس کی لاگت٬ کوئی پانچ سو کروڑ روپئے ہوگی٬ گو کہ میسور میں٬ خام اشیاء کی دستیابی بہت اطمینان بخش ہے٬ تاہم اس کی صنعتی ترقی بہت سست ہے۔ مثال کے طور پر٬ آبپاشی کی بہت توانا گنجائش کے باوجود٬ بہت کم زمین قابلِ کاشت بنائی گئی ہے٬ مگر انہوں نے

چند اراکین اور چند ایک آزاد اراکین بھی تھے۔ کانفرنس میں ٹی۔ سبرآمنیا نے کلیدی رول ادا کیا۔ ایک مبصّر کی حیثیت سے' اس کانفرنس میں' کیرلا کے کانگریس لیڈر' کے یم جارج اوران کے پانچ ساتھی بھی شریک تھے' نتیجتاً ۲۹ر اپریل ۶۵ء کو بنگلور میں ریاست میسور کے شہریوں کی ایک سیاسی کانفرنس ہوئی جس میں نوزائیدہ پارٹی کا نام' جھنڈے' نشان اور مقاصد کی نشاندہی کے لئے ایک ذیلی کمیٹی کی تشکیل طئے ہوئی تھی۔ اس ذیلی کمیٹی میں لیس چنیّا' ٹی سُبرآمنیا اور انا راؤ گم مُکھی تھے۔ انہیں اختیار دیا گیا کہ چار اور اراکین کو' بہتر نمائندگی کے لئے نامزد کرلیں۔

پاکستان اور چین کے ساتھ لڑی گئی جنگوں نے (وہ جنگیں حق بجانب تھیں یا نہیں اس پر یہاں بحث مقصود نہیں ہے) ملک کے دفاع پر آمادہ کردیا...... اس میں کوئی تعجب نہیں کہ کام جلد اور منظّم طریقے کا متقاضی تھا' جس کے لئے ریاستی وزرائے اعلیٰ پر مشتمل' ایک ڈیفنس کمیٹی' قومی سطح پر تشکیل دی گئی' تاکہ غیر متوقع حالات سے فوری طور پر نپٹنے میں سہولت ہو۔

۸ر مئی ۶۵ء کو دلی سے واپسی کے فوراً بعد' نجلنگپّا نے' نامہ نگاروں سے کہا کہ ملک کو اپنی دفاع کے لئے بیرونی ممالک سے اسلحہ طلب کرنا' نامناسب ہوگا۔ انہوں نے اپنے سیاسی حریفوں کی بنائی ہوئی نئی سیاسی پارٹی' جنتا پکشا'' کے بارے میں کچھ بولنے سے انکار کیا' ہاں اتنا ضرور کہا کہ اس کے بارے میں انہوں نے اخباروں میں پڑھا ہے۔

ایک ریاست سے دوسری ریاست میں جا بسنے کی ہندوستانی عوام کی سہولت و آزادی' دراصل' ریاستوں کے لئے ایک مسئلہ ہی ہے' گو کہ ہندوستان میں دوہری شہریت کی گنجائش نہیں' تاہم ''ابن الارض'' کا نیا شوشہ' چند برسوں سے زور پکڑتا جارہا ہے' میسور ایک ایسی ریاست ہے جہاں مختلف زبانیں بولنے والی اقلیتیں موجود ہیں۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی سیشن میں شریمتی اندرا گاندھی کے ساتھ ڈاکٹر ایس۔ نجلنگپا جی

دعویٰ کیا کہ اَب اُن کی سرکار‘ ترقی کی فضا ہموار کرنے کی کوشش میں لگی ہے۔

پانچواں فولادی پلانٹ ریاستوں کے درمیان‘ اختلافِ رائے کا شکار ہوگیا‘ بالخصوص میسور اور آندھرا کے بیچ۔ اینگلو امریکی ماہرین نے اپنی رپورٹ میں فولاد کے کارخانے کیلئے آندھرا کے وشاکھاپٹنم کا نام تجویز کیا تھا۔ افواہیں گرم تھیں کہ ہاسپیٹ کا نام کاٹ کر وشاکھاپٹنم کا نام تجویز کرنے کے لئے دباؤ ڈالا گیا ہے۔ اس سے نجلنگپّا کو تعجب تو ہوا‘ پر اُن کی نظریں‘ ہاسپیٹ پر برابر جمی رہیں کہ وہی بیحد مناسب جگہ ہے۔ انہوں نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ مرکز کی منظوری ملنے پر‘ وہ ہاسپیٹ میں فولاد کا کارخانہ کھولیں گے۔ مرکزی وزیرِ فولاد‘ سنجیوا ریڈی نے حیدرآباد میں کہا کہ گو کہ چوتھے پلان میں‘ فولاد کے صرف ایک کارخانے کے قیام کی تجویز رکھی گئی ہے۔ پر‘ ایک سے زیادہ کے قیام سے روکا بھی نہیں گیا ہے۔ اس لئے میسور اور مدراس کو پریشان نہیں ہونا چاہئے ۔۶ر جولائی ۶۵ء کو‘ پانچویں فولادی پلانٹ سے محروم کردئے جانے پر‘ ہاسپیٹ میں ایک احتجاجی جلوس نکالا گیا۔

میسور کو یہ پریشانی لاحق ہونے لگی کہ گوا کے‘ اگلے دس سال تک‘ کسی سے انضمام کو التواء میں رکھنے کے وعدے کے باوجود‘ مہاراشٹر پارلیمانی بورڈ پر دباؤ ڈال رہا تھا کہ اس مسئلہ پر از سرِ نو غور و خوص کرے۔ اس سے‘ گوا کے حزبِ مخالف کے لیڈر‘ ڈاکٹر سیکویراء کو جھٹکا سا لگا۔ میسور نے پُر زور احتجاج کیا کہ مرکز‘ بنڈوڈکر سے انضمام گوا پر تبادلۂ خیال کرنے جارہا ہے۔ یہ خبر بھی ملی ہے کہ اس معاملہ سے ناراض ہوکر‘ نجلنگپّا سرکار‘ مستعفی ہونے کے لئے تیار ہے۔ ریاستی وزیر ہیگڈے نے‘ وزیرِ اعظم سے کہا کہ میسور‘ اس بات کی مخالفت کرتا ہے کہ گوا کے انضمام کی بات پھر سے اٹھائی جائے۔ جواباً‘ وزیرِ اعظم نے کہا کہ پارلیمانی بورڈ نے اس پر ابھی اپنا فیصلہ نہیں سنایا ہے۔ وزیرِ اعظم

نے یہ بھی یقین دلایا کہ اس معاملہ کا مکمل جائزہ لیں گے۔ نجلنگپا نے تعجب ظاہر کیا کہ اس معاملہ کی اطلاع، مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ کو بھی نہیں دی گئی ہے۔ ایک اور تعجب خیز بات یہ تھی کہ، گوا کے صدرِ کانگریس، کا کوڈ کر سے بھی تبادلۂ خیال نہیں کیا گیا تھا۔ یہ بات نجلنگپا نے اس وقت کہی، جبکہ وہ ہبلی میں، کانگریس ورکروں سے خطاب کر رہے تھے۔ وہاں اِس الزام کی بھی انہوں نے تردید کی، کہ انہوں نے گوا میں، انضمام کے بارے میں عوام سے رائے شماری کی حمایت کی ہے۔

نجلنگپا کی حریف، جنتا پکشا نے، ۳۱ رجولائی ۶۵ ء کو ہبلی میں، اپنے ایک اجلاس میں، ایس چنیا کو، اپنا پہلا صدر چن لیا۔ اِس پارٹی میں، نجلنگپا کے سترہ (۱۷) مخالف اراکینِ اسمبلی کو، مجلسِ منتظمہ میں شامل کیا گیا، جن میں سبرامنیا، اے جی رام چندر راؤ، ین راجپا اور بنڈی گوڈا بھی تھے۔

تعجب اس بات کا تھا کہ منڈیر پر بیٹھے ہوئے ہنومنتیا کو شامل نہیں کیا گیا تھا۔

۴ راگست ۶۵ ء کو، نجلنگپا سرکار نے، نشہ بندی کی پالیسی میں تھوڑی سی ڈھیل دی ، جس کے تحت، ایک مقررہ مقدار میں غیر ملکی شراب نوشی کی اجازت دی گئی۔ ریاست بھر میں، شراب خانے کھولنے کے لئے لائسنس بھی جاری کر دئے گئے......

حسبِ توقع ہلّی کیری جیسے پُرانے سیاست دانوں نے اس نئی پالیسی کو بدقسمت قرار دیا، سرکار نے یہ اقدام، مالی بحران سے نپٹنے کے لئے ہی مجبوراً کیا تھا۔

ہیگڈے نے کہا کہ چوتھا پلان، کھٹائی میں پڑ گیا ہے، اور ۶۷۔۶۶ ء کو، ریاست کو ، حاصل شدہ رقم، صرف سینتالیس کروڑ ہے، اور یہ کہ مرکز سے مزید رقم کی توقع فضول ہے۔ مثال کے طور پر، قحط سالی سے نپٹنے کے لئے جہاں دس کروڑ روپیوں کی ضرورت تھی، اور مطالبہ کیا گیا تھا، وہاں مرکز نے صرف ایک کروڑ روپۓ فراہم کئے تھے، مگر اس سے

شری رام کرشنا ہیگڈے، شری بی۔ڈی۔جتّی اور آر۔گنڈوراؤ کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔نجلنگپا جی

حق میں سپر ڈال دی۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہوں نے یکلخت یہ فیصلہ کیوں بدل ڈالا؟ میسور کے صرف چار اراکینِ پارلیمان نے میٹنگ میں شرکت کی' بقیہ لوگ' شہر میں نہیں تھے۔ نجلنگپاؔ نے کہا کہ ۱۸ر جنوری ۶۶ء کو سوائے ایک کے تمام نے اندراؔ گاندھی کے حق میں فیصلہ کیا' پر اس ایک شخص کا نام بتانے سے انکار کیا...... قیاس کیا جارہا تھا کہ وہ ہنومنتیّاؔ ہی ہو سکتے تھے۔

۱۹ر جنوری ۶۶ء کو 196 ووٹوں کے مقابلے 335 ووٹوں سے اندراؔ گاندھی کو ہندوستان کا وزیر اعظم منتخب کر لیا گیا۔ اُسی دِن صبح گیارہ بج کر پانچ منٹ پر' کامراؔج کی صدارت میں اپنا لیڈر منتخب کرنے کے لئے کانگریس لیجیسلیچر پارٹی کی میٹنگ بلائی گئی۔ نندؔہ نے اندراؔ گاندھی کا نام تجویز کیا' اور سنجیواؔ ریڈی نے اُس کی تائید کی' ہنومنتیّاؔ نے مُراؔرجی کا نام تجویز کیا' جس کی تائید ٹیکارام پلی وَاؔل نے کی۔ دونوں امیدواروں نے اپنا اپنا ووٹ نہیں دیا۔ دو ووٹ ناقص قرار دئے گئے' اور جملہ 551 اراکینِ پارلیمان میں سے 526 موجود تھے۔

چونکہ اندراؔ گاندھی راجیہ سبھا کی رکن تھیں' تکنیکی طور پر اُن کے وزیر اعظم بننے میں کوئی خامی نہیں تھی' تاہم انہوں نے سیاسی نظام کے تقاضوں کے پیشِ نظر' لوک سبھا کا رُکن بننا بہتر سمجھا...... اُن کے انتخاب کے بعد' کامراؔج نے نامہ نگاروں سے کہا کہ اندراؔ گاندھی ایک بہترین ناظم کی حیثیت سے اُبھریں گی' اور یہ کہ اُن کی پالیسی وہی ہوگی جو کانگریس پارٹی طئے کرے گی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نظریاتی طور پر' وہ نہ دائیں بازو کی ہوگی اور نہ بائیں بازو کی۔

حالات سے ناراض ہو کر ۲۱ر جنوری ۶۶ء کو ہنومنتیّاؔ نے چندی گڑھ میں نامہ نگاروں سے کہا کہ کانگریس میں پارٹی نے' تمام جمہوری اختلافات کو کچل کر رکھ دیا ہے۔

پریشان ہوئے بغیر، ریاستی سرکار نے ایک ایسی ترکیب سوچی ہے، جس کے تحت، اگلے دو سالوں میں غلّہ کی قلت کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے گا۔

پہلا سیاسی جھٹکا اُس وقت لگا، جبکہ شراب نوشی کی پالیسی میں نرمی کا اعلان ہوا، جس سے ناراض ہوکر، وزیر، یشودھرا داسپّا نے استعفیٰ دے دیا۔ پالیسی میں اس نرمی سے پیدا شدہ مسائل کا حل ڈھونڈنے کے لئے یم پی سی کے صدر نے ایک میٹنگ بُلانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

دوسرا جھٹکا اُس وقت لگا جب تاشقند میں، وزیر اعظم لال بہادر شاستری کا، رات کے ایک بج کر دو منٹ پر، گیارہ جنوری ۶۶ء کو انتقال ہو گیا، ملک کی قیادت کا مسئلہ پھر سے سنگین ہو گیا، اور گلزاری لال نندہ کو، ایک بار پھر، عبوری وزیر اعظم کا حلف لینا پڑا......
واپسی پر، میسور ریاست میں شراب نوشی کی پالیسی پر حزبِ مخالف نے پھر سے حملے کئے، خصوصاً، جن سنگھ نے، جس کے لیڈر، جگناتھ راؤ جوشی نے، کانگریس کو ایک بے اصول پارٹی بتایا۔ قومی سطح پر، وزیر اعظم کی کُرسی کے لئے، دو امیدوار آگے آگے تھے، اندرا گاندھی اور مُرار جی دیسائی۔

نجلنگپّا نے پہلے پہل اندرا گاندھی کی مخالفت کی، مگر بعد میں تائید کا اعلان کیا۔ ۱۸ر جنوری ۶۶ء کو، انہوں نے، اس تائید کی وجہ بھی بتائی۔ وزرائے اعلیٰ نے، نندہ، چوہان اور کامراج کے نام پر غور تو کیا پر، فیصلہ بالآخر اندرا گاندھی کے حق میں ہوا......میسور کے رُکن پارلیمان ہنومنتیّا نے کہا کہ اگر مُرار جی کی تائید پر رضامند نہیں ہیں اور اندرا گاندھی کو قابل ترین قرار دینے میں تامل ہے تو بہتر ہے کسی تیسرے شخص کے بارے میں سوچا جائے۔ ریاست کرناٹک کے چند ایک اراکینِ پارلیمان نے، ناتجربہ کار اندرا گاندھی کے مقابل، تجربہ کار مرار جی دیسائی کو ترجیح دی۔ آخر کار انہوں نے بھی اندرا گاندھی کے

اس ضمن میں اُنہوں نے کبھی کورچشمی نہیں برتی۔

مثال کے طور پر، امداد باہمی سے پورا پورا اتفاق کرنے کے باوجود، ٹھوس دلائل فراہم کرنے پر، اُس سے سبکدوش ہونے پر راضی ہوگئے، چونکہ امداد باہمی سے چلنے والے ادارے فعّال و فائدہ مند ثابت نہیں ہو رہے تھے۔ نجلنگپّا آبپاشی کے پراجکٹ راست سرکار کے قبضہ میں رکھنے کے قائل تھے۔

۲/مارچ ٦٦ء کو ہیگڈے نے جو ریاستی بجٹ پیش کیا، اس میں کوئی نیا ٹیکس نہیں تھا۔ نجلنگپّا کی سب سے زیادہ طاقتور پالیسی، زراعت اور آبپاشی کے فروغ سے تعلق رکھتی تھی، مگر مالی مشکلات، تیزی کو روک دیتی تھیں۔ انہوں نے وزیراعظم اور کے۔ یل۔ راؤ کو خط لکھا کہ کرشنا پراجکٹ کو مرکزی پراجکٹ تسلیم کرلیا جائے۔ ریاست کے پاس خود اپنے جاری کردہ پراجکٹوں کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ آبپاشی کے دیگر پراجکٹوں کے لئے مرکز سے تین کروڑ روپئے طلب کئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اکثر لوگ شہر بنگلور و میسور دیکھ کر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ کرناٹک ایک خوشحال، ہری بھری ریاست ہے، جبکہ یہ ریاست غریب ہے، اور یہ کہ پچھلے پچاس سالوں میں اُس کی مالی حالت اتنی خراب کبھی نہیں ہوئی تھی، اسی لئے بار بار، مرکز سے مالی تعاون کے لئے رجوع ہونا پڑتا تھا۔

۱۰/مارچ ٦٦ء کو نجلنگپّا، وزیراعظم اور اشوک مہتہ سے دلّی میں ملے، اور گذارش کی کہ ریاست کی آبپاشی کی ضروریات پر زیادہ توجہ دیں۔ اُن کی کوشش تھی کہ ایک سو کروڑ روپیوں کی لاگت والے اپّر کرشنا پراجکٹ کو اپنے ذمہ لے لینے پر مرکز آمادہ ہو جائے۔

٦/اپریل ٦٦ء کو پلاننگ کمیشن کے نائب چیرمین، اشوک مہتہ نے بنگلور میں اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تیسرے پلان میں، میسور ریاست کی مجموعی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ مرکز وعدہ شدہ پوری رقم ادا کر نہیں سکا۔

اندراؔ گاندھی نے شاستریؔ کی کابینہ کے تقریباً تمام وزراء کو اپنی کابینہ میں، نہ صرف برقرار رکھا، بلکہ تین وزیروں کا بھی اضافہ کیا، جن کے نام تھے اشوک مہتہؔ، جی ایس پاٹھکؔ اور فخر الدین علی احمد۔ البتہ پچھلی کابینہ کے دو وزیروں کو، یعنی اے کے سین اور ہمایون کبیر کو نظر انداز کر دیا۔ جگجیونؔ رام، پہلے پہل آمادہ نہیں ہوئے، پھر کابینہ میں شامل ہونے پر رضامند ہو گئے۔

نئی مرکزی سرکار سے، نجلنگپّاؔ کے تعلقات ابتداءً خوشگوار تھے، دراصل اُن کی حیثیت پارٹی کے سینئر لیڈر کی تھی۔ انہوں نے اِندراؔ گاندھی کو وزیر اعظم کی کرسی تک لے جانے میں کافی محنت کی تھی۔ فی الحال، اُن کے مسائل، اپنی ہی ریاست اور اپنی ہی پارٹی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

گورنر کے اسمبلی سے خطاب کے جواب میں کی گئی بحث کے دوران، آزاد امیدوار سی۔ جے۔ مکپّاؔ نے وزیر اعلیٰ کے صرف اپنے حمایتیوں کے ساتھ بہتر سلوک پر روشنی ڈالی، اور زوردار تقریر کی کہ وزیروں میں کوئی تال میل نہیں ہے۔ ہر وزیر، دوسرے وزیر کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے، اور یہ کہ وزراء فضول تقریروں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے، ریاست میں ترقی صفر کے برابر ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے ریاست میں غلّہ کی کمی ہے، اور مالی حالت خراب ہے۔

شراب کی فروخت کی متنازعہ فیہ پالیسی کے بارے میں، نجلنگپّاؔ نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ اس سلسلے میں اُن کی اعلان شدہ پالیسی میں کوئی ڈھیل نہیں دی جائے گی۔ یہ بتانے سے انکار کیا کہ ایسی ڈھیل کب دی جائے گی، وزیر خزانہ و آبکاری، ہیگڈےؔ نے بھی کچھ بتانے سے صاف انکار کر دیا۔ نجلنگپّاؔ سرکار کی قابلِ ستائش پالیسی یہ تھی کہ اس میں حقیقت اور نظریاتی دُور اندیشی، دونوں کا امتزاج تھا۔

اور وہ یک روزہ کارروائی ہوگی۔

پارٹی کے اندر' نجلنگپّا کا اثر' رسوخ اور وقار' ہمیشہ کی طرح بلند تھا۔ بمبئی میں منعقدہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی ایک میٹنگ میں اٹھارہ اراکین نے دستخط کر کے' پارلیمانی بورڈ کی پانچ سیٹوں میں سے ایک سیٹ نجلنگپّا کے حق میں مختص کرنے کی اپیل کی کہ اُن کی بے بہا خدمات و تجربات کے پیش نظر وہ زیادہ مستحق ہیں' اس بورڈ میں نامزدگی کے لئے سینئر و تجربہ کار امیدواروں میں زبردست رسہ کشی چل رہی تھی۔ امیدواروں میں سنجیوا ریڈی' سنجیویّا' سی۔ بی۔ گپتا' ہنومنتیّا اور دیگر سینئر لیڈران شامل تھے۔ کامراج کی نصیحت پر' نجلنگپّا کو اس سے دُور رکھا گیا۔ کامراج نے واضح کیا کہ جنوب سے صرف ایک نمائندہ ہوگا۔ اگر ریڈی اور نجلنگپّا دونوں نے انتخاب لڑا تو ممکن ہے' دونوں ہار جائیں' کامراج کی خواہش تھی کہ نجلنگپّا انتخاب لڑیں' مگر سنجیوا ریڈی نے اپنی امیدواری واپس لینے سے انکار کیا۔

بمبئی کی تین روزہ میٹنگ کے دوران' اندرا گاندھی' کامراج اور نجلنگپّا نے سرحدی تنازعوں پر تبادلۂ خیال کیا۔ ۲۸ رمئی ٦٦ء کی ایک میٹنگ میں میسور کی کابینہ نے میسور مہاراشٹر' میسور کیرالا کے سرحدی تنازعوں کی یک رکنی کمیشن کے قیام کی فی الحال کوئی مخالفت نہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

یم پی سی نے اسے مسترد کر دیا' اور سینئر کانگریسی لیڈر رہلی کیری گڈیلپّا نے اس کی مخالفت کی۔ نجلنگپّا نے' بلگام ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی سے کہا کہ کمیشن کے قیام کے بارے میں قطعی فیصلہ ابھی نہیں کیا گیا ہے۔ کمیشن کی تجویز سے میسور ریاست میں مخالفت اور غصّہ کی لہر دوڑ گئی۔ نجلنگپّا نے نامہ نگاروں سے کہا کہ' جہاں تک انہیں معلوم ہے' عام انتخابات سے پہلے کمیشن کے قیام کی امید کم ہی ہے' مگر اس طرح کے بیانات سے

سچ تو یہ ہے کہ وعدہ شدہ نوے (۹۰) کروڑ روپیوں کے عوض صرف تیس کروڑ روپئے ہی فراہم کیے جا سکے۔ جہاں بیحد اہم ترقیاتی کام، کھٹائی میں پڑے نظر آ رہے تھے، وہیں ملک کی توانائیاں، ریاستی سرحدوں کے تنازعوں پر صرف ہوتی جا رہی ہیں۔مہاراشٹر سرکار نے مرکز پر دباؤ ڈالا تو کوششیں ثمر بار ہونے لگیں۔

۶رمئی ۶۶ء کو، اورنگ آباد میں اندرا گاندھی نے کہا کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی، ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی کی تشکیل دے گی، جو میسور اور مہاراشٹر کے بیچ سرحدی تنازعہ کا حل تلاش کرے گی، نجلنگپّا نے ردِّعمل ظاہر کیا کہ ایسی کمیٹی، صرف میسور اور مہاراشٹر کے تنازعہ کا احاطہ کرنے جا رہی ہے تو وہ اس کی مخالفت کریں گے، ویسے دوسرے تنازعے بھی شامل کرلیں تو خیر مقدم کریں گے۔ اس بات کا بھی اعلان کیا کہ ان تنازعوں سے نپٹنے کے دوران، وہ صرف چھوٹی موٹی تبدیلیاں ہی پسند کریں گے، جیسے لسانی بنیاد پر قریہ جات کا الحاق۔

انہوں نے اندرا گاندھی کے اس بیان کا خیر مقدم کیا کہ گوا کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کو دے دیا جائے۔ میسور۔مہاراشٹر کے سرحدی تنازعہ سے متعلق مجوزہ کمیشن کے تقرر پر، کرناٹک میں مخالفت زور پکڑتی گئی۔

ایکی کرنا سمیتی کے صدر نے ہبلی میں اعلان کیا کہ وہ اس خیال کی مخالفت کریں گے، مہاراشٹر کی، اس معاملہ میں اپنی ہٹ دھرمی سے، اندرا گاندھی کچھ برہم سی ہوئیں۔ انہوں نے میسور کے اراکین پارلیمان کے ایک وفد کو یقین دلایا کہ کمیشن تمام سرحدی تنازعوں کا جائزہ لے گی، ویسے صدر کانگریس کامراج نے واضح کیا کہ ۱۹۶۷ء میں ہونے والے عام انتخابات سے پہلے، کوئی کمیشن نہیں بٹھایا جائے گا۔ اس دوران انتخابی کمیشن نے یہ عبوری فیصلہ کیا کہ تیسرے عام انتخابات، فروری ۶۷ء میں ہوں گے،

میں اب تک نا کام رہے ہیں' ان سب بیانات کے باوجود' مرکز کمیشن بٹھانے پر اڑا ہوا تھا۔ انہیں شدید خدشہ تھا کہ بڑی بستیاں' مہاراشٹر میں شامل کردی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ اُن کی ستیہ گرہ' اُس وقت تک چلے گی جب تک کہ مرکز' کمیشن بٹھانے کا اِرادہ ترک نہ کردے۔

احتجاج کا آغاز' اُس تاریخی مقام' سُل دھال ریلوے اسٹیشن سے ہوا' جو گاندھی وادی احتجاج سے پہلے ہی مشہور ہو چکا تھا۔ کمیشن کے قیام کے خلاف جنوبی بلگام لوک سبھا حلقہ کے رُکن پارلیمان' ہچ۔ وی۔ کوجلگی نے اپنی رُکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۰ر جون ٦٦ ء کو کوئی 126 ستیہ گرہیوں کو حراست میں لے لیا گیا' اور پونہ بنگلور یکسپریس ریل کو روک لیا گیا۔

احتجاج پھیلتا گیا۔ ۱۱ کو گوکاک میں ۱۲ر کورائے باغ میں اس کی گونج سنائی دی' رفتہ رفتہ' بہت جلد' پورا شمالی کرناٹک' اس احتجاج کی لپیٹ میں آ گیا۔

اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے کہ یہ احتجاج' کسی لیڈر کے خلاف نہیں ہے' والی چنیّا نے' بلگام میں ستیہ گرہ کرنے والوں کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ احتجاج نجلنگپّا کے خلاف ہرگز نہیں ہے' بلکہ وہ تو نجلنگپّا کو اس احتجاج کا قائد قرار دیتے ہیں۔ اس احتجاج پر' ریاستی کانگریس سرکار' کشمکش میں پڑ گئی۔

یم پی سی سی کے صدر' محمد علی نے ۲۲ر جون ٦٦ ء کو دلّی میں یہ شک دُور کیا کہ حالیہ احتجاج یم پی سی سی کے خلاف ہے۔ البتہ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ احتجاج دراصل' صرف ڈسٹرکٹ کمیٹی کی طرف سے ہے' بڑھتے ہوئے احتجاج کا کچھ اثر مرکز پر پڑا ہوگا۔ اسی لئے وزیراعظم آندرا گاندھی اور صدر کامراج نے کہا کہ یک رکنی کمیشن کے قیام کے بارے میں پھر سے غور کریں گے۔ یم پی سی سی کے ایک وفد سے ملاقات کے وقت'

ریاست کے عوام کی ناراضگی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

۲۹رمئی ٦٦ ءکو بنگلور میں ملیشورم کی ایک یوتھ کانگریس کانفرنس نے ریاستی قیادت کی کڑی تنقید کی کہ دراصل' اسی سے ریاست کے مفادات کا سودا کیا جارہا ہے۔اس جلسہ کی صدارت کے یل راما کرشنا نے کی' اوراس کا اہتمام' سی پُٹا سوامی نے کیا۔

۲رجون ٦٦ ءکو' بلگام ڈی سی سی کی ایک میٹنگ میں شعلہ بیان شاعر' چنبّا نے کہا کہ نجلنگپّا' وزیراعلیٰ کے عہدہ سے مستعفی ہوجائیں' اور مجوزہ کمیشن کے خلاف' احتجاج کی قیادت کریں کہ ایکی کرنا سمیتی کی تحریکِ انضمام میں انہوں نے کلیدی رول ادا کرکے' اپنے آپ کو اس کا مستحق بنالیا ہے۔

بلگام ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی نے ایک کمیٹی' والی چنبّا کی صدارت میں تشکیل دی کہ کمیشن کے خلاف احتجاج کی تنظیمی کارروائی کریں' ستیہ گرہ' ۱۰رجون کو شروع ہونے والی تھی۔بنگلور کے روبندرا کلاکشیترا میں ہلّی کیری کی ساٹھویں سالگرہ پر منائے گئے جشن میں' نجلنگپّا نے خود اعلان کیا کہ وہ مجوزہ کمیشن کے خلاف ہیں' اگر ایسا ہوا اور سفارشات' مہاراشٹر کے حق میں کی گئیں تو وہ اس کی پوری مخالفت کریں گے 'اوراحتجاج کی قیادت کریں گے۔

انہوں نے پھر سے اس خیال کا اعادہ کیا کہ سرحدوں کے تعین میں' صرف اِدھر اُدھر تھوڑی بہت تبدیلیاں گوارا کریں گے۔اگر بلگام' کاروار' اور دوسرے بڑے شہروں کی موجودہ صورتِ حال میں ناقابلِ قبول تبدیلی ہوئی تو اُسے پوری طرح مسترد کردیں گے۔

۸رجون ٦٦ ءکو بلگام کے کانگریسی رہنماؤں نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ وہ نجلنگپّا کے اس مؤقف سے مطمئن نہیں ہیں' جسے وہ باربار دہراتو رہے ہیں' پر' مرکز کو قائل کرنے

ان تمام جھنجھٹوں کے باوجود ۱۷؍جولائی ۶۶ء کو' داونگرے میں یم پی سی کے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔ حسبِ توقع' سات سیٹوں کے لئے' نجلنگپّا کے حامیوں اور حریفوں میں مقابلہ ہونے جارہا تھا۔ انتخابات کے پہلے راؤنڈ میں' نجلنگپّا کے ساتوں اُمیدوار جیت گئے۔ ناراض گروپ کے لیڈر کولوّ رملپّا نے دعویٰ کیا کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔ آنے والے عام انتخابات نے یم پی سی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

نجلنگپّا نے نامہ نگاروں سے کہا کہ امیدواروں کا انتخاب' غیر متعصّبانہ ہوگا' اور اُن کی اب تک کی خدمات کے پس منظر میں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ گروہ بندی کو نظر انداز کردیا جائے گا' ہیچ۔ کے۔ ویرنّا گوڈا نے الزام لگایا کہ داونگرے کے پارٹی انتخابات میں' سرکاری وسائل و ذرائع کا غلط استعمال کیا گیا ہے۔

اسمبلی میں غیر کانگریسی اراکین نے' مخالفت کی کہ میسور اور مہارشٹر کے سرحدی تنازعہ کو سلجھانے کے لئے' کمیشن کا قیام مناسب نہیں ہے۔ نجلنگپّا نے پھر سے اپنا موقف دہرایا کہ اس تنازعہ میں وہ چھوٹی موٹی تبدیلیاں ہی گوارا کریں گے' اور کارواڑ' بلگام اور نپّانی شہروں کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

نجلنگپّا کے قابل اعتماد رفیق ہلّی کیری اور دوڈمیٹھی نے کمیشن کے قیام کا سرے سے اختلاف کیا۔ ۷ اگست ۶۶ء کو' میسور اور مہاراشٹر کے وزرائے اعلیٰ کی بنگلور میں بیٹھک ہوئی' جس میں مجوزہ کمیشن کے قیام کے بارے میں' تبادلۂ خیال کیا گیا' اُنہوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا' جس میں بتایا گیا کہ سرحدی تنازعہ کا دونوں نے مِل کر جائزہ لیا ہے' اور صورتِ حال سے نپٹنے کیلئے بہتر فضا ہموار کی جائیگی۔ اس ملاقات سے ایک دوسرے کے مؤقف کو سمجھنے میں مدد ملی ہے۔

اس موقع پر' نجلنگپّا کی فطری متانت وانکساری کا ایک واقعہ بیان کرنا' بہتر ہوگا......

انہوں نے یہ بات کہی۔

۲۵؍جون ٦٦ءکواس معاملہ پر تبادلۂ خیال کے لئے یم پی سی سی نے ایک میٹنگ بلائی' جون ٦٦ء کے اواخر تک احتجاج پُرتشدد ہوگیا' اور پولیس نے ہری ہراور داونگرے میں ۲۷؍جون ٦٦ کو گولی چلائی۔ ہری ہر میں پرکاش نامی لڑکا' پولیس فائرنگ سے ہلاک ہوگیا۔ ۲۸؍جون کو نجلنگپّا نے احتجاجیوں سے اپیل کی کہ احتجاج بند کردیں کہ اب مرکز کو پتہ لگنے لگا ہے کہ کرناٹک کے عوام کیا چاہتے ہیں۔

انہوں نے وعدہ کیا کہ ۵؍جولائی ٦٦ء کو دلّی میں ہونے والی کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں' یہ مسئلہ اُٹھائیں گے' میٹنگ سے ایک دن پہلے' میسور کے کانگریسیوں نے وزیراعظم سے ملاقات کی' اور میسور کے موَقف سے آگاہ کرایا۔ اُس وفد میں جتّی' ہلّی کیری' اپّنا گوڈا (صدر بلگام ڈی سی سی) اور ایم پی سی سی کے نائب صدر' کولور ملّپّا شامل تھے۔

اس سے ایک دن قبل' نجلنگپّا نے احتجاجیوں سے اپیل کی کہ چونکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی اس معاملہ کا ازسرِنَو جائزہ لینے جارہی ہے' احتجاج بند کردینا چاہئے۔ ۵؍جولائی ٦٦ء کو' میٹنگ میں' کانگریس ورکنگ کمیٹی نے' یہ مسئلہ' میسور اور مہاراشٹر کے وزرائے اعلیٰ کے حوالے کردیا' اور اُن سے کہا گیا کہ اگلے دو ماہ کے اندر مجوزہ کمیشن کے اختیارات پر فیصلہ کرلیا جائے۔ اُن سے یہ بھی کہا گیا کہ اگر وزرائے اعلیٰ' کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکے' تو ورکنگ کمیٹی پھر' اس پر بحث کرے گی۔

چوہان نے اس پر اعتراض کیا کہ اس طرح کرنے سے ورکنگ کمیٹی اپنے اگلے وعدہ سے مُکر رہی ہے۔ ١٦؍جولائی ٦٦ء کو' ہبلی میں کُل کنڑادانوں کے سمیلن نے کمیشن کے قیام کی تجویز ہی سے اختلاف کیا۔

مداخلت کی بالکل اجازت نہ دی جائے۔ یکم دسمبر ۶۶ء کو لوک سبھا نے' گوا کے انضمام کے بارے میں رائے شماری کی اجازت دے دی۔ ۳/ دسمبر ۶۶ء کو صدر ہند نے بنڈوڈکر کا استعفیٰ منظور کر لیا' اور گوا اسمبلی کو صدر ہند کے حکم نامہ کے تحت' زائل کر دیا گیا۔

چیف کمشنر نے کہا کہ جنوری ۶۷ء کے وسط میں رائے شماری ہونی چاہئے' مرکزی وزیر قانون' پاٹھک نے' لوک سبھا میں اعلان کیا کہ عام انتخابات فروری پانچ تا اکیس ۶۷ء تک ہوں گے۔

پینسٹھ سال کے نجلنگپا نے اپنے جنم دن ۱۰/ دسمبر ۶۶ء کو اعلان کیا کہ وہ اپنے پُرانے حلقہ' باگل کوٹ سے انتخاب لڑیں گے۔ انہی کے عہد میں' کرناٹک میں دوسری یونیورسٹی' یعنی بنگلور یونیورسٹی وجود میں آئی' کا افتتاح کرتے ہوئے ۱۰/ دسمبر ۶۶ء کو' انہوں نے کہا کہ اس یونیورسٹی کو مرکزی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہونی چاہئے' پر' یہ تجویز' صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔

انہوں نے اپنی پینسٹھویں سالگرہ پر عوام کو ایک انوکھا پیغام دیا کہ ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے ہر ممکنہ کوشش کرنی چاہئے۔ آگے چل کر خود کے بارے میں کہا کہ وہ ایک عام آدمی ہیں' اُن کی پیدائش سے آج تک اُن کی زندگی ایک عام آدمی کی سی زندگی رہی ہے۔ اُن کی تمنا ہے کہ اُن کی عمر لمبی ہو' تا کہ ملک وقوم کی بہتر خدمات انجام دے سکیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ایک اہم راز کا انکشاف کیا کہ وہ ہر رات' سونے سے پہلے' شاعری ضرور پڑھتے ہیں۔

ریاست میں جیسے جیسے' انتخابات قریب ہو رہے تھے' سیاسی پارٹیاں مصروف ہونے لگی تھیں۔ ۱۲/ دسمبر ۶۶ء کو یم پی سی سی نے' لوک سبھا اور ریاستی اسمبلی کے لئے امیدواروں کی فہرست کا اعلان کر دیا۔ اُن میں کئی ایک نئے چہرے تھے' اور پُرانے

انہوں نے اس تجویز کی پُرزور مخالفت کی کہ ان کا مجسمہ بنایا جائے گا' انہوں نے اِسے پاگل پن اور حماقت قرار دیا' اور مضحکہ خیز بھی کہ وہ ابھی حیات ہیں۔ انہوں نے اربابِ عقدوحل سے کہا کہ اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیں۔ ۵ر ستمبر ۶۶ء کو ناگپور میں ہوئی میٹنگ میں' نجلنگپّا اور وی۔ پی۔ نائک کے درمیان' بات چیت پھر سے لاحاصل رہی۔ ۱۰ر ستمبر ۶۶ء کی مجوزہ تیسری میٹنگ' نجلنگپّا کی علالت کی وجہ سے ہو نہیں پائی۔ ڈاکٹروں نے پانچ دن کے آرام کے لئے کہا تھا۔

۲۴ر ستمبر ۶۶ء کو دونوں نے' گفتگو کو لاحاصل ٹھہرایا' معاملہ پھر سے ورکنگ کمیٹی میں لوٹ آیا' ورکنگ کمیٹی نے یکطرفہ فیصلہ کیا کہ یک رُکنی کمیشن اس معاملہ کی جانچ کے لئے اپنا کام شروع کرے' جس میں' میسور' مہاراشٹر اور میسور کیرالا کے سرحدی تنازعوں کا احاطہ کیا جائے...... یہ اختیار کمیشن کو دیا گیا کہ متعلقہ فریقین سے تبادلۂ خیال کے بعد' متعلقہ اُمور کو دائرۂ کار میں شامل کرے۔ مرکز نے ۱۷ر اکتوبر ۶۶ء کو اعلان کیا کہ جسٹس مہر چند مہاجن اِن سرحدی تنازعوں پر بٹھائے گئے کمیشن کے یک رکن' مختارِ کُل ہوں گے۔ دونوں وزرائے اعلیٰ نے اُن کے تقرر کا استقبال کیا۔ لوک سبھا میں ہنومنتیّا نے کہا کہ اس معاملہ میں مرکز' اپنے کئے ہوئے وعدے سے مُکر کر' مہاراشٹر کے دباؤ میں آ گیا ہے۔ گوا کے انضمام پر ہو رہی بحث پر' اظہارِ خیال کرتے ہوئے' اُنہوں نے یہ بات کہی تھی۔

انہوں نے مرکز پر یہ الزام دھرا کہ مرکز نے انصاف و مساوات کے اُصول کو بالائے طاق رکھ کر' یہ قدم اُٹھایا ہے' کیونکہ گوا کے انضمام کا مطالبہ گوا کے عوام نے نہیں' بلکہ بنیادی طور پر مہاراشٹر نے کیا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ انضمام کے بارے میں' رائے شماری کے وقت' پوری احتیاط برتی جائے' اور اس معاملہ میں کسی بھی قسم کی دھاندلی نہ ہونے دی جائے...... بالخصوص بنڈوڈکر کو ووٹروں کی فہرست بنانے کے دوران'

اقتصادی توازن برقرار رکھنا ہے' اُن کا ہر قدم' ایک فرمانبردار کانگریسی کے ناطے' پارٹی کی پالیسی کے عین مطابق ہی اُٹھایا گیا۔ زراعت اور صنعت کاری دونوں' برابر توجہ کے مستحق قرار دیئے گئے تھے۔

بیرونی سرمایہ کاروں کی آمد کی اعلان شدہ پالیسی سے' لسانی بنیاد پر' نئی تشکیل شدہ ریاستوں میں مسئلہ کھڑا ہوسکتا ہے۔ اِس احساس کے ساتھ نجلنگپّا نے صنعت کاروں کے سامنے' بمبئی میں اعتراف کیا کہ گوکہ وہ خود لسانی ریاستوں کے حق میں تھے۔ پر اَب وقت آگیا ہے کہ اِس معاملہ میں نظر ثانی ہو' لسانی ریاستوں کو' نجلنگپّا اب اسلئے پسند نہیں کر رہے تھے کہ اِس سے ناپسندیدہ تبدیلیاں اور چھٹ مٹ تنازعے پیدا ہونے لگے تھے۔

''ابن الارض'' پالیسی کے وہ خلاف تھے کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اُنہوں نے پھر سے دُہرایا کہ ہندوستان ایک ہے' اس کے وسائل وذرائع پر بلا لحاظِ ریاست وسرحد' ہر ہندوستانی کا حصہ ہے' برابر کا حق ہے۔

گوا کے انضمام کے تعلق سے ۱۶ر جنوری ۶۷ءکو انتخاب عمل میں آیا۔ جس میں اسّی فی صد ووٹروں نے ووٹ دیا۔ نتیجہ کے اعلان سے پہلے ہی ۱۷ر جنوری ۶۷ءکو' یہ بات صاف ہوگئی کہ انضمام کے طرفدار' ہار گئے تھے اور انضمام کی محرک' مہاراشٹر گومنتک پارٹی نے شکست تسلیم کرلی۔

نتیجہ' انضمام کے خلاف تھا' تائید کرنے والے' ایک لاکھ اڑتیس ہزار ایک سو دس 1,48,110 تھے' تو مخالفت میں' ایک لاکھ بہتر ہزار دو سو بانوے 1,72,292 ووٹ تھے۔ اس شکست پر' نجلنگپّا اور کرناٹک نے اطمینان کا سانس لیا۔ نجلنگپّا نے ہارنے والوں سے ہمدردی جتائی۔ اس دوران' ریاست

لوگوں کو ٹکٹ سے محروم کر دیا گیا تھا' مثال کے طور پر' لوک سبھا کے لئے' ایس۔ وی۔ کرشنا مورتی راؤ اور سروجنی مہیشی کو ٹکٹ نہیں دیا گیا' جبکہ ڈاکٹر ناگپا آلوا کو' اسمبلی کی سیٹ نہیں دی گئی۔ ویسے' اس نامکمل فہرست میں ابھی پچیس حلقوں کے لئے امیدواروں کے نام کا اعلان ہونا باقی تھا۔

فہرست کا اعلان کرتے ہوئے یم پی سی سی کے صدر محمد علی کی جانب سے نجلنگپا نے نامہ نگاروں سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ آدھے سے زیادہ امیدوار بالکل نئے ہیں۔ اب کی بار چنے گئے امیدواروں کی خاص بات یہ تھی کہ اُن میں اکثریت' نوجوانوں کی تھی۔

انتخابات' دلچسپ ہونگے ہی' پر' ریاست کے ترقیاتی کاموں میں رُکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ شراوتی پراجکٹ کا تیسرا مرحلہ دسمبر ۶۶ء کے آخری ہفتہ یا جنوری ۶۷ء کے پہلے ہفتہ میں اور چوتھا مرحلہ اگلے دو ماہ میں شروع ہونے جا رہا تھا۔ انتخابی مہم پر' مرکزی پارلیمانی بورڈ نے' ریاستی کانگریس کے فیصلہ کو نظرانداز کر کے شمالی دھارواڑ حلقہ کے لئے سروجنی نائیڈو کا نام تجویز کر دیا......

اپنی وزارتِ اعلیٰ کے تیسرے دَور میں' دسمبر ۶۶ء کے اواخر میں' نجلنگپا نے اپنی ترقیاتی اور اقتصادی نظریات کا کھلے عام ذکر کرنا شروع کیا۔ مثال کے طور پر' ۱۸؍دسمبر ۶۶ء کو نپانی کے ایک کالج کی تقریب میں نجلنگپا نے کہا کہ ہر فرد کو چاہئے کہ ریاستی ترقی میں پورا پورا ہاتھ بٹائے اور اسی سے سماجی ترقی ممکن ہے۔

۲؍جنوری ۶۷ء کو صنعت کاروں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے' انہوں نے کہا کہ باہر سے آنے والے صنعت کاروں کو' ریاست میں سرمایہ لگانے کی پوری پوری سہولتیں فراہم کی جائیں گی' گو کہ اُن کی سب سے زیادہ محبوب فلاسفی'

ایس۔ آر۔ کنٹھیؔ، بی۔ ڈی۔ جتیؔ، یم۔ وی۔ راماراؤ، آر۔ یم پاٹلؔ، ویریندر اپاٹلؔ، بی راچیاؔ، رام کرشنا ہیگڈےؔ، کے پٹاؔ سوامی، ڈی۔ دیوراج ارسؔ، سی نارائنؔ گوڈا، محمد علیؔ، کے۔ وی۔ شنکرےؔ گوڈا اور یم۔ ناڈاؔ گوڈا کو کابینہ میں شامل کیا گیا۔

پُرانی کابینہ میں سے، یم وی کرشنپاؔ کو نظر انداز کر دیا گیا، اس لئے کہ وہ لوک سبھا کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ناگپاؔ آلوا، ہار گئے تھے۔ کے ملپاؔ کا انتقال ہو گیا تھا، اور یشودھرا داسپاؔ نے استعفیٰ دیدیا تھا۔

کابینہ کے ڈپٹی منسٹر، وائیؔ رام کرشنا، دیانند اساگرؔ، عبدالغفارؔ، اے۔ پی۔ اپناؔ، ڈی۔ بی۔ پوارؔ، ہیچ۔ سی۔ بوریاؔ، جی۔ بی۔ شنکر راؤؔ اور آلور ہنومنتپاؔ تھے۔

ہنومنتیاؔ کو، مرار جی دیسائی کی جگہ اڈمنسٹریٹیو ریفارمس کمیٹی کا چیئرمن بنایا گیا۔ ۲۴ر مارچ ۶۷ء کو بجٹ پیش کرتے ہوئے، وزیر خزانہ ہیگڈےؔ نے نشہ بندی کی پالیسی میں مزید نرمی کا اعلان کیا، جس سے مزید چار کروڑ روپیوں کی آمدنی متوقع تھی۔ زینات پر، محصول کا موجودہ طریقہ، رد کیا گیا، جس سے سالانہ، چھ تا سات کروڑ روپیوں کا گھاٹا متوقع تھا۔ بجٹ میں جملہ، دو کروڑ کا خسارہ بتایا گیا۔

جی۔ ایس۔ پاٹھکؔ نے ریاست کے نئے گورنر کا عہدہ سنبھالا، میسور کے لیڈروں نے مہاجن کمیشن سے گذارش کی کہ صورتِ حال کو بحال رکھے۔ ۲ر مئی ۶۷ء کو اسمبلی کارروائی روک دی گئی، جس پر، تھوڑی سی بے اطمینانی کا مظاہرہ ہوا، مگر وزیر اعلیٰ نے اِس کا جواز پیش کیا۔ ۲ر مئی سے، تین دن تک، اسمبلی کی کارروائیوں میں رُکاوٹ پڑتی رہی، اور آخر کار، پوری طرح ٹھپ ہو گئیں۔

۵ر مئی ۶۷ء کو، جنتا پکشا کے، کے ہیچ پاٹل نے نجلنگپاؔ پر سخت تنقید کی کہ اُنہوں نے اسمبلی میں ۲ر مئی کے واقعہ کی صحیح تصویر پیش نہیں کی ہے۔ انہوں نے ریاست کی اقتصادی

میں عام انتخابات ہوئے، گوکہ کانگریس اکثریت سے تو جیت گئی، مگر جیت پہلے کی طرح اطمینان بخش نہیں تھی۔

نجلنگپّا کو دھارواڑ کے شگاؤں حلقہ سے بلا مقابلہ چن لیا گیا۔ اُنہوں نے باگلکوٹ، ہڈگلی اور رائے باغ حلقوں سے بھی اپنی نامزدگی داخل کرائی تھی۔ جملہ 204 سیٹوں میں کانگریس نے 124 سیٹیں جیت لیں، اُس کی قریبی حریف پرجا سوشیلسٹ پارٹی کو صرف 20 سیٹیں ملیں، اور سوتنترا پارٹی کو 18۔ ناراض گروپ یعنی جنتا پکشا کو 9 جن سنگھ کو 4، ایس ایس پی کو 6 اور ایم پی ایس کو 5 سیٹیں ملیں۔ جہاں سی پی ایم اپنا کھاتہ کھول نہ سکی، وہاں سی پی آئی کو صرف ایک سیٹ پر اکتفا کرنا پڑا، البتہ آزاد امیدواروں نے جملہ 30 سیٹوں پر قبضہ جمایا۔

۲۴ رفروری ۶۷ ء کو نجلنگپّا نے اخباری بیان دیا کہ لوگوں نے اُن کی پارٹی کو پھر سے جتا کر، مزید پانچ سال کے لئے خدمت کا موقع دیا ہے۔ اُنہوں نے اُمید ظاہر کی کہ اِن پانچ سالوں میں، ریاست کے مسائل کا حل نکل آئے گا۔ اُنہوں نے بتایا کہ، جہاں بھی کانگریس کی ہار ہوئی ہے، وہ صرف اندرونی اختلاف کی بدولت، ممکن ہو سکا ہے، اور یہ اِن سب کے لئے، ایک اچھا سبق ہے کہ ایسی حرکتوں سے نقصان کس کا ہوگا، اور کس حد تک ہوگا۔

لوک سبھا میں بھی، پارٹی کی پوزیشن پہلے کی بہ نسبت، خراب ہی تھی، مگر پھر بھی، 27 میں سے 18 سیٹیں ملی تھیں۔ قومی سطح پر، کانگریس کو معمولی سی اکثریت ملی تھی، جو گذشتہ سالوں کی طرح، اطمینان بخش نہیں تھی۔

۲ ر مارچ ۶۷ ء کو نجلنگپّا کو، بلا مقابلہ، چوتھی بار، کانگریس کا لیڈر چن لیا گیا، اور انہوں نے ۱۲ ر مارچ ۶۷ ء کو اپنی کابینہ کا اعلان کر دیا، جس میں، چودہ منسٹر اور آٹھ ڈپٹی منسٹر تھے۔

میری زندگی میں، کُرسی کبھی اہم نہیں رہی۔

مالی بحران کے پیش نظر، متوقع اخراجات سے نپٹنے کے لئے سرکار نے سرکاری خرچ میں کمی کرنے کا فیصلہ کیا ہے، جس میں چند ایک عہدوں کی منسوخی، اور اسامیوں کو بھرتی نہ کرنا بھی شامل ہے۔ سینئر، جونیئر اسسٹنٹوں، اور چوتھے درجے کے ملازمین میں پانچ فی صد کی کٹوتی ہوگی۔

اسمبلی میں تھوڑی دیر کے لئے تموج سا اِس وقت آیا، جبکہ ایک سابق ایس ایس پی رُکن نے (جنہوں نے حال ہی میں کانگریس میں داخلہ لیا تھا)، سرکار کی پالیسی کی تعریف کی، جس پالیسی پر اُنہوں نے خود، کچھ عرصہ پہلے کڑی تنقید کی تھی۔

سیاسی حریف، قدم قدم پر نکتہ چینی کر رہے تھے، مثال کے طور پر، یکم اگست ۶۷ء کو، گوپال گوڈا نے اُس بیان کے خلاف آواز اٹھائی، جو اُنہوں نے دلّی میں دیا تھا کہ ۱۲ حزبِ مخالف کے اراکین، کانگریس میں شامل ہونے جا رہے ہیں، جس سے ریاستی اسمبلی میں کانگریس کی تعداد بڑھ کر ایک سو چالیس ہو جائے گی۔

۸ر اگست کو، پھر حزبِ مخالف نے، سرکار کو اُس وقت آڑے ہاتھوں لیا، جب سرکار اراکین اسمبلی کے بھتّوں وغیرہ میں اضافہ پر غور کر رہی تھی کہ ایسا نہ کرنا، ریاست کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ اِسے اُنہوں نے ایک عوام دشمن فیصلہ قرار دیا۔ ظاہر بات ہے کہ مالی حالت بہت خراب رہی ہوگی۔ تبھی تو ۲۳ر اگست ۶۷ء کو اعلان کیا گیا کہ یکم ستمبر ۶۷ء سے شراب نوشی کی کھلی اِجازت دے دی جائے گی۔

دریں اثناء، نجلنگپّا نے ۳۰ر ستمبر ۶۷ء کو اعلان کیا کہ مہاجن کمیشن کی رپورٹ، متعلقین تسلیم کر لیں، تا کہ، میسور اور مہاراشٹر کے بیچ چلے آ رہے سرحدی تنازعہ کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے۔ اُنہوں نے اعتراف تو کیا کہ میسور

حالت کے بارے میں، حکومت سے ایک بیان کا مطالبہ بھی کیا۔ دوسرے دن، مخالف اراکین نے، اسمبلی میں کڑی تنقید کی کہ سیشن مالی بحران کی وجہ سے ملتوی نہیں ہوا (جیسا کہ نجلنگپّا نے کہا ہے) بلکہ اُن کی پارٹی کے اندرونی اختلافات کی بنیاد پر ملتوی کیا گیا تھا، مگر اتنا ضرور ہے کہ ریاست میں مالی بحران، بیحد شدید ہے۔

۲۶رجون ۶۷ء کو، ہیگڈے نے اسمبلی کو بتایا کہ اُنہوں نے جو بجٹ مئی ۶۷ء میں پیش کیا تھا، وہ عبوری تھا، اور جبکہ، مرکز نے دو کروڑ روپیوں کی مالی امداد فراہم کی ہے، اس کے پیشِ نظر، بجٹ میں مناسب تبدیلی، ناگزیر ہوگئی ہے۔

نجلنگپّا نے، ۲رمئی ۶۷ء کو ایک طویل بیان مالی بحران کے بارے میں دیا تھا۔ اُنہوں نے اُس وقت کہا تھا کہ ''جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، میسور کے سامنے بے پناہ مسائل کے پہاڑ کھڑے ہیں، مَیں نے مرکزی سرکار اور پلاننگ کمیشن سے تبادلۂ خیال کے دوران، کئی بار واضح کیا ہے کہ میسور کے حالات، دیگر ریاستوں جیسے نہیں ہیں۔ اس لئے، مالی امداد ملنی چاہئے کہ ریاست کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ آمدنی کے راستے بھی محدود یا مسدود ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ مرکز کی طرف سے وعدہ شدہ امداد میں بھی کمی ہوسکتی ہے، اگر ایسا ہوگیا تو پتہ نہیں ہمارا حشر کیا ہوگا۔ مَیں پریشان ہوں کہ اس چھوٹے سے کپڑے میں، اپنا کوٹ کیسے کاٹوں؟ اگر امداد کم ملی تو پچھلے پراجکٹوں کی تکمیل کیسے ہوگی۔ مَیں نے ہمیشہ سے محسوس کیا ہے کہ زراعت اور آبپاشی کو فروغ دینا، ہمارا نصب العین ہے۔ اِسکے بعد، برقی پیداوار کو...... بجٹ تو صرف چار ماہ کے لئے پاس کیا گیا ہے۔ اِس کے بعد کے اخراجات کیسے برداشت کریں۔ یہ ایک دردِسر بن گیا ہے، کیونکہ اگلے آٹھ ماہ تک ہمارے پاس کوئی رقم نہیں ہوگی۔ مَیں اپنی قیادت کو آگے لے جانے کے حق میں نہیں ہوں۔

کاغذات داخل کروادئے۔ ایس۔ کے۔ پاٹل اور موہن دھاریہ بھی اُمیدوار تھے' یکم دسمبر ۶۷ءکو' کامراج نے دلّی سے کہلا بھیجا کہ اُنہوں نے نجلنگپّا کو اپنا جاں نشین بنانا منظور کرلیا ہے' اور یہ کہ اندرا گاندھی بھی نجلنگپّا کے حق میں ہیں۔ نامہ نگاروں نے تفصیلات فراہم کیں کہ کس طرح نجلنگپّا کو صدارت کے لئے منوایا گیا۔

۳۰ر دسمبر ۶۷ ر کو' نجلنگپّا پر دباؤ ڈالا گیا کہ صدارت کی ذمہ داری قبول کرلیں' پر' وہ قطعی فیصلہ کرنہیں پارہے تھے۔ اُسی رات' وزیراعظم کی رہائش گاہ پر' ایک میٹنگ ہوئی ' جہاں پارٹی کے بڑے ذمہ دار موجود تھے۔ اندرا گاندھی اور نجلنگپّا بھی موجود تھے۔

ایس۔ کے۔ پاٹل' برہمانند ریڈی' جگجیون رام' ستیہ نارائن سنہہ' فخرالدین علی احمد' دینیش سنگھ اور وی بی راجو' بھی وہاں موجود تھے۔

غالبًا' کامراج کو میٹنگ کی اطلاع نہیں تھی' بعد ازاں آدھی رات کو انہیں بھی بُلا لیا گیا۔ اتنا واضح ہوگیا کہ نجلنگپّا کو منوانے میں اندرا گاندھی اور ایس۔ کے۔ پاٹل کا بڑا ہاتھ رہا۔ مگر نجلنگپّا نے خود اس مصنفِ سوانح عمری کو بتایا کہ دراصل اُن کو رضامند کرنے میں اُن کے عزیز دوست کامراج کا بڑا دخل تھا۔

بہرحال' پریس کو اطلاع ملی کہ کامراج نے' نجلنگپّا پر زیادہ دباؤ' اِس لئے نہیں ڈالا کہ اُن کے میسور سے الگ ہونے پر' وہاں حالات ایک نیا مگر غیر اطمینان بخش موڑ لیں گے' اور مسائل میں اضافہ ہوگا' یا یہ ہوسکتا ہے کہ وزیراعلیٰ اور صدر کانگریس کے عہدے پر جمے رہیں' مگر کامراج نے اِسے پسند نہیں کیا۔ کامراج کی ناکامی کے بعد' اندرا گاندھی اور ایس۔ کے۔ پاٹل نے بھی مِل کر انہیں منوایا۔

۲ر دسمبر ۶۷ ءکو نجلنگپّا نے' بلگام میں' نامہ نگاروں سے کہا کہ صدر کانگریس کی حیثیت سے وہ عام رعایا کے لئے بہت کچھ کریں گے۔ یہ بھی کہا کہ وہ صرف اس لئے مان گئے

کو اپنا جائز حق نہیں ملا ہے، تاہم، بین الریاستی تعلقات کے پیش نظر، اِس رپورٹ کا تسلیم کر لینا بہتر ہے۔ یہ سچ ہے کہ، رپورٹ میں میسور سے انصاف نہیں کیا گیا تھا۔ اس نے پٹاسکر فارمولا رد کر دیا کہ ہر قریہ ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور بلگام، کاروار اور دیگر بستیوں کو مہاراشٹر کے حوالے کرنے کے خلاف رپورٹ دی گئی تھی۔ مہاراشٹر کے کونکنی زبان کی بحالی کے مطالبہ کو مسترد کر دیا۔ اُس نے سفارش کی کہ صرف ایک قریہ نہیں بلکہ قریوں کے گروپ کو ایک یونٹ (اکائی) کی حیثیت دی جائے، مگر مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ وی پی نائک نے اِس رپورٹ کو ۱۸؍ اکتوبر ۶۷ء کو مسترد کر دیا۔

۱۰؍ نومبر ۶۷ء کو، صدر کانگریس کامراج نے اعلان کیا کہ مہاجن کمیشن کی رپورٹ پر فریقین کی رضامندی لازمی ہے۔ اُنہوں نے تعجب ظاہر کیا کہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ رپورٹ کی مخالفت کر کے، تناؤ بڑھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نومبر ۶۷ء کے اواخر تک، صدر کانگریس، کامراج کے جانشین کے لئے چاروں طرف سے ایک اُمیدوار کی تلاش شروع ہوگئی۔ پارٹی کے ایک سینئر قائد کی حیثیت سے لازماً، نجلنگپا کو صلاح و مشورہ کے لئے مدعو کیا گیا کہ اِس نازک موقع پر کیا طریقہ کار اپنایا جائے۔

۱۷؍ نومبر ۶۷ء کو، بنگلور میں، نجلنگپا نے کہا کہ اندرا گاندھی خود، صدر بننے سے انکار کر رہی ہیں، فوراً یہ خبر گردش کرنے لگی کہ نجلنگپا کا نام صدارت کے لئے تجویز کیا جانے والا ہے۔

۲۶؍ نومبر ۶۷ء کو دلّی کی ایک رپورٹ سے پتہ چلا کہ نجلنگپا کے نام سے سب متفق ہیں۔ پَر یہ خبر بھی چھپی کہ نجلنگپا خود اس عہدہ کے خواہشمند نہیں ہیں کہ اس سے کرناٹک کے ترقیاتی کاموں کے لئے ضروری وقت نہیں ملے گا۔

۳۰؍ نومبر ۶۷ء کو ہنومنتیّا نے، کانگریس کی صدارت کے لئے اپنی اُمیدواری کے

امداد پر بھروسہ کرنے پر مجبور رہتا ہے' اور منصوبہ بندی' اسی امداد کی چوکھٹ میں رہ کر کرنے کے لئے بڑی عرق ریزی' جاں فشانی اور حکمت عملی کا تقاضہ کرتی ہے' گوکہ پچھلے چند سالوں سے' ریاستوں کو تھوڑی بہت خود مختاری ملی ہے' تاہم اب بھی تمام ریاستوں کی لگام مرکز ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے' نجلنگپّا کو مالی امداد کے لئے بار بار مرکز سے رجوع ہونا پڑتا تھا۔ پارلیمانی نظامِ حکومت میں' دوسری اہم رُکاوٹ سرکاری عملہ کے ڈھانچے سے تعلق رکھتی ہے۔ پارٹی کا ڈھانچہ کمزور ہوتا ہے جس میں اندرونی اختلافات کی بھرمار ہوتی ہے۔ خصوصاً اُس وقت' جبکہ پارٹی برسرِ اقتدار ہوتی ہے' جس سے حالات سنگین رُوپ دھار لیتے ہیں۔ اس طرح' ایک وزیرِاعلیٰ کی زیادہ تر توانائیاں اور اپنا قیمتی وقت' اُن اندرونی مسائل کو سلجھانے میں صرف ہو جاتے ہیں۔ ہم نے دیکھا ہے کہ نجلنگپّا کی اہم رکاوٹ حزبِ مخالف سے نہیں' بلکہ خود اپنی ہی پارٹی کے لوگوں سے تھی' کئی ایک جگہ' گوکہ کسی بھی پارٹی کے اکثریت میں نہ ہونے پر' حالات کوئی بھی موڑ لے سکتے ہیں۔ یہاں' اِن کے دور میں اصل خطرہ تو اپوزیشن سے نہیں' بلکہ اکثریت میں رہ کر ہی اُن کو دشواریاں پیش آ رہی تھیں' اپوزیشن کمزور اور غیر متحد تھی۔ اِس طرح نجلنگپّا کی سرکار کو کسی بڑی پریشانی کا سامنا کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

پارٹی کے اندرونی اختلافات کی نوعیت' کچھ ایسی تھی کہ اُن کا حل نکالنا تقریباً ناممکن تھا' اُن کے اختلافات کی کوئی ٹھوس بنیاد نہیں تھی۔ اختلافات' اکثر ذاتی تھے۔ اقتدار کی ہوس میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ناراض گروپ کی شکایتیں کبھی کبھار' بجا ہی لگتی تھیں۔ پَر اُن میں بھی ذاتی غرض کا زیادہ دخل ہوتا تھا۔

غرض اِن مسائل کے پس منظر میں' نجلنگپّا کی کارکردگی کا مجموعی جائزہ لیا جائے' تو

(وزیر برائے مملکت) اور نائب وزیر تھے۔

پاٹل کی کابینہ میں سترہ وزیر، پانچ وزیرِ مملکت اور گیارہ نائب وزیر تھے۔ اتفاق سے' دو نائب وزیر اے پی اَپّنا اور ایس ایم سوگی' اور یہ خاکسار (مصنفِ سوانح حیات) اس صدی کی چوتھی دہائی کے آس پاس' مدراس کرسچن کالج میں شاگرد رہے ہیں۔

اِس تفصیلی جائزے کے ساتھ' نجلنگپّا کا وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے' یکم نومبر ۱۹۵۶ء سے ۱۳ر مئی ۱۹۶۸ء تک کی زندگی کا' ایک اہم باب ختم ہوتا ہے۔

اب ہم آگے چل کر' صدر کانگریس کی حیثیت سے' اُن کی خدمات کا جائزہ لیں گے' جس میں کانگریس کی تقسیم' اُس سے پیدا شدہ مسائل' اس میں اُن کے اہم رول کا احاطہ ہوگا' مگر وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے' اُن کی زندگی کا اہم باب' اِس نہج پر' ہم سرے سے ختم نہیں کر سکتے جب تک کہ اُن کی راہوں میں حائل دشواریوں کا اجمالاً ذکر نہیں ہو جاتا ...... مختصراً یہ کہ باب کا خاتمہ' ایک تھیوریٹکل' نقطۂ نظر سے کرنا ہوگا۔

اِس تفصیلی جائزہ کے لئے' ہمیں شروع کے اوّلین بابوں کا سرسری جائزہ لینا ہوگا کہ کب کب' کہاں کہاں' کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں' مگر اِس کے تنقیدی جائزے سے پہلے' وزیر اعلیٰ کی محتاط پابندیوں کا بھی اندازہ ہونا چاہئے' جس کے اندر محصور ہو کر' اپنی ایک الگ پہچان بنا سکتا ہے۔

سب سے پہلی سرحد تو دستورِ ہند ہے' جس میں وزیر اعلیٰ کے اختیارات اور طریقۂ کار کی حدود مقرر کی گئی ہیں کہ وہ کس طرح وزیر اعلیٰ بن سکتا ہے۔ اِس میں اپنی جیسی دیگر اکائیوں کا بھی ذکر ہے کہ کس طرح دیگر ریاستوں کے شانہ بہ شانہ وہ مرکز سے وسائل و ذرائع حاصل کر کے اختیارات کا استعمال کر سکتا ہے۔ یہ کام گویا' بڑا صبر آزما ہے کہ مالی وسائل کی دیوار' ہر قدم پر راستہ کاٹتی ہے۔ کوئی بھی وزیر اعلیٰ' مرکز کی مالی

وہ ایک باکمال رکن پارلیمان تھے، جس کا اندازہ پارلیمان کی شائع شدہ رپورٹوں کی ورق گردانی سے ہوتا ہے۔ اُن کا اندازِ گفتگو، شیریں اور درشتی سے بالکل پاک تھا، ایسا نہیں کہ اختلاف کرنا نہیں آتا تھا۔ پلٹ کر حملہ کرنے کی خو تھی، پر، اُس کا استعمال منصفانہ ڈھنگ سے کیا۔ سچائی، احباب میں بانٹ لینے کے عادی تھے۔ اُن کی خوبیوں کا جائزہ، اُن کے کارناموں کی روشنی میں ہی لیا جاسکتا ہے، مگر یہ ایک امرِ مسلّم ہے کہ کسی بھی وزیراعلیٰ کی کارکردگی کا معیار، اُن کی پالیسیاں ہیں۔ اِن کے بعد آنے والے وزرائے اعلیٰ کے کارناموں سے موازنہ کیا جائے تو اِن کا ریکارڈ کسی بھی لحاظ سے، غیر معمولی ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

پالیسیوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو، اُسے دو تاریخی ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا، مختصر سا دور...... یکم نومبر ۵۶ء سے ۸/مئی ۱۹۵۸ء تک، اور دوسرا مئی ۱۹۶۲ء سے مئی ۱۹۶۸ء تک۔

ریاست کی تشکیلِ نو کے پہلے دور میں، نجلنگپا کیلئے سب سے زیادہ صبر آزما کام، پڑوسی ریاستوں سے منتقل شدہ علاقوں کے الحاق کے بعد سے پیدا شدہ مسائل کا تھا۔ مختلف ماحول سے آئے ہوئے لوگوں اور معاشروں کو، ریاست کے اہم دھارے میں شامل کرنا، اور وہ بھی منصفانہ ڈھنگ سے...... کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ علاقائی انضمام، اُس کے بعد قانونی انضمام، سرکاری سطح پر نظم ونسق کا انضمام، ثقافتی طرزِ زندگی کا انضمام، غرض ان سب سے اطمینان بخش طریقہ سے نپٹنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، مگر سب سے زیادہ مشکل تو ذہنی انضمام کی تھی۔

اگر ریاست کرناٹک پچھلی چار دہائیوں سے صحیح وسالم ہے تو اِس کا سہرا، حقیقی معنوں میں نجلنگپا کے سر جاتا ہے، جنہوں نے ایک بیحد مضبوط بنیاد قائم کی۔ یہاں

نسبتاً بہتر کارکردگی کی سند دی جاسکتی ہے۔ ریاست کے ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے سیاسی، سرکاری اور عوامی سطح پر تناؤ بنا رہا۔

شائد اُن کا سیاسی نظم و نسق، کسی قدر پُر اثر نہ رہا ہو سیاسی مدوجزر اور خود اُن کی شخصی زندگی میں کبھی کبھار تال میل بہتر نہیں رہا، وہ طبعاً، اس قدر شریف تھے کہ بادِ مخالف سے نپٹنے میں حکمت عملی زیادہ سخت و مؤثر نہیں ہوتی تھی۔

گو کہ کئی ایک محاذ پر، انہیں کامیابی ملی، جیسے ''ایکی کرن'' (انضمام) اور کانگریس میں پھوٹ وغیرہ پر مشکل حالات سے نپٹنے میں انہیں کافی دشواری ہوئی۔ پھر بھی، ریاست میں امن و امان کی بحالی، کالج کی شرحِ فیس کا ہنگامہ، گوا کے انضمام کا مسئلہ، میسور مہاراشٹر کا سرحدی تنازعہ...... یہ سب مسائل، کسی نہ کسی حد تک اطمینان بخش طور پر حل کر لئے گئے۔ یہاں، ہر گام پر اُن کے صبر و تحمل نے اُن کا بھرپور ساتھ دیا۔

جہاں تک افسرانِ بالا سے نپٹنے کی بات ہے، نجلنگپّا کا ریکارڈ صاف ستھرا تھا، اور متنازعہ فیہ کبھی نہیں رہا۔ تعلقات، افسروں کے ساتھ نہایت خوشگوار تھے۔ کہیں کوئی ایسا واقعہ نظر نہیں آیا، جہاں کسی پالیسی پر سکریٹریوں سے ٹھن گئی ہو۔ ساتھی وزیروں کے ساتھ بھی برتاؤ ہمیشہ مشفقانہ بزرگ کا سا ہوتا تھا۔ عوام میں اُن کی حیثیت ایک سیدھے سادھے ایماندار اِنسان کی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اُن کی شخصیت دلچسپ نہیں تھی، تاہم اُن میں قیادت کی خوبیاں، کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ اقتدار کی تقسیم، اُن کا صحیح استعمال، سادگی، شرافت، مادہ پرستی سے فاصلہ، اِن تمام کی موجودگی سے اُن کی شخصیت عوام کی نظر میں قابلِ احترام ہوگئی تھی۔ اسمبلی میں، برسراقتدار پارٹی کے قائد ہونے کے باوجود، دیگر مخالف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ اُن کا رویّہ، ہمدردانہ، مساویانہ اور تعمیرانہ ہوا کرتا تھا۔ اراکینِ اسمبلی سے انکساری سے ملتے تھے۔

اِس مصنف سے بات چیت کے دوران اُنہوں نے حسب عادت' اِنکساری سے کہا کہ شراوتی پراجکٹ اور مفلس ونادار لوگوں کو ماہانہ وظیفہ دینے کی اُن کی پالیسی پر اُنہیں اطمینان ہے۔ یہ دو پالیساں انہیں پسند تھیں' اُن کے حسنِ اخلاق کے ساتھ ساتھ' ہم اُن کے کارناموں کی لمبی فہرست کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ بجا طور پر اِنہیں کرناٹک کا' معمارِ اعظم' کہا جا سکتا ہے' جسے جوارے گوڈا کی زبان میں' کرناٹکاروُوری' کہنا بہتر ہوگا ۔اِن کی سوانح عمری سب سے پہلے جوارے گوڈا ہی نے لکھی۔

۱۹۵۶ء میں جیسے ہی انہوں نے وزیر اعلیٰ کا عہدہ سنبھالا' اُنہوں نے اگلے سال مئی کے مہینے میں' شراوتی آب رسانی پراجکٹ کا سنگِ بنیاد رکھا' گو کہ مخالفت زوروں پر تھی۔ اِس کی تکمیل میں پورے چھ سال لگے' جو نسبتاً کوئی طویل عرصہ نہیں ہے۔اُن کا خیال تھا کہ آبپاشی کا منصوبہ' ہماری کسان پیشہ آبادی کے لئے بہت اہم اور کارآمد ہے۔اس سے غربت اور بے روزگاری دور کرنے میں مدد ملے گی' یقیناً' اُن کو ملک کا نہایت فعّال اور دوراندیش وزیر اعلیٰ کہنا بہتر ہوگا۔

انہوں نے نارائن پورہ' اپرّ کرشنا پراجکٹ اور آلمٹی بندھ پر کام کی شروعات کیں' اور لال بہادر شاستری کے ہاتھوں اُن کا سنگِ بنیاد رکھوایا...... اِس کے بعد' اندرا گاندھی کے ہاتھوں' مالا پر بھا پراجکٹ کا سنگِ بنیاد رکھوایا۔گھٹا پر بھا' ہیماوتی' ہارنگی اور کبینی پراجکٹوں کے لئے بھی اُنہوں نے ابتدائی کارروائیاں کیں۔ اِن پراجکٹوں سے کرناٹک کے ان گنت کسانوں کو بے انتہا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ساتھ ساتھ' جنگلاتی ترقی کے منصوبوں پر بھی اِن کی برابر توجہ رہی۔

شہرِ بنگلور کو پینے کا پانی فراہم کرنے میں کاویری پراجکٹ کا خاکہ بھی انہی نے تیار کروایا تھا۔اِسی پالیسی کے تحت' بلگام' منگلور' میسور' بلاّری اور چترادرگا جیسے بڑے شہروں

آندھرا اور مہاراشٹر کی طرح علاحدگی پسندی کی کوئی تحریک نہیں چلی ۔ یہاں زراعت اور آبپاشی کی پالیسیوں کو جس ڈھنگ سے روبہ عمل لایا گیا، وہ ایک عظیم کارنامہ ہے ۔ برقی قوت کی پیداوار ایک ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے ۔ شراوتی پراجکٹ ایک زندہ جاوید کارنامہ ہے، جس سے زراعت، صنعت، برقی قوت، سبھی وابستہ ہیں ۔ اگر یہ مان بھی لیں کہ شراوتی کی تکمیل کے دوران، اِدھر اُدھر کچھ خامیاں رہ گئیں تو وہ بھی بالکل محدود پیمانے پر، اس حد تک کہ رشوت خوری کا الزام اِن پر کبھی نہیں آیا...... دراصل، اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگوں کی رشوت ستانیاں اور دھاندلیاں، نجلنگپّا کے بعد کی پیداوار ہیں ۔

وزیرِاعلیٰ ہونے کے دوسرے دَور میں، اُن منصوبوں کی تکمیل کا بیڑہ اُٹھایا گیا، جو پہلے دَور میں مکمل ہو نہیں سکا تھا ۔ اِن کی تکمیل دوسرے دَور میں ہوئی، جس سے صنعتی و زرعی ترقی کا نیا باب کُھل گیا، تعلیمی سطح پر بھی، ناقابل فراموش خدمات انجام دی گئیں ...... اِن سب عظیم خدمات کے باوجود، خاکسار کو اور دیگر لوگوں کو، کسی قدر تاسّف کے ساتھ انہوں نے بارہا کہا ہے کہ ریاستی سیاست سے قومی سیاست کا اُن کا سفر، انہیں پسند نہیں تھا ۔ بادلِ نخواستہ انہوں نے اُدھر قدم بڑھایا، جس کی وجہ سے کئی ایک منصوبے کرناٹک میں ادھورے ہی رہ گئے ۔

سماجی انصاف و بہبود کی راہ میں ان کا رویہ ہمدردانہ تھا ۔ قانونی رُکاوٹوں کے باوجود، پسماندہ طبقات، ہریجنوں، گریجنوں اور کمزور طبقات کے عروج کے لئے، اُن کی پالیسیاں بہت کارآمد اور دُوررس نتائج کی حامل تھیں، حالانکہ اُنہیں متنبہ بھی کیا گیا کہ اُن کا مستقبل، خود اُن کے ہاتھوں میں ہے، اور یہ کہ ہمیشہ سرکاری امداد پر تکیہ کرنا، مناسب نہیں ہے ۔

تعلیمی میدان میں بھی اُن کی خدمات کو اب تک یاد کیا جاتا ہے' بنگلور یونیورسٹی اور ہبّال بنگلور میں اگریکلچرل یونیورسٹی کا قیام' انہی کے عہد میں ممکن ہوسکا۔ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ' پرائمری اور سکینڈری تعلیم پر بھی انہوں نے کافی زور دیا' سچ تو یہ ہے کہ اس وقت تک کے ملک کے تمام وزرائے اعلیٰ میں' غالبًا' یہ واحد وزیراعلیٰ تھے' جنہوں نے کوشش کی کہ یونیورسٹی تعلیم سے زیادہ' پرائمری کی تعلیم کو ترجیح دینا چاہئے۔ اُنہوں نے ریاست میں ٹیکنیکل اور میڈیکل تعلیم کوفروغ دینے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا...... اُنہی کے دَور میں' ہبلی' داونگرے' گلبرگہ' بلگام' بلاری اور بنگلور میں (سینٹ جانس) اور منی پال میں میڈیکل کالجوں کا قیام عمل میں آیا' کنڑ زبان و ادب اور اُس کے فروغ میں غیر معمولی دلچسپی لی۔ اُنہوں نے مصنفوں' شعراء' ادباء اور آرٹسٹوں کو ماہانہ وظیفہ دینے کا سلسلہ جاری کیا۔ سب سے بڑھ کر' انہوں نے ریاست کرناٹک کے استحکام' پانچ سب ریجنوں کے انضمام سے لے کر' اقتصادی' سیاسی اور ثقافتی سطحوں پر' کرناٹک کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔

غیر متعصّبانہ انداز میں' سرحدی علاقوں کے تہذیبی ورثہ اور زبانوں کو ریاست کے اہم دھارے میں شامل کرایا' ساتھ ساتھ' اُن کے مختلف النوع قوانین' بالخصوص زمینات سے متعلق نظم ونسق وغیرہ کو بڑی ہی احتیاط و دُوراندیشی سے ایک خوبصورت موڑ دیا' اس سلسلہ میں جو بات توجہ طلب اور لائق ستائش ہے' وہ یہ کہ کرناٹک مہاراشٹر' کرناٹک کیرالا کے سرحدی تنازعوں کا حل نکالا اور ریاست کی سرحدوں کا تحفظ فرمایا۔

وہ نہایت نرم مزاج تھے۔ ارادے کے پکّے تھے۔ تبادلۂ خیال پر ہمیشہ کمربستہ' مگر ریاست کے مفاد کے آگے کسی کی چلنے نہیں دی۔ اس مد میں اُنہوں نے بالکل گاندھی جی

میں پینے کے پانی کی فراہمی ممکن ہو سکی۔ تاہم، آب پاشی کی ترقی کی کوششوں سے صنعتی ترقی کو متاثر ہونے نہیں دیا...... بڑے چھوٹے صنعتی کارخانوں کے لئے ہبلی، میسور جیسے اہم شہروں کا انتخاب بھی قابلِ ذکر ہے۔ یہ اُن کی ہی سرکار تھی، جس نے المونیم، الیکٹرانک اور رُے آن، کے کارخانے قائم کرنے کے لئے راہ ہموار کی، چند ایک شکر کے کارخانے بھی قائم کئے گئے۔

کرناٹک کے عظیم معمار و قابل فخر سپوت و ناظمِ اعلیٰ وسویشوریا کی خدمات کے اعتراف میں، بنگلور میں، اُن کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر، وسویشوریا صنعتی و تکنیکی میوزیم کا قیام بھی نجلنگپّا ہی کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اِنھوں نے بمبئی سے سرمایہ داروں کو کرناٹک بُلا کر، کارخانے کھولنے اور اپنا سرمایہ لگانے پر آمادہ کیا، جس سے صنعتی ترقی زور پکڑنے لگی۔

'لینڈ ریفارمس، کے لئے اُن کی سرکار نے بہت تبدیلیاں کیں، اور اِس خصوص میں جتّی کی صدارت میں ایک علیحدہ کمیٹی ہی تشکیل دے دی گئی تھی۔ اِس سے زمین سے محروم ان گنت کسانوں کا فائدہ ہوا۔ کرناٹک کے دیہاتوں میں پینے کے پانی کی فراہمی، مدرسوں کی تعمیر، راستوں کی مرمت وغیرہ پر خاصی توجہ رہی۔ اِنھی کے دَور میں سیاسی مظلومین اور غریب و نادار رعایا کو ماہانہ وظیفہ دینے کی اسکیم عمل میں لائی گئی۔ بھارت میں غالباً یہ پہلی ریاست تھی، جہاں غریب و نادار، مفلوک الحال لوگوں کو ماہانہ پنشن دینے کی اسکیم عمل میں لائی گئی، چھوت چھات کو دُور کرنے کی غرض سے اُنہوں نے، دیگر مذاہب کے لوگوں کی بستیوں میں ہریجنوں کے لئے رہائشی مکانات تعمیر کروائے، اور اس طرح ایسے پسماندہ و پچھڑے ہوئے لوگوں کی الگ کالونیوں کا جو سالہا سال کا رواج تھا، اُسے ختم کرنے کی مُبارک شروعات کیں۔

6. کانگریس میں پھوٹ اور بعد کے حالات

موجودہ بھارت کی سیاسی تاریخ، بالخصوص آزادی کے بعد کی تاریخ میں، کانگریس کی پھوٹ کو جو مرکزیت حاصل ہوئی ہے، اس سے شاید ہی کسی کو انکار ہو سکتا ہے، مگر یہ یاد رہے کہ یہ ایک ایسا واقعہ تھا، جس کو سیاسی پس منظر میں ناگزیر کہا جا سکتا ہے، جس کا تعلق، انگریزوں کے، ملک سے چلے جانے کے بعد کی پیدا شدہ، گہرے سماجی، اقتصادی اور کلچرل رُو سے جڑا ہوا ہے، مگر اُن آزاد شدہ ممالک میں، جہاں کی سماجی زندگی کی اُتھل پُتھل، نہایت تشویشناک دیکھی، اور پائی گئی ہے، سیاسی بحران سے کئی ایک، ایسے نتائج نکلے ہیں، جو بے اطمینانی کی فضاء میں آلودہ ہیں، اور جہاں اقتدار کی ہوس اپنی ساری قوت سے سماج کو جکڑے ہوئے ہے، اور یہ سب کیفیات، مناظر، آج مغربی سوسائٹی میں ہم دیکھ رہے ہیں۔

اِسی لئے آزادئ ملک کے بعد، ہمارے ہاں بھی نت نئے ماحول و مسائل کی اہمیت، روز افزوں بڑھتی ہی جا رہی ہے، بلکہ، میں یہ کہوں گا کہ مغرب سے زیادہ ہی سنگین صورتِ حال سے ہم دوچار ہیں، اس لئے، اِس نقطۂ نظر سے، شاید کانگریس کی ۱۹۶۹ء میں ہوئی پھوٹ، کو ایک اہم وقتی ضرورت یا واقعہ قرار دینا، بہتر معلوم ہوتا ہے۔

یہ شاید، ایک تاریخی ضرورت تھی کہ اس پارٹی کی پھوٹ کے ہیرو کی حیثیت سے نجلنگپا اُبھر کر، اور زیادہ اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں، مگر اتنا دھیان رہے کہ یہ کوئی فوری

کی سی طبیعت پائی تھی۔

اُن کے کارناموں میں وینکٹپا آرٹ گیلری، نمہانس، قدوائی ہسپتال اور کرکٹ اسٹیڈیم کا قیام ہمیشہ یادر کھا جائے گا۔ اسٹیڈیم کا قیام ڈھیر سارے مسائل اور دُشواریوں کے باوجود عمل میں آیا، اور سارے ملک میں، غالباً یہ بہترین کرکٹ اسٹیڈیم ہے۔

ہندوستانی تہذیب وتمدن کی بقاء کی فکر کرنے والے نجلنگپا نے بنگلور میں بھارتیہ ودیا بھون کی تعمیر کے لئے قطعۂ اراضی منظور فرمائی۔ چند اور خدمات میں، کدرے مُکھ خام لوہے کا پراجکٹ، چھوٹی کار کا پراجکٹ (جو بد نصیبی سے مرکز سے مالی امداد نہ ملنے پر ناکام رہا) شمالی کینرا کے منڈگوڈ اور میسور ضلع کے بریا پٹن میں تبّت کے مہاجرین کی نو آبادکاری، کسی بھی لحاظ سے عظیم ہیں۔ بہرحال، اُن کے کارناموں کی کافی طویل فہرست بن سکتی ہے، مگر، چند جھلکیاں دکھانے پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ، کسی بھی لحاظ سے اِن کا شمار، ایک ریاستی وزیراعلیٰ کی حیثیت سے، بہترین قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ کرناٹک کی خوش قسمتی ہے کہ ایک ایسے ہونہار، شریف النفس، مدبّر اور عظیم سیاست دان کی خدمات حاصل ہوئیں، اِن کی دُوررس، پالیسیوں سے کرناٹک کا معیار ووقار سارے ملک میں بلند ہوا۔ اِس کی ترقی سے دیگر ریاستوں کو رشک آتا ہے۔ بجا طور پر، فخر کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس عظیم سپوت کی بدولت، نہ صرف کرناٹک کی حیرت انگیز ہمہ جہتی ترقی ممکن ہوسکی، بلکہ ایک نئے طاقتور جدید بھارت کی تعمیر کے لئے بھی راہ ہموار ہوسکی۔

غرض، کرناٹک کے اس معمارِ اعظم کا نام، سنہری حرفوں میں لکھے جانے کا مستحق ہے۔

پر' اقتدار سے کچھ تو سمجھوتہ کرلیا ہے۔ پھر بھی' اُن میں گاندھی واد' اس قدر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا کہ وہ پوری طرح سیاسی ابن الوقتی کا شکار نہیں ہوئے ...... اُن کی اُصول پسندی کے ظاہری تنزول پر قلم اُٹھانے سے پہلے' ہمیں دھیان میں رکھنا چاہئے کہ یہ ایک تاریخی عہد تھا' جہاں ایک سیلاب سا چلا آ رہا تھا۔ جب یہ ہو چکا تو آپ دیکھیں گے کہ ایک پوری نسل' بتدریج' آنکھوں سے اوجھل ہو رہی ہے' اور ایسے ماحول میں' نجلنگپّا جیسے ازل کے اُصول و انصاف پسند گاندھی وادی کا وجود ایک نعمت سے کم نہیں تھا' جن کے پاس نظریہ اور حقیقت کا بہت تال میل تھا' اور وہ ایک مقدّس فریضہ سمجھ کر اپناتے آئے تھے' گو کہ حالاتِ حاضرہ بادِ مخالف کی زد پر تھے۔ جمہوری نظامِ حکومت' ایک صبر آزما' دَور سے گذر رہا تھا۔ قابلِ لحاظ تعداد میں' اُن کی نسل و عمر کے کچھ لوگ' اِس توازن کو برقرار رکھنے کی ناتمام کوشش میں' اقتدار کی آنچ میں پگھل گئے' اور گاندھی واد کو پس پشت ڈال دیا......

مختصر یہ کہ نام نہاد سنڈیکیٹ' اور اُس کے حریفوں کے درمیان' جو نظریاتی ٹکراؤ ہو رہا تھا' وہ دراصل دو نسلوں کے بیچ کا نظریاتی ٹکراؤ تھا۔ یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ گاندھی وادی نسل' غیر گاندھی وادی نسل کے مدِ مقابل کھڑی تھی۔

لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کانگریس کی پھوٹ' کسی قدر' اسی پس منظر کی پیداوار ہے' جہاں آزادی کے بعد کے حالات سے نپٹنے' اور ایک توازن برقرار رکھنے کا تاریخی کام ہونے جا رہا تھا' اور کچھ لوگ' کسی بھی قیمت پر' اسی صحت مند رجحان کی بحالی کے مُتمنّی تھے' کسی کو اِس پر متعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اِس دوران' گھڑی کا پنڈولم' کبھی اِدھر تو کبھی اُدھر حرکت کرتا' اور اُصول پسندی اور بے اُصولی کے بیچ ایک سرد جنگ کی فضا بنی رہتی۔ اس تاریخی پس منظر میں' ہمیں تمام حالات کا جائزہ لینا ہے'

ضرورت کے تحت نہیں ہوا' بلکہ تاریخی واقعات کی پیش رفت ہی سے ممکن ہوسکا۔ اس لئے ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم اُس کے مختصر سے پس منظر کا بھی جائزہ لیں کہ کانگریس میں تقسیم یا پھوٹ کی اصل وجہ کیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس میں دو کرداروں کی ذاتیات کا ٹکراؤ کسی قدر نظر آتا ہے۔ یعنی اندرا گاندھی اور نجلنگپّا کے بیچ اور یہ ڈرامہ جو کھیلا گیا' اُسے ایک مُنظّم' غیر شخصی پس منظر میں دیکھنا ہی بہتر یا مناسب ہوگا۔

غالباً' یہ کہنا بہتر ہوگا کہ' دونسلوں کا درمیانی فاصلہ یا نظریاتی ٹکراؤ بھی وجہِ تقسیم ہوسکتا ہے۔

آزادئ ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد سے ۱۹۶۰ء تک کی نسل' اب جوان ہونے لگی تھی' اُن کے پاس گاندھی وادی اُصولوں کی اہمیت بتدریج کم ہو رہی تھی' اور اُنہوں نے ایک ایسی فضاء میں سانس لی تھی' جہاں اِن اُصولوں کا اطلاق کم دیکھا گیا تھا۔ اِسی لئے قومیت اور نظریات کے مفاہیم ہی بدلنے لگے تھے۔ کُچھ بھی ہو' تصورات' سنجیدہ فکری' قومی لگاؤ' حبّ الوطنی' خلوص' نیک نیتی جیسی خوبیاں' جو گاندھی جی اور اُن کے پیروکاروں میں بدرجۂ اُتم موجود تھیں' اور جن کی قوت سے انگریزوں کو ملک چھوڑنا پڑا' ۱۹۴۷ء کے بعد کی نسل میں' اِن خوبیوں کا فقدان تھا' جیسا کہ رُشدی نے اپنی تصنیف ''مڈنائٹ چلڈرن'' میں لکھا ہے...... ''ایک انہونی اور غیر متوقع بات یہ ہوگئی کہ گاندھی واد کے جو ہیرو تھے' مبلّغ تھے' جو اُن اُصولوں کی پاسداری کرتے آئے تھے' جو سماجی واخلاقی قدروں کے دلدادہ تھے' اُن میں اقتدار کی ہوس جنم لینے لگی تھی' اور کانگریس بھی اِس سے مستثنیٰ نہیں ہے' جبکہ وہ سیاسی پارٹی کی حیثیت سے' ملک کے اُفق پر چھائی ہوئی تھی۔ پر' اب اُس کا اثر' بتدریج زائل ہونے لگا تھا۔ حتیٰ کہ پٹیل' نہرو جیسے مقتدر ومعتبر رہنماؤں نے بھی' جنہوں نے آزادی کی خاطر شب وروز اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا' کسی نہ کسی نہج

ریاست سے بے پناہ وابستگی نے اُنہیں قومی سیاست سے دُور رہنے پر مجبور تو کیا‘ پر وہ ایک صحت مند رجحان تھا۔ قومی سیاست میں اُن کا پہلا سفر‘ غالباً اُس وقت بہتر اور منظّم طریقے سے ہوا‘ جب ۱۹۶۳ء میں نہرؔو کی صحت جواب دینے لگی‘ چینی حملوں کے اثرات سے پریشانی لاحق ہوئی تو چند ایک سینئر کانگریسیوں نے ایک علاحدہ گروپ بنایا‘ جسے آگے چل کر‘ سنڈیکیٹ کے نام سے یاد کیا گیا‘ جن کو یہ فکر لاحق تھی کہ نہرؔو کے بعد کیا ہوگا؟ ...... بنیادی طور پر‘ اُس گروپ میں اُتلیہ گھوشؔ‘ نجلنگپّاؔ‘ سنجیواؔ ریڈی‘ سرینیواسؔ ملیاّ اور کامراج ناڈر تھے۔

اُنہوں نے جنوبی ہند کے مقدس شہر‘ تروپتی میں ایک خفیہ میٹنگ کی‘ غالباً بھگوان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے‘ پَر اُن کا منشاء کانگریس پارٹی اور ملک وقوم کے مستقبل کے بارے میں غور وخوص کرنا تھا‘ جبکہ نہرؔو کی صحت بتدریج جواب دینے لگی تھی‘ اور ملک کے سامنے ایک غیر یقینی‘ عدم تحفظ‘ کی دھندسی چھانے لگی تھی۔

اِس پارٹی نے فرخ آباد‘ امروہہ اور راجکوٹ کے حالیہ انتخابات (پارلیمانی) میں اپنا اثر ورسوخ کھو ڈالا تھا۔ مرارؔجی کی ’’گولڈ کنٹرول‘ اور جبری ڈپازٹ اسکیموں نے پارٹی اور حکومت کو غیر مقبول بنا دیا تھا۔ سنڈیکیٹ کو پارٹی کی عنان اپنے ہاتھ میں لینا تھا کہ اُسے صحیح راہ پر لگا سکیں۔ اُن کی یہ کوشش ہو رہی تھی کہ پارٹی کے لئے اب فوری طور پر کسی فعّال ومناسب صدر کا انتخاب کرلیا جائے‘ اور یہ کہ جو بھی اِس طرح چن لیا جائے گا۔ اُس کا رول نہرؔو کی جانشینی کے موقع پر بہت اہم و تعمیری ہوگا۔ اُن کو علم تھا کہ لال بہادر شاؔستری چونکہ نہرؔو سے قریب ہیں‘ یہ فریضہ انجام دے سکتے ہیں‘ اُنہوں نے مُرارؔجی کو سرے سے نظر انداز کر دیا کہ وہ سخت مزاج ہیں‘ اور اُن سے سمجھوتہ مشکل ہے۔ تاہم نجلنگپّاؔ نے کہا کہ شاستری کی نامنظوری

اور ملوث شخصیتوں، جیسے اندرا گاندھی، یا سنڈیکیٹ کے بارے میں کوئی بھی منفی رویہ نہیں اپنانا چاہئے، ہاں یہ سچ ہے کہ ہمیں شخصیات سے بالاتر ہوکر، ایک صحیح مطمعِ نظر رکھنا چاہئے، کہ کون بہتر ہے، مگر حالاتِ حاضرہ سے مطابقت رکھنے اور تعمیری رول ادا کرنے میں کون زیادہ اثر انداز ہوگا، یہ جاننا بھی ضروری ہے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ تمام ملوث لوگوں نے تاریخ ساز رول ادا کیا ہے۔

اب ہم آگے بڑھ کر تاریخی پیش رفت کا جائزہ لیں گے، اور وسیع پس منظر میں، مذکورہ بالا تبدیلیوں کا پھر سے اعادہ کریں گے، گو کہ نجلنگپّا کی حیثیت، اکثر و بیشتر، ایک علاقائی، ریاستی قائد ہی کی تھی، جن کی زندگی کا اہم مقصد، اپنی سرزمینِ کرناٹک میں بسنے والوں کی فلاح و بہبود سے جڑا ہوا تھا، تاہم ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اُن کی نظر، قومی سیاسی اُفق پر بھی برابر جمی ہوئی تھی۔

وہ کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کے رُکن تھے، رکن پارلیمان تھے، اعلیٰ سیاسی رہنماؤں کے ساتھ اُن کا ہمیشہ اُٹھنا بیٹھنا تھا، بالخصوص سردار پٹیل سے، جن سے اُن کی ہمیشہ خط و کتابت تھی، اور جن سے یہ ہمیشہ استفادہ کرتے تھے، مگر نہرو سے کسی قدر فاصلہ پر ہی رہتے تھے۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ نہرو کو ہندوستان کی دیہاتی زندگی اور اُس کے مسائل کی جانکاری کم کم ہی ہے، اور اُن کا یہ بھی خیال تھا کہ وزیراعظم کے اعلیٰ و ذمہ دار عہدہ کے لئے، پٹیل زیادہ موزوں تھے، مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ نہرو کی شخصیت، ان کی نظر میں باعث احترام و افتخار نہیں تھی، ان کی کرشمہ ساز شخصیت، ایمانداری اور قومیت سے نجلنگپّا، بیحد متاثر تھے۔ نہرو کو بھی اس بات کا اندازہ تھا، اسی لئے غالباً وہ بھی کسی قدر نجلنگپّا سے فاصلہ پسند کرتے تھے، مگر پیار، خلوص اور اپنائیت کو مجروح کئے بغیر۔ یہ حقیقت ہے کہ نجلنگپّا کی اپنی

کی صورت میں' ایک اور مناسب آدمی کا انتخاب کر لینا بہتر ہوگا۔ سب نے مل کر کامراج کا نام تجویز کیا۔ یہ فیصلہ پارٹی کو سنڈیکیٹ کے قبضہ میں رکھنے کے لئے زیادہ مؤثر اور قابل قبول تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ مرارجی کو یہ کہہ کر رضامند کرلیا جائے کہ اِندرا گاندھی کو اِس حکمت عملی سے دُور رکھنے میں مدد ملے گی' مگر مرارجی نے کہا کہ وہ شاستری کے خلاف انتخاب لڑیں گے' یہ دیکھ کر کہ مُرارجی اڑے ہوئے ہیں' اُنہوں نے اُن کو راستے سے ہٹانے کے لئے یہ افواہ اُڑادی کہ نہرو' مُرارجی کے خلاف ہیں۔ نہرو' شاستری کے نام کے خلاف نہیں تھے۔ پر' اُنہوں نے کہا کہ کامراج خود صدارت کے لئے رضامند ہوں تو بہتر ہے۔

نہرو نے کامراج کو اپنے ناپسندیدہ لوگوں کو اپنے اپنے عہدوں سے ہٹانے کے لئے استعمال کیا' اور اِس طرح نہرو کا پلان' کامراج پلان کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔

تروپتی گروپ کے سنڈیکیٹ کے ساتھ' ایس۔کے۔پاٹل اور بیجو پٹنا ئک بھی تھے' کچھ بھی ہو' اِس کے تانے بانے' احتیاط سے نہیں بنے گئے تھے' اور اِس منظّم گروپ سے دُور دُور کی سرحدیں جڑی ہوئی تھیں۔

نہرو کی موت کے بعد ۱۹۶۸ء میں جانشینی کے دوسرے ڈرامہ میں سینئر پارٹی لیڈروں نے اُسی پُرانی سنڈیکیٹ کے زیر اثر' پھر سے کلیدی رول ادا کیا۔ جی یل نندہ کو فوراً عبوری وزیراعظم کا حلف دلایا گیا۔ مقابلہ شاستری اور مُرارجی کے بیچ تھا۔ بالآخر فیصلہ شاستری کے حق میں اس لئے کیا گیا کہ اُن کی شخصیت' مُرارجی کی بہ نسبت' زیادہ لچکدار اور قابلِ قبول تھی۔ مُرارجی نے شاستری کی کابینہ میں شرکت کی بھی تو اُنہیں دوسرے نمبر کا مقام نہیں دیا گیا۔ نندہ' دوسرے نمبر پر فائز تھے۔ شاستری نے اندرا گاندھی کو اپنی کابینہ میں جگہ تو دی' مگر ایک معمولی قلمدان شعبۂ نشر و اطلاعات سونپا۔

شری کامراج ناڈر اور شری لال بہادر شاستری کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

خطبۂ صدارت میں، نجلنگپا نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ ترقی کے باوجود پچھلے بیس سالوں سے کئی ایک شعبہ ہائے زندگی میں بے اطمینانی و مایوسی کی فضا ہے۔ پارٹی اور کانگریس سرکار کی مقبولیت، گھٹتی جارہی ہے۔ اِس کے ثبوت میں، حالیہ انتخابات میں کانگریس کی شکست کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ اِس کی وجوہات پر سر جوڑ کر سوچنے کا وقت آگیا ہے کہ ہم کس طرح، ملک سے غربت، بے روزگاری، بیماری اور ناخواندگی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینک سکتے ہیں، چونکہ کانگریس پچھلے بیس سالوں سے برسرِ اقتدار ہے، ملک کی ترقی کے ساتھ، اُس کے تنزّل کی بھی برابر ذمہ دار ہے، اب سیاسی حالات بدل گئے ہیں۔ غیر کانگریسی حکومتیں برسرِ اقتدار ہورہی ہیں، چند ایک ریاستوں میں مخلوط سرکاریں بھی بن رہی ہیں۔ اُنہوں نے وسائل آبپاشی پر زیادہ دھیان کی اپیل کی۔ اُنہوں نے کہا کہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے، لینڈ ریفارمس اور پنچایت راج کو مضبوط کرنا چاہئے، اور اِسے بنیاد بنا کر، مناسب منصوبے وضع کر کے صحیح عمل درآمد پر توجہ مرکوز کرنا ہوگا۔ تب کہیں اقتصادی حالت میں سُدھار آسکتا ہے۔ صنعتی پالیسی کے بارے میں کہا کہ بڑے بڑے کارخانے کھولنے ہوں گے، یہاں پوری سنجیدگی، انہماک اور ایمانداری برتنی ہوگی، چمتکار دکھا کر نقصان پہنچانے والوں سے بچنا چاہئے۔ گروہ بندی اور سرمایہ داری کے استحصال سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا ہوگا۔ یہاں پائی جانے والی خام اشیاء کا صحیح استعمال کر کے صنعت وحرفت کو مہمیز کرنا چاہئے۔ کھوکھلے نعروں سے گریز کرنا چاہئے۔ مزدوروں کے جائز حقوق پر نظر ہو، پر اُن کی بے راہ روی بھی برداشت نہیں کرنی چاہئے۔ اُن سے صلاح ومشوروں کا رواج عام ہونا چاہئے۔ مقامی سطح پر چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتوں کو فروغ دے کر، بے روزگاری اور معاشی کمزوری کو دُور کیا

کہتے ہیں کہ اندرا گاندھی نے خود اس کی فرمائش کی تھی۔

تاشقند میں شاستری کی ناگہانی موت سے جانشینی کا تیسرا ڈرامہ کھیلا گیا' جہاں پھر سے سنڈیکیٹ نے کلیدی رول ادا کیا' اور مُرارجی کے مقابلہ' اندرا گاندھی کا انتخاب کرلیا گیا۔ اِس خیال سے کہ خاتون ہونے کے ناطے' معاملات بہتر طریقے سے سلجھائے جاسکتے ہیں۔ سنڈیکیٹ کی رکنیت نے نجلنگپّا کو پہلے ہی دلّی پہنچا دیا تھا' اب وہ بنگلور سے' فاصلہ پر تھے۔ ایسا نہیں کہ بدلتے ہوئے حالات سے وہ بے خبر تھے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا' اپنی ریاست سے دُور دلّی کی سیاست میں کافی ہچکچاہٹ کے بعد ہی شامل ہوئے تھے۔ اُن کے ساتھی ویریندرا پاٹل' ہیگڈے اور گروپادا سوامی نے صلاح بھی دی کہ قومی سطح پر صدر کانگریس کا عہدہ قبول نہ کریں۔ ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حیدرآباد کے اکہتّر ویں (۷۱) کانگریس سیشن کی صدارت نجلنگپّا نے کی' اور کس طرح سانگلی سے اجلاس' حیدرآباد منتقل کیا گیا۔ دراصل' سانگلی کے پاس کے شہر کوئنہ میں کچھ زبردست زلزلے کے اثرات سے مقام میں تبدیلی ضروری قرار دی گئی تھی' مگر ہم یہاں بہ حیثیت صدرِ اجلاس' اُن کے صدارتی خطبہ کی طرف اشارہ کریں گے' جس میں اُنہوں نے ملک وقوم کے سامنے موجود سنگین مسائل کا ذکر کیا' جس سے اُن کے اگلے رول کی نشاندہی ہوتی ہے۔

یہ ثابت ہے کہ اندرا گاندھی نے نجلنگپّا کو صدرِ کانگریس بنانے میں کافی دلچسپی لی۔ غالباً اس لئے بھی کہ سنڈیکیٹ نے اُنہیں وزیرِاعظم بنانے میں نمایاں رول ادا کیا تھا' جہاں تقریباً ناممکن صورتِ حال کو ممکن بنا کر دکھا دیا تھا' مگر اندرا گاندھی کا اندازہ ایسا ہی غلط نکلا' جیسا کہ سنڈیکیٹ کا' اندرا گاندھی کے تعلق سے۔

انہی خطوط پر ہو سکتی ہے اور ہونی بھی چاہئے۔

چینی حملوں اور پاکستان کے ساتھ جنگ کے نتیجہ میں، ملک کی پریشان کن مالی حالت اور پھر قحط سالی کے تباہ کن نتائج کے پیش نظر، نجلنگپا نے کہا کہ یہ ایک بڑا ہی نازک دَور ہے، ہمیں ہر محاذ پر چوکنا رہنا ہے۔ بازاروں میں اناج کی قلت محسوس کی جارہی ہے۔ قیمتوں میں، ناقابل برداشت اضافے ہو رہے ہیں۔ اناج کی غیر قانونی ذخیرہ اندوزی عام ہوتی جارہی ہے، پھر بھی اناج کی پیداوار میں کسی قدر اضافہ ''سبز انقلاب'' کی بدولت، دیکھنے میں آرہا ہے، مگر اِس رفتار کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمارے کسان اور دیہات، ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔ تب کہیں، ہمارے ملک کی صحیح معنوں میں ترقی ہوگی۔ زرعی پیداوار میں اضافہ کے لئے، بہتر کھاد، بہتر بیج اور بہتر ماحول پر دھیان ضروری ہے۔ بینکوں سے مالی اعانت یا قرضہ جات حاصل کرنے پر بھی کسانوں کی جانکاری اچھی ہونی چاہئے، مگر اِن سب سے اہم، آبپاشی ہے، جو زراعت کی روح رواں ہے، مالی بحران سے چھٹکارا ممکن ہے۔

اُنہوں نے نیک نیتی اور انصاف کے مقدس رشتہ کو بنائے رکھنے پر زور دیا۔ پاکستان کے ساتھ، تعلقات کی بنیاد بھی، ان ہی عناصر پر رکھی، اُنہوں نے ہندوستان کی غیر جانب دارانہ پالیسی کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ اور روس کے دوستانہ سلوک کی قدر کرنی چاہئے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں اپنے ہی وسائل و ذرائع پر تکیہ کرنا چاہئے۔ اصل قوت تو ہماری اپنی ہی ہوتی ہے۔ اُنہوں نے انگریزوں کی پولیس راج پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے انتظامی ڈھانچہ کو فعال، چوکس، ایماندار اور ہمدرد بنانے کے لئے سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔

جانا چاہئے ۔ سماجی انصاف کی سمت ہمارا ہر قدم مثبت ہو۔ تب کہیں پسماندہ و پچھڑے ہوئے طبقات میں سدھار آ سکتا ہے' ہماری خارجی پالیسی وہی ہو' کم وبیش ' جو نہرؔو کی تھی۔

نہرؔو کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے' انہوں نے کہا کہ ''پنڈت نہرؔو' ہماری تہذیب کا بہترین وقیمتی سرمایہ تھے' عالمی سیاست کے ذہین طالب علم تھے۔ زماں و مکاں کی قیود سے بالاتر' اعلیٰ درجہ کے مدبر و سیاست دان تھے' اُن کے نقشِ قدم ہمارے اور ہماری آنے والی نسلوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں''۔

چین کے بارے میں کہا کہ وہاں کے باشندے امن پسند ہیں' مگر وہاں کی موجودہ کمیونسٹ برسرِ اقتدار حکومت نے' ذاتی غرض کی خاطر' امن پسند تہذیب وتمدّن کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ بھارت کی چند مخلوط سرکاروں کے بارے میں کہا کہ اُن کا ریکارڈ بتا رہا ہے کہ وہ کانگریس کا نعم البدل ہرگز نہیں ہیں۔ اُن کی کارکردگی بے اثر ہے' اس تبدیلی کے پیچھے' کانگریس کے مخالف' مفاد پرست سیاست دان' منظم طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ غیر کانگریسی سرکاریں' اپنی اپنی ریاستوں میں امن کی بحالی میں ناکام رہی ہیں۔ ظلم وتشدد کی وارداتوں میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے' جس سے ملک کی جمہوریت و سالمیت کو خطرہ' لاحق ہو گیا ہے۔

قومی زبان کی پالیسی پر اُنہوں نے کہا کہ ہندی و غیر ہندی گروہوں کو چاہئے کہ ایک قابلِ قبول اور متوازن پروگرام ترتیب دیں ۔ بہتر ہے نہرؔو کی اعلان شدہ پالیسی پر عمل ہوتا رہے۔

سرحدی تنازعوں کے بارے میں کہا کہ تمام ریاستیں اپنی اپنی پڑوسی ریاستوں کے ساتھ مل بیٹھ کر اطمینان بخش حل ڈھونڈ نکالیں۔ دریاؤں کے پانی کی منصفانہ تقسیم بھی

ظاہر بات ہے کہ ایسی شخصیت، جس میں تنظیمی صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، وہ یقیناً چاہے گی کہ کانگریس میں تنظیم نو ہو، تاکہ ہر دُشواری کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت وتوانائی پیدا ہوسکے۔

سب سے بڑھ کر عوام کی تعلیمی سطح بلند ہو، ان کو سکھایا جائے کہ ''کرما'' کا مطلب تقدیر نہیں بلکہ فلسفیانہ عمل کا، ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اس کے بعد، انہوں نے تعمیر ملک میں، نوجوانوں کے رول کی اہمیت کا ذکر کیا، انہوں نے صلاح دی کہ مختلف سرکاری ڈھانچوں اور سطحوں، کا عوام کے ساتھ بہتر، تال میل ہو، اور ہم آہنگی کی فضاء، ہر طرف بنی رہی۔ انہوں نے اپنے مدبّرانہ خطبۂ صدارت کا اختتام کانگریس اور ہندوستانی عوام میں اعتماد کے اظہار پر کیا۔

وزیراعظم اندرا گاندھی، اور صدر کانگریس پارٹی، نجلنگپا میں، جلد یا بدیر اختلافات کا ہونا، ناگزیر محسوس ہورہا تھا۔ محض اس لئے نہیں کہ ان کی شخصیات ونظریات میں کافی فرق تھا، بلکہ ایک جمہوری نظام کے ڈھانچہ اور سرکاری کارروائیوں کے چلانے میں جو غیر معمولی فرق ہوتا ہے، وہ بھی وجۂ اختلاف تھا۔ اس مسئلہ کا کوئی فوری حل نکل نہیں سکتا، اسے باہمی گفت وشنید کے ذریعہ حل کیا جاسکتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ پارٹی کی طرف سے نامزد کئے گئے وزیراعظم کو پارٹی کی پالیسی کے مطابق کام کرنا ہوگا، یا پورے ملک کے وزیراعظم کی حیثیت سے، اپنی پارٹی کے اغراض ومقاصد سے بالاتر ہوکر، پورے ملک وقوم کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر کام کرنا ہوگا۔ نہرو، وزیراعظم تھے تو پُرشوتم داس ٹنڈن کے ساتھ یہی معاملہ ہوا تھا، تو نجلنگپا اور اندرا گاندھی کے بیچ ٹھن جانا، تعجب خیز نہ تھا۔ واضح طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان دونوں کے درمیان، تعلقات کب بگڑ گئے، مگر اتنا یاد رکھنا کافی ہوگا کہ گزرے ہوئے واقعات، تیزی

پھر اُس کے بعد نظم و نسق کو ہمارے ویلفیر اسٹیٹ کے مزاج سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے، جس کے لئے عوام کو ترقیاتی پروگراموں میں راست شریک ہونے کا موقع بھی فراہم کرنا چاہئے، گو کہ اس میں احتیاط ضروری ہے۔

جہاں تک جمہوری اشتراک کا سوال ہے، جو کہ بیحد اہم ہے، اور جس کو کانگریس نے قبول کیا ہے، جس کی بنیاد جمہوری مساوات پر مبنی ہے، فرد کو وقار اور سماجی انصاف ملنا چاہئے، اور اِس میدان میں ہمارا ریکارڈ کچھ زیادہ حوصلہ افزاء نہیں تھا۔

اس کے افہام و تفہیم اور عمل درآمد میں ایک واضح پالیسی کو اپنانا، ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں کے لئے ضروری تھا۔ کانگریس کا دس نکاتی منصوبہ دراصل اسی سمت تھا، مگر اس کی کامیابی عوام کے بھرپور تعاون ہی سے ممکن تھی۔ کانگریس کی ذمہ داری سب سے زیادہ تھی، اس لئے کہ وہی ایک پارٹی تھی، جس کی جڑیں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور اس کی ایک معتبر عظیم روایت تھی۔ اس موقع پر انہوں نے گاندھی جی کو یاد فرمایا، اور کہا کہ ہماری نوجوان نسل کی تربیت، ہمارا اہم فریضہ ہے، تاکہ آگے وہ گاندھی جی کے نظریات کی بازیافت کرسکیں، جس سے سچائی، ہمدردی، مساوات، امن و آشتی کی زندگی گزارنا، ہر کسی سے ممکن ہوسکے۔

ریاستوں اور مرکز کے تعلقات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اب اس رشتہ کے لئے معنی تلاش کرنے چاہئے، چونکہ فی زمانہ مختلف پارٹیاں، ریاستوں پر برسر اقتدار ہیں۔ اس رشتہ کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔ ضرورت آن پڑی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اختیارات، ریاستوں کو دئے جائیں، ذرائع فراہم کئے جائیں، تاکہ ہر ریاست، تعمیر ملک میں بہتر و موثر رول انجام دے سکے، ساتھ ہی مرکز سے منصفانہ رویّہ کا بڑی احتیاط سے مطالعہ کرنا ہوگا، تاکہ سیاسی استحصال نہ ہوسکے۔

رہتے' اور یہ سلسلہ تقریباً نصف شب تک چلتا۔ ان کا ناشتہ' دوپہر کا کھانا' اکثر سرکاری یا دفتری مصروفیات کا ایک حصہ ہوتا' اس طرح ان کی ذاتی اور عوامی زندگی میں، بہت کم فاصلہ رہ گیا تھا۔

انہیں ہمیشہ اپنی پارٹی کی فکر لاحق ہوتی تھی۔تشویش اس بات کی تھی، کہ پارٹی کا کردار رفتہ رفتہ مشکوک ہوتا جارہا تھا' اور اُسے صرف حصولِ اقتدار اور انتخابی ضرورت کے لئے استعمال کیا جانے لگا تھا' نجلنگپا جیسے شخص کے لئے یہ کوئی معمولی واقعہ یا سانحہ نہیں تھا۔اُنہوں نے اپنی ساری زندگی' گاندھی جی کے اُصولوں پر قربان کردی تھی۔ان کی ڈائری میں ایسے بے شمار واقعات ہیں' جس میں ہماری قومی زندگی اور سیاسی عوامی اقدار کی گراوٹ کا درد بھرے انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ہمیں چاہئے کہ کسی دن' ان کی ڈائری کو ترتیب دیں، کہ کس طرح رشوت خوری نے بتدریج اپنا سفر جاری رکھا، جس سے اخلاقی اقدار مجروح ہونے لگے۔

دریں اثناء' آئے دن اُن کے اور اندرا گاندھی کے بیچ' تعلقات کشیدہ ہوتے ہی جارہے تھے' نجلنگپا کو ٹھیس پہنچ رہی تھی کہ اندرا گاندھی' معمر اور تجربہ کار کانگریسیوں کو خاطر میں نہیں لاتیں' جیسے سنڈیکیٹ کے اراکین اتلیہ گھوش، ایس کے پاٹل، کامراج ناڈر' سنجیوا ریڈی ...... یہ بھی کہا گیا کہ نوجوان ساتھیوں میں دنیش سنگھ جیسے احباب کے غیر صحت مندانہ اثر کی لپیٹ میں آنے لگی ہیں۔اس نہج پر نجلنگپا' اندرا گاندھی کے حلقہ پر نکتہ چینی کرنے پر مجبور تھے۔سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے اندرا گاندھی کو یقین دلایا کہ اگر وہ اپنی اصلاح کرلیں' اپنے ساتھیوں پر مکمل اعتماد کریں' اور نظم ونسق پوری ذمہ داری اور ایمانداری سے چلائیں تو وہ اپنا بھرپور تعاون پیش کریں گے۔

سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

اگست ۶۸ء میں، جب روس نے چیکوسلواکیہ پر حملہ کیا، تو نجلنگپّا اور ان کے وسیع النظر ساتھی جیسے اتلیہ گھوش' اشوک مہتہ' سی پی گپتا اور گروپداسوامی نے روس کی مذمت کی' اور ساتھ ہی اندرا گاندھی کی بھی' جو روس کی تائید کر رہی تھیں۔ یہ اختلافات، ٹھوس شکل اختیار کر کے' تعلقات پر اثر انداز ہونے لگے تھے۔ ساتھ ساتھ جیسا کہ پہلے ہی عرض کر دیا گیا ہے' یہ دو نسلوں کا درمیانی فاصلہ بھی تھا، جو یہاں کارگر تھا۔

وزیر اعظم نے اپنے اطراف نوجوانوں کو اکٹھا کرنا شروع کر لیا تھا، جبکہ صدر کانگریس کے اطراف' وہی معمر و تجربہ کار لوگ رہ گئے تھے، جنہوں نے آزادی کے بعد پہلے سے اپنا ایک حلقہ بنا رکھا تھا۔

سرکار کے سامنے' رشوت ستانی کی بات بھی تھی، جو پارٹی کے وفاداروں کو پسند نہیں آرہی تھی، اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اس معاملہ میں ''وزیر اعظم'' اتنی سخت نہیں ہیں' جتنا کہ صدر کانگریس ہیں' صدر کانگریس نجلنگپّا نے اپنے ضمیر کی آواز سنی' اور وہ کیا جو ایک اصول پسند ناظم ادارہ کرتا ہے۔ اپنی دانست میں آنے والے ہر چھوٹے بڑے کیس پر انہوں نے گہری نظر رکھی' اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سیاسی دیانتداری میں دراڑیں پڑنے لگی ہیں، اور ملک میں پرُانے گاندھی وادی اصولوں کا احترام' بتدریج کم ہوتا جا رہا ہے، اور ایمانداری کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔

ان کی دِلّی کی رہائش گاہ' ایک عوامی جگہ کی صورت اختیار کرتی گئی' جہاں صبح و شام لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ نجلنگپّا' ایک سخت با اُصول آدمی تھے، جس کا اطلاق انہوں نے نہ صرف رشتوں ناطوں پر کیا، بلکہ خود کو بھی اس میں شامل کر لیا۔ وہ صبح سویرے اٹھ کر آٹھ بجے سے کام پر لگ جاتے' اور دس بجے تک جٹے

سرائیت کرنے والی رشوت ستانی اور مجرمانہ ذہنیت تھی ۔اس کا خطرناک نتیجہ یہ ہوا کہ شریف وایماندار لوگ، انتخاب لڑنے سے گریز کرنے لگے۔ نجلنگپّا نے پہلی بار سیاست اور پیسہ کا گٹھ جوڑ دیکھا۔

کانگریس، ان تمام مصروفیات اور کارروائیوں کی لپیٹ میں آرہی تھی' اور گاندھی جی کے سچّے اور قوم پرست عدم تشدد کے نظریات سے دُور ہوتی جارہی تھی۔ صدر کانگریس کی حیثیت سے' انہیں دورہ کرنا پڑتا تھا' اور جہاں بھی ہندی بولی جاتی تھی' وہاں زبان کا مسئلہ تھا۔ان کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ وہ پہلے ٹوٹی پھوٹی ہندی میں اپنی تقریر کا آغاز کرتے اور بعد میں جلد انگریزی پر اُتر آتے' جس کا ہندی میں ترجمہ کیا جاتا...... اس دوران اندرا گاندھی خود سیاسی سطح پر اپنی طاقت بڑھانے میں مصروف تھیں' جس کے لئے نوجوان نسل کی تائید کرتی جارہی تھیں کہ موقع ملنے پر، سنڈیکیٹ کے خلاف' اپنی طاقت کا کھل کر مظاہرہ کرسکیں ۔ان کے ان حمایتیوں کو پریس نے ''ینگ ٹرکس (Young Turks) کا نام دیا۔ان میں جو نمایاں تھے، وہ تھے چندر شیکھر' جنہوں نے راجیہ سبھا میں مرارجی پر گہری چوٹ کی' اور یہی گمان غالب تھا کہ انہوں نے اندرا گاندھی کی ایماء پر ایسا کیا تھا۔اس کا ثبوت، اس سے بھی ملتا ہے کہ کانگریس ارکان پارلیمان کی میٹنگ میں جب یہ بات زیر بحث تھی' تو اندرا گاندھی وہاں موجود نہیں تھیں ۔ میٹنگ میں جب چندر شیکھر سے کہا گیا کہ معافی مانگیں تو اندرا گاندھی نے کھل کر ینگ ٹرکس کی تائید کی۔

ایسے چُھٹ مُٹ واقعات کے روز روز کے اضافے سے' سنڈیکیٹ کسی حد تک چوکنّا ہوگیا۔ان دنوں جبکہ سنجیوریڈّی' لوک سبھا کے اسپیکر تھے، 3 مارچ 1969 کی رات' ریڈّی نے نجلنگپّا' ڈی سی شرما' کامراج' ایس کے پاٹل اور اتلیہ گھوش کو اپنے گھر پر

اوائل 1969ء میں' چند ایک ریاستوں میں انتخابات ہونے جا رہے تھے۔ حسبِ معمول' انتخابی مہمیں زور پکڑنے لگیں' اور ہر کوئی اس میں شامل ہونے لگا۔ یہ وہی وقت ہوتا ہے، جب سیاستدانوں اور ووٹروں کا بدترین رُخ دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ کانگریس میں، بالخصوص، اندرا گاندھی اور مرار جی کے حمایتیوں اور مخالفوں کے بیچ' گروہ بندیوں نے سر اُٹھانا شروع کیا' مگر صدر نے، اس سے' اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ حالانکہ انہیں اپنے ماحول کی پوری خبر تھی۔ انہوں نے اپنے اصولوں پر قائم رہنے ہی میں عافیت سمجھی کہ اسی سے ملک وقوم کی ترقی وتحفظ ممکن ہے۔ نجلنگپا کو' اس وقت شاک سا لگا ہوگا، جب گاندھی جی کے اُصولوں پر اب تک چلنے والے آج غیر گاندھی وادی حرکتوں پر اتر آئے تھے۔ نجلنگپا کے لئے یہ کام بے انتہا صبر آزما' اور مشکل تھا کہ دو گروہوں کے بیچ مصالحت کیسے کی جائے۔ یہ کسی تنی ہوئی رسّی پر چلنے سے کم نہیں تھا، جس کے ایک طرف سنڈیکیٹ کے ان کے ساتھی تھے' اور دوسری طرف اندرا گاندھی اور ان کے حمایتی' دونوں سے انصاف کرنا' ان کا فرض تھا۔

اس نازک مرحلے پر ان کی متانت وسنجیدگی' خندہ پیشانی' صبر وتحمل اور حکمت عملی کے ساتھ خلوص ونیک نیتی اور مستقل مزاجی نے لڑکھڑانے سے بچائے رکھا۔ اس طرح انہوں نے اپنی صدارت کا پہلا سال طئے کرلیا، جس میں خود کو اور دوسروں کو' کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔ شخصی طور پر دیکھا جائے تو اس عرصہ میں نجلنگپا نے محسوس کیا کہ بین الاقوامی سطح پر بھی' انہیں کافی واقفیت ملی' جس سے طبیعت میں ٹھہراؤ' توانائی آئی' مگر یہ ایک امر مسلّم ہے کہ صدر کانگریس کی حیثیت سے انہوں نے اپنے ملک وقوم کو سمجھنے کا جو زرین موقع ملا وہ انمول ہے۔

انہیں اس نہج پر' جس سے بہت زیادہ تکلیف ہوئی' وہ سیاست میں تیزی سے

ٹھیک ہے' اندراؔ گاندھی کو وزیر اعظم کے عہدہ سے ہٹا دیا جا سکتا ہے اور یہ کام مشکل نہیں ہے' مگر ان کی جگہ کون لے گا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو ہٹاتے ہی کانگریس میں، وہ پھوٹ ڈال دیں گی۔ صورت حال پُر خطر اور بیحد تشویشناک تھی' اس لئے سینئر قائدین سے کہا گیا کہ صبر و تحمل سے کام لیں''۔

مئی ۱۹۶۹ء کے آخری ہفتہ میں فرید آباد میں منعقد کیا گیا' کانگریس سیشن' ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ ۲۴ر اپریل ۶۹ء تک پی سی سی کے صدور و معتمدین' دِلّی میں اکٹھا ہو گئے۔ وہ اس دن کانگریس پارٹی کی تنظیم نو کے بارے میں' تبادلۂ خیال کے لئے اکٹھا ہوئے تھے۔ اندراؔ گاندھی نے مداخلت کرتے ہوئے صرف نصف گھنٹہ تک تقریر کی' اور میٹنگ سے نکل گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ صدر کانگریس پارٹی' اپنا خطبۂ صدارت پڑھنے سے پہلے ان کی اجازت لیں گے' مگر نجلنگپاؔ نے دوسرے ڈھنگ سے سوچا۔ ان کا خیال تھا کہ وزیر اعظم سے تبادلۂ خیال کرنا یا نہ کرنا صدر کی مرضی پر منحصر ہے' جس کے لئے وزیر اعظم کی مرضی جاننا ضروری نہیں' شام کے کوئی چار بجے' نجلنگپاؔ' اپنے حمایتیوں کے ساتھ فرید آباد پہنچے' دوران سفر راستے کے دونوں جانب کھڑے جم غفیر نے خوشی سے تالیاں بجا بجا کر ان کا شاندار خیر مقدم کیا' اور ان کی تائید میں خوشی کے نعرے بلند کئے۔ راستہ میں بہتّر کمانیں بنائی گئی تھیں کہ وہ بہتّر واں (۷۲) سیشن تھا' ان کے لئے مختص کی ہوئی قیام گاہ پر پہنچتے پہنچتے چھ بج گئے' ورکنگ کمیٹی نے ساڑھے سات بجے' دستور العمل پر تبادلۂ خیال شروع کیا۔ اجلاسِ عام کے ساتھ سبجکٹ کمیٹیوں کے اجلاس بھی شامل تھے۔

دوسری صبح کے آٹھ بجے صدر پارٹی نے قومی جھنڈا لہرایا' کوئی ساڑھے نو بجے جب سبجکٹ کمیٹیوں کی تشکیل ہو رہی تھی' اجلاس کے وسیع و عریض پنڈال کے ایک

دعوت دی۔ انہوں نے ملک اور کانگریس پارٹی کی بگڑتی ہوئی حالت پر تبادلۂ خیال کیا، اور یہ فیصلہ کیا کہ ملک کے مفاد کی خاطر ضرورت پڑنے پر، سرکار بدلنے کی کوشش کریں گے اور ہر حال میں، اندرا گاندھی سے، ہوشیار رہیں گے، جو پرانی طرز قیادت کے در پے تھیں، اور کسی نہ کسی طرح اس کو برباد کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔

ملک کے بدلتے ہوئے حالات سے انہیں تشویش ہو رہی تھی، نجلنگپّا نے مدھیہ پردیش کی موجودہ سیاست اور ڈی پی مشرا کا طریقۂ کار پسند نہیں کیا۔ انہیں اس بات سے بھی خوشی نہیں تھی کہ لیجسلیچر پارٹی کی قیادت ان کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ برہمانند ریڈی نے رپورٹ بھجوائی کہ تلنگانہ پُر تشدد ہو گیا ہے، مگر نجلنگپّا کو اور زیادہ دکھ اُس وقت ہوا، جب انہیں یہ رپورٹ ملی کہ تلنگانہ کی تحریک سے شہ پا کر کرناٹک کی تقسیم کی تحریک بھی سر اٹھانے لگی ہے۔

مشرا نے، مدھیہ پردیش میں، قائد کا درجہ نہ حاصل کرنے کے غصہ میں صدر کانگریس نجلنگپّا کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا، مگر نجلنگپّا نے اس کا خیر مقدم کیا کہ اس طرح ان سے بے وفائی کرنے والوں کے چہروں کو بے نقاب کرنے کا موقع ملے گا۔

مرکز میں عدم اتحاد کی خبروں نے ریاستی قائدین کو اندرونی اختلافات میں، اور زیادہ ملوث ہونے کا موقع فراہم کر دیا۔ لگتا تھا کہ پورے ملک کے ارکانِ اسمبلی اور سیاستدان ایک بیجا و ناپسندیدہ تبدیلی کے خواہش مند ہو گئے ہیں۔ خیال یہ تھا کہ سیاست اور سیاسی ادارے، مالی منفعت کا ذریعہ بن جائیں۔

ظاہر بات ہے نجلنگپّا نے اس نئی لہر کو پسند نہیں کیا، اور نتیجتاً اس غلط پالیسی کے محرکوں نے نجلنگپّا کے خلاف پروپگنڈہ شروع کر دیا۔ نجلنگپّا نے جو کہ ایک حقیقت پسند تھے، اس قومی زوال کا اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے......''

فوری طور پر ان سے ملک کو کوئی نقصان ہونے کا امکان کم تھا' حالانکہ دو ایک مخلوط سرکاروں نے اس کا مزہ چکھ لیا تھا' ویسے یہ مسئلہ آج بہت سنگین ہے' اور ہمارے سیاسی نظام میں ایسی تبدیلی کی ضرورت ناگزیر لگتی ہے۔ نجلنگپاؔ کی ہمیشہ سے خواہش تھی کہ نوجوان نسل ہر شعبہ ہائے زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے' اور اپنے اندر قومی ذمہ داریاں قبول کرنے کی صلاحیتیں پیدا کرے۔

نجلنگپاؔ کے خطبۂ صدارت پر بحث کے دوران کے ڈی مالویہؔ' موہنؔ دھاریہ' چندر شیکھرؔ اور چند ایک ہم خیالوں نے ان کی صنعتی پالیسی پر گہری تنقید کی۔ ظاہر ہے اندراؔ گاندھی کی حمایت پا کر ان نوجوانوں نے اپنی سماجی پالیسیوں کو کافی اُچھالا' صدر کانگریس نے ان کی درآمد شدہ سوشیلزم کو سرے سے رد کرتے ہوئے کہا کہ اس سے دیسی سوشیلزم کو دھکہ پہنچے گا' چونکہ پارٹی نے ایک سال تک پارٹی کے انتخابات کو التواء میں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ صدر کانگریس، ایک اور سال تک اسی منصب پر قائم رہنے پر مجبور ہو گئے۔

نجلنگپاؔ جب ۳ مئی ۶۹ء کو اپنے دفتر میں تھے' تو یہ جانکاہ خبر آئی کہ صدر ہند ذاکرؔ حسین کا انتقال ہو گیا ہے۔ ذاکرؔ حسین چند دنوں سے بیمار چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے ان سے پہلے اور بعد کے صدور کی روایت پر چلتے ہوئے اپنے علاج معالجہ کے لئے کسی بیرونی ملک کا سفر نہیں کیا...... ان کے جسد خاکی کو سپرد خاک کرنے سے پہلے ہی صدر مقام دلّی میں ان کی جانشینی کی باتیں ہونے لگیں۔ مثال کے طور پر، کہا جا رہا تھا کہ اندراؔ گاندھی' جگجیونؔ رام' سنجیوؔیا یا جے پرکاشؔ نارائن میں سے کسی کا انتخاب' صدر ہند کے عہدہ کے لئے کیا جائے گا۔ چند ایک نے اس سلسلہ میں نجلنگپاؔ کا نام بھی لیا۔ کامراجؔ بھی اس میں دلچسپی لینے لگے تھے، مگر اس امید پر خاموش تھے کہ کوئی ان کا نام تجویز کرے گا۔

دستوری گنجائش کے تحت گریؔ جو کہ فی الحال' عبوری صدر ہند کے عہدہ پر فائز

کونے میں آگ لگنے کی خبر آئی' اور لوگوں کی چیخ و پکار شروع ہوگئی۔ آگ دراصل اس حصہ میں لگی تھی' جہاں صدر ورکنگ کمیٹی کے اراکین تشریف فرما تھے' اور وہ آگ تیزی سے ایسے لپک رہی تھی، جیسے سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی' چاروں طرف چیخ و پکار تھی' بہ شمول صدر پارٹی، ہر کسی نے وہاں سے بھاگ نکلنے میں اپنی عافیت سمجھی' ہال کا تقریباً دوتہائی حصہ جل کر راکھ ہوگیا' جیسے تیسے کر کے فائیر بریگیڈ نے آگ پر قابو پائی تو سب کی جان میں جان آئی۔

استقبالیہ کمیٹی کے حیرت زدہ صدر بنسی لال، جلسہ گاہ کی تعمیر نو میں جٹ گئے ' اور دوسری شام تک ایک متبادل ہال تیار کرلیا گیا۔ ۲۷ر کو سبجکٹ کمیٹی اور دیگر ذیلی کمیٹیوں کی رپورٹوں اور دستور العمل پر بحث ہوئی' اور ملک کی تازہ سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا گیا' کہ کس طرح پارٹی کو مستحکم بنایا جاسکتا ہے۔ اندرا گاندھی اور مرارجی دیسائی نے اپنی تقریریں اس انداز سے کیں کہ لگتا تھا کہ کسی مباحثہ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کررہے ہیں۔ شام کے چھ بجے نجلنگپا نے اپنا صدارتی خطبہ پڑھا۔ یہ خطبہ کم و بیش ان کے اکہتّرویں (۷۱) کانگریس سیشن کے خطبہ کے خطوط پر ہی تھا۔ ویسے کچھ نئے خیالات و نکات بھی تھے۔ اتنا ضرور ہے کہ اب لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل نو کے چند بُرے اثرات سر اٹھا رہے تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے، انہوں نے صلاح دی کہ بہتر ہے اب انہیں رَد کرکے اقتصادی بنیاد پر تمام ریاستوں کی تشکیلِ جدید ہو۔

لائسنسنگ سسٹم کو سرکاری دفتروں میں' رشوت ستانی کا سبب بتاتے ہوئے سرکاری گرفت مضبوط کرنے پر زور دیا گیا' انہوں نے مخلوط سرکاروں پر بھی تنقید کی اور کہا کہ ان سے کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ پر' وہ اگر ناگزیر ہوگئیں تو؟...... بہر حال

شہروں، وی ینّا، بون، برلین اور لندن کا بھی سفر کیا، جس کے دوران ''اوپیرا اور بیتھوون'' کی موسیقی سے بھی لطف اندوز ہوئے۔

لندن میں ان کا شاندار استقبال کیا گیا، وہاں دو ایک مقامات پر انہیں ہندوستانی کھانا، اِڈلی، دوسہ بھی کھانے کو ملا، جب ہندوستانی کھانا دستیاب نہ تھا تو انہوں نے پھلوں اور دودھ پر اکتفا کیا۔ بہرحال انہوں نے دن میں ایک ہی بار کھانے کی اپنی عادت کو نظرانداز نہیں کیا۔

برطانیہ میں آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کا پُرسکون ماحول انہیں پسند آیا۔ ۱۶؍جون ۶۹ء کو جب اس خوشگوار سفر سے بھارت لوٹے تو ایک بڑا ہنگامہ ان کا منتظر تھا۔ کانگریس میں پھوٹ کا تجزیہ کرنے سے پہلے، یہ جاننا ضروری ہے کہ اس سے متعلقہ وہ کونسے سلسلہ وار واقعات تھے، جن سے یہ پھوٹ ناگزیر ہوگئی۔ اس کے دُور اُفتادہ وجوہات، کچھ بھی رہے ہوں، اس کا فوری سبب صدر کانگریس کا ہونے والا انتخاب تھا۔ دوسرا ذاکر حسین کی موت کے بعد صدر ہند کا انتخاب ...... اور یہ صورتِ حال، اندرا گاندھی اور سنڈیکیٹ کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج کے باعث تھی، جس کا شاہد، فرید آباد کا کانگریس سیشن تھا۔

اس خوف سے کہ سنڈیکٹ انہیں اقتدار سے ہٹادے گا اور یہ یقین کرتے ہوئے کہ سنڈیکٹ کے لوگ ان کے خلاف ہیں، اندرا گاندھی سی پی آئی اور دوسری علاقائی سیاسی پارٹیوں کو مجبوراً ساتھ لے کر چلنے لگیں، کیرلا میں مسلم لیگ، تملناڈو میں ڈی ایم کے، پنجاب میں اکالی دل، اڑیسہ میں جناح کانگریس اور گجرات میں سوتنترا پارٹی کی طرف، انہوں نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ اس سے ان کا واحد مقصد، وقت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ پارٹیوں کا مقصد اقتدار میں حصہ دار بننا تھا۔

تھے، خود بھی صدارت کے امیدواروں میں سے تھے، انہوں نے نجلنگپّا سے اس سلسلہ میں بات بھی کی تھی۔ اتنے سارے ناموں کے پیش نظر نجلنگپّا نے محسوس کیا کہ انتخاب صرف ذاتی صلاحیتوں کی بنیاد پر ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ پورے ملک کے وقار کا سوال ہے، اور ملک کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ اس لئے وہ اس معاملہ میں عجلت دکھانے کے حق میں نہیں تھے ...... وہ چونکہ بیرونی ممالک کے سفر پر جانے والے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کے لئے معاملہ کو ملتوی کر دیا جائے۔ جب اس کا ذکر انہوں نے ۱۵ر مئی ۶۹ء کو اندرا گاندھی سے کیا تو انہوں نے منہ بنایا، اور موضوعِ گفتگو بدل ڈالا۔ اندرا گاندھی کو اس وقت غصہ بھی آیا کہ نجلنگپّا نے کہا کہ کانگریس پارٹی نے جو قرضہ لیا ہے، اسے ادا کر دینا چاہئے۔ اندرا گاندھی نے کہا کہ یہ کام، پارٹی کے خازن ایس۔ کے۔ پاٹل کریں گے ...... صاف ظاہر تھا کہ اندرا گاندھی اور نجلنگپّا کے درمیان ایک خلیج سی بڑھتی جارہی تھی۔ اس کی طرف راج بہادر اور بلی رام بھگت نے اشارہ بھی کیا۔ صدر کانگریس کی حیثیت سے نجلنگپّا نے غیر ملکی سفر کو اپنے فرائض کا ایک حصہ سمجھا کہ اس سے دوستانہ تعلقات بڑھیں گے، اور مختلف سرکاروں اور تہذیبوں کو دیکھنے اور سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ۱۹۶۸ء میں، انہوں نے نو (۹) دن کا جاپان کا سفر کیا تھا، اور اب ۱۸ر مئی ۶۹ء سے یوروپ کے دورے پر جانے والے تھے۔

سفر کے دوران بیروت کی خوبصورتی، اہرام مصر کا حیرت انگیز فنِ تعمیر، دریائے نیل کے پراجکٹ، بلغراد اور روم کے آرٹ کے حیرت انگیز خزانوں کے حُسن نے بہت متاثر کیا۔ انہوں نے مصر کے صدر ناصر اور یوگوسلاویہ کے صدر مارشل ٹیٹو سے بھی ملاقات کی، اور باہمی تعلقات پر تبادلۂ خیال کیا۔ انہوں نے یوروپ کے بڑے

کے مطابق اس طرح کی مداخلت کی اجازت نہیں تھی' احمد نے جونوٹ پیش کیا تھا، وہ دراصل ایک ذاتی خط تھا، جو اندرا گاندھی نے ان کے نام تحریر کیا تھا' اس کا مخاطب نہ صدر کانگریس تھا اور نہ معتمدِ کانگریس۔

اندرا گاندھی کے اس خط میں ملک کی اقتصادی حالت کے جلد از جلد سدھار پر زور دیا گیا تھا۔ نیز یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ بینکوں کو قومیانہ' ناگزیر ہے۔ جب اقتصادیات پر مبنی 'قرارداد کا ڈرافٹ دس تاریخ کو پیش ہوا تو اندرا گاندھی موجود تھیں' جہاں اندرا گاندھی اور ایس کے پاٹل کا نظریاتی ٹکراؤ ہوا۔

کمیٹی میں اب واضح طور پر دو کیمپ ہو گئے۔ ایک اندرا گاندھی کے حمایتیوں کا، جن میں چوہان' جگجیون رام' کامراج' سبرامنیم اور رام سبھاگ سنگھ تھے' تو دوسرے کیمپ میں' نجلنگپّا کے حمایتی مُرارجی دیسائی' سی بی گپتا' ایس کے پاٹل اور اتلیہ گھوش تھے۔

اندرا گاندھی کی تحریکیں اور مشورے کچھ بھی رہے ہوں' جو ذاتی ہوں کہ اجتماعی' وہاں نظریات کی رسہ کشی تھی۔ کانگریس کی اس نظریاتی پھوٹ کے بارے میں اتلیہ گھوش "THE SPLIT IN INDIAN NATIONAL CONGRESS" (جس کی قیمت پانچ روپئے تھی' اور جسے کلکتہ کے جینتی پبلیشرس نے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا تھا) کا پیش لفظ، نجلنگپّا کا تحریر کردہ تھا' جو بیحد معنی خیز تھا۔ اسے چند سنجیدہ تحفظات کے بغیر' قبول نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات' سب پر عیاں ہے کہ تاریخ میں جہاں کہیں اس طرح کے نظریاتی اختلافات ہوئے ہیں، وہاں ذاتی غرض بھی کارفرما رہی ہے، اور یہ عظیم تقسیم اس سے مستثنیٰ نہیں۔ صدارت کے لئے، سنڈیکیٹ کی نظر میں' سنجیوا ریڈی اور نجلنگپّا کے نام زیر غور تھے۔ انہوں نے اپنی منظوری بھی دے دی تھی، جس کا علم اندرا گاندھی کو بھی تھا۔

جہاں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس ساری تبدیلی کے پیچھے صرف ایک سیاسی دماغ کام کر رہا تھا' وہاں ابن الوقتی کی بے اصول سیاست پر بھی تنقید ہوسکتی ہے ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اندرا گاندھی کے سیاسی حریف زیادہ اصول پسند اور ذہین تھے؟ ۔

یہ حقیقت سب تسلیم کرتے ہیں کہ نجلنگپا پر ابن الوقتی کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا ۔ ویسے ان کے زمرے کے کسی ایک پر اس کا اطلاق شائد ہوسکتا ہے ۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ یہ ایک سیاسی کھیل تھا، جس میں حقیقت سے آنکھ لڑانے یا اندھیرے میں تیر مارنے کی کوشش کی جا رہی تھی ۔ اس لحاظ سے نجلنگپا ایک قابل رحم سیاستدان لگتے ہیں ' مگر ایک گاندھی وادی کی حیثیت سے، ان کا یقین تھا کہ سیاست میں اچھے اخلاق و ایمانداری کا ہونا ضروری ہے ۔ یہ جنگ' حصول اقتدار کے لئے لڑی جا رہی تھی تو اندرا گاندھی نے ہر ممکن جتن کئے کہ ان کی طاقت میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے، جس کے دوران' ان کے سیاسی حریفوں کو ہٹایا جائے جو ان کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں، اس لئے، اس میں کوئی تعجب نہیں کہ اندرا گاندھی اپنی پسند کے کسی فرد کو صدر کانگریس کے عہدہ پر دیکھنا چاہتی تھیں ۔

سیاسی تنازعوں سے گھرے ہوئے اس پس منظر میں، بنگلور کا' جولائی ۱۹۶۹ء کا' کانگریس سیشن کافی اہمیت رکھتا ہے ۔ ینگ ٹرکس کی ٹولی نے ترقی پسند اور سوشیلسٹ پروگرام پیش کیا ۔ انہوں نے بینکوں کو قومیانے پر زور دیا...... ورکنگ کمیٹی کے پہلے دن کے سیشن میں اندرا گاندھی نے شرکت نہیں کی ۔ صادق علی اور سی سبرامنیم کی تحریر کردہ اقتصادی قرارداد پر بحث کے دوران، بغیر کسی نوٹس کے' فخر الدین علی احمد نے مداخلت کی اور اندرا گاندھی کا' ان کے نام لکھا ہوا ایک خط پیش کیا جو چار صفحوں پر مشتمل تھا ۔ ضابطہ

سابق وزیراعظم شری مرار جی دیسائی کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

۱۲ جولائی ۶۹ء کو پارلیمانی امور کمیٹی کی تشکیل میں، دو کے مقابلے چار ووٹوں سے' سنجیوا ریڈی کا نام صدارت کے لئے چن لیا گیا۔ اندرا گاندھی کے امیدوار جگجیون رام انتخاب ہار گئے تھے۔ مُرار جی دیسائی' چوہان، کامراج اور ایس۔ کے۔ پاٹل نے ریڈی کے حق میں ووٹ دیا۔ صرف اندرا گاندھی اور فخر الدین علی احمد نے جگجیون رام کے حق میں ووٹ دیا۔ نجلنگپا اور جگجیون رام نے ووٹ نہیں ڈالا۔

اندرا گاندھی جو ایک ماہر تجزیہ نگار تھیں' کہا کہ گاندھی جی کی صد سالہ تقریبات کے سال، ایک ہریجن امیدوار کو صدر ہند بنانے سے روکنا' ملک کے حق میں بہتر نہیں ہے' بلکہ اس کے دُور رس نتائج ہوں گے......

گو کہ یہ افواہیں گرم تھیں کہ نجلنگپا' مرار جی اور کامراج بھی اس معاملہ میں دلچسپی رکھتے ہیں' تاہم ثبوت کے بغیر وہ افواہیں' بے بنیاد ہی ٹھہریں۔ دوسری صبح وی۔ وی۔ گری نے' عارضی قیام گاہ' راشٹرپتی بھون سے اعلان کیا کہ وہ صدر ہند کے عہدہ کے امیدوار ہیں۔ صدر کانگریس نے اعلان کیا کہ سنجیوا ریڈی' کانگریس کی طرف سے صدارت کے امیدوار ہیں' اس طرح مقابلہ ناگزیر ہو گیا۔

اس دوران' مخالف سیاسی پارٹیوں نے یہ سوچنا شروع کیا' کہ کسی تیسرے فرد کو ان کی طرف سے امیدوار بنا کر کھڑا کیا جائے۔ اندرا گاندھی کے دل میں کچھ بھی رہا ہو' پر اخباری نمائندوں سے، انہوں نے کہا کہ وہ کانگریس پارلیمانی بورڈ کے فیصلہ کا احترام کریں گی۔ سنڈیکیٹ کو شکست دینے کی سمت' پہلا قدم اٹھاتے ہوئے انہوں نے مُرار جی کو وزارتِ خزانہ سے یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ وہ بینکوں کو قومیانے کے حق میں نہیں تھے۔ اور پھر خود ہی وزیر خزانہ کا قلمدان سنبھال لیا............

ظاہر بات ہے' مرار جی آگ بگولہ ہو گئے۔ دونوں کے درمیان' جھلاہٹ وغصہ

اس ورکنگ کمیٹی سے اپنے آپ کو دُور رکھیں گی، جو ان کے (سنڈیکیٹ) قبضہ میں ہے، ورکنگ کمیٹی نے اس خوف سے کہ اس سے پارٹی کی سالمیت کو زبردست نقصان پہنچے گا، اندرونی تناؤ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔

صدارتی امیدوار کے مسئلہ پر، ورکنگ کمیٹی نے قرارداد منظور کی کہ وزیراعظم، اور صدر پارٹی، کانگریس پارلیمانی پارٹی کے ایک عام اجلاس سے مخاطب ہوں، تا کہ پارٹی کا امیدوار صدر ہند بن کر آئے...... دفتری تقاضے کے تحت، اندرا گاندھی نے، ریڈی کی نامزدگی کے کاغذات پر دستخط بھی کر دئے۔ ایسی غیر یقینی صورت حال میں، دونوں فریق 'سرد پڑ گئے' اور مناسب موقعوں کی تلاش میں جٹ گئے۔ اقتدار کی ہوس کی اس کھلی جنگ میں دوسرے مسائل فی الحال التواء کی نذر ہو گئے، سیاسی افواہیں گرم تر ہوتی گئیں۔ مثال کے طور پر، کہا گیا کہ صدر کے انتخاب کے فوراً بعد، سنڈیکیٹ، ایک الگ سرکار بنائے گا۔ یہ خبر بھی گرم تھی کہ اندرا گاندھی نے کمیونسٹوں سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اس جنگ میں، اندرا گاندھی کی پہلی جیت اس وقت ہوئی، جب کانگریس پارلیمانی امور کی کمیٹی نے، اپنے منظور شدہ امیدوار جی ایس پاٹھک کو نائب صدر ہند اور جی۔ ایس۔ ڈھلون کو اسپیکر کے عہدوں کے لئے منظوری دے دی۔

کانگریس کے امیدوار کی جیت کے لئے نجلنگپا نے دیگر سیاسی پارٹیوں، جو کہ نظریاتی طور پر کانگریس سے بالکل الگ تھیں (جیسے جن سنگھ اور سوتنترا پارٹی)، سے حمایت کی اپیل کی۔ یہاں اس بات کا ذکر ضروری ہے کہ عوام کی نظر میں، یہ پارٹیاں رجعت پسند اور قدامت پسند تھیں۔ نجلنگپا نے اُن پارٹیوں کے قائدین سے، کئی بار ملاقاتیں کیں، تا کہ ان کا بھرپور تعاون حاصل ہو سکے، انہوں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ انہیں شک ہو چلا تھا کہ اپنی ہی پارٹی کے چند ایک اراکین

سے بھرے ہوئے خطوط لکھے گئے۔

۱۷ جولائی ۶۹ء کو اندرا گاندھی نے مرار جی سے گذارش کی کہ وہ کوئی دوسرا قلمدان قبول کریں۔ مرار جی کا کہنا تھا کہ اندرا گاندھی نے ان سے بینکوں کو قومیانے کی بات ہی نہیں کی، بلکہ یہ فیصلہ اندرا گاندھی کا ذاتی، رضا کارانہ فیصلہ ہے۔ مرار جی نے اپنے استعفیٰ کو درست بتاتے ہوئے' پارلیمان میں کہا کہ اپنی بے عزتی کے پیش نظر، ان کے ساتھ اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

سنڈیکیٹ مصمّم ارادہ کر چکا تھا کہ وہ اپنی پسند کا صدر رکھے گا' تا کہ سیاسی اقتدار بنائے رکھنے میں دشواری نہ ہو۔ اس ضمن میں انہوں نے ہر ممکن کوشش کی' پر مرار جی کے استعفیٰ پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ وہ دراصل آپسی بات چیت سے معاملہ کا حل ڈھونڈنا چاہتے تھے کہ مقابلہ نہ ہونے پائے۔ نجلنگپّا نے اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور زور ڈالا کہ پارٹی کے مفاد کے پیش نظر مُرار جی کو اپنا وزارتِ خزانہ کا قلمدان واپس کر دیں۔ پَر اندرا گاندھی نے اسے سنڈیکیٹ کی کمزوری اور لاچاری سمجھتے ہوئے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے سے انکار کر دیا...... اور اُلٹے یہ محسوس کیا کہ سیاسی حریفوں کو نیچا دکھانے کا یہ بہترین موقع ہے۔ اس لئے انہوں نے، اپنی اقتصادی پالیسیوں کو' بلا تاخیر عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ ان کی کوشش یہی تھی کہ اس حرکت سے ان کے حریفوں کو تعجب ہو' اور عوام میں تجسس کی لہر دوڑے' اور پھر نوجوان رفقائے کار میں دلچسپی بڑھے۔ اس لئے انہوں نے اسے ایک بیحد کارگر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

اندرا گاندھی کی اقتصادی پالیسی اور پروگراموں کو' پارلیمان نے منظوری دے دی تو انہوں نے سنڈیکیٹ کو دھمکی دی، کہ اگر انہوں نے اُن کی پالیسیوں کی مخالفت کی تو

پارٹیوں کی حمایت حاصل کرنا کوئی قابلِ اعتراض اقدام نہیں ہے۔ صدر کانگریس کی حیثیت سے، انہوں نے کانگریس کے تمام یم پی حضرات، یم ایل اے، ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹیوں کے صدور و معتمدین سے اپیل کی کہ کانگریسی امیدوار سنجیوا ریڈی کو جتائیں، اور ضمیر کی آواز پر ووٹ کی مذمت کریں۔

صدرِ ہند کے انتخاب کے تین دن پہلے تک، اندرا گاندھی نے پارٹی امیدوار سنجیوا ریڈی کی تائید میں ایک بھی لفظ نہیں کہا۔ اُن کی کابینہ پوری طرح مسلح ہو کر کام کر رہی تھی۔ فخر الدین علی احمد اور جگجیون رام نے، نجلنگپّا کو ۱۳؍اگست ۶۹ء کو ایک اور خط لکھا، جس میں پچھلے خط کے اعتراضات کو دہرایا گیا تھا۔

جواباً نجلنگپّا نے لکھا کہ تاریخ شاہد ہے کہ اندرا گاندھی نے خود، ذاکر حسین کے صدر ہند کے انتخاب کے سلسلہ میں، مخالف سیاسی پارٹیوں سے حمایت طلب کی تھی، اور اس وقت، اُن کے حمایتیوں نے خود اعتراف کیا تھا کہ کانگریس امیدوار کو جتانے کے لئے، دیگر مخالف سیاسی پارٹیوں کی حمایت حاصل کرنا ہوگا، اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی تھی، اور یہ کہ اس وقت مخالف پارٹیوں نے اپنا کوئی امیدوار تجویز بھی نہیں کیا تھا...... اور جب اُن لوگوں نے اپنا الگ امیدوار کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا تو اندرا گاندھی نے اُن پارٹیوں سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ اس وقت کے صدر کانگریس، کامراج ناڈر نے اتنا بھی نہیں کیا، جتنا کہ نجلنگپّا نے اب کرنے کی کوشش کی۔ بہر حال، نجلنگپّا پر یہ بات صاف ظاہر ہو گئی تھی کہ وزیر اعظم، اپنی ہی پارٹی کے نامزد کردہ کانگریس امیدوار، ریڈی کے خلاف جا رہی ہیں، اور یہ کہ ان کی نظر میں نجلنگپّا کی اہمیت، برائے نام ہے۔ ہم آگے چل کر، صدر کانگریس اور وزیر اعظم کے درمیان لکھے گئے، اہم متنازعہ فیہ خطوط کا بغور مطالعہ کریں گے۔

کانگریس کے اُمیدوار کے خلاف ووٹ دیں گے۔

گریؔ نے' ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے اپنی امیدواری کا اعلان کیا' اور مسلم لیگ اور کمیونسٹوں سے حمایت کی اپیل کی' سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے ووٹ دہندوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز سن لیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ وہ ایک گاندھی وادی ہیں' اور اس لئے کانگریس کے خلاف ہیں۔

جہاں اندراؔ گاندھی نے اقتدار کی پیچیدگیوں کو اپنے پیش نظر رکھا' وہیں بائیں بازو کے کانگریسیوں نے سوچا کہ پُرانے محافظانِ پارٹی سے چھٹکارا پانے کا یہ بہترین موقع ہے' جہاں' گریؔ کی جیت سے' اندراؔ گاندھی کی سیاسی تقویت یقینی تھی' وہیں' اُن کے نوجوان حمایتیوں کو اپنی شاندار جیت کا مظاہرہ کرنے کا زرّین موقع تھا۔

انہوں نے' نجلنگپاؔ پر ایک رجعت پسند نظریہ کے ترجمان ہونے کا الزام فوراً عائد کردیا' ہم نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ نجلنگپاؔ پر ایسے خطرناک الزامات کا اطلاق غیر منصفانہ ہے۔ ضمیر کی آواز کا جو تصور نجلنگپاؔ کے مخالفین نے پیش کیا' اسے صدر نجلنگپاؔ نے پارٹی پالیسی کی خلاف ورزی سمجھ کر' ان سے وضاحت طلب کی۔

جگجیون رام اور فخر الدّین علی احمد نے نجلنگپاؔ کو خط لکھ کر' خود ان سے وضاحت طلب کی کہ صدر کانگریس کے ناطے، انہوں نے کانگریس دشمن سیاسی پارٹیوں، جیسے جن سنگھ اور سوتنترا پارٹی سے حمایت کیوں طلب کی؟ جبکہ اُن پارٹیوں نے کانگریس کے خلاف عدالتوں میں مقدمے دائر کئے ہیں' بالخصوص بینکوں کو قومیانے کے خلاف۔

جواباً' نجلنگپاؔ نے یہ دلیل پیش کی کہ انہوں نے صرف پارٹی کی پارلیمانی کمیٹی کے فیصلہ کو عملی جامہ پہنایا ہے، جس سے اندراؔ گاندھی کو اقتدار سے ہٹانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے' اور یہ کہ قومی مفاد کے پیشِ نظر' اپنی پارٹی کے دائرہ میں رہ کر دیگر

فرض ہے، مگراس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ، جنہوں نے کانگریس امیدوار کے خلاف ووٹ دئے ہیں، تادیبی کارروائی سے بری ہیں۔ جہاں سنڈیکیٹ نے ایسے لوگوں کے خلاف کارروائی کی صلاح دی، وہیں اندراؔ گاندھی نے اسے سیاسی سوشیلزم اور قومی یکجہتی کی جانب، ایک مثبت ومبارک فیصلہ قرار دیا...... انہوں نے دعویٰ پیش کیا کہ پارٹی کے اندر جومخالف گروپ ہیں، وہ ان کی قیادت کوتسلیم کرلیں۔

ریڈیؔ نے کھلے عام، اندراؔ گاندھی کی مذمت کی کہ وہ اس کی وجہ بتائیں کہ انہوں نے انہیں کس لئے اپنے عہدہ سے ہٹ کر انتخاب لڑنے کے لئے کہا، اور پھر کیوں صدر ہند کے انتخاب میں ساتھ نہیں دیا...... بلکہ مخالفت کی، حق تو یہ ہے کہ ۲۴ر جولائی ۶۹ء کو ایک ذاتی ملاقات کے دوران دی گئی، اندراؔ گاندھی کی پوری یقین دہانی کے بعد ہی ریڈیؔ نے نامزدگی کے کاغذات داخل کرائے تھے...... وہ جگجیونؔ رام کے بھی سخت خلاف تھے، کہ انہوں نے بھی پوری حمایت کا وعدہ کرکے، پیچھے سے چھرا گھونپ دیا۔ صدر کانگریس نے تو بالکل صاف صاف کہہ دیا کہ وہ جمہوری نظام کے اصولوں ونظریات کے مطابق، اپنی پارٹی کے مفاد کے لئے ہی کام کریں گے اور بے اصولی اور پارٹی دُشمن اقدامات پر تادیبی کارروائی کریں گے۔

ادھران کی حریف، اندراؔ گاندھی نے اپنے طور پر کانگریس کے اراکینِ پارلیمان سے ملاقات کی، اور یہ جواز پیش کیا کہ انہوں نے پارٹی کے امیدوار کے خلاف کیوں ووٹ دیا، جب نجلنگپاؔ نے پارٹی کی خلاف ورزی پر جگجیونؔ رام اور فخرالدّینؔ علی احمد سے وضاحت طلب کی تو انہوں نے صدر کانگریس پر الزامات کی بوچھار کردی، اوراپنی ناپسندیدگی کا شدید اظہار کیا۔

چوہانؔ نے دونوں فریقوں کو جوڑنے کی کوشش کی، بالخصوص نجلنگپاؔ اور اندراؔ گاندھی

پارٹی ڈسپلین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے' اندرا گاندھی نے انتخابی مہم کے آخری لمحوں تک، اپنا نظریہ 'ضمیر کی آواز' پیش کیا' اور پُر زور اپیل کی۔ حالات حاظرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے' ایک سینئر اپوزیشن لیڈر' اٹل بہاری واجپائی نے اندرا گاندھی کے رویّہ کی مذمت کی کہ یہ ایک ایسی عجیب وغریب بات ہے، جس کی نظیر ساری دنیا کے کسی بھی جمہوری نظامِ حکومت میں نہیں ہے۔

نجلنگپا نے وزیراعظم سے اپیل کی کہ پارٹی کے سرکاری امیدوار کی حمایت کریں۔ ۱۴راگست ۶۹ء کو' کانگریس پارلیمانی پارٹی نے قرارداد منظور کر کے تمام کانگریسیوں سے اپیل کی کہ وہ سرکاری پارٹی امیدوار سنجیوا ریڈی ہی کو ووٹ دیں۔ اندرا گاندھی نے یہ نکتہ چینی کی کہ وہ کوئی متفقہ فیصلہ نہیں، بلکہ پارٹی کے اندر اکثریت کا فیصلہ تھا، جس پر بے چوں وچرا عمل کرنا ضروری نہیں ہے......

بدلتے ہوئے حالات سے پارٹی میں پھوٹ ناگزیر ہوگئی۔ مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ دونوں فریق نے' جمہوریت ہی کی آڑ لی' صدر کانگریس نے اسے جمہوریت کا خاتمہ کہا تو وزیراعظم اندرا گاندھی نے اسے جمہوریت کی جیت قرار دیا۔ نتیجہ' وی۔ وی۔ گری نے انتخاب جیت لیا۔ اس کا مطلب تھا' وزیراعظم کی جیت اور صدر کانگریس پارٹی کی ہار...... اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اندرا گاندھی کے اقتدار کا سورج تیزی سے ابھر رہا ہے اور یہ کہ نجلنگپا اور ان کے ساتھی، کمزور ہو رہے ہیں۔

نجلنگپا کو یقین ہو چلا تھا کہ سنڈیکیٹ اب اندرا گاندھی کے بڑھتے ہوئے زور کو روک نہیں سکتا۔ گری کو مبارکباد دینے والوں میں وہ بھی پیش پیش تھے۔ یہ کوئی ابن الوقتی نہیں تھی، بلکہ انہوں نے پُروقار لہجہ میں یہ بیان دیا کہ گری ایک قابل شخص ہیں' جو صدر ہند کے اعلیٰ ترین عہدہ کے مستحق ہیں، جن کے ہاتھ مضبوط کرنا' ہر ہندوستانی کا

کو۔ کمیونسٹوں نے، جن کا ارادہ کانگریس کو کمزور بنانا تھا، ان کے اندرونی اختلافات کو غنیمت جانا، اور اندرا گاندھی کی حمایت کا اعلان کیا، نجلنگپّا نے اُن پر اپنے شدید غصہ کا اظہار کیا کہ وہ اپنی حرکتوں سے نظام ملک کو تتر بتر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اندرا گاندھی نے، اپنے ساتھیوں کو، چاروں طرف سے کھینچ کر، صدر نجلنگپّا کے خلاف پروپگنڈہ تیز کر دیا کہ اگر پارٹی کی تقسیم ہوئی تو قصور انہی کا ہوگا۔ چند ایک اراکین نے صدر سے کہا بھی کہ اندرا گاندھی اور ان کے حمایتیوں کو پارٹی سے خارج کر دیں۔

انہوں نے وزیر برائے پارلیمانی امور کو لکھا بھی کہ وہ لوگ بھی، اندرا گاندھی کی طرح اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہیں گے، چاہے اس میں پارٹی ڈسپلین کی حکم عدولی کیوں نہ ہو۔ ادھر وزیر اعظم نے دھمکی دی کہ حالات حاضرہ اجازت دیں تو پارلیمان تحلیل کر دیں گی۔

بائیں بازو اور انتہا پسندوں نے، پارٹی کے اربابِ حل وعقد کو متنبہ کیا کہ اگر اندرا گاندھی کے خلاف، کانگریس پارلیمانی پارٹی میں تحریکِ عدم اعتماد پیش کی گئی تو پارٹی کے دفتر کے روبرو ریلیاں ہوں گی، اور صدر مقام، جنگ کی آماجگاہ بن جائے گا، جس کے بعد، ظاہر ہے، بدامنی، تشدد اور تباہی کا بول بالا ہوگا۔

چوہان نے نہایت اطمینان سے، معمر و سینئر قائدین پارٹی کو اندرا گاندھی کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ جب تک کوئی قابل شخص مل نہیں جاتا، اندرا گاندھی کو ہٹانا مناسب نہیں۔ اُنہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ بصورتِ دیگر، پارٹی کو عوام کی حمایت نہیں ملے گی۔ اس نہج پر یہ افواہ اُڑی کہ سنڈیکیٹ نے چوہان ہی کو اندرا گاندھی کا متبادل کے طور پر پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

۲۵ راگست ۶۹ء کی کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں، نجلنگپّا نے وضاحت کی کہ

سابق وزیر داخلہ شری وائی۔ بی۔ چوہان کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں اپنی کامیابی سے شہ پاکر اندرا گاندھی کے حمایتیوں نے سنڈیکیٹ کو سرے سے ختم کردینے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اُن کے منصوبوں میں سازش بھی شامل تھی۔ پارٹی کے وفاداران رنجیدہ تھے کہ ورکنگ کمیٹی نے اندرا گاندھی گروپ کی پیش قدمی کے لئے' راہیں کھول دی ہیں' اور یہ کہ میٹنگ کا سمجھوتہ اس بات کی کُھلی دلیل ہے۔

اب لے دے کے سنڈیکیٹ میں صرف معمر' لاچار قائدین رہ گئے تھے۔ نجلنگپّا خود' جسمانی اور دماغی سطح پر' اپنے آپ کو کمزور محسوس کر رہے تھے' تو لیس۔ کے۔ پاٹل اور اتلیہ گھوش بدلتی ہوئی صورت حال سے بے تعلق ہو رہے تھے۔ کامراج بھی پست حوصلگی کا شکار ہو گئے......

مرار جی نے خود کو تنہا' بے بس اور بچھڑا ہوا مسافر سمجھا' مگر اس پورے کھیل میں جس شخص نے خود کو بچائے رکھا' اور بڑی ہوشیاری سے اپنے مفاد کو پیش نظر رکھا' وہ چوہان تھے۔ نائب صدر ہند کے عہدہ کے لئے نجلنگپّا نے جی۔ ایس۔ پاٹھک کے لئے مہم چلائی۔ بنگلور میں، انہوں نے یہ کہہ کر اندرا گاندھی کو غصہ دلایا کہ جمہوریت اور شخصی من مانی' ایک ساتھ چل نہیں سکتے۔

نجلنگپّا' اندرا گاندھی کے خلاف' بڑی احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے' کہ کہیں پارٹی تقسیم کا شکار نہ ہو جائے...... انہوں نے ملک کے تحفظ و مفاد کو پارٹی کے مفاد سے جوڑا۔ ان کا یقین تھا کہ صرف کانگریس ہی ملک کی صحیح تعمیر کرسکتی ہے۔ یہ اندرا گاندھی کے حق میں ایک نعمت غیر مترقبہ تھی' اور صورتِ حال کا استحصال کرنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

۲۹/ اگست ۶۹ کو منعقدہ کانگریس پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں' اندرا گاندھی نے

اُنھوں نے کن حالات سے مجبور ہوکر، دیگر سیاسی پارٹیوں سے 'صدرِ ہند کے انتخاب میں حمایت طلب کی تھی۔ فخر الدین علی احمد اور جگجیون رام نے، جو اُس وقت وہاں موجود تھے کہا کہ اب بھی حالات پر قابو پایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ٹھنڈے دِل سے غور کیا جائے۔ وہ جب یہ کہہ رہے تھے تو اُنھوں نے کبھی برائے نام بھی، پارٹی کے اصولوں کے خلاف، اُن کے رویّہ پر شرمندگی یا تاسّف کا اظہار نہیں کیا...... کامراج اور ایس۔ کے۔ پاٹل نے کہا کہ اندرا گاندھی اور اُن کے حمایتیوں کے خلاف، سخت کارروائی کی جائے۔ مگر شکر ہے چوہان کی دوراندیشی، نجلنگپّا کی شریف النفسی، اور اندرا گاندھی کی حکمتِ عملی کا، کہ اُٹھتا ہوا طوفان میٹنگ کے اختتام تک ٹھنڈا پڑ گیا، پارٹی کے اندر، اتحاد برقرار رکھنے کی قرارداد پاس کی گئی...... نجلنگپّا نے اطمینان کا سانس لیا کہ چلو ایک پُرانا باب ختم ہوگیا۔

اندرا گاندھی نے اس نتیجے پر خوشی کا اظہار کیا، اور محسوس کیا کہ جیت اپنے گروپ کی ہوئی ہے۔ پارٹی نے اس بات کا نوٹس لیا کہ دراصل صدر کانگریس اور وزیر اعظم، کبھی اقتدار کے پیچھے نہیں تھے، بلکہ یہ کہ پارٹی کے استحکام کے لئے کوشاں رہنے کا فرض صدر پارٹی کا ہے تو پارٹی کی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے کا فرض، وزیر اعظم کا ہے۔ مزید یہ کہ وزیر اعظم کی خصوصی ذمہ داری ہوگی کہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر، ملک کا وقار بنائے، اور بڑھائے رکھیں، اور اس طرح دونوں بڑے قائدین، اپنے اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے رہیں، مگر اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر......

اس اتحاد کا جشن منانے کے لئے، اندرا گاندھی نے ایک عشائیہ کا اہتمام کیا، پر دعوت نہیں ہو پائی۔ جہاں تک نجلنگپّا کا تعلق ہے، دو ماہ کی مسلسل دوڑ دھوپ سے، اُن کی صحت پر کافی اثر پڑا، اور وہ بلڈ پریشر کا شکار ہوگئے۔ اندرا گاندھی، نجلنگپّا کی مزاج پُرسی کے لئے گئیں۔

ملاقات کی کہ مُرار جی کے استعفیٰ کا معاملہ سلجھالیا جائے، چونکہ ایک عرصہ کے بعد اُن دونوں کی ملاقات ہوئی تھی' ایک دوستانہ فضا میں، دونوں نے سنجیدہ معاملات پر تبادلۂ خیال نہیں کیا' اور اپنا وقت خیر و عافیت دریافت کرنے میں صَرف کر دیا۔

پارٹی کے مفاد کی خاطر' گو کہ نجلنگپّا' ہر ممکن کوشش کے لئے رضامند تھے، تاہم اندرا گاندھی کے حمایتی' ان کے خلاف سرد جنگ پر پوری طرح اڑے ہوئے تھے۔ مُرار جی نے سرکار کی پالیسی کی مخالفت میں' اپنی مہم جاری رکھی تو حالات بگڑتے گئے۔ دریں اثناء چوہان' اندرا گاندھی کی کھلم کھلا تائید کرنے لگے' اور بالآخر ۱۸ر ستمبر ۶۹ء کو مہاراشٹر پی سی سی کے ایک سمینار میں' انہوں نے اندرا گاندھی سے اپنی وفاداری کا اعلان کر ہی دیا۔ انہوں نے پارٹی کے صدارتی امیدوار کے خلاف کھل کر بیان دیا......

اس طرح' اندرا گاندھی اور اُن کے حمایتیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا ہی گیا' جس سے شہ پا کر انہوں نے' ایک دستخطی مہم کے ذریعہ کانگریس کا ایک خصوصی اجلاس طلب کیا ۔ظاہر بات ہے کہ اس سے اُن کا مقصد نجلنگپّا کو صدارت سے ہٹا کر ایک ایسے شخص کو وہاں بٹھانا تھا' جو اندرا گاندھی کے طریقۂ کار کو پسند کرتا ہو۔ یہ وہ نازک وقت تھا' جب کانگریس' ہمہ قسم کے پریشان کن مسائل سے گھری ہوئی تھی۔

تملناڈو کانگریس کے اندرونی اختلافات سے تنگ آ کر' سی سبرامنیم پی سی سی کی صدارت سے مستعفی ہو گئے ۔ چونکہ اُن کی اے آئی سی سی میں رُکنیت' پی سی سی کے صدر کے ناطے تھی' نجلنگپّا نے محسوس کیا کہ سبرامنیم' یہاں کی رُکنیت سے خود بخود خارج ہو گئے ہیں۔ اُتر پردیش پی سی سی کے صدر کملاپتی ترپاٹھی اور آندھرا کے کانی وینکٹ رامن کی' ریاستی کابیناؤں میں شمولیت کی وجہ سے، اُن کی بھی رکنیت خود بخود ختم ہو گئی تھی۔ شنکر دیال شرما نے صدرِ کانگریس نجلنگپّا پر دباؤ ڈالا کہ تکنیکی نقطۂ نظر سے اس کمی کو تحریر میں لایا جائے'

اعلان کیا کہ جو بھی اُن کی پارٹی اور جمہوری سوشیلزم پر بھروسہ رکھتا ہے' وہ راست کانگریس میں شامل ہو جائے' وہ چاہے کسی بھی پارٹی سے تعلق رکھتا ہو۔

نجلنگپّا کا' اندرا گاندھی کے ساتھ اہم مسئلہ یہ تھا کہ اندرا گاندھی نے کمیونسٹوں کو کانگریس میں داخلے کے لئے راہیں صاف کردی تھیں۔

۴ ؍ستمبر ۶۹ ء کو' انہوں نے بنگلور میں اخباری نمائندوں کو یہی بیان دیا...... مگر یہ بھی کہا کہ اگر وہ لوگ کانگریس کے مفاد میں کام کرنے کی اچھی نیّت رکھتے ہوں تو ان کا دِلی خیر مقدم ہے۔ انہوں نے اپنے طویل بیان میں مختلف نظریات کا جائزہ لیا' اور کہا کہ اُن کی پالیسی نہ تو امریکہ کی سرمایہ کاری کے حق میں ہے' او نہ ہی روسی کمیونزم کے۔ وہ ایک ایسا ہندوستانی معاشرہ چاہتے ہیں' جس میں صرف ہندوستانیت ہو' ہندوستانی تہذب و تمدن ہو' اور یہاں کے باشندوں کے جذبات کی ترجمانی واحترام ہو۔ اس بات کا اعادہ بھی کیا کہ ان کی غرباء پروری کسی سے پیچھے نہیں ہے' اور یہ کہ' دنیا بھر کے باشندوں کی خوشحالی کے وہ متمنّی ہیں۔ اُن کی تمنا ہے کہ ملک کی تعمیر میں، ہر فرد کا ہاتھ ہو، اور ملک میں ایسی آزاد جمہوریت ہو' جہاں کسی کا استحصال نہ ہو۔ اُنہوں نے ہر اس پارٹی کو ناپسند بتایا ' جو اس تعمیری کام میں سدراہ بنتی ہو۔

وہ کھوکھلے نعروں کو پسند نہیں کرتے تھے' اور سمجھتے تھے کہ اعلیٰ معیار کے لئے سرکاری اور خانگی کارخانے اور کاروبار' شانہ بشانہ چلیں، تاکہ صحت مند مقابلہ ہو۔ آخر میں اُنہوں نے یہ اعلان کیا کہ وہ ایک ایسی نئی پارٹی پسند کریں گے' جو جمہوریت' سوشیلزم اور لادینی نظریات پر عمل کرتی ہو' مگر ذاتی طور پر وہ ایک کانگریسی ہی رہ کر مرنا پسند کریں گے۔

ورکنگ کمیٹی کی ہدایات کے مطابق' صدر کانگریس اور وزیراعظم نے ۸ ستمبر ۶۹ ء کو'

کیئے۔ ۱۵؍اکتوبر ۶۹ء کو اندؔرا گاندھی نے اپنی کابینہ کے چار وزیروں کو بہ شمول نجلنگپّا گروپ کے یم۔ ایس۔ گروپدؔاسوامی اور جگناتھؔ پہاڑیہ کو لکھا کہ وہ اپنے اپنے استعفیٰ روانہ کردیں...... اور پھر اِن پر زور بھی ڈالا گیا۔ نجلنگپّا نے نہایت متانت و سنجیدگی سے' اس صورت حال کا مقابلہ کیا' اور کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا کہ اپنے وزیروں سے استعفیٰ طلب کرنا، وزیراعظم کا اختیار کُلی ہے' اور پارٹی اس میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اندرا گاندھی اور ان کے وفاداران نے وقت ضائع کیئے بغیر ملک کا دورہ کیا' اور سنڈیکیٹ کے خلاف مہم چلائی۔ پھر بھی اپنے طور پر اندؔرا گاندھی اور نجلنگپّا کو ہم خیال بنانے کی کوشش بھی ہوتی رہی۔ نجلنگپّا کے قریبی ساتھی وزیر ویریندرآ پاٹل نے مصالحت کی کوشش کی' پر، چونکہ وہ نجلنگپّا کے آدمی تھے' اندؔرا گاندھی نے پاؔٹل کو مشکوک بنادیا...... اندؔرا گاندھی نے پکّا ارادہ کرلیا کہ سنڈیکیٹ کو مفلوج کر کے چھوڑیں گی، اور نجلنگپّا کو صدارت سے ہٹانا ہی ہوگا، جس کے لئے سبرؔامنیم کا استعفیٰ ایک مؤثر ہتھیار ثابت ہونے جارہا تھا۔

۲۸؍اکتوبر ۶۹ء کو لکھے ہوئے ایک طویل خط میں، نجلنگپّا نے حالات حاضرہ کا خلاصہ پیش کیا کہ کس طرح' کانگریس کے بنگلور سیشن کے بعد' پارٹی میں پُھوٹ کی وہ ذمہ دار ہیں۔ خط کے چند اہم مندرجات یوں ہیں......

پارٹی کی تاریخ میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ ورکنگ کمیٹی نے' صدر کے خلاف پروپگنڈہ کے لئے پورے ملک کا دورہ کیا ہو' اور یہ کہنے کے لئے کہ ایک خصوصی اجلاس کی سخت ضرورت ہے' ماضی میں' اگر اختلافات ہوتے تو ورکنگ کمیٹی میں سیر حاصل بحث کے بعد، دوستانہ فضاء میں حل ڈھونڈ نکال لیا جاتا۔ اندؔرا گاندھی نے نفاست اور سچائی کو الوداع کہہ کر نجلنگپّا پر الزامات کی بھرمار کردی۔

صدارتی انتخاب میں تین ماہ پہلے ہی، انہوں نے پارٹی کے امیدوار کے موضوع کو

اور اس پر مُہر لگادی جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ شرما، نجلنگپّا کے خلاف کھیل کھیل رہے تھے، تاکہ مناسب وقت پر اس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھایا جاسکے۔

۸/ اکتوبر ۶۹ء کو دراصل' اندرا گاندھی اور اُن کے حمایتیوں نے' بہ شمول جگجیون رام' نجلنگپّا کو ایک مراسلہ بھیجا' جس میں اُن خالی اسامیوں کو ایک متنازعہ فیہ مسئلہ بتایا گیا۔ اُن کا کہنا تھا کہ پارٹی کے اس بحران میں اگر سبرامنیم کو پارٹی کی ورکنگ کمیٹی کی رُکنیت سے خارج کردیا گیا تو پارٹی کی سالمیت کو دھکّہ پہنچے گا' اور یہ کہ ورکنگ کمیٹی کا یہ اختیار، تقریباً بیس سال پہلے کا دیا ہوا ہے۔ لہٰذا اُن کا مطالبہ تھا کہ اے آئی سی سی کا اجلاس طلب کرکے اِن امور پر تبادلۂ خیال ہو...... اور تب تک صدر سے گذارش کی گئی کہ رُکنیت سے خارج کرنے کے احکامات' التواء میں رکھے جائیں۔ دوسرے ہی دن' نجلنگپّا نے اپنا جواب بھجوایا کہ انہیں خواہ مخواہ اس تنازعہ میں ملوث کیا گیا ہے' جبکہ انہوں نے ایسا کچھ کیا ہی نہیں...... انہوں نے سبرامنیم کو کوئی خط نہیں لکھا تھا' لہٰذا' اندرا گاندھی اور اُن کے پانچ ساتھی دستخطیوں کا صدر کانگریس پر الزام سراسر غلط و بے بنیاد تھا۔ صدر کانگریس نے کہا کہ اُنہوں نے تو صرف ضابطہ کا احترام کیا ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے اس بیس سالہ پُرانے قانون میں 'چونکہ اب تک کوئی ترمیم نہیں ہوئی ہے' اس کا احترام کرنا پارٹی کے لئے ضروری ہے۔ انہوں نے الزام لگانے والوں سے پوچھا کہ انہیں قانون کا پاس ہے کہ گزرتے ہوئے وقت کا؟ نجلنگپّا' چونکہ ایک تجربہ کار وکیل رہ چکے تھے' قانون کی پاسداری میں، انہوں نے کہیں سمجھوتہ نہیں کیا' اور وہی کیا جو قانون مطالبہ کرتا ہے۔

بہرحال' سچائی جو بھی ہو' نجلنگپّا کے خلاف ایک سیاسی چال چلی جارہی تھی۔ سنڈیکیٹ کے خلاف مہم آرائی میں' اندرا گاندھی نے اپنے تمام وسائل و ذرائع استعمال

نہیں کہا کہ دراصل یہی کانگریس کی پالیسی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ بینکوں کے قومیانے کا فیصلہ خود اُن کا ہے' مگر انہیں یہ یاد نہیں رہا کہ اس کا خاکہ، بہت پہلے 'کامراج، چوہان اور اتلیہ گھوش نے تیار کیا تھا۔ وہ جتانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ سارے تعمیری کاموں اور منصوبوں کی روحِ رواں صرف وہی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ساری مشقیں خود اپنے امیج کو بڑھا کر عوام میں مقبول ہونا تھا۔

اندرا گاندھی کے حمایتیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ عبوری نظم و ضبط سے واسطہ رکھنے والے سبھی لوگ' رجعت پسند ہیں۔ انہوں نے بڑی احتیاط سے ان سارے لوگوں کو اپنے اپنے عہدوں سے ہٹا دیا جو اُن کے شخصی فیصلوں سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ فرقہ واریت اور گروہ بندی کی وہ' اپنے آپ کو مخالف بتاتی تھیں۔ اُن کے حالیہ خط میں، ورکنگ کمیٹی کے چھ ارکان کے دستخط تھے، جو ملک میں یہ تصور پیش کرتے پھر رہے تھے کہ طاقتور عظیم رہنما کے شخصی فیصلے، تمام اداروں کے فیصلوں سے بالاتر ہیں۔ ان کے وزیر' پارٹی کے وفاداروں سے کہتے تھے کہ باضابطہ جمہوری طور پر منتخب لوگوں کے خلاف' بغاوت کریں۔ انہوں نے ایسی پالیسی بھی اپنائی' جس کے تحت' اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملانے والی ریاستی سرکاروں کو اُکھاڑ پھینکا' جہاں بھی موقع ملا کمیونسٹوں' ڈی ایم کے اور مسلم لیگ کو اپنے ساتھ رکھ کر کانگریس کو شکست دینے کی کوشش کی' جو حمایتی تھے' اُن کے جرم قابل گرفت نہیں تھے' نہ انہوں نے انکم ٹیکس بھرا' اور نہ انہیں ذاتی آمدنی کا اعلان کرنے کی ضرورت تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں پارٹی کے لئے وصول شدہ رقم کا حساب دینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ نجلنگپا نے جمہوریت کو ہمیشہ ایک اجتماعی سرکار کا درجہ دیا۔ اس ضمن میں، انہوں نے اندرا گاندھی کو لکھا کہ ''یہ لکھتے ہوئے اُنہیں دکھ ہو رہا ہے کہ اب وہ بات لکھنے جا رہے ہیں' جس کو لکھنے کے لئے عرصہ سے تذبذب میں تھے

نیا موڑ دینے کی کوشش کی تھی، پر اندرا گاندھی نے کوئی ردِعمل نہیں دکھایا تھا' جب پارٹی کے امیدوار کی شکست ہوگئی تو' ذرّہ برابر بھی افسوس نہیں کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ کہتی پھر رہی تھیں کہ گری کی جیت' دراصل اُن کی جیت ہے۔ اس انتخاب کے بعد' ان کا رویہ، ذاتی اور سیاسی سطح پر' قابلِ اعتراض و ملامت تھا۔

ضمیر کی آواز پر، ووٹ دینے کا اُن کا ناقابل مدافعت تصور' کام کر گیا اور اُن کے امیدوار کو مسلم لیگ اور کمیونسٹوں کی حمایت مل گئی۔ اندرا گاندھی کے ایسے اقدامات سے کانگریس پارٹی کے تحفظ اور امیج کو بھاری نقصان پہنچا' جس سے اگلی کارروائیاں متاثر ہوئیں۔ صدارتی انتخاب کے بعد، پارٹی نے اتحاد کی قرارداد پاس کی، مگر اتحاد کا دُور دُور تک پتہ نہ تھا' جہاں باضابطگی نہ ہو' وہاں پارٹی کے احکامات وفیصلوں کا کیا کام۔ اندرا گاندھی نے اپنے اختیارات چلانے میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں کیا۔ وہ ہمیشہ اپنی من مانی کرتیں' اور تمام جمہوری ذمہ داریوں کو جن کے بل بوتے پر وہ برسرِ اقتدار آئی تھیں' نظرانداز کر دیتیں۔ اپنی تمام ادارتی زندگی کو پُرتشدد بنا دیا تھا' اور ایک ایسی فضا پیدا کر دی تھی' جس میں ضوابط کو کھلی سانس لینے کی آزادی نہیں تھی۔ انہوں نے کہا کہ وہ گروہ بندی کے خلاف ہیں' اور سنڈیکیٹ کو ایک ایسا ہی گروہ قرار دیا۔ پر، یہ سنڈیکیٹ درحقیقت تھا کیا؟...... یہ تو پریس والوں کا اُن لوگوں کے جھرمٹ کو دیا ہوا نام تھا' جنہوں نے ۱۹۶۵ء میں شاستری کو اور پھر ۱۹۶۷ء میں اندرا گاندھی کو وزیراعظم بنایا تھا۔ اُس وقت اندرا گاندھی نے سنڈیکیٹ کو ایک رجعت پسند گروہ نہیں مانا تھا...... اور یہ بھی نہیں سمجھا تھا کہ یہ لوگ سرمایہ داروں کے کھلونے ہیں۔

جب یہ کہتی پھر رہی تھیں کہ "یہ گروہ" ترقیاتی منصوبوں میں رُکاوٹ پیدا کر رہا ہے' جیسے بینکوں کو قومیانے کی مخالفت کرنا' اُن کا کہنا تھا کہ وہ غریبوں کی ہمدرد ہیں' مگر یہ کبھی

تقسیم ہوگئی۔ایک اجلاس صدر نجلنگپّا کی صدارت میں ہوا تو دوسرا اندرا گاندھی کی رہائش گاہ پر۔نجلنگپّا گروپ نے یہ قرارداد منظور کی کہ اندرا گاندھی کے گروپ کا اجلاس غیر قانونی ہے اور یہ کہ صدر نجلنگپّا کو صدارت سے ہٹانے کے لئے بُلایا گیا ہے، جس کی بازگشت گجرات پی سی سی میں سنی گئی تھی۔

ادھر اندرا گاندھی کے حمایتیوں نے فخر الدین علی احمد اور سبرا منیم کو ورکنگ کمیٹی سے خارج کرنے کی قرارداد کے خلاف قرارداد پاس کی اور یہ الزام عائد کیا کہ سنڈیکیٹ اندرا گاندھی کے ہم خیالوں کو ورکنگ کمیٹی سے نکال کر، اپنا اقتدار بنائے رکھنا چاہتا ہے۔

جہاں اندرا گاندھی کے گروپ کا اجلاس پُرسکون رہا وہاں نجلنگپّا کے گروپ میں بے اطمینانی رہی۔کانگریس کے دفتر کے پاس اندرا گاندھی کے حمایتیوں نے ہنگامہ کیا۔انہوں نے نجلنگپّا کی کار پر حملہ کیا۔انہیں کار سے باہر گھسیٹا اور ان سے ہاتھا پائی کی۔اُن کو گالیاں بھی دیں۔انہیں پولیس کی مدد سے دفتر پہنچایا گیا ...... چند ایک پریس رپورٹروں نے کہا کہ یہ غنڈہ گردی پیشہ ور غنڈوں کی مدد سے ہوئی، جن کا سرغنہ ایک سردار جی تھا۔

اتلیہ گھوش اور دوسرے سینئر قائدین بھی کرایہ پر لائے گئے غنڈوں کے ہاتھوں زخمی ہوئے ...... اجلاس پولیس کی زیر نگرانی ہوا، جس میں موجودہ سرکار کی اقتصادی سرگرمیوں اور خارجہ پالیسیوں کو سرے سے مسترد کردیا گیا مگر سب سے زیادہ اہم یہ بات طے ہوئی کہ اندرا گاندھی کے خلاف کارروائی کی جائے اور پارلیمانی کانگریس پارٹی سے کہا جائے کہ اندرا گاندھی کی جگہ ایک دوسرا قائد چنیں۔

ایک رکن ابراہام نے پہلے اندرا گاندھی کے اجلاس میں شرکت کی بعدازاں نجلنگپّا کے گروپ کے اجلاس میں چلے آئے۔نتیجتاً اکیس (۲۱) رکنی ورکنگ کمیٹی میں اندرا

۔صدر ہونے کے ناطے‘ اب وہی بات لکھنے پر مجبور ہیں کہ یہ اُن کا فرض ہے کہ کئی ایک باتوں کی وضاحت کردیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں کانگریس میں پارٹی کی سالمیت بہت عزیز ہے کہ اس میں جمہوری ذمہ داریوں کا بول بالا ہے۔ یہ خط کسی بُری نیت سے نہیں لکھا جارہا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اندرا گاندھی سے یہ امید ظاہر کی کہ وہ ٹھنڈے دل ودماغ سے پڑھیں‘ جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنی غلطیوں کی اب بھی اصلاح کرسکتی ہیں‘ تاکہ پارٹی کا وقار‘ اس کی سالمیت برقرار رہے، جہاں قومی فلاح وبہبود اور اداروں کی فضاء قائم رہے‘ اس کا احترام باقی رہے۔ یہ خط‘ گو کہ بیحد نرم لہجہ میں لکھا گیا ہے‘ اپنے اندر ایک ناقابلِ لچک اُصولوں کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔“ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نجلنگپّا‘ عام طور پر خلیق، ہنس مکھ‘ نرم گو اور بھولے بھالے ہونے کے باوجود‘ وقت آنے پر کس قدر سخت بھی ہوسکتے ہیں‘ مگر ایسا نہیں کہ وہ جمع تفریق کی سیاسی چالوں والے حریفوں کے ہاں میں ہاں ملا رہے تھے...... یہاں ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ سیاست میں اُصول پسندی وباضابطگی کی جگہ نمائش اور من مانی پالیسیوں کا دخل، اچھے اثرات نہیں لاتا۔

یکم نومبر ۶۹ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہونے جارہا تھا‘ مگر اس سے پہلے ہی نجلنگپّا نے فخر الدین علی احمد اور سبرامنیم کو رکنیت سے خارج کردیا۔ بہتوں کا خیال تھا کہ ایسا کرنے سے‘ نجلنگپّا نے‘ اندرا گاندھی کی کابینہ سے خارج کئے گئے سنڈیکیٹ کے وفادارن کا معقول جواب دیا تھا۔ دریں اثناء‘ اندرا گاندھی اور اُن کے حمایتی‘ نجلنگپّا پر سخت برہم ہوئے کہ انہوں نے اراکین کے مطالبہ پر کارروائی نہیں کی اور اے آئی سی سی کا اجلاس طلب نہیں کیا۔ اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ رضاکارانہ طور پر‘ ۲۲ر اور ۲۳ر دسمبر ۶۹ء کو اے آئی سی سی کا اجلاس طلب کریں گے، مگر اس سے پہلے‘ ورکنگ کمیٹی کی

کے عہدے سے ہٹا دیا جائے گا۔ نجلنگپا نے لکھا کہ اوپر لکھی ہوئی ساری خبریں انہیں روزناموں کے ذریعہ ملی ہیں۔ اس لئے واضح کردیا کہ اندرا گاندھی کی تمام کارکردگی ناقابلِ معافی ہے۔ پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی ایک جُرم ہے، جس سے پارٹی کی سالمیت بُری طرح متاثر ہوتی ہے۔ نجلنگپا نے، یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اندرا گاندھی کی پالیسیوں سے خطرناک نتائج نکلیں گے، اور اب وقت آگیا ہے کہ کانگریسی خود فیصلہ کرلیں کہ اس صورتِ حال، توڑ پھوڑ اور بے اُصولی سے عظیم سیاسی پارٹی کو کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ کانگریس، عوام کے سامنے جوابدہ ہے، یہ بات بھی نجلنگپا نے اندرا گاندھی کے لکھے خط میں صاف صاف بیان کردی۔

نجلنگپا نے لکھا کہ وہ اپنا پُرانا خط بھی اخباری نمائندوں کو دیں گے، تاکہ عوام کو صحیح صورت حال کا اندازہ ہوسکے۔ جواب میں اندرا گاندھی نے جو لکھا اس کے مندرجات اجمالاً یوں ہیں۔ کہ نجلنگپا کے اُٹھائے ہوئے متنازعہ فیہ مسائل پر غور کرنے کے لئے انہیں وقت چاہئے تھا۔ جہاں نجلنگپا چاہتے تھے کہ پارٹی میں تقسیم نہ ہو، جمہوریت اور سوشلزم کو بڑھاوا ملے، وہیں سبرامنیم اور فخر الدین علی احمد کو رکنیت سے خارج کرکے دراڑیں پیدا کردیں، جس کا پارٹی کے دستور کے مطابق، صدر کو اختیار نہیں ہے۔ صدر صرف عہدے داروں کو ہٹا سکتا ہے، مگر ورکنگ کمیٹی کے اراکین کو اُن کی دوسالہ میعاد سے پہلے نکالنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور یہ صدر کی طرف سے دستور کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اندرا گاندھی نے سوال کیا کہ جب کانگریس کا صدر اپنی ورکنگ کمیٹی کے اراکین کو خارج کرسکتا ہے تو کیا ایک وزیراعظم، خود اپنی ہی کابینہ کے کسی وزیر کو کابینہ سے ہٹا نہیں سکتا؟ اندرا گاندھی نے کہا کہ یہ کوئی سوال ہی نہیں ہے، جبکہ وزیراعظم کے اختیارات وفرائض، دستور

گاندھی کے اجلاس میں دس رکن تھے، اور نجلنگپّا کے اجلاس میں گیارہ۔

ہوا کا رُخ بتا تا تھا کہ چوراسی سالہ کانگریس پارٹی، جو قومی سالمیت کا جیتا جاگتا نمونہ تھی، اور تحریکِ آزادی کی علمبردار تھی، یکم نومبر ۶۹ء کو دو ٹکڑوں میں بٹ چکی تھی، چونکہ کانگریس ایک نعمت سے کم نہیں تھی، اندرا گاندھی نے چاہا کہ اُس پر پورا قبضہ انہی کا ہو۔ اُن کے قول و فعل سے واضح ہو چکا تھا کہ وہ کسی بھی قیمت پر سنڈیکیٹ سے سمجھوتہ نہیں کریں گی، وہ اس افواہ پر اپنی حکمت عملی پر غور کر رہی تھیں کہ سنڈیکیٹ اُنہیں وزیراعظم کے اقتدار سے ہٹانا چاہتا ہے، پر مبصرین نے لکھا ہے صورتِ حال ایسی تھی کہ سنڈیکیٹ کے پاس، وزیراعظم اور اُن کے حمایتیوں سے جنگ کے لئے کوئی ہتھیار نہیں تھا اور اُس کے قائدین جو روایات سے جُڑے ہوئے ہیں، اندرا گاندھی کی سطح تک اُتر کر لڑنے کے قائل ہی نہیں تھے۔

اپنے پہلے خط کا جواب نہ پا کر، نجلنگپّا نے ۳ر نومبر ۶۹ء کو اندرا گاندھی کو ایک اور خط لکھا، جس کا اجمالاً ذکر بہتر معلوم ہوتا ہے، اُس خط کے ذریعہ اندرا گاندھی کو یاد دلایا گیا کہ پچھلے خط میں اُنہوں نے ان کے طریقۂ کار پر نکتہ چینی کی تھی کہ پارٹی کی سالمیت کو اُس سے خطرہ ہے۔ یہ صلاح بھی دی تھی کہ وہ اپنے ٹیڑھے پن سے باز آجائیں، اور سیدھی صاف ستھری پالیسیاں رائج کریں۔ یہ دیکھ کر انہیں رنج ہوا ہے کہ اُن کے خط کا جواب نہیں آیا، چونکہ اُن کا اخلاقی فرض تھا، اور یہ کہ انہوں نے (اندرا گاندھی) باضابطہ طور پر تشکیل کی گئی ورکنگ کمیٹی کا بائیکاٹ کیا، اور پھر طرّہ یہ کہ ایک نئی کمیٹی کی تشکیل کر کے متوازی اجلاس کر کے، پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی کی، اور اس اجلاس میں، نجلنگپّا کے اجلاس کے چند ایک فیصلوں کو دستور کے خلاف بتایا، اور کہا کہ ۲۲ر اور ۲۳ر دسمبر ۶۹ء کو اے آئی سی سی کا ایک خصوصی اجلاس طلب کریں گی، جس میں انہیں صدارت

مقابلہ کر سکیں' اور یہ کہ اسی کی خاطر، کانگریسیوں نے اے آئی سی سی کا خصوصی اجلاس طلب کیا تھا۔ پارٹی کے قائدین کا یہ فرض بنتا ہے کہ اُن کے مطالبہ کا احترام کریں' ورنہ پارٹی کے تقدس پر آنچ آئے گی' اور ایسے قائدین صحیح معنوں میں جمہوری نہیں کہلا سکتے' اور وہ کبھی پارٹی کو استحکام بخش نہیں سکتے۔

اندرا گاندھی نے نجلنگپّا سے درخواست کی کہ اِن حالات کے پس منظر میں، وہ پھر سے اپنے نظریات پر غور کریں کہ پارٹی کے مسائل ہی دراصل ملک کے مسائل ہیں، اور یہ کہ عوام سے کئے گئے وعدے پورے بھی تو کرنے ہیں۔ انہوں نے زور دیا کہ فرید آباد سیشن میں' جو پروگرام پیش کئے گئے ہیں' اُن میں اور صدارتی خطبہ میں پیش کئے گئے خیالات میں کافی تضاد ہے۔

بنگلور کے سیشن نے اس خلیج کو اور بڑھا دیا۔ اگر اُن کے (اندرا گاندھی) لکھے ہوئے نوٹس پر نظر ڈالی جاتی تو تمام مسائل کا حل نکل جاتا' مگر مُرارجی نے' بدقسمتی سے نوٹس کی ہدایتوں کو نظر انداز کر کے تقریر کی۔ بینکوں کی تسلیم شدہ پارٹی پالیسی کے پیش نظر عمل درآمد سے قبل ہی فضاء مسموم کر دی گئی۔ پر، اِن ترقیاتی پروگراموں کو روکنا، اب ناممکن ہے۔ اِن پر عمل کرنا' صرف حکومت کا فرض نہیں ہے' بلکہ عوام کا اشتراک بھی ضروری ہے، جس کے لئے پارٹی کا وجود بھی پُل کا کام کرتا ہے۔ اگر موجودہ بحران سے چھٹکارا پانا ہو تو یکسوئی سے عمل بیحد ضروری ہے۔ اس لئے ان تمام باتوں کو اے آئی سی سی کے روبرو لایا جائے...... صدر کانگریس سے اندرا گاندھی نے گذارش کی کہ تمام تکنیکی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر، اے آئی سی سی کے اجلاس کی صدارت کریں، جس کا انہوں نے خاکہ تیار کر رکھا ہے، تاکہ اراکین آزادانہ فضا میں اظہارِ خیال کر سکیں' فیصلہ آخر' اکثریت کی رائے پر ہی تو ہوگا!

ہند میں صاف صاف درج ہیں، جبکہ صدر کانگریس کے فرائض و اختیارات، صرف پارٹی کے دستور میں ہیں، اس لئے پارٹی کے صدر اور وزیراعظم کے عہدوں کو ایک ہی سطح پر رکھنا، مناسب نہیں۔ اندرا گاندھی نے اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ صدر کو اختیار ہے کہ شنکر دیال شرما کو جنرل سکریٹری کے عہدہ سے ہٹا دیں، مگر انہیں اختیار نہیں کہ کسی رکن کو ورکنگ کمیٹی سے ہٹائیں۔ اندرا گاندھی نے نجلنگپا پر یہ الزام عائد کیا کہ انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر، پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی کی ہے۔ انہوں نے، یہ وجہ بتائی کہ جواب میں تاخیر کا اصل سبب، صدر کے ساتھ بے جا بحث سے پرے رہنا تھا، اور اب جواب اس لئے دیا جا رہا ہے کہ صدر پارٹی نے اُن خطوط کی نقلیں، پریس کو دے دی ہیں۔

صدارتی انتخاب کے مسئلہ پر، اندرا گاندھی نے کہا کہ اس پر کافی تبادلۂ خیال ہو چکا ہے، اور اس پر اب مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اتفاقِ رائے کی خاطر، انہوں نے صدر کے عہدہ کے لئے امیدواروں کی ایک فہرست طلب کی تھی، مگر فہرست بھجوانے کے عوض، بنگلور کے ورکنگ کمیٹی کے اجلاس نے، رضا کارانہ طور پر، ایک امیدوار کو چُن لیا، اور وہ بھی کافی عجلت میں...... یہی بات، درحقیقت تمام مسائل کی جڑ ہے۔ صدارتی امیدوار کے تعلق سے لیا گیا فیصلہ، سیاسی شعور کی ناپختگی کا ثبوت ہے۔ دراصل گری ایک آزاد امیدوار تھے، اور انہیں کمیونسٹ اور مسلم لیگ نے کھڑا کیا تھا، جس کا ساتھ دوسری پارٹیوں نے بھی دیا۔ گری کی جیت سے اُن کا یا ان کے ساتھیوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اندرا گاندھی نے یقین دلایا کہ اس میں اُن کی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ پارٹی کو لادینی سوشلزم کی پالیسی پر متحد ہو کر کام کرنا ہے۔ لہٰذا اندرا گاندھی نے نجلنگپا سے اپیل کی کہ اِن مقاصد کے پیشِ نظر، اُن کا ساتھ دیں، تا کہ دشمن عناصر کا

کے خادم ہیں۔ خود ہی کانگریس بن بیٹھے۔ پارٹی کے اندر' اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کی غرض سے، انھوں نے ایماندار و فعّال اراکین کو پارٹی سے نکال دیا۔ اُن کی اقتدار پسندی' اور زیادتی سے تنگ آکر کئی اچھے کانگریسی، پارٹی سے مستعفی ہو گئے' اور سیاست سے سنیاس لے لیا۔ اتنا ہی نہیں' خود غرض عناصر نے' پارٹی کے استحکام میں رخنہ ڈال کر' نوجوان خون شامل کر دیا۔

انہوں نے اَن دیکھے اشخاص کو پارٹی کی رکنیت سے نوازا' پھر پارٹی کا اقتدار سنبھالا' جس سے اُن کا مقصد' سرکار کی پالیسیوں سے ہٹکر' اپنی من مانی کرنا تھا۔ وہ اے آئی سی سی کا اجلاس' جو اندرا گاندھی اور اُن کے حمایتیوں نے بُلایا تھا' وہ ایک ''فورم'' کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا' جہاں ان مسائل پر کھل کر بحث کرنے کی توقع تھی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اُن کی بڑی خواہش ہے کہ وہ عظیم قومی پارٹی' جس نے ملک کو آزادی دلائی' وہ اور ترقی کرے' اور ایک نئے سماجی شعور کے ساتھ تعمیر ملک میں جُٹ جائے۔ اس لئے وہ اپنے خط کے ساتھ' ضمیمے اور وہ خطوط بھی منسلک کر رہی ہیں' جو صدرِ کانگریس اور اُن کے بیچ' اور پھر فخر الدین علی احمد اور صدرِ کانگریس کے بیچ لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد اندرا گاندھی نے اس خط میں چند وزرائے اعلیٰ کے درمیان ہوئی بات چیت کی طرف بھی اشارہ کیا۔

جب یہ باتیں ہو رہی تھیں تو نجلنگپّا نے اندرا گاندھی کے طریقۂ کار کے بارے میں وضاحت طلب کی۔ اس کے باوجود، اندرا گاندھی نے نجلنگپّا سے ملاقات کی، اور کے سی ابراہام اور ویریندرا پاٹل کے مشوروں پر تبادلۂ خیال کیا۔ اندرا گاندھی کی نظر میں' نجلنگپّا کا کردار' بیحد قابل احترام تھا۔

چونکہ اُن کا طلب کردہ اجلاس' صرف ایک امر یا موضوع یعنی صدارتی انتخاب پر

انہوں نے نجلنگپّا سے گذارش کی کہ ذاتیات سے اُوپر اُٹھ کر، پارٹی کی قراردادوں کو لاگو کریں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تکنیکی طور پر اے آئی سی سی کا اجلاس طلب کرنا غیر قانونی ہے تو وہ خود ایک میٹنگ طلب کریں۔

اس خط کو بھجوانے کے بعد، اراکین کو باخبر کرنے کے لئے' اندرا گاندھی نے وہ خط، شائع کروا کر تقسیم کروا دیا۔ اس میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا کہ ملک کی طرح، پارٹی بھی ایک بحران سے گذر رہی ہے' اور اس کا واحد سبب' پارلیمان اور پارٹی کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج ہے۔ اہم اختلافات تو کانگریس کی پالیسیوں اور اُس کے اغراض ومقاصد کے ہیں' اندرونِ کانگریس' ایک گروپ سوشلزم' معاشرتی تبدیلیوں' اندرونی جمہوریت اور کھلی بحث کا قائل تھا تو دوسری طرف وہ گروپ تھا' جو روایت' صورت حال کی بحالی اور بحث و مباحثہ کے بغیر فیصلہ کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔

دوسرے گروپ نے تبدیلی کا نعرہ بلند تو کیا' پر، اس کے عمل کی بات آئی تو مورچہ چھوڑ دیا' اور قراداد کی مخالفت پر اُتر آیا۔ ہنگامی طور پر ایک ایسے گروپ کا اُبھر آنا' کوئی تعجب خیز بات نہ تھی' دراصل اس کا وجود، پچھلے کوئی بائیس سال سے تھا' اس گروپ نے ان کے والد بزرگوار کے تعمیری منصوبوں اور سماجی سدھار کے منصوبوں کی منظّم طریقے سے مخالفت کی تھی۔ وہ کانگریس' جس کی آبیاری' مہاتما گاندھی اور ان کے والد جواہر لال نہرو نے کی تھی' آج بھی ملک کے سماجی ڈھانچے کو فعّال و طاقتور بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے ایسے ہی پُر امن سماجی انقلاب کا خواب دیکھا تھا۔ اگر کانگریس یہ کر نہیں سکتی تو اُس کا وجود بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

حصول آزدی کے بعد' سینئر قائدین نے نظم ونسق کے بڑے منصبوں پر اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیں' اور جو باقی تھے' وہ خود غرض' مطلبی بن گئے' یہ بھول کر کہ وہ عوام

اندرا گاندھی نے یہ دلیل پیش کی کہ دو گروہوں کے بیچ موجودہ رسہ کشی کے دو ذرائع ہیں۔ ایک کا تعلق قانون سے ہے' اور دوسرے کا دستور سے۔ نجلنگپّا اور ان کے درمیان ہوئی خط وکتابت پر اِن امور پر تفصیلی بحث ہوئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسائل' حقیقی تھے' مگر ایک اور ایسا مسئلہ بھی تھا' جو اِن سے کئی گُنا بڑا' اور بیحد اہم تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا کانگریسی' جنھوں نے اپنی قربانیوں اور انتھک کوششوں سے کانگریس کو مضبوط کیا تھا' وہ اُس کی پالیسیوں کو ایک ٹھوس شکل دیں یا نو واردوں کو جو پارٹی پر قبضہ جمانے لگے ہیں' اُن کو اپنی من مانی کے لئے' چھوٹ دے دی جائے؟

یہ تنازعہ' ایک طرف' حاکمانہ ذہنیت کے فریق اور دوسری طرف' خالص جمہوریت پسند فریق کے بیچ تھا۔ وہ تو شروع سے تھا ہی' پر، اب سنگین شکل اختیار کر گیا تھا۔ کانگریس کا مقصد' سماجی' اقتصادی تبدیلی کے ذریعے، ایک نیا سماجی نقلاب لانا تھا۔ پر، پارٹی نے اپنی صلاحیتوں کو اپنے ہی ہاتھوں، کھوڈالا تھا۔ آج اُس کی توانا آواز میں' وہ اعتماد وخلوص نہیں تھا' جو پہلے تھا۔ ایک عام کانگریسی کو لب کشائی کا حق نہیں تھا، اور پارٹی کی دیگر شاخوں کو اپنی اپنی سطح پر کام کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

موجودہ رسہ کشی کی نوعیت کچھ بھی ہو' اہم سوال یہ تھا کہ کانگریس، عوام کے لئے اب کیا کر سکتی ہے؟ ...... پارٹی کو وہی کچھ کرنا تھا' جو جمہوریت اور سوشلزم کے تئیں اُن کا رویّہ یا وعدہ تھا۔ دونوں بہت اہم بھی تھے' اور ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ بھی' اور یہ کام نظریاتی بنیاد پر بنی کانگریس ہی انجام دے سکتی تھی۔

لوگوں کو سمجھانا چاہئے کہ ترقی کی صحیح سمت کونسی ہے' سوشلزم کیا ہے، اور اسے قانونی حیثیت کیسے دی جا سکتی ہے۔ کانگریس کے لئے ضروری تھا کہ اُسے انتخابات تک محدود

گفتگو کے لئے بُلایا گیا تھا۔ نجلنگپّا کا قیاس تھا کہ اندرا گاندھی کے طرفداروں نے اُن کے خلاف تحریکِ عدم اعتماد پیش کرنے کے لئے بُلایا ہے۔ اندرا گاندھی نے صلاح دی کہ پی سی سی سے اُوپر کے تمام عہدے' انتخابات کے ذریعہ پُر کئے جائیں' اور اس سے پہلے، ووٹروں کی فہرست پر نظرِ ثانی کرلی جائے' مگر نجلنگپّا نے مشورہ دیا کہ انتخابات' موجودہ فہرست کے بل بوتے پر ہی ہوں گے' مگر وہ' اس رائے پر بھی قائم نہیں رہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایک تحریری گذارش اس ضمن میں آئے تو وہ ورکنگ کمیٹی کے روبرو رکھیں گے' اور یہ واضح نہیں کیا کہ وہ متنازعہ فیہ مسئلہ پوری ورکنگ کمیٹی کے روبرو رکھیں گے یا موجودہ کٹی پھٹی کمیٹی کے سامنے۔

وضاحت طلب خط پر بحث نہ نجلنگپّا نے کی اور نہ ہی اندرا گاندھی نے' مگر اندرا گاندھی کو معتبر ذرائع سے پتہ چلا کہ نجلنگپّا کے ارادے' اندرا گاندھی کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کے ہیں، جس میں اُن کے ساتھی بھی شامل کرلئے جائیں گے۔

اندرا گاندھی نے کہا کہ ایسی چھٹ مُٹ باتوں کو نظرانداز کر کے ملک کے اہم مسائل پر غور کریں' کہ عوام اُن کی طرف پُر امید نظروں سے دیکھ رہے ہیں' اور یہ کہ اُن میں اب سیاسی شعور بیدار ہوا ہے' اور اب وقت آگیا ہے کہ اُن کے مستقبل کے لئے منصوبے بنائیں' اور اُن کو عملی جامہ پہنائیں۔ کانگریس کو چاہئے کہ اِن تبدیلیوں کے لئے اپنے در ہمیشہ کھلے رکھے' اور نوجوانوں کو ساتھ لے کر چلیں' تاکہ تکنیکی اور سائنسی ترقی کا عوامی ضرورت کے لئے بہتر و مؤثر استعمال ممکن ہوسکے۔ اس کے لئے ماہرین کی خدمات بھی درکار ہوں گی۔ بہرحال عوام اور ماہرین کو اعتماد میں لے کر' ہر ممکن کوشش کی جائے' اور جہاں جہاں ضرورت ہو' قومی سطح پر بحث مباحثے منعقد کئے جائیں۔

کا بڑا احترام کرتے تھے تو دوسری طرف اندرا گاندھی نے قانون کو خیر باد کہہ دیا کہ یہی قانون کی رُوح ہے ۔ یہی عوام کی ضرورت ہے ۔ ساتھ ساتھ لفظی طور پر ہی سہی، نظریات کے مقابل، قانون کو مسترد کرنے پر ہمیشہ کمربستہ اور یہی وہ بات تھی، جو نجلنگپّا کو بنیادی طور پر نا قابلِ قبول تھی۔

دوسری بات یہ کہ اندرا گاندھی کے مصمم اور پہاڑ جیسے حوصلوں کی بنیادیں ہلانا ناممکن تھا۔ سوال اٹھتا ہے، جیسا کہ نجلنگپّا کا خیال تھا' کہ کیا اندرا گاندھی کی سوشلزم و ترقی پسندی' اُن کی پیش رفت کے لئے ایک حربہ تھی؟

نجلنگپّا اور سنڈیکیٹ کا خیال تھا کہ اندرا گاندھی محض موقع پرست ہیں اور اُن کے قول وفعل میں تضاد ہے۔ صاف لفظوں میں کہا جائے تو یہ کہ اُن کی نظر میں' اندرا گاندھی' چالاک، ٹیڑھی فطرت والی اور نا قابلِ اعتماد تھیں ۔ یہ ایک پیچیدہ تاریخی سوال تھا کہ اس تجربہ میں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ ذاتی اور غیر ذاتی' موقع پرست اور نظریاتی تمنائیں' شیرو شکر ہو جاتی ہیں' یہ تو بس ایک تاریخی مُشاہدہ ہے' اور اندرا گاندھی کو نہ معاف کر دینے کا شاخسانہ ہے' اور نہ ہی اُن کی سیاست کو صحیح ثابت کرنا ہے۔

جیسا کہ بعد کے حالات شاہد ہیں' سنڈیکیٹ' وقت کے ساتھ' شانہ بہ شانہ چلنے کی توانائی سے محروم ہو چکا تھا' اور اندرا گاندھی' حالات پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ چاہے اِس کوشش کے دوران اُن کی نیّت کچھ بھی رہی ہو......

فخر الدین علی احمد نے' جنہیں تحریکِ اتحاد کے اجلاس سے پہلے' ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے اِس الزام پر برخاست کر دیا گیا تھا کہ اُنہوں نے پارٹی کے اُمیدوار کے خلاف' کام کیا ہے' نجلنگپّا کو یکم نومبر ۶۹ء کو ایک خط لکھا کہ انہیں رکنیت سے ہٹانا' غیر قانونی ہے، غیر منصفانہ ہے' اور یہ کہ وہ ابھی بھی اپنی رُکنیت پر بدستور قائم ہیں' نجلنگپّا نے

نہ رکھے، بلکہ مسلسل کوشش سے عوام میں رائج کرے۔ سیاسی و تعلیمی شعور بیدار کرنے کے لئے انواع واقسام کے پروگرام ترتیب دے۔ ایک پُرزور سماجی شعور پیدا کرے، جس کے بغیر، انتخابات نہیں لڑے جاسکتے۔

انہوں نے اعتراف کیا کہ سرکار چلانے کے لئے کانگریس میں پارٹی ایک مشین کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر پارٹی زندہ ہے اور فعال ہے تو سرکار بھی زندہ اور فعال ہے۔ پارٹی کی طاقت اور صحت مندی کا عکس، ممبران اسمبلی اور سرکار کی کارکردگیوں میں نظر آتا ہے۔ اس لئے، پارٹی کی اہمیت کو گھٹایا نہیں جاسکتا۔

دلّی کا اے آئی سی سی کا اجلاس، بالکل اسی مقصد کے لئے طلب کیا گیا تھا، کہ اِس میں نئی رُوح پھونکی جائے اور اُسے ایک فعال جمہوری ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ انہیں یقین تھا کہ یہ سیشن، ایک تازگی کی لہر دوڑا دے گا اور عوام کو اپنے ساتھ صحیح سمت میں لے جائے گا۔ سب کے سامنے، یہی ایک مسئلہ تھا، باقی باتیں، زیادہ پریشان کن نہیں تھیں۔

اِس کھلے خط سے، اندرا گاندھی کی ذہانت، فراست اور سیاسی حکمت عملی کا ثبوت ملتا ہے۔ اُن بیانات سے، اُن پر حرف آنے والی بات مشکل سے نظر آتی ہے۔ کئی ایک باتوں سے اتفاق کرنا ہی پڑے گا کہ وہ صداقت سے بھری ہوئی ہیں۔ مثلاً ۱۹۶۷ء کے حالیہ انتخابات میں کانگریس کی شکست نے بتا دیا تھا کہ پارٹی میں نئی روح پھونکنے کی ضرورت ہے۔ تازگی لانے کی ضرورت ہے۔ اُس کی شاخوں کی تشکیلِ نو اور سب سے بڑھ کر نئے خون کی ضرورت ہے۔ یہ سب کچھ تو صحیح تھا اور شائد، نجلنگپّا بھی اِن ہی خطوط پر کچھ کرنے جارہے تھے، تاہم، اِن دونوں کے درمیان، اہم مسئلوں سے اختلافات کی دیوار بدستور قائم تھی، نجلنگپّا قانونی روایتی کلچر کے پروردہ ہونے کے ناطے، تحریری قانون

کے لئے امیدوار ہوں گے تو اُن کی حمایت کرتے ہوئے انہیں خوشی ہوگی۔

سچ تو یہ ہے کہ پاٹل نے اس مشورہ کو پسند کیا کہ اس سے پھوٹ کو روکا جا سکتا ہے، اور اس کا ذکر اپنے بہی خواہ، نجلنگپا سے بھی کیا، مگر نجلنگپا نے اپنی روایتی، اخلاقی فکر کے پیش نظر، اِس نہج پر، اِس پیش کش کو قبول کرنے کو نامناسب اور اخلاقی گراوٹ سمجھا۔ اُن کا خیال تھا کہ دونوں کے بیچ چلی آ رہی دیرینہ دوستی متاثر ہوگی۔

اس تاریخی فیصلہ پر وہ جمے رہے، اور اقتدار کو خیر باد کہنے کے لئے تیار بھی ہو گئے۔ کچھ بھی ہو، صدارتی انتخاب کے بعد کے دَور میں، پاٹل نے مصالحت کی بھرپور کوشش کی۔ اس کے لئے انہوں نے دونوں قائدین سے ملاقات بھی کی کہ اسی میں پارٹی کی بہتری ہے۔ انہوں نے نجلنگپا سے کہا کہ اندرا گاندھی کے دیئے جانے والے عشائیہ میں وہ ضرور جائیں، تا کہ کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔ عشائیہ تو بخوبی اختتام پذیر ہوا، پر دونوں میں ہم خیالی، ممکن نہ ہو سکی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر چٹان کی طرح اڑے رہے۔

نجلنگپا نے، اندرا گاندھی کو اپنے گھر، ڈِنر پر بُلایا۔ انہوں نے ہاں تو کہہ دی، پر آخری لمحوں میں یہ کہہ کر معذرت چاہ لی کہ وہ مصروف ہیں۔ پاٹل کا قیاس تھا کہ اندرا گاندھی نے اپنے قریبی ساتھیوں یا کمیونسٹ حامیوں کی ایماء پر ایسا کیا ہوگا۔ پھوٹ کی کوشش کو ناکام کرنے کی ہر ممکن کوششیں ہو رہی تھیں، اس کوشش میں اندرا گاندھی کے ایک قابلِ اعتماد ساتھی، دنیش سنگھ بھی تھے۔ انہوں نے لوک سبھا کے رکن اور نجلنگپا کے داماد، یم وی۔ راج شیکھرن کو دعوت دی، اور گذارش کی کہ وہ اپنے خسر کو منوائیں۔ انہوں نے راج شیکھرن سے کہا کہ ملک ایک نازک دور سے گزر رہا ہے، اور اُن جیسے لوگوں کا فرض بنتا ہے کہ ملاپ کے لئے، ایڑی چوٹی کا زور لگائیں۔ اس ضمن میں سب سے پہلا جو کام کرنا ہے، وہ ہے پارٹی کی پھوٹ کو روکنا، اور وہ کام اگر وہ چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

بہ حیثیت صدر پارٹی وزیر اعظم کو لکھا کہ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس انہوں نے' غیر قانونی طور پر بلایا ہے۔ اور اُس کی وضاحت وجہ مطلوب ہے۔ جواباً' اندرا گاندھی نے نجلنگپا پر زور ڈالا کہ وہ فوراً اے آئی سی سی کا اجلاس طلب کریں اور اپنی اکثریت ثابت کریں۔

وزیر اعظم نے' اپنی کابینہ سے، رام سُبھاگ سنگھ کو اس بنا پر ہٹا دیا کہ اُنہوں نے نجلنگپا کی بلائی ہوئی میٹنگ میں اِن کے خلاف قرار دادیں پاس کرنے میں مدد کی ہے۔ گرم افواہوں کے دھویں سے' فضا مکدر ہوگئی' کہا جانے لگا کہ پارلیمان برخاست کر دی جائے گی یا زائل کر دی جائے گی اور نئے سرے سے انتخابات کرائے جائیں گے' یہ خبر' اندرا گاندھی کیمپ سے نکلی' ظاہر بات ہے کہ اس سے ممبرانِ پارلیمان کو تشویش ہوئی' اور انہوں نے نہ انتخابات کروانے کی اپیل کی اور نہ اندرا گاندھی سے ملے' سب سے زیادہ پریشان وہ لوگ تھے جو منڈیر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان سب کے درمیان حالات کو نیا موڑ دینے اور تقسیم کو روکنے کی، ہر ممکن کوشش ہوتی گئی' چاہے وہ کوششیں کمزور ہی سہی' مثال کے طور پر' ویریندرا پاٹل نے اپنے طور پر، اس تقسیم کے خطرہ سے نپٹنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ سچ تو یہ ہے کہ اِس اجلاس میں جہاں سنجیوا ریڈی کو صدرِ ہند کے عہدہ کے لئے پارٹی نے چُنا تھا' انہوں نے صلاح دی تھی کہ کوئی بھی قطعی فیصلہ کرنے پہلے' وزیر اعظم سے مشورہ کر لیا جائے۔

کہا جاتا ہے کہ کے ایس پاٹل نے اِن سے دلّی میں ملاقات کی' تو اندرا گاندھی نے کہا کہ وہ اپنے سیاسی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے پریشان تھیں۔ انہوں نے جرح کی کہ وزیر اعظم' جو سرکار چلاتی ہے' اُسکا یہ حق ہونا چاہئے کہ صدرِ ملک کے انتخاب میں' اپنی رائے ظاہر کرے' اس لئے کہ انہیں' صدر کے مسلسل اشتراک ہی سے' سرکار چلانے میں آسانی ہوگی۔ اُنہوں نے مزید یہ بھی کہا کہ اگر سنجیوا ریڈی کے عوض' نجلنگپا' صدارت

درمیان، خلیج کو پاٹنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ انہوں نے یہ بات دہرائی کہ انہوں نے سبرامنیم کو ورکنگ کمیٹی سے ہٹایا نہیں بلکہ اُن کی رُکنیت، خود بخود اس وقت ختم ہوگئی، جب وہ رکن پی سی سی کی حیثیت سے مستعفی ہو گئے۔ دوسرے رُکن کو خارج، اس لئے کرنا پڑا کہ انہوں نے ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت نہیں کی تھی اور بیوفائی کی تھی۔

پوری پارٹی کی تاریخ میں، کسی بھی رُکن نے صدر پارٹی کو بُرا بھلا نہیں کہا تھا۔ سوائے صادق علی کے۔ ایسی بے اصولی اور پارٹی سے تنفر یا بے وفائی، سخت سزا کی مستحق ہوتی ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا یہ ٹھیک نہیں ہے کہ وزیر بننے کے بعد، کوئی بھی پی سی سی کا سابق رُکن، اپنی رکنیت پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اِسی ضابطہ کے تحت، کملاپتی ترپاٹھی، وینکٹ رتنم اور اے بی شرما کو پارٹی کے عہدہ داروں کی فہرست سے نکلنا ضروری تھا۔ اس سے پہلے بھی، پارٹی میں ایسا ہوا تھا، تاہم نجلنگپّا نے ایسا کچھ نہیں کیا جیسا کہ اندرا گاندھی کے بعد بھی کرتے رہے تھے۔ مثال کے طور پر، جگجیون رام نے پٹنہ میں اور خود اندرا گاندھی نے بمبئی کانگریس میں، یا فخر الدین علی احمد کے اخباری نمائندوں کو دیئے گئے بیانات سے تحریک اتحاد کی خلاف ورزی کی بو آتی ہے۔

نجلنگپّا نے، اِس الزام کو، سراسر غلط بتایا کہ انہوں نے صدارتی امیدوار کے انتخاب کے دوران مناسب سوچ بچار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے اندرا گاندھی کو یاد دلایا کہ انہوں نے مئی، جون اور جولائی ۶۹ء میں اس امر پر بحث چاہی تھی، جبکہ سچ تو یہ ہے کہ ہر بار خود مُرارجی نے اُن سے، اُس موضوع پر گفتگو کرنے سے انکار کیا ہے۔ بنگلور کے پارلیمانی پارٹی کے اجلاس کے دو گھنٹے پہلے تک انہوں نے (اندرا گاندھی) اپنا مافی الضمیر ظاہر نہیں کیا تھا۔ انہوں نے نہ خود اپنی پارٹی کو اعتماد میں لیا تھا، اور نہ ہی

انہوں نے یہ پیغام پہنچایا کہ اندرا گاندھی، مُرار جی کو پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے اگر نجلنگپّا رضامند ہیں تو انہیں وزیرِخزانہ بنا دیں گی' اور نائب وزیراعظم کا منصب بھی دیا جائے گا' مگر داماد کو اپنے خسر کے مضبوط ارادوں کا بخوبی علم تھا' اور کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ نجلنگپّا اپنے وعدہ سے مُکر جائیں' تاہم' انہوں نے پیغام ضرور پہنچانے کا وعدہ کیا۔

جیسے ہی راج شیکھرن نے انہیں اِطلاع دینی شروع کی' نجلنگپّا آگ بگولہ ہو گئے' اور پوچھا کہ اُنہوں نے دنیش سنگھ کو کیا جواب دیا؟ جب راج شیکھرن نے تفصیل سنائی تو نجلنگپّا کو کسی قدر اطمینان ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ صدارتی انتخاب کے دوران بھی کچھ ایسا ہی پیغام دنیش سنگھ نے راج شیکھرن کی معرفت بھجوایا تھا...... اور نجلنگپّا نے اس مشورہ کو یہ کہہ کر ردّ کر دیا تھا کہ اصولاً' پارٹی کے صدر ہوتے ہوئے، خود کا انتخاب لڑنا' غیر اخلاقی ہوگا' اور یہ کہ اُن کا فرض تو امیدوار کو تلاش کرنا ہے نہ کہ خود کو امیدوار کی حیثیت سے پیش کرنا' لگتا ہے کہ دنیش سنگھ نے ویریندرا پاٹل کے ساتھ' نائب وزیراعظم کے عہدہ کے بارے میں بھی تبادلۂ خیال کیا تھا۔

جب اندرا گاندھی کو پتہ چلا کہ نجلنگپّا کو منوانا' اور اقتدار کے جال میں پھانسنا، ناممکن ہے تو تب کہیں جا کر' انہوں نے اپنا وہ کھلا خط شائع کروایا۔ نجلنگپّا نے اِندرا گاندھی کے ۲رنومبر ۶۹ء کے خط کا جواب ۱۱رنومبر ۶۹ء کو بھجوایا...... اس کے اہم مندرجات کچھ اس طرح کے تھے' کہ سب سے زیادہ مایوسی کی بات یہ ہے کہ وزیراعظم کو پارٹی کی صورت حال کی کوئی فکر نہیں ہے' اور نہ ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہے۔ نجلنگپّا اور اُن کے رفقائے کار کے شبہات کو دُور کرنے کے عوض، انہوں نے اپنے بچاؤ کے لئے' حقیقت سے چشم پوشی کی ہے اور کسی نہ کسی بہانے جواز کا سہارا لیا ہے۔

ان کا خیال تھا کہ اندرا گاندھی' جُھوٹ کا سہارا لے کر' سچائی اور قیاس آرائی کے

سوال کیا کہ کیا صرف منصوبوں کے اعلان کر دینے سے فلاحِ عامّہ کی تکمیل ہو جاتی ہے یا اطمینان بخش غلّہ کی پیداوار ہو جاتی ہے؟ بینکوں کو قومیانے کی پالیسی کے بارے میں مُرآرجی نے کہا تھا کہ ضرورت پڑنے پر وہ اس کی تائید کریں گے۔

اس لئے نجلنگپاؔ' یہ کہہ کر اپنا خط ختم کرنے پر مجبور تھے کہ اندراؔ گاندھی کا واحد مقصد اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر، مختارِ کُل بن جانا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بارھویں صدی میں' ہر ڈکٹیٹر نے سوشیلزم کا نقاب اوڑھ رکھا تھا۔ جہاں تک ایس کے پاؔٹل کے صحیح حساب کتاب نہ دینے کا الزام تھا' نجلنگپاؔ نے کہا کہ پاؔٹل نے خود اِس کا جواب دے دیا ہے، اور جوابات' پارٹی کے دفتر اور بمبئی ہائی کورٹ کے روبرو ہیں۔

خود، اندراؔ گاندھی کے خلاف جاتے ہوئے' نجلنگپاؔ نے کہا کہ کیا اُن کے ساتھیوں اور انہوں نے پارٹی فنڈ کے لئے وصول کی گئی رقم کا حساب دیا ہے؟۔ کچھ بھی ہو، پارٹی کی قرارداد تھی کہ تمام وزیر' اپنی اپنی وصول شدہ رقم کا اکاؤنٹ پیش کریں گے۔ اندراؔ گاندھی کو پتہ ہونا چاہئے کہ تمام اراکینِ اسمبلی اور وزیروں کا فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی ملکیت کا حساب، پارٹی کو دیں۔ انہوں نے پوؔچھا کہ کیا اُن لوگوں نے' اِس قانون کا اور پارٹی کے فیصلوں کا احترام کیا ہے؟ اندرا گاندھی پر الزام عائد کیا کہ انہوں نے ذاتی غرض کے لئے آمرانہ رویّہ اختیار کیا ہوا ہے' مزید یہ کہا کہ یہ جمہوریت کا المیہ ہے کہ جمہوری اداروں اور منصوبوں کے ذریعہ ہر محاذ پر' اپنا اُلو سیدھا کرنے اور جمہوریت کو تباہ کرنے میں جٹے رہتے ہیں۔ رشوت دے کر' ہنگامے کروا کر' مخالفین کو خاموش کر دیا جاتا ہے۔ بیحد شاطری سے' چالوں سے' پروپگنڈہ کو ہتھیار بنا کر ڈکٹیٹری کو حق بجانب دکھایا جاتا ہے۔ اُنہوں نے دہرایا کہ ایسے عناصر سے لڑنا' کانگریس کا فرض ہے تا کہ' حقیقی' سماجی و جمہوری

اس موضوع پر، دیگر سیاسی پارٹیوں سے بات چلائی تھی۔

انہوں نے اندرا گاندھی کو چیلنج کیا کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتائیں کہ کیا انہوں نے صدر کے انتخاب کے دوران امیدوار گری کے لئے کام نہیں کیا تھا؟۔ اے آئی سی سی کا خصوصی اجلاس طلب کرنے کے، چند ایک اراکین کے اصرار کا احترام نہ کرنے کے بارے میں، نجلنگپا نے کہا کہ صدر کا انتخاب، پارٹی کے تمام اراکین کے نمائندے کرتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ کام اے ئی سی سی کا نہیں، انہوں نے اندرا گاندھی سے پوچھا کہ انہوں نے اِن کے خلاف عرضی پیش کرنے کے لئے دستخط کیوں لئے؟ اور اس کے لئے سرکاری وسائل و ذرائع استعمال کئے گئے ہیں، اور وہ بھی غیر قانونی طور پر۔

مان بھی لیا جائے کہ وہ سارے دستخط حقیقی تھے تو کیا پارٹی کی ایک شاخ کے اراکین، تمام شاخوں کی کارروائیوں میں مداخلت کر سکتے ہیں؟ اندرا گاندھی نے پوچھا تھا کہ احمد آباد کے فسادات اور پھر آسام، تلنگانہ اور چندی گڑھ کے ہنگاموں کے تعلق سے کیا گیا ہے۔ تو کیا، ان کی سرکار، اس کی ذمہ دار نہیں ہے۔ شاید اندرا گاندھی نے سوچا تھا کہ اس طرح کے ہنگاموں سے اُن کا اقتدار برقرار رکھنے میں مدد ملے گی۔ احمد آباد کے فسادات میں ''مرار جی کے رول سے وہ بے خبر بھی تو نہیں تھیں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اندرا جی کوئی نہ کوئی نظریاتی جواز پیش کر کے، اپنی من مانی کارکردگیوں کو صحیح ثابت کر دیتی ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اُن کا فرید آباد کا سیشن کا خطبۂ صدارت، پارٹی کے اغراض و مقاصد سے ہٹ کر نہیں تھا۔ اس بات کا اعادہ بھی کیا کہ سماجی ترقی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے وہ ہمیشہ سے مشتاق رہے ہیں۔ ایک کانگریسی اور میسور کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے، انہوں نے اِس کا بہترین ثبوت دیا ہے، اُنہوں نے اندرا گاندھی سے

جائے...... پھر بھی نجلنگپّا نے ڈٹ کر اُن کا مقابلہ کیا۔

۱۲/نومبر ۶۹ء کو' اندرا گاندھی نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر' اپنی نئی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کرلیا۔ جس میں' ان تمام قراردادوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا' جس پر نجلنگپّا والی ورکنگ کمیٹی نے مُہر لگائی تھی' اور اندرا گاندھی کو پارٹی سے نکال کر پھینک دیا تھا' اور یہ فیصلہ کیا کہ یہ غیر قانونی ہے اور غیر ذمہ دار حرکت ہے۔

اُن کی نظر میں' وزیرِاعظم ایک منتخب قائدِ پارلیمانی پارٹی ہے' اور پورے ملک کی نمائندگی کرتا ہے۔ اِس لئے پارٹی کے مُٹھی بھر لوگ' انہیں پارٹی سے نکال نہیں سکتے۔ اگر وہ ایسا کرنا ہی چاہتے تھے تو اے آئی سی سی کی میٹنگ بُلا کر اکثریت کی رائے جان کر کرسکتے تھے' جس کی اہمیت وضرورت پر اندرا گاندھی نے خود بار بار زور دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ خود نجلنگپّا گروپ نے ہی پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی کی ہے۔

اندرا گاندھی کو عہدے سے ہٹانے کا اختیار صرف' پارلیمانی پارٹی کو ہے' اور وہ سارے ملک کی امیدوں اور تمناؤں سے وابستہ ہیں۔ یہ سنڈیکیٹ کی ہٹ دھرمی ہے کہ جمہوری طور پر منتخب' مقبول عام قائد کو برخاست کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مُٹھی بھر معمر اراکین خود ڈکٹیٹر بن بیٹھے ہیں' اور من مانی کرنے پر اُتر آئے ہیں' اور انہی مقاصد کے حصول کی خاطر' ۲۲/اور ۲۳/نومبر ۶۹ء کو یہ اہم اجلاس طلب کیا گیا تھا' اور تمام کانگریسیوں کو چاہئے تھا کہ اس میں شریک ہوتے' قرارداد اتفاقِ رائے سے پاس کی جاتی۔

۱۳/نومبر ۶۹ء کو' پارلیمان کے سنٹرل ہال میں' کانگریس پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ ہوئی' جس کی صدارت' اندرا گاندھی نے کی۔ اُن کی قیادت میں' کامل اعتماد کا یقین دِلانے کے لئے' یہ خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ عین اُس وقت' نجلنگپّا گروپ کے کوئی ساٹھ ستّر لوگ' اندرا گاندھی کی جانشینی کا فیصلہ کرنے کے

ترقی ممکن ہو سکے۔ ان دونوں کے بیچ ہوئی خط و کتابت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ اُڑے ہوئے ہیں اور مصالحت ناممکن ہے۔

۱۱ر اور ۱۲ر نومبر ۶۹ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا، جس میں 'مرارجی دیسائی' صادق علی اور ایس کے پاٹل کے تحریر کردہ تین ''ڈرافٹ ریزولیشن'' پر بحث ہوئی۔ ساتھ ساتھ چار وزرائے اعلیٰ کے منصوبوں پر بھی غور و خوص کیا گیا...... نجلنگپا نے مصالحت کے فارمولے پسند نہیں کئے' اور کہا کہ اندرا گاندھی اور دوسروں کے خلاف 'الزامات' واپس نہیں لیں گے۔ اگر' ایسا ہوا تو اُن کی بے اصولی کو سند دینے کے برابر ہوگا' اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اُن کی پارٹی سے بغاوت' حق بجانب تھی۔ اِس حقیقت کی روشنی میں کہ' وزیر اعظم کی کارکردگی سے ملک و قوم اور پارٹی کو شدید دھکّا پہنچا ہے' صدارتی انتخابات کے بعد' پارٹی میں بے اصولی کو فروغ ملا ہے' اور یہ کہ اندرا گاندھی کے حمایتی' پارٹی کی خلاف ورزی پر اُتر آئے ہیں' اور اتحاد کی ہر تحریک کی راہ میں کانٹے بو رہے ہیں۔ اُن کی دستخطی مہم سے بے اعتمادی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ وہ سارے اختیارات' اپنی مٹھی میں بند کرتی جا رہی ہیں' اور اِس طرح، ملک کو آمرانہ نظامِ حکومت کی طرف، ڈھکیل رہی ہیں۔

مندرجۂ بالا پارٹی کے خلاف کی گئی ساری کارروائیوں کے پیش نظر، نہایت افسوس کے ساتھ، کمیٹی اِس فیصلہ پر پہنچی ہے کہ وزیر اعظم کو پارٹی کی بنیادی رُکنیت سے خارج کر دیا جائے...... نتیجتاً تکنیکی بنیاد پر وہ کانگریس پارلیمانی پارٹی کے قائد کے منصب سے بھی محروم ہو گئی ہیں' ورکنگ کمیٹی نے پارلیمانی پارٹی سے کہا کہ جلد از جلد' ایک نئے قائد کا انتخاب کر لے۔ اندرا گاندھی کے حمایتیوں کا' پارٹی کے دفتر کے آگے جمِ غفیر اکٹھا ہو گیا۔ اُس نے مطالبہ کیا کہ اندرا گاندھی کو پارٹی سے خارج کرنے کی قرارداد واپس لے لی جائے۔ غالباً پیشہ ور شر پسندوں نے' صدر کو گھیر لیا' اور زور ڈالا کہ اُن کی بات مان لی

پارٹی بنی، اس میں، اندرا گاندھی کو اکثریت نہیں ملی۔ اس لئے وہ دیگر مخالف گروپوں کی تائید حاصل کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اُنہوں نے آزاد امیدواروں اور راجہ مہاراجاؤں کو بھی اپنی پارٹی کی سمت متوجہ کیا۔ کمیونسٹوں اور ڈی ایم کے، نے تائید کا اعلان کیا۔

نجلنگپّا گروپ کے باون (۵۲) ممبران پارلیمان نے، پارلیمان میں، حزبِ مخالف بن کر، اپنی نشستیں الگ کرلیں اور اُن کے قائد، رام سبھاگ سنگھ تھے۔ پارٹی کی پھوٹ، دِلّی سے شروع ہو کر، ریاستوں پر اُتر آئی۔ اس طرح سیاسی گٹھ جوڑ، غیر یقینی اور عدم استحکام کا ماحول پیدا ہو گیا، کانگریس کے اِن دو گروپوں میں رسّہ کشی زور پکڑتی گئی۔

کانگریس کا ۲۲ر نومبر ۶۹ء کا اجلاس بیحد شاندار رہا...... اِس اجلاس میں، طاقت، اقتدار، مقبولیت کا مظاہرہ ہوا، جس کا اہم مقصد وزیر اعظم اندرا گاندھی کے مخالفین کے دِلوں میں ڈر، اور سراسیمگی کی فضاء پیدا کرنا تھا، بالخصوص، سنڈیکیٹ کے دِل میں...... ٹی ٹی کرشنما چاری نے قومی جھنڈا لہرایا، اور کہا کہ اندرا گاندھی کا، پارٹی سے اِخراج، جمہوریت کے لئے ایک زبردست دھکّہ ہے۔ انہوں نے اعتماد ظاہر کیا کہ کانگریس کا وجود، نہرو خاندان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

اپنے خطبۂ صدارت میں، اندرا گاندھی نے اعلان کیا کہ اُن کی پارٹی کے در، اُن سب کے لئے کھلے ہیں، جو اُن کے نظریات اور پروگراموں سے اتفاق کرتے ہیں۔ اُنہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ اُن کے چند ساتھی، پارٹی میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

وہاں موجود جمِ غفیر یہ ثابت کررہا تھا کہ اُن کی پارٹی، کانگریس کی اُن نظریات، اغراض و مقاصد سے حقیقتاً، بھرپور، اتفاق کرتی ہے۔ اندرا گاندھی نے اُن سے اپیل کی کہ وہ سب لوگ، جب یہاں سے اپنے اپنے شہر، قصبہ جائیں تو اپنے اندر ایک بیداری

لئے مُرآر جی کی رہائش گاہ پر اکٹھا ہوئے ......

پارٹی نے، رام سُبھاگ سنگھ کو پارلیمان میں قائد کی حیثیت سے چن لیا۔ نجلنگپّا نے تمام کانگریسیوں کو خطوط لکھے کہ اندرا گاندھی گروپ کے بلائے ہوئے ۲۲/نومبر ۶۹ء کے دلّی والے اجلاس میں شرکت نہ کریں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اجلاس اُن لوگوں نے بُلایا ہے جو پارٹی کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں، انہوں نے یاد دلایا کہ اُنہوں نے اندرا گاندھی کو، پارٹی کی بنیادی رکنیت سے برخاست اس لئے کیا ہے کہ اُن کا رویہ آمرانہ تھا۔

اُنہوں نے کہا کہ بینکوں کو قومیانہ کا جو نعرہ، اندراجی اب بلند کر رہی ہیں، وہ تو پارٹی کے پاس ۱۹۴۷ء کے شروع ہی سے تھا۔ کانگریس نے قومیانے کو اپنی پارٹی کی پالیسی کے طور پر، بہت پہلے ہی تسلیم کر لیا تھا۔ اُنہوں نے پوچھا کہ ٹھنڈے دِل سے غور کریں اور بتائیں کہ بینکوں کو قومیانے سے، کیا غربت کم ہوئی ہے؟ ...... اُنہوں نے اندرا گاندھی کے سماج وادی ہونے کے دعویٰ کو بے شرمانہ کہا، چونکہ اُن کی ساری کارکردگی غیر جمہوری ہے، اور سارے اختیارات اُنہوں نے اپنے پاس جمع کر رکھے ہیں، کانگریس تاریخ میں پہلی بار، ایسے شدید سنگین بحران سے گزر رہی ہے۔

خط کا اختتام کرتے ہوئے، انہوں نے تمام کانگریسیوں سے اپیل کی کہ ۲۲/نومبر ۶۹ء کے اجلاس میں شریک نہ ہوں، اور اُدھر اندرا نے پارٹی سے علاحدہ ہوئے اُن تمام لوگوں سے اپیل کی کہ پارٹی میں واپس آجائیں۔ اِس اپیل کا اُن لوگوں پر زیادہ اثر ہوا، جو دوسری پارٹیوں سے تھے، جو میدان میں کود پڑنے کے لئے موقع کی تاک میں تھے۔

اِس دوران اندرا گاندھی نے ایک نئی مقبول عام پالیسی اپنائی، جس کے تحت اپنے مکان پر عوام کو اکٹھا کر کے سوشلزم، غربت، بے روزگاری دُور کرنے اور جمہوری نظام کو تقویت پہنچانے کے منصوبوں پر تقریر کرتیں۔ ۱۶/نومبر ۶۹ء کو کانگریس کی جوئنٹ پارلیمانی

کرتے رہیں۔ اگر اُن میں ارادے کی پختگی، جرأت مندی اور سچّی لگن ہے تو کانگریس میں ایک نئی روح پھونکی جاسکتی ہے، اور سارے سنگین مسائل کا کامیابی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے، اس طرح پارٹی کو ایک نیا جنم ملے گا۔

انہوں نے متنبہ کیا کہ اتحاد کے نام پر کانگریس کے در بند نہیں کرنا چاہئے، جس کے لئے چھوٹے موٹے جھگڑوں کو نظر انداز کرنا چاہئے، ورنہ توانائیاں ضائع ہوجائیں گی۔ اُن کے در، اتحاد، دوستی، نظریات اور منزلوں کو سر کرنے کے لئے ہمیشہ کھُلے رہیں، اور ہاں اُن لوگوں پر دروازے بند کردینا چاہئے جو اِن کے نظریات و مقاصد کے دشمن ہیں، چاہے وہ کوئی بھی ہوں، وہ جو اِن سے اتفاق کرتے ہیں، اُن کا دِلی خیر مقدم ہے۔ چند ایک نے ان پر الزام لگایا ہے کہ وہ کمیونسٹ بننے کی کوشش کررہی ہیں۔ انہوں نے پوچھا کہ وہ سوشیلسٹوں اور کمیونسٹوں کی مدد لینے سے کیسے انکار کرسکتے ہیں؟ اُن کی پارٹی کی حمایت کرنا یا نہ کرنا، اُن کا اختیار ہے، انہوں نے اعلان کیا کہ وہ تشدد کے خلاف ہیں۔

سیشن کے دوسرے دِن، اُنہوں نے اپنی اقتصادی پالیسی پر بھرپور روشنی ڈالی، اُنہوں نے کہا کہ وہ ہمیشہ ترقی پسند رہی ہیں، اور اُن کا اہم مقصد، غریبی کا خاتمہ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ان کی خواہش ہے کہ مساوات کو عام کریں، اور مالداروں کو مالدار بننے سے روکیں۔ اِن پالیسیوں سے پچھڑے ہوئے لوگ، خود مکتفی ہوں گے، اور کہا کہ بینکوں کے قومیانے کا واحد مقصد، غریبوں کو، سود خوروں کے، چنگل سے بچانا ہے۔ بینکوں کو چاہئے کہ زرعی اور صنعتی پیداوار میں اضافہ کے لئے کسانوں اور چھوٹے صنعت کاروں کو قرضہ دیں۔ اِس سے بے روزگاری کا مسئلہ حل ہوگا۔ اگر 'لینڈ ریفارمس' کے بارے میں عملی اقدامات نہیں کئے گئے تو زمین داروں اور کسانوں میں طبقاتی جنگ چھڑ جائے گی۔

وتعمیر کا جذبہ ساتھ لے جائیں، کہ اُن کا سب کچھ ملک کی تعمیر میں لگا دیں گے۔ لگتا تھا کہ اُن کا مقصد ایک اچھے معاشرہ کی تعمیر کے ساتھ مضبوط پارٹی اور بالآخر ایک طاقتور ملک کی تعمیر تھا۔ اِندرا گاندھی نے سامعین سے خواہش کی کہ وہ غصہ اور جذبات سے بالاتر ہو کر پُر سکون فضاؤں میں ملک کی خدمت کریں۔ انہوں نے کہا کہ پارٹی کو شخصی غرض اور گروہ بندی سے پاک رکھیں۔ نیز متنبہ کیا کہ سرکار کو چاہئے کہ کانگریس کی پالیسیوں اور پروگراموں کو پوری طرح لاگو کرے اور اُس کے نتائج کی ذمہ داری قبول کرے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو سمجھ لیں کہ سرکار کے اندر اُن پالیسیوں کے پروگراموں کے مخالف موجود ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ جو ادارہ اپنے اراکین کو اظہار رائے کی اجازت نہیں دیتا وہ مُردہ ہے۔ اُن کا اشارہ غالباً مرار جی دیسائی کی طرف تھا۔ اُنہوں نے گاندھی جی اور نہرو کی یاد دلائی کہ ان کے منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا ہی دراصل اُن کا منصوبہ ہے۔ پارٹی میں جو لوگ اِن نئے تقاضوں کو پورا کرنے کے اہل نہیں، اُنہیں اپنے اپنے اعلیٰ منصبوں سے اُترنا ہوگا۔

ایک کامیاب اداکارہ کی طرح، تقریر کرتے کرتے وہ رُک گئیں، اُن کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں، اور وہ اپنی تقریر جاری نہ رکھ سکیں، جب انہوں نے نجلنگپا اور اُن کے حمایتیوں کا ذکر کیا۔ اُنہوں نے کچھ بڑبڑایا، اور اپنے آنسو پونچھے۔ لرزتی آواز میں، تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اُنہیں پارٹی سے نکال دیا گیا ہے۔ فنِ تقریر کا کمال دکھاتے ہوئے اُنہوں نے آگے چل کر سامعین پر وہ بات ظاہر کر ہی دی جو صرف تھوڑی دیر پہلے کرشنما چاری نے کہی تھی کہ کوئی بھی انہیں پارٹی سے ہٹا نہیں سکتا، کوئی بھی فرد اِن کے راستے کی رُکاوٹ نہیں بن سکتا۔ اعلان کیا کہ وہ برسرِ اقتدار رہیں یا نہ رہیں، وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ کر ہی رہیں گی۔ عوام کو چاہئے کہ منزل کے حصول تک ہمیشہ جدوجہد

خلل ڈالنے کے الزام میں، چند ایک گرفتاریاں بھی عمل میں آئیں، پرانے قائدین نے پولیس کی مدد طلب کی۔ یہ سب اندرا کانگریسیوں کے پرتشدد رویہ کا نتیجہ تھا۔ نئی کانگریس نے پرانی کانگریس کے دفتروں پر قبضہ جمانے کے لئے طاقت وتشدد کا استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ جیسا کہ پہلے ہی سے طئے تھا، پرانی کانگریس نے احمد آباد میں ۱۹ر تا ۲۲ر دسمبر ۶۹ء اپنا اجلاس منعقد کیا، جس میں شرکاء کی تعداد، کوئی پچیس ہزار تھی۔ قائدین کا حوصلہ بڑھا، کوئی چار سوائے آئی سی سی کے اراکین نے شرکت کی تھی۔

نجلنگپا نے، اپنی تقریر میں، اندرا گاندھی کی آمرانہ کارکردگی کی مذمت کی، اور کہا کہ یہ اپنا امیج بنانے کی دیوانہ وار کوشش کر رہی ہیں۔ دوسرے قائدین نے اندرا گاندھی کو کمیونسٹوں اور فرقہ پرستوں کے ہاتھوں کا کھلونا بتایا۔

نجلنگپا نے ۱۵ اگست ۶۹ کے اتحاد پر مبنی قرارداد کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پارٹی کو بچانے کے لئے انہوں نے اب تک اندرا گاندھی پر کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی ہے، مگر ۲۵ر کی رات اُنہوں نے کہا کہ وہ پوری رات سو نہیں سکے، اور یہ احساس انہیں کچوکے لگاتا رہا کہ انہوں نے اب تک پارٹی میں اتحاد وڈسپلین کے لئے قربانیاں دیں۔

اُنہوں نے اندرا گاندھی کے دلکش پروپگنڈہ پر طنز کیا کہ ''گوبلس'' کو بھی ان سے سبق سیکھنا ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ اندرا گاندھی، کمیونسٹوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے، سوویت نواز ہوتی جارہی ہیں۔ اُنہیں دُکھ اس لئے بھی زیادہ ہو رہا تھا کہ کانگریس میں پھوٹ، گاندھی کی صد سالہ تقریبات کے دوران ہو رہی ہے۔ اُنہوں نے اِس پھوٹ کا ذمہ دار، صرف اور صرف اندرا گاندھی کو ہی ٹھہرایا...... اندرا نے انہیں صدارت سے ہٹانے کے لئے، اے آئی سی سی کا اجلاس طلب کیا تھا۔ اُنہوں نے سامعین کو بتایا کہ انہیں اقتدار کی ہوس کبھی نہیں تھی۔ اب وہ اُن کے سامنے اِس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ

بچوں کی تعلیم و تربیت اور عوام کی صحت پر زیادہ دھیان دیا جائے گا۔ ٹیکسوں کی عدم ادائیگی سے پیدا شدہ مسائل کا حل بھی ڈھونڈنا ہوگا۔ مختصر یہ کہ سیاسی جمہوریت کے چوکھٹے میں رہ کر، سوشلزم اور مساوات کی فضا ہموار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اِس کا مطلب ہے پبلک سیکٹر کی توسیع ہو۔ اقتصادی مسائل کا حل، اُسی وقت ممکن ہے جب سرکاری، خانگی اور پبلک سیکٹر میں برابر کا تال میل ہو، مزدوروں کو مناسب اور مقررہ اُجرت ملے۔ ہریجنوں کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ترقی کی راہیں کھلیں، سیشن نے، اِن اقتصادی اغراض و مقاصد کی قراردادوں کو منظوری دے دی۔

اُسی دن، اِس اجلاس میں، نجلنگپّا اور اُن کے گیارہ حمایتیوں کو کانگریس سے برخاست کر کے، اندرا گاندھی کی کانگریس کی رکنیت بحال کر دی گئی...... یہ سب کچھ بتا کر یہ اطمینان دلایا گیا کہ جمہوریت کو، آمریت سے بچانے کے لئے کیا جا رہا ہے، پھر بھی بادِ مخالف تو تھی ہی، نئی ورکنگ کمیٹی کی تشکیل میں، دشواریاں پیدا ہوگئیں۔ وزیراعظم کے معتبر حمایتی، سبرامنیم کے چنے ہوئے لوگ، اراکین کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔ چند ایک نوجوانوں اور سابق کمیونسٹوں کی، کمیٹی میں شمولیت سے عہدوں یا رکنیت سے محروم چند ایک سینئر قائدین ناراض بھی ہوئے۔ اِس نئی اندرا کانگریس، میں پُرانی کانگریس کی جیسی ہی فضا تھی، جہاں ذات پات، علاقائیت، موقع پرستی وغیرہ سب بدستور موجود تھے۔

نجلنگپّا نے دعویٰ کیا کہ اُن کی کانگریس ہی دراصل، حقیقی کانگریس ہے، جس کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں، اور یہ کہ اُنہیں پارٹی سے نکالنے کا نئی کانگریس کو کوئی قانونی اختیار نہیں ہے۔

اِس کے بعد دونوں مخالف کیمپوں میں جھگڑے شروع ہوگئے...... راتوں رات، پُرانی کانگریس آفس سے نئی کانگریس کے دفاتر کو ریکارڈس، منتقل کر دئے گئے، امن میں

اپنے صدارتی خطبہ میں، جگجیون رام نے اعلان کیا کہ بمبئی سیشن نے ملک کی تاریخ میں، ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔ مگر عمارت کی بلندی نے ''ینگ ٹرکس'' اور معمر تجربہ کار قائدین کے اور دائیں بائیں بازو کے درمیان عرصہ سے چلی آرہی سرد جنگ کو اپنے پیچھے چُھپالیا تھا' ساتھ ہی، اندرونی اختلافات کو بھی، جسے اندرا گاندھی کے آہنی پنجہ نے قابو میں کرر کھا تھا۔ نئی کانگریس، غالباً ایک نئے ادارتی کلچر کو فروغ دے رہی تھی، اور ہاں، جلد ہی ظاہر ہوگیا کہ نعرے، ہی رہ گئے اور آنے والا وقت، ٹھوس عملی اقدامات کو ترستا ہی رہا ...... تقسیم کی یہ داستاں، تاریخی واقعات پر مبنی ہے، اور اس باب کو ایک بصیرت افروز تجزیہ پر ختم کرنا بہتر لگتا ہے۔

اوّلاً یہ نوٹ کیا جائے کہ پارٹی میں تقسیم پہلی بار نہیں ہوئی تھی۔ پارٹی کی طبّی تاریخ میں تقسیم پہلے بھی ہوئی تھی، ۱۹۰۷ء میں، پالیسی میں زبردست تبدیلی کے قائل اراکین نے، اُن اراکین سے اختلاف کیا تھا، جو دھیمی رفتار سے جانا چاہتے تھے۔ جن کی تان، آخر کار، تلک پر ٹوٹی۔ ۱۹۲۲ء میں نئی دستوری تبدیلیوں کے تحت، انتخابات میں حصّہ لینے کے مسئلہ پر، کانگریس میں تقسیم ہوئی اور سوتنترا پارٹی وجود میں آئی ...... بعد ازاں سوتنترا پارٹی، اپنی پرانی پارٹی میں واپس آگئی، جس کے لئے گاندھی جی، چرن داس اور موتی لال نہرو نے نمایاں رول ادا کیا تھا۔ ۱۹۳۹ء میں، سبھاش چندر بوس کے، کانگریس کے صدارتی انتخاب کے دوران، پارٹی تقسیم کے دہانے پر آکھڑی تھی۔

۱۹۵۱ میں، نہرو اور ٹنڈن کے عہد میں، حالات، ناقابلِ مصالحت حد تک پہنچ گئے تھے۔ آزادیٔ ملک کی جدوجہد کے دوران، سب سے بڑھ کر یہ کہ مختلف الرائے کی بے شمار پارٹیوں اور گروپوں میں جو نظریاتی تضاد تھا، اُس

انہیں مدعو کیا گیا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی گذارش کے احترام میں حاضر ہوئے ہیں۔ وہ اقتدار کی ہوس، بدنظمی و بے ضابطگی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔

اپنی پُر مغز تقریر میں، اُنہوں نے، عوام اور پبلک سیکٹر، سائنس و تحقیق، امداد باہمی، زرعی پیداوار، فہرست دہندہ ذاتوں اور قبائلوں، غیر جانبداری کی پالیسی، سماجی اقتصادی انقلاب، لینڈ ریفارمس، ناخواندگی سے جنگ، فیملی پلاننگ، جمہوریت کا تحفظ، سوشلزم وغیرہ پر بھرپور روشنی ڈالی اور سامعین سے اپیل کی کہ کانگریس کو، وہ ملک بھر میں، بالخصوص ہر چھوٹے بڑے قریہ تک پہنچائیں۔

پُرانی کانگریس کے اجلاس کے فوراً بعد نئی اندرا کانگریس نے (جیسا کہ اُسے بعد میں نام دیا گیا) ۲۶ر تا ۲۹ر دسمبر ۶۹ء بمبئی میں اپنا اے آئی سی سی سیشن رکھا۔ اس کی صدارت جگجیون رام نے کی۔ اندرا گاندھی نے اپنی تقریر میں بہت سارے امور پر سیر حاصل بحث کی، جس میں عوام کے دلخوش کن منصوبے، انگڑائیاں لے رہے تھے۔ ساتھ ساتھ، متنبہ بھی کیا گیا کہ دشمن سے بچ کر رہیں۔ اُن کے حمایتی قائدین نے نرم لب ولہجہ استعمال کیا، اور سماجی انصاف کی ضرورت پر زور دیا، اور اعلان کیا کہ اُن کی پالیسی متوازن ہے، اور اِس سے پچھڑے ہوؤں کو اوپر اُٹھانا ہے، جس کے لئے دوسروں کی ٹانگ کھینچنا مقصود نہیں ہے۔

اندرا گاندھی نے یقین دلایا کہ اِن انصاف پسند منصوبوں کو لاگو کرنے کے لئے قوانین مُرتب کئے جائیں گے۔ اِس کا انکار کرتے ہوئے کہ اُن کی پالیسی کمیونسٹ نواز ہے، اُنہوں نے اعلان کیا کہ ان کی خارجہ پالیسی زوردار ہوگی اور بدلتی ہوئی بین الاقوامی فضا سے آنکھیں ملائے گی، اُنہوں نے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس کی کہ ایسے بدلتے ہوئے سماج میں، ہم خیال کمیونسٹوں کی پارٹی میں شمولیت سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

کرسی سے منسلک تھا۔ نجلنگپاؔ' لیبرل حریت پسند جمہوری اقدار کی نمائندگی کرتے تھے' جس کے نتیجہ میں' پارٹی کو استحکام نصیب ہوا۔ گو کہ گاندھی وادی لیبر حریت پسندی الزام کے کلچر نے پیچیدگیوں کا تعارف کرایا تھا۔ اِس وضاحت کے پس منظر میں' نجلنگپاؔ یقیناً' نظریات کے مبلّغ کی حیثیت سے' یاد رکھے جائیں گے۔ وہ ایک ایسے سیاسی کلچر کے مشعل بردار تھے' جس کی روشنی میں، حریت پسندی میں گاندھی وادی، سودیشی کلچر اور نہرؔو کی حکمت عملی' سب گھل مِل گئے تھے۔ اندراؔ گاندھی نے سماج واد کے نفاذ میں ضرورت سے زیادہ تیزی دکھائی، جبکہ کانگریس کے نظریاتی ڈھانچے میں اِس کی گنجائش نہیں تھی۔

یعنی یہ کہ جو تحریک اندراؔ گاندھی کے والد بزرگوار نہرؔو نے حریت پسندی کے ان پہلوؤں کے خلاف چلائی تھی' جو انکے مخالفین کو ناپسند تھے' کچھ انہی خطوط پر اندراؔ گاندھی اپنی جنگ کی صف آرائی میں مصروف تھیں۔ دوسری سطح پر ان کی جدوجہد کو سماج واد کے خیالات سے بھی جوڑا جا سکتا تھا' ایک اور سطح پر اس کوشش کو نسلی فاصلوں کے اطراف چکر کاٹتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ دراصل ان میں تین نسلیں ملوث تھیں۔ نجلنگپاؔ' اندراؔ گاندھی اور آزادی کے بعد کی نسل۔ اندراؔ گاندھی کو نہرؔو کی نسل اور اس نسل کے بیچ کی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ جسے رشدیؔ نے ''مِڈ نائٹ چلڈرن'' کہا ہے۔ یہاں جو اہم ہے وہ یہ نہیں کہ کونسے خصوصی تنازعے تھے' بلکہ اہم تو زندگی کی جڑوں سے جُڑے ہوئے طریقے' کلچرل نظام اور اقدار کا تغیر کلّی تھا۔ اندراؔ گاندھی نئی تبدیلیوں کے اقدار کو زیر کرنے کی خوبی رکھتی تھیں۔ نظریات سے کسی قدر کھلواڑ کرنا اور موقع پرستی کو اپنانا' انہیں شاید بہتر لگا ہوگا' جو کہ ۱۹۴۷ء کے بعد کی نسل کا وطیرہ ہے۔

موجودہ نسل کے لئے یہ ایک صبر آزما حیران کن تجربہ تھا' جہاں مقتدر' قابلِ تقلید ہستیاں' اقتدار' مادی منفعت کی طرف لپکتی نظر آ رہی تھیں۔ آخر میں ایک طویل تاریخی

کے نتیجے میں، پہلے کمیونسٹ الگ ہوئے، اُس کے بعد، سماج وادی (سوشیلسٹ) ۔ پھر بھی، اب کی تقسیم پہلی تقسیموں سے بالکل مختلف تھی۔ اس لئے کہ اب کی بار، پارٹی اُوپر سے نچلی سطح تک منقسم ہو چکی تھی، اور نظریات کی بنیاد پر، الگ سیاسی ڈھانچے وجود میں آ گئے تھے ...... اِس تناظر میں، نجلنگپا نے دُوررس نتائج اخذ کرتے ہوئے 'خاندانی اِجارہ داری' وارثتی حکومت' رُعب و دبدبہ سے اقتدار چلانے کے روّیہ اور ادارتی بدنظمی جیسے مسائل کی بنیاد پر، اپنی با اُصول جنگ جاری رکھی اور کبھی، کسی کے آگے، سپر نہیں ڈالی ...... مگر ایک عجیب و غریب بات یہ ہوئی کہ یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوا جو بیحد شریف النفس پُرعزم، نرم گو، نرم مزاج و ملنسار تھا، مگر جس کے نظریات و اُصول، چٹانوں سے بھی سخت تھے ...... نجلنگپا نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اُن کی ذہنی تربیت ہی کچھ ایسی ہوئی تھی کہ انسانی اقدار اور اُصول، اُن کی زندگی کا ایک اٹوٹ حصّہ بن کر رہ گئے تھے، اور اِس کا اندازہ اِس سوانح عمری کے اوّلین صفحات پڑھ کر ہوا ہوگا، جن میں علاقائی تہذیب، اور مذہبی لگاؤ، کارفرما تھے۔ سب سے بڑھ کر اقتدار سے فاصلہ پر رہنے کا اُن کا مزاج، نیز ذاتی صبر و تحمل، ان کے زبردست ہتھیار تھے، جس سے اُنہوں نے سیاسی جنگیں لڑیں، حکمتِ عملی کو بروئے کار لایا، اور اندرؔا گاندھی جیسی بیحد طاقتور، نڈر اور ذہین حریف کا مقابلہ کیا۔ اندرؔا گاندھی کے بارے میں بھی، اُن کی رائے اچھی تھی گو کہ اُن کی کارکردگی سے وہ ناخوش تھے۔ دوسرا یہ کہ آزادیٔ ہند کے بعد کی تاریخ میں، اِس ناقابل فراموش واقعہ کا کوئی کیا مطلب نکال سکتا ہے؟

اندرؔا گاندھی اپنی من مانی کی نمائندگی کر رہی تھیں، اور ان کا ہر عمل طاقت و اقتدار کی

ڈرامائی شخصیتیں کوئی اور ہوتیں تو اُسے روکا جاسکتا تھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نجلنگپّا کی ذاتی اور سیاسی خوبیاں اور ان کی اقدار بھی کچھ ایسی تھیں کہ تقسیم ناگزیر تھی۔ اخلاقی اور نظریاتی اعتبار سے اُن میں اگر لچک ہوتی تو اندرا گاندھی سے سمجھوتہ ہوسکتا تھا' اور اس طرح پھوٹ کو روکا جاسکتا تھا۔ دراصل تعجب خیز بات یہ تھی کہ اندرا گاندھی' نجلنگپّا سے سمجھوتہ پر راضی تھیں' اور انکا اصل نشانہ تو مُرارجی اور دوسرے لوگ تھے' مگر نجلنگپّا ایک اور طرح کا سیاسی کھیل کھیل رہے تھے' جس میں سمجھوتے کی کوئی گنجائش باقی نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ حریت پسند جمہوریت' ادارتی باضابطگی اور قانون کی پاسداری کے قائل تھے۔ اگر اندرا گاندھی وہ نہ ہوتیں جو کہ تھیں' یعنی ایک ایسی سیاستدان جو ملک یا پارٹی کے مفاد کی خاطر اپنے مفاد کو تج دیتیں تو پھوٹ یقیناً وجود میں نہ آتی۔

ایک طرف صدر نجلنگپّا اور دوسری طرف وزیر اعظم کی حیثیت سے اندرا گاندھی تھیں' سچویشن میں یہ دونوں یونانی ٹریجڈی کے کردار تھے' جہاں درودیوار کی بنیادیں ہلانے کے لئے ہمیشہ ہمہ جہتی کوشش ہے۔

آخر میں ایک اور سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا نجلنگپّا ایک کامیاب صدر تھے؟ اگر صرف پارٹی کے وجود کا سوال تھا' تو صدر کی حیثیت سے وہ ناکام تھے۔ اس لئے کہ تقسیم کی وجوہات پر اُنھوں نے مہر لگائی تھی۔ اُن کی نظر میں' پارٹی کا تحفّظ وتقدس انمول تھا۔ یہاں نجلنگپّا پر آسانی سے یہ الزام دھرا جاسکتا ہے' مگر ہم نے جو کہانی بیان کی ہے' اُس کے پیش نظر وہ اتّحاد پارٹی کے لئے کوئی بھی قیمت ادا کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے' مگر ایک صدر کی حیثیت سے اُن سے جو مطالبہ کیا گیا وہ اتنا قیمتی تھا کہ وہ مان ہی نہیں سکتے تھے۔ قیمت روپئے پیسے میں ادا کرنے کی نہیں تھی' بلکہ ان اَقدار کی شکل میں ادا کرنی تھی جسے کانگریس نے اپنے لمبے تاریخی سفر میں ہر رُکاوٹ کے باوجود دل و جان سے

تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ قومی تحریکوں سے وابستہ محبان وطن کو، رفتہ رفتہ سیاسی انتخابی تحریکوں میں آلودہ ہونا پڑا، اور یہ تبدیلی اپنے اندر چند ناپسندیدہ فضاؤں کو جنم دینے لگی تھی ۔ اس تبدیلی کے دوران نظریات کی جگہ، اقتدار کی ہوس، اپنے قدم جمانے لگی تھی۔

ایسا مسلم لیگ کے ساتھ، پاکستان میں ہوا، مگر انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے مزاج کے مطابق مختلف نظریات و مزاج کے لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹا، اس لئے اس میں اس طرح کا تغیر کلّی کسی قدر دیر سے آیا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اس تغیر کو کافی دیر تک روکے رکھنے میں نہرو کی پُرکشش و مؤثر شخصیت کا بھی کافی دخل تھا، اور اُسے اِس سلسلہ کی کڑی یعنی انکی دختر اندرا گاندھی نے اس تبدیلی کو برق پا بنانے کی ٹھانی تھی۔ بہ الفاظ دیگر ایک اور سطح پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ایک نئی نظریاتی فضا بیدار ہونے کے لئے کروٹیں بدل رہی تھی۔ مثلاً ینگ ٹرکس، صاف طور پر نظریاتی مخلوق تھے، جو بھی ہو، آزادی کے بعد سیاسی تاریخ میں کانگریس کی تقسیم ایک زبردست ناقابلِ فراموش تبدیلی تھی۔ کئی اعتبار سے، ایسا لگتا ہے کہ اس صدی کی نویں دہائی میں جو تازہ سیاسی صورتحال دیکھی جارہی ہے، جیسے سیاست میں مجرمانہ چالیں، حُریت پسند اداروں کا نزول، جمہوری اقدار کی گراوٹ، یہ سب اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ عظیم کانگریس کے تاریخی سفر کا، اختتام ہیں۔ مگر اس تجربہ سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ اندرا گاندھی بری الذّمہ ہیں، یا نجلنگپّا کی ذاتی اور سیاسی خوبیوں کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ ہم اس بحث کا خاتمہ اس خصوصی تجربہ کو ایک فرضی سوال پر کر سکتے ہیں کہ کیا اس تقسیم کو روکا جاسکتا تھا؟

تمام سیاسی سوالوں کی طرح اسکے بھی کئی جواب ہو سکتے ہیں۔ یقیناً اس میں ملوّث

کی‘ اور اس پارٹی کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھا۔ مرکزی ادارتی اُصول جو کانگریس میں در آیا تھا‘ وہ یہ کہ پارٹی کے سب سے بڑے قائد سے بے چوں وچرا وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں۔ اس طرح نجلنگپّا کے پاس لے دے کے ایک ایسی پارٹی رہ گئی تھی‘ جس کے اراکین کی تعداد روز بروز گھٹتی جارہی تھی‘ اور اسکے وسائل وذرائع بتدریج گھٹتے اور خشک ہوتے جارہے تھے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ حسبِ عادت وہ کسی بھی پریشانی سے مایوس نہیں ہوئے‘ بلکہ پُرانی کانگریس میں نئی روح پھونکنے کی سعی کرتے رہے۔ اندرا گاندھی کی کانگریس کی کمزوریوں اور کمیوں کو اُجاگر کرنے کے لئے انہوں نے ملک بھر کا دورہ کیا‘ کسی بھی بستی یا شہر میں وہ دو تین دن سے زیادہ نہیں رُکے۔ جہاں کہیں بھی گئے‘ اُن کا شایان شان خیر مقدم کیا گیا۔ تہوار کا سا منظر ہوتا تھا۔ لوگوں کے اس پیار سے وہ بہت متاثر تھے ۔ انہوں نے بہت حوصلہ پایا۔ اکثر انہیں ایک جلوس کی شکل میں‘ سجی سجائی سڑکوں پر سے خوبصورت سواریوں میں بٹھا کر بینڈ باجے کے ساتھ‘ ایرپورٹ سے لایا جاتا...... وہ جہاں بھی گئے‘ انہوں نے وہی پیغام دیا کہ اگر ملک کو صحیح وسالم رہنا ہے‘ اور ترقی کی راہ پر گامزن ہونا ہے تو گاندھی جی کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلنا ہوگا۔ ان کی تقریروں میں موجودہ حکومت پر تیکھی تنقید بھی ہوتی‘ گاندھی جی کی سی نصیحت بھی اور پارٹی میں ضابطہ کی تلقین واپیل بھی۔

اپنے ملنے والوں سے دیر تک ملتے رہتے‘ تبادلۂ خیال کرتے‘ جسکا سلسلہ کبھی کبھی آدھی رات تک چلتا رہتا تھا۔ اُن کے سفر کے دو مقصد ہوتے‘ ایک تو عوام میں شعور پیدا کرنا‘ دوسرا ادارہ کے ڈھانچے میں تعمیری تبدیلیاں لانا۔ سفر تکلیف دہ اور تھکا دینے والا ہوتا‘ اکثر فاقے بھی کرنے پڑتے تھے۔ شمال میں کالی جھنڈیوں سے بھی

زیادہ عزیز رکھا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کا مسلم الثبوت قدرِ زندگی کا سودا تھا۔ کون کہتا ہے کہ انہوں نے ٹھیک نہیں کیا۔ اُن کے حمایتیوں میں سوائے کامراج کے کوئی بھی وہ پیشکش قبول کر لیتا، جسے قبول کرنے سے انہوں نے انکار کیا، اگر وہ سمجھوتہ کر لیتے تو وزیر اعظم سے ہاتھ ملا کر ایک نائب وزیر اعظم کی اعلیٰ گدّی قبول کر کے ایک انوکھی تاریخ کا حصّہ بن سکتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ صدر نجلنگپّا کی حیثیت ایک ٹریجک ہیرو کی سی تھی، جس کے پیش نظر یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اُس کی جیت ہوئی ہے یا ہار۔ اس ضمن میں ہمیں یاد رکھنا ہوگا کہ پارٹی کی تاریخ ہی میں کسی بھی صدر نے اس قدر یکے بعد دیگرے آنے والے سنگین بحرانوں سے گزرنے کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ اس میں دو رائے نہیں ہوسکتیں کہ ایسے ناممکن تاریخی صورتِ حال میں بھی انہوں نے ایک اچھے انسان اور عظیم مدبّر کی حیثیت سے نام کمایا۔ ابتدا ہی سے 'نجلنگپّا' قومی سطح کی سیاست میں حصّہ لینے سے کتراتے رہے تھے۔ چاہے وہ پارٹی کی ذمہ داری ہو کہ سرکاری، صدر کانگریس بنے بھی تو اپنی مرضی سے نہیں، یہ تو ہر کوئی جانتا ہے۔

جب اِنکی پارٹی جس کے یہ سربراہ تھے، مسائل میں گھِر گئی تو وہ پہلے پہل تو نہ صرف مُستعفی ہونے کی سوچ رہے تھے، بلکہ سیاست سے ہی سنیاس لینا چاہتے تھے، مگر احساس ہوا کہ ایسا کرنا، گویا اپنی ذمہ داری سے بھاگنا ہے۔

وہ ہمیشہ پُر اُمید رہنے کے عادی تھے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ وہ پارٹی سے رشوت، بے اُصولی اور بے انصافیوں کو دُور کر کے ہی رہیں گے۔ یہ امر مسلّم ہے کہ اُنہیں طاقت، اقتدار یا عہدہ کی ہوس بالکل نہیں تھی، اور یہ کہ اندرا گاندھی کی سیاسی دُوراندیشی وطریقۂ کار کا یہ مقابلہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔

اندرا گاندھی نے اراکین کو اپنی پارٹی میں کھینچ لانے میں غیر معمولی کامیابی حاصل

اُنکے نشانے پر تھیں، وہ یہ کہتی تھکتی نہ تھیں کہ وہی ان کی اصل نجات دہندہ ہیں، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ اُنہوں نے زبان سے جو بھی کہا، اس کے برخلاف بھی کیا۔ یعنی قول وفعل میں تضاد ہوتا تھا۔ وعدے، وعدے ہی رہتے۔ ان کی تکمیل کی نوبت کم کم ہی آئی، اور بے شک اُنہوں نے وہ آخری طریقۂ کار بھی اپنایا جو سیاست میں اقتدار پسند ہر چالاک سیاست دان کر گزرتا ہے۔ یعنی ''پھوٹ ڈالو اور راج کرو''۔

قائد کو قائد کا، گروہ کو گروہ کا حریف بنایا کہ فضا ہمیشہ مکدّر رہی رہے، تا کہ اپنا اُلّو سیدھا کرنے میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو۔ مثال کے طور پر سرحدی تنازعہ کو اُچھالا، یعنی کرناٹک اور مہاراشٹر کے بیچ کہ نجلنگپّا اِس میں بار بار اُلجھتے ہی رہیں۔ انہیں پتہ تھا کہ اس سے نجلنگپّا کی سیاسی ساکھ کم ہو جائے گی۔ ۲۳ فروری ۷۰ء کو اس وقت کے کرناٹک کے وزیراعلیٰ ویریندرا پاٹل، ممبران اسمبلی کا ایک وفد لے کر وزیراعظم اندرا گاندھی کے پاس گئے، اور کہا کہ وہ سرحدی تنازعہ کے تعلق سے اُن کی پالیسی سے مطمئن نہیں ہیں۔

اندرا گاندھی نے غیر کانگریسی یعنی پُرانی کانگریسی سرکاروں کو برخاست کر دینے کی پالیسی بھی اپنائی۔ اُنہوں نے جی حضوری کرنے والے گورنروں سے اپنی اپنی ریاستی سرکاروں کے خلاف رپورٹیں منگوائیں، جن کی بنیاد پر سرکاروں کو برخاست کرنے میں آسانی ہوتی۔

اُنہوں نے ریاستوں میں اپنے ایسے حمایتیوں کو شہ دی جو وقتاً فوقتاً ریاستوں میں بدامنی پھیلا سکتے تھے۔ جہاں کہیں کسی دوسری سیاسی پارٹی ریاست میں برسرِ اقتدار ہوتی، اُسے اپنے قابو میں رکھنے کے لئے مرکزی فنڈ دینے میں تاخیر کرتیں یا روڑے اٹکاتیں۔ اِس طرح اُن سرکاروں کو اقتصادی بُحران میں مبتلا کر دیتی تھیں۔ اس ضمن

سامنا کرنا پڑتا۔ جسکا اہتمام اندرا کانگریس کے وفاداران کرتے تھے۔ ذہین و باخبر لوگ بھی اُن کی آواز پر کان دھرتے' اور نقل و حرکت و کارکردگی پر نظر رکھتے تھے۔ اس طرح اندرا گاندھی کو ان کی ہر حرکت و بات کی' برابر اطلاع ملتی رہتی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اندرا کو ایسی خبریں بڑھا چڑھا کر' دی جاتیں جن کو سُن کر وہ خوش ہو جاتی تھیں۔

یہ اچھی طرح جان کر کہ کانگریس (O) اُن کے سیاسی وجود و اقتدار کے لئے ایک مسلسل خطرہ ہے' اندرا گاندھی نے اپنے تمام سرکاری اختیارات استعمال کئے' اور اس پرانی کانگریس کو تباہ و برباد کرنے میں روپیہ پیسہ بہت فراغ دلی سے خرچ کیا' ہر ممکن کوشش کی گئی کہ ان کی مخالف کانگریس (O) کمزور ہو جائے کہ یہی وہ ادارہ یا پارٹی تھی' جو اُن کے لئے خطرہ کی گھنٹی بجاتی تھی۔ اُنہوں نے اراکین کو اپنی پارٹی میں لانے کے لئے رشوت دی' ضرورت پڑنے پر طاقت کا بھی استعمال کیا کہ اپنا منشاء پورا ہو۔ اس کام میں منصوبہ بند ہوشیاری' احتیاط و ذہانت سے کام لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ حریف کانگریس کے حمایتیوں کے دلوں پر دہشت طاری کرنے والے اقدامات کئے۔ ایسے منفی طریقۂ کار کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے لوگوں کو کبھی فتنہ انگیز بیانات سے اور کبھی مسحور کُن الفاظ سے مسحور کیا۔

نہ صرف اُنہوں نے اپنی نسائی خوبصورتی سے عوام کو متوجّہ کیا' بلکہ پُرکشش حرکتوں سے بھی ایک انوکھی سیاست سے روشناس کرایا۔ وہ ہریجنوں کی کالونیوں' بستیوں میں جاتیں اور انہیں جنت کا وعدہ کرتیں۔ یا یہ کہتیں کہ پچھڑے ہوئے لوگوں کے مفاد کی خاطر وہ اپنی جان بھی دینے کے لئے تیار ہیں۔ بے شک اُن کا کارگر حربہ تھا۔ ''غریبی ہٹاؤ'' کا نعرہ۔

وہ قبائلوں کا لباس پہنتیں اور کہتی تھیں کہ وہ اُن میں سے ایک ہیں۔ اقلیتیں بھی

رچائی' اور یہ کام بھی اُن کے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے بر وقت تعاون سے ممکن ہوسکا' ورنہ اُن کی غیر معمولی مصروفیات کا لامتناہی سلسلہ اِس کی اِجازت نہیں دے رہا تھا ۔سچ تو یہ ہے کہ بیٹی پورنیماؔ کی مُرتیجیاؔ سے شادی میں 'وہ بھی' دیگر مہمانوں کی طرح آئے اور اپنے سیاسی کام پر دوسرے ہی دن چل پڑے۔

شادی کے اخراجات دس ہزار روپیوں سے تجاوز کر گئے تو وہ ناخوش ہوئے' مگر ناگزیر سمجھ کر چُپ رہ گئے۔ کانگریس (O) جو میسور ریاست میں مضبوط سمجھی جاتی تھی' اس میں بھی رفتہ رفتہ دراڑیں پڑنے لگیں۔ اسمبلی کے تین ضمنی انتخابات میں اِن کی پارٹی کی شکست ہوگئی' گو کہ لوکل گورنمنٹ حلقوں سے کونسل کے لئے چار سیٹیں ہاتھ لگیں۔ اپنی ہی ریاست میں اس شکست کا چرچہ ملک بھر میں ہوا' اور ظاہر بات ہے لوگ قیاس کرنے لگے کہ اس کانگریس (O) کا انجام' کیا ہونے والا ہے۔

نجلنگپاؔ نے حقیقت پسندانہ جائزہ یہ پیش کیا کہ اس میں جہاں اندراؔ گاندھی نے کافی روپیہ صرف کیا ہے وہاں خود اپنی ہی پارٹی کے وفاداروں نے بے وفائی کی ہے' اور دلجمعی سے کام نہیں لیا ہے۔ پریس سے مخاطب ہو کر کہا کہ پارٹی کی از سرِ نو تعمیر ہو سکتی ہے بہ شرطیکہ معمّر تجربہ کار حضرات' نوجوان نسل کو ذمہ داریاں سونپ دیں' اور گدّیاں چھوڑ دیں' مگر اُن کے رفیقِ کار مُرارجیؔ دیسائی نے نہ صرف اِس مشورہ کو رَد کر دیا' بلکہ متنبہ کیا کہ عوام کے روبرو اِس طرح کے بیانات نہ دیں۔

نجلنگپاؔ کا جواب ہمیشہ ایک مسکراہٹ کی شکل میں اثبات میں ہوتا' مگر اُسے اپنے اندر ہی تک محدود رکھتے۔ مُرارجیؔ نے اب تک وزیر اعظم بننے کی خواہش کو بُجھنے نہیں دیا تھا۔ مُرارجیؔ نے نجلنگپاؔ پر زور ڈالا کہ اُن ہم خیال سیاسی پارٹیوں سے بات چیت کریں جو جمہوریت پسند ہوں' تا کہ ایک جمہوری محاذ قائم ہو سکے' مگر نجلنگپاؔ نے جواب دیا کہ وہ

میں مارچ ۷۰ء میں کامراج نے ڈی پی مشرا سے جو کہ وزیراعظم کے معتبر لوگوں میں سے تھے' ایک دوست کے مکان پر ملاقات کی' اور تبادلۂ خیال کیا' مگر نتیجہ بے سُود۔

صدر کانگریس (O) کی حیثیت سے اس وقت نجلنگپّا کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ روپیہ پیسہ تھا۔ مالی اعتبار سے وہ اس قدر کمزور تھے کہ دفتر کے روزانہ اخراجات بھی مشکل سے پورے ہوتے تھے' جہاں آمدنی گھٹتی جارہی تھی' وہاں اخراجات میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ پیسہ تمام طور پر بڑے بڑے صنعت کاروں اور مالداروں سے آتا تھا' اور ایسے لوگ برسراقتدار سرکار یا پارٹی کی ہی مالی امداد کرتے ہیں' اور اب نجلنگپّا کانگریس کا چونکہ کہیں اقتدار نہیں تھا' اُنکے سارے وسائل و ذرائع خشک ہوگئے' جب نجلنگپّا نے اُن کو فون کیا اور مالی امداد طلب کی تو وہ کترانے لگے۔ ایس کے پاٹل کو چھوڑ کر خود اپنے قریبی ساتھیوں نے بھی اس معاملے میں اپنے آپ کو کافی فاصلہ پر رکھا۔ مُرار جی نے کسی بھی قسم کی مدد نہیں کی۔ اسکے بعد پیچیدہ مسئلہ پارٹی کی پردیش کمیٹیوں کی تشکیل کا تھا۔ یہاں پھر وہی دشواری پیش آئی کہ یہ پارٹی کسی بھی ریاست میں برسرِ اقتدار نہیں تھی۔ لہٰذا صورتِ حال نا قابلِ حل' لے دے کر صرف ایک ریاستی وزیراعلیٰ پر تکیہ کرنا پڑا' اور وہ تھے کرناٹک کے ویریندرا پاٹل۔ یہاں بھی نجلنگپّا کو ہمیشہ یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ وزیراعظم یہاں بھی ٹانگ اڑائیں گی کہ معاملہ بگڑے' اُنہیں پتہ تھا کہ اس سمت کوششیں شروع ہوگئی ہیں۔

۲۸ر مارچ ۷۰ء کو کانگریس (O) نے میسور میں چار اُمیدواروں کو راجیہ سبھا کے لئے کھڑا کیا' جن میں تین ہی جیت سکے۔ نجلنگپّا کا خیال تھا کہ کئی ایک ہریجن وکلیگا ووٹوں کو اندرا گاندھی نے خرید لیا تھا۔

اِن تمام سیاسی دشواریوں کے درمیان نجلنگپّا نے یکم مئی ۷۰ء کو اپنی بیٹی کی شادی

مسلم لیگ سے گٹھ جوڑ کیا تھا، مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ مُرار جی نے نجلنگپّا کو اَیسے گٹھ جوڑ کے لئے مجبور کیا تھا، پر نجلنگپّا نے ادھر دھیان ہی نہیں دیا۔ مُرار جی نے اِس حد تک صلاح دی کہ اُن کی پارٹی، راجے مہاراجاؤں کے ''پریوی پرس'' واپس لینے اور بنکوں کو قومیانے کے حکمنامے واپس لینے کے لئے مرکزی سرکار پر دباؤ ڈالے۔ بدنصیبی سے کامراج اور نجلنگپّا کے سوا کانگریس (O) کے اکثر اراکین اندرا گاندھی کی اس نکتہ چینی کا شکار ہوگئے کہ ان کی پارٹی رَجعت پسند ہے۔

ستمبر ۷۰ء میں کیرلا میں ہونے والے وسطی انتخابات نے کانگریس (O) کو اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کا موقع فراہم کیا۔ نجلنگپا نے بڑی زوردار مہم چلائی۔ کیرلا میں انتخابات کے قریب، مسلم لیگ اور مارکسی پارٹیوں نے ایک دوسرے کے خلاف تشدد کا استعمال کیا۔ اندرا گاندھی نے واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہوئے تشدد کے لئے کانگریس (O) کو ذمہ دار ٹھہرایا'' مارکسی'' بھی ان کی نکتہ چینی کا شکار ہوئے۔

۱۸ ستمبر ۷۰ء کو جب کیرلا کے انتخابات کے نتائج آنے لگے تو کانگریس (O) کے قائدین مایوس ہوگئے۔ انہیں ایک بھی سیٹ نہیں ملی۔ یہ ایک کھلی حقیقت تھی کہ کانگریس (I) نے اِس جیت کے لئے روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ نجلنگپّا نے کھلے عام اس بات کا اعتراف کیا کہ اُن کی پارٹی کی شکست میں مالی بُحران کے ساتھ تنظیمی کمزوریاں بھی شامل تھیں۔ جہاں پارٹی کے سامنے تاریکی نظر آ رہی تھی۔ نجلنگپّا پُر اُمید تھے کہ پارٹی تازہ دَم ہوکر پھر منظر عام پر آئے گی۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے، اندرا گاندھی، میسور ریاست کی سرکار کو گرانے کے لئے بیتاب تھیں۔ اس لئے کہ کرناٹک کو کانگریس (O) کا گڑھ سمجھا جاتا تھا، جہاں ویریندر پاٹل، وزیر اعلیٰ تھے، اور یہ موقع اُنہیں اس وقت ہاتھ لگا جب جاپان کی ''ایکسپو'' نمائش

اندرا گاندھی کی سرکار کو گرانے کے بھی مشتاق ہیں۔ اُنہوں نے مُرار جی سے کہا کہ وزیر اعظم بننے کی اپنی خواہش کا برسرِ عام مظاہرہ نہ کریں۔ نجلنگپّا چاہتے تھے کہ قائدین اقتدار کے پیچھے نہ بھاگیں تو پارٹی کا وقار بڑھے گا۔ نیز قبولیتِ عامہ بھی حاصل ہوگی۔ انہوں نے مُرار جی سے کہا کہ جو لوگ گاندھی جی سے راست جڑے ہوئے تھے، اُن کے اندر اقتدار کی ہوس نہیں ہونی چاہئے، مگر بدنصیبی سے ''نجلنگپّا پارٹی'' کے کئی ایک قائد، جنہوں نے آزادی کے بعد سے اب تک اقتدار کا مزہ چکھا تھا، اب اقتدار سے دُور ہونے میں کافی تکلیف محسوس کررہے تھے۔ پارٹی کے ایک جنرل سکریٹری وینکٹ سبیّا نے نجلنگپّا سے گذارش کی کہ چونکہ اُنہیں یہ تبدیلیاں راس نہیں آرہی ہیں، اور اخلاقی گراوٹ کی رفتار بہت تیز ہے۔ اُنہیں اپنے عہدہ سے الگ ہونے کی اجازت دی جائے، مگر صدر نے نصیحت کی کہ پارٹی کے اپنے پُر آشوب دُور میں پارٹی سے دُور ہونے کی بات نہ کریں۔ وینکٹ سبیّا کو اِس جواب سے اطمینان نہیں ہوا۔

نجلنگپّا کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ لوگ جنہوں نے وزیر بن کر اقتدار کا مزہ چکھا تھا، وہ پوری طرح لاچار و پست ہمت ہوجائیں گے۔ کانگریس (O) کے بزرگ قائدین کے ساتھ اب یہی کُچھ ہونے جارہا تھا۔ مرکزی سرکار نے نجلنگپّا اور ان کی پارٹی کو انکم ٹیکس کے معاملے میں پریشان کیا۔ یہ سوچ کر کہ اندرا گاندھی اُس شخص کو نشانہ بنائیں گی، جو پارٹی کے اخراجات برداشت کررہا ہے۔ اُس شخص کا نام نہیں بتایا۔ جب اس طرح کا بیان نجلنگپّا نے اخباری نمائندوں کو دیا تو پارٹی کو پریشان کرنے کا زرّین موقع اندرا سرکار کو مل گیا۔ بلا تاخیر، اندرا گاندھی، کانگریس (O) اور اس کے صدر کے خلاف ثبوت اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگ گئیں۔ اندرا گاندھی نے یہ الزام بھی لگایا کہ کانگریس (O) فرقہ پرستوں سے گٹھ جوڑ میں لگی ہوئی ہے، جبکہ حقیقت یہ تھی کہ خود اندرا گاندھی نے کیرلا میں

ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ اُن کی پارٹی نے حالات کے تقاضوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح تیار نہیں پایا ہے۔ جیسا کہ حالیہ انتخابات کی شکستوں سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اعتراف کیا کہ وزیراعظم اندرآ گاندھی کو پارٹی کی رُکنیت سے برخاست نہ کرنے کی غلطی کی ہے، جس سے اقتدار اُن کے ہاتھوں میں پہنچتا جارہا ہے، مگر اُنہوں نے پُر اُمید لہجے میں کہا کہ اب بھی حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے، جس کے لئے کانگریس (O) میں نئی روح پھونکنے کی فوری ضرورت ہے۔ پی سی سی اور ڈی سی سی کے صدور سے اپیل کی کہ آنے والے انتخابات کے لئے ابھی سے کمر بستہ ہو جائیں۔

بعد ازاں، دسمبر ۷۰ء میں لکھنؤ کی اے آئی سی سی کی میٹنگ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگلے انتخابات فروری ۷۱ء میں ہو سکتے ہیں، اور اس کے لئے ابھی سے تیار ہونا ہوگا۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ اقلیتی سرکار چلانے میں کیا کیا دشواریاں درپیش ہوں گی۔ اس کے لئے ہم خیال سیاسی پارٹیوں سے تال میل کی شدید ضرورت پر زور دیا۔ اُنہوں نے کامراج کی تعریف کی کہ اُنہوں نے "بھارت بچاؤ، جمہوریت بچاؤ" کے نعروں سے اپنی ریاست بھر میں ایک مہم چلا رکھی ہے جو زور پکڑتی جارہی ہے۔ جیسے ہی سال ۷۱ء وارد ہوا، تمام پارٹیوں کے قائدین انتخابات میں مصروف ہو گئے۔ جہاں تک نجلنگپّا کا تعلق ہے، اُنہوں نے آئندہ انتخابات کو اپنی سیاسی زندگی کی آخری جنگ سمجھا، اور اُسکے لئے ضروری تیاری بھی کی کہ یہ جنگ سچائی اور دھرم کی جنگ ہے۔ اُس کے لئے انہوں نے اپنی زندگی بھر کی اخلاقی قدروں اور طاقتوں کو داؤ پر لگا دیا۔ جیسے یہ جنگ، زندگی اور موت کی آخری جنگ ہو سیاسی پارٹیوں سے تال میل کی کوشش بھی کی۔

۶ رجنوری ۷۱ء کو بمبئی میں ایس کے پاٹل کی طرف سے بُلائی گئی ایک بڑی ریلی میں نجلنگپّا اور مُرارجی نے اپنی پارٹی کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ اپنے روبرو ایک جم

لگی۔ یہ ایک بین الاقوامی نمائش تھی، جس میں ترقی یافتہ تکنالوجی کی حیرت انگیز چیزیں تھیں۔ پاٹل نے سوچا کہ اِس نمائش کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے سرکاری خرچ پر ایک سو نوجوانوں کا ایک وفد جاپان بھیجا جائے۔ اِس خیال ہی سے پتہ لگنا چاہئے کہ یہ کام کس قدر مشکل تھا۔ سرکار کا فیصلہ تھا کہ ہر یونیورسٹی سے بیحد ذہین طلباء پر مشتمل ایک ایک گروپ بنایا جائے، جس میں فرسٹ رینک والے طلباء اور غیر معمولی صلاحیتوں کے کھلاڑی بھی ہوں گے۔ طریقۂ انتخاب کچھ بھی رہا ہو، طلباء کی ایک بڑی تعداد، اور اُن کے مایوس والدین سے پٹنا تھا، گویا کہ یہ ایک جادوئی صندوق تھا جس کو کھولنے کی کوشش کی جارہی تھی۔

حزبِ مخالف کو سرکار کے خلاف آواز اٹھانے کا ایک زرّین موقع ہاتھ آ گیا، اُس نے ایسے ہی مایوس لوگوں کو یکجا کر کے بے اطمینانی کی لہر دوڑا دی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک کانگریس (I) کا قائد جو اِن دنوں کرسی اقتدار سے علیحدہ ہو چکا ہے، گڑبڑ مچانے کا ٹھیکہ دار تھا۔ نتیجہ میں تشدد کی وارداتیں، لوٹ مار، اِس سے واحد مقصد ریاست میں بدامنی کا الزام لگا کر مرکز کی مداخلت کے لئے راہ ہموار کرنا تھا۔

کانگریس (O) کی حیثیت اب لے دے کے صرف ایسی قراردادیں پاس کرنے والی پارٹی کی سی رہ گئی تھی جن کو عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ اسکا صدر ہمیشہ کی طرح پُراُمید پارٹی کے مفاد کی خاطر، پھر سارے ملک کے دورے پر نکل گیا۔

بمبئی میں جون ۷۰ء کو اے آئی سی سی (O) کی میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے کانگریس (I) کی خامیوں پر سے نقاب الٹ دی۔ انہوں نے کہا کہ جمہوری اقدار میں تنزّل، اداریاتی نظام میں رخنہ اندازی، آزادئ اظہار پر پابندی، قومی ڈسپلن میں بگاڑ اور عوامی سیاسی شعور میں دراڑیں۔ یہ سب کچھ کانگریس (I) کی طرف سے لائی ہوئی تباہیاں

رکھی ۔ ریڈیو پر بھر پور قابو ہے جس کے ذریعے صرف ان کی تقریریں ہمیشہ نشر ہوتی رہتی ہیں ۔ اشتہاروں پر اندراؔ گاندھی کی دلکش تصویر، عوام کے سامنے ہمیشہ مسکراتی ہوئی، پھر بھی نجلنگپاؔ کا خیال تھا کہ اُن کے گٹھ جوڑ کی پارٹیوں کے حق میں کم سے کم دو سو سیٹیں ملیں گی ۔ انکا اندازہ تھا کہ مدراس میں اُن کی پارٹی کی اکثریت ہوگی اور وہی سرکار بنا سکیں گے، مگر جب ۱۰ر مارچ ۷۱ءکو نتائج کا اعلان ہوا، تو حیرت کی بات یہ کہ نہ صرف کانگریس (O) بلکہ اُنکے گٹھ جوڑ کی تمام سیاسی پارٹیوں کو شکست فاش ہوگی ۔ اس دن کی انکی ڈائری میں نجلنگپاؔ رقمطراز ہیں کہ سوائے اندراؔ گاندھی کانگریس کے، تمام سیاسی پارٹیوں کو زبردست شکست ہوئی ہے، اور یہ کہ اندراؔ کا اثر و رسوخ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہی جا رہا ہے۔

اُنہیں حیرت ہوئی کہ بزرگ قائدین جیسے لیس کے پاٹلؔ، اشوکؔ مہتہ، سنجیواؔ ریڈی تاراکیشوؔری سنہا اور رام سبھاگؔ سنگھ بھی انتخاب ہار چکے تھے ۔ اب دل شکن صورتِ حال کا اِنہیں کوئی سبب نظر نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوگیا۔ انہوں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ اِس جیت کے پیچھے کیا صرف روپیہ پیسہ ہی کارفرما ہے یا انتخابی چالوں کا، یا وہ مؤثر پروپگنڈہ تھا یا تقدیر کا کھیل۔

فیصلہ نہ کر پانے پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ تمام عناصر اندراؔ گاندھی کی جیت کا سبب بنے ہوں گے ۔ اندراؔ گاندھی کو لوک سبھا میں دو تہائی اکثریت مل گئی، اس جیت میں انکے مقبول عام نعروں سے ''غریبی ہٹاؤ'' کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور ہریجنوں کے ووٹوں نے نمایاں رول ادا کیا تھا۔ اتنی بھاری اکثریت کے بل بوتے پر اب اندراؔ گاندھی کچھ بھی کر سکتی تھیں۔

کانگریس (O) کے قائدین اپنی شکست کی وجوہات تلاشتے رہے۔ کامراجؔ سب

غفیر کو دیکھ کر کانگریس (o) کے قائدین کا حوصلہ بڑھا۔

اندرا گاندھی نے پتہ نہیں کس بناء پر شائد کسی سیاسی دشواری کے پیش نظر یا اپنے ذاتی جیوتشی کے کہنے پر انتخابات ملتوی کر دئے۔ اس سے حریف کانگریس میں بے یقینی کی لہر دوڑ گئی۔ شاید اس سے وزیر اعظم کا یہی مقصد تھا کہ ایسا ہی ہو، مگر نجلنگپا پر اُسکا کوئی اثر نہیں ہوا۔ انہوں نے اُمیدواروں کے انتخاب، پروپگنڈہ، فنڈ اکٹھا کرنے کی کوشش، اور انتخابی طریقۂ کار پر اپنی پوری توجہ مرکوز کر دی۔ بڑے بڑے صنعت کاروں سے مالی امداد کے لئے رجوع کیا، مگر مایوس لوٹنا پڑا۔ ظاہر ہے کہ مالدار بہت ہوشیار ہوتے ہیں، اور اُنہیں اپنے نفع ونقصان کا بہت اچھا اندازہ ہوتا ہے۔ انہیں پتہ تھا کہ اس دوڑ میں جیت کس گھوڑے کی ہوگی، اور اُنہوں نے دُور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے اندرا گاندھی کی تائید کی۔

جہاں بنکوں کو قومیا کر غریبوں کی مالی امداد کے لئے راستے کھولے جا رہے تھے، اس پالیسی سے مالداروں کو ناراض ہونا چاہئے تھا، مگر وہ مالدار اور خود اندرا گاندھی بھی، اچھی طرح واقف تھے کہ یہ اسکیم صرف دکھاوا ہے۔ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے۔ اس لئے اُنہوں نے اندرا گاندھی کو بے دریغ روپیہ دیا۔

۸/ مارچ ۱۷ء کی ڈائری میں نجلنگپا نے لکھا ہے کہ مالدار، بزدل ہوتے ہیں، اور چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ ۹/ مارچ ۱۷ء کی صبح، ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی، اور کانگریس (o) کے کیمپوں پر غم واندوہ کے بادل ٹوٹ پڑے۔ نجلنگپا جانتے تھے کہ اندرا گاندھی کی جیت یقینی ہے، اور ان کی پارٹی سے بہتر ہوگی، کہ انہوں نے اپنی پارٹی پر کروڑوں روپئے خرچ کئے ہیں۔ ہزاروں جیپوں کا استعمال ہوا ہے۔ بیحد خوبصورت اشتہارات سے لوگوں کو رجھایا گیا ہے۔ پروپگنڈہ میں کوئی کسر باقی نہیں

نوجوان کو سونپنے کا منصوبہ بنایا جو پارٹی میں نئی روح پھونک سکے۔ ۱۱راپریل ۷۱ء کو اس سلسلے میں کامراج سے تبادلۂ خیال کیا' وہ مان تو گئے' مگر کہا کہ چونکہ پارٹی کی مالی حالت خراب ہے' کوئی بھی شخص صدر بننے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا۔ البتہ اگر بزرگ قائدین پارٹی کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے کی ذمہ داری قبول کریں' تو نجلنگپّا کا جانشیں تلاشا جاسکتا ہے۔ سب سے زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ پارٹی کے بزرگ قائدین جیسے اتلیہ گھوش' سنجیوا ریڈی وغیرہ جو پارٹی کی شکست سے دل برداشتہ تھے' پہل نہیں کر رہے تھے۔ مئی ۷۱ء کے اوسط میں بمبئی میں ہوا ے آئی سی سیشن' نجلنگپّا کے حق میں کانگریس (O) کے صدر کی حیثیت سے آخری ثابت ہوا۔ ورکنگ کمیٹی نے اتفاق رائے سے قرارداد منظور کی کہ نجلنگپّا کا جانشیں چنا جائے۔ اقتدار اور کرسی کی تمنّا اس حد تک انسان کے اندر ہوتی ہے کہ ایسی شکست خوردہ پارٹی کی صدارت کے لئے بھی اراکین میں رسّہ کشی شروع ہوگئی۔ ایس۔ کے۔ پاٹل' مُرارجی دیسائی' سی بی گپتا' حتیٰ کے کامراج نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اپنا کوئی آدمی صدر بنے۔ پارٹی پر اقتدار بنائے رکھنے کے لئے کامراج اور مُرارجی میں ٹھن گئی۔ کامراج نے رام سبھاگ سنگھ کا نام تجویز کیا تو مُرارجی نے اُسکی مخالفت کی۔ نجلنگپّا نے اس جھمیلہ سے اپنے آپ کو دُور رکھا۔ انہیں لگا کہ رام سبھاگ سنگھ کو اکثریت قبول نہیں کر رہی ہے۔ اس لئے اُنہوں نے صادق علی کا نام تجویز کیا' جس کو صادق علی نے انکار کر دیا۔ تاہم ایس کے پاٹل اور نجلنگپّا کے بھرپور تعاون کی یقین دہانی کے بعد وہ مان گئے۔ صادق علی کے انتخاب کے ساتھ ہی نجلنگپّا صدارت سے دست بردار ہوگئے۔

اراکین نے سابق وموجودہ صدر پر تعریفوں کی بوچھار کردی۔ پاٹل نے خصوصیت سے نجلنگپّا کی بے پناہ قربانیوں اور سچی خدمت نیز ان کی حکمت عملی کی خوب تعریف کی۔

سے زیادہ مایوس تھے کہ انکی اپنی ریاست میں ڈی ایم کے نے انتخابات جیت لئے تھے۔

۱۳اور ۱۴ مارچ ۷۱ء کو کانگریس (o) نے اپنی میٹنگ میں حالات کا جائزہ لیا تو انہیں لگا کہ انتخابات میں انہیں دھوکہ ہوا ہے، مگر پارٹی خود جل کر راکھ ہو گئی تھی، اور اسکے بیشتر اراکین اندرا گاندھی سے خوفزدہ تھے، اور اس پارٹی سے الگ ہونے کے لئے اپنے پر تول رہے تھے کہ اسی میں عافیت اور مستقبل چھپا ہے۔ اس لئے دیگر سیاسی پارٹیوں میں ضم نہ ہونے کا مصمّم ارادہ کر کے طئے کیا گیا کہ خود اپنی پارٹی کو مضبوط کرنا ہی بہتر ہوگا۔ خود میسور میں ویریندرا پاٹل کی بنیادیں ہل رہی تھیں۔ پارٹی میں دراڑیں پڑ رہی تھیں، اور بے اُصولی زوروں پر تھی، جن کو ہوا دینے میں وزیر اعظم نے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔

۱۸ مارچ ۷۱ء کو پاٹل نے گورنر کو اپنی کابینہ کا استعفیٰ پیش کر دیا۔ اس سے ملک بھر میں کانگریس (I) میں شامل ہونے کی راہیں کھل گئیں۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ اب کانگریس (o) کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ کم سے کم قومی سطح پر نوبت یہاں تک آئی کہ میسور کے قائدین جیسے پاٹل، راج شیکھر مورتی نے ایک علاقائی پارٹی کی تشکیل کے امکانات پر غور کیا، مگر نجلنگپا اپنے فیصلہ پر اڑے رہے، اور اپنی پارٹی سے جڑے رہے۔ انہیں بتدریج اندازہ ہونے لگا کہ خود اپنے وہ لوگ، جن کو انہوں نے سیاست میں لانے اور تربیت دینے کا بیڑہ اُٹھایا تھا۔ اب ان سے دُور ہو رہے ہیں، مگر ساتھ میں کچھ وفاداران بھی تھے جیسے رام کرشنا ہیگڈے، گروپدا سوامی، جنہوں نے وعدہ کیا کہ وہ پارٹی سے الگ نہیں ہوں گے اور پارٹی کو مضبوط بنانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

نجلنگپا نے پی سی سی کی صدارت کے لئے ہیگڈے کا انتخاب کیا، مگر انہوں نے ناسازیٔ طبع کی بناء پر ذمہ داری قبول نہیں کی۔ اس لئے پاٹل نے حامی بھری۔ نجلنگپا نے اپنی ساری صلاحیتوں کا بھر پور استعمال کر کے پارٹی کی صدارت کو ایک ایسے

نصیبی سے ریڈی بھاری اکثریت سے جیت گئے۔

صدر پارٹی صادق علی کی گذارش پر نجلنگپّا پارٹی کے خزانچی بنے، جس پر ایک نئی مصیبت کھڑی ہوگئی۔ ویریندرا پاٹل اور دوسرے جواں سال قائدین نے نجلنگپّا سے مل کر گذارش کی کہ اگر تمام بزرگ قائدین نوجوان نسل کے حق میں عہدوں سے دست بردار ہوجائیں تو پارٹی میں نئی روح پھونکی جاسکتی ہے۔ نجلنگپّا نے محسوس کیا کہ بزرگ پارٹی کے لئے ایک رُکاوٹ بن رہے ہیں۔ ان کے کئی ایک ساتھیوں نے صلاح دی کہ وہ اندرا کیمپ میں داخل ہوجائیں۔

مختصر یہ کہ نجلنگپّا کو یہ شک ہونے لگا کہ یہ لوگ، اقتدار کے لئے سچائی، نیک نیتی اور خلوص کو قربان کرنے کے لئے پُر تول رہے ہیں۔ اُنہیں زیادہ مایوسی اُس وقت ہوئی جب ویریندرا پاٹل نے بھی ایک اخباری نمائندہ سے کہا کہ وہ پُرانی پارٹی میں اب دلچسپی نہیں رکھتے، بلکہ اُنہیں قیادت اور اقتدار چاہئے۔

دراصل پاٹل اور نجلنگپّا کے بڑے داماد مہالنگ شیٹّی نے نجلنگپّا سے مل کر اپیل کی کہ ایک نئی پارٹی بنائیں، تاکہ اسمبلی کے آنے والے انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے کانگریس (O) کا نعم البدل ڈھونڈ نکالیں۔ یہ تجویز سُن کر نجلنگپّا آگ بگولہ ہوگئے۔

صدارت سے علیحدگی کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سیاسی زندگی سے سنیاس لے لیا جائے۔ پارٹی میں نئی رُوح پھونکنے کا وہ مصمّم ارادہ کر چکے تھے، اور سوچ رہے تھے کہ اسے ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے اندرا گاندھی کو ہرائیں۔ اس مہم میں اُنہوں نے ریاست کا دورہ کیا، لوگوں کو سمجھایا بجھایا کہ کس طرح اندرا گاندھی کی غیر معمولی سیاست سے نقصان پہنچ رہا ہے، مگر انہیں زیادہ دُکھ اپنے رفقائے کار کے آئے دن کے رویہ سے ہورہا تھا۔ خصوصیت سے رام سبھاگ سنگھ سے، جو نجلنگپّا کو اپنا ''گرودیو'' کہتے تھے۔ سنگھ

وہ بھی ایک ایسے دور میں، جسے پارٹی کا تاریک ترین دور کہا جاسکتا ہے۔ صادق علی نے نجلنگپا کی صداقت و منصف مزاجی کی تعریف کی۔

صدر کے عہدے سے سبکدوش ہونے کے فوراً بعد نجلنگپا دھارواڑ چلے آئے، جہاں کی کرناٹک یونیورسٹی میں اُنکے صاحبزادے اُما کانت فزکس پڑھاتے تھے۔ یونیورسٹی کا پُرسکن ماحول اُنہیں پسند آیا۔ انہوں نے ایک قلیل مدت تک آرام کیا۔ اپنی زندگی میں پہلی بار اُنہوں نے ایسے ماحول میں اپنے آپ کو بہت خوش پایا۔

تبدیلی کی خاطر، اپنی مصروفیات، فی الحال اہل خانہ تک ہی محدود رکھیں، جن میں اُن کی بیوی، بچّے، پوتے، پوتیاں تھیں، مگر زیادہ عرصہ تک ایسا رہ نہیں سکے۔ ایک بزرگ قائد کی حیثیت سے پارٹی کے لئے فنڈ اکٹھا کرنے کی ذمہ داری جوان کے سر پر تھی، انہوں نے کلکتہ، لکھنو اور بمبئی کا سفر کرنا چاہا۔ اِس دوران خبر ملی کہ سنجیوا ریڈی نے ورکنگ کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ ریڈیو پر سنی اس خبر سے انہیں دکھ ہوا۔ گو کہ ریڈی ان کے خاص احباب میں سے نہیں تھے۔ ریڈی نے استعفیٰ دیتے ہوئے کہا کہ ان کا جھکاؤ سماج واد کی طرف ہے۔ اس بناء پر نجلنگپا نے ریڈی کو آڑے ہاتھوں لیا کہ کس طرح انہوں نے ریڈی کو لوک سبھا کی اسپیکر شپ کی خاطر، اندرا گاندھی سے مخالفت مول لی تھی۔ یہ واقعہ ۱۹۶۷ء میں ہوا تھا جب اندرا گاندھی نے ریڈی کو اپنی کابینہ سے نکال دیا تھا کہ وہ ایک غیر ضروری آدمی ہیں۔ وہ نجلنگپا ہی تو تھے، جنہوں نے اندرا گاندھی سے کہا تھا کہ ریڈی کو اسپیکر شپ دے دی جائے، مگر حسب عادت اندرا گاندھی نے کہا کچھ اور کیا کچھ اور، جب ریڈی نے اسپیکر شپ کے لئے نامزدگی کے کاغذات داخل کردئے تو اندرا گاندھی نے اندر ہی اندر اپنے ایک ساتھی کو اسپیکر شپ کے لئے تیار کرلیا تو دونوں امیدواروں میں مقابلہ ناگزیر ہوگیا۔ نجلنگپا کی خوش

کھونے کے بعد‘ ان دونوں نے اب پینترہ بدلنا شروع کیا ہے‘ جس کا اظہار ان کی حالیہ تقریروں سے ہو رہا ہے۔ اُن کا نقطۂ نظر بدل گیا ہے۔ انتخابات کے ذریعے کرسی اقتدار تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اخلاقی قدروں کو خیر باد کہہ دیا ہے۔

دراصل اُنہوں نے کامراجؔ کو اپنے جذبات سے آگاہ کرنے کے لئے ایک خط بھی لکھا‘ اس سارے گروپ میں صرف ایک قابل اعتماد ساتھی رہ گیا تھا‘ اور وہ تھا لیس کےؔ پاٹل۔ نجلنگپاؔ جب بھی دلّی جاتے بمبئی ہوتے ہوئے جاتے‘ جہاں پاٹلؔ سے ملاقات ہوتی۔ دونوں کی یہی کوشش تھی کہ صدر کانگریس (O) صادقؔ علی کے ہاتھ کس طرح مضبوط کئے جاسکتے ہیں۔ دلّی جاتے ہوئے دونوں اپنے اپنے ساتھ پارٹی فنڈ کے لئے کچھ تو ضرور لے جاتے کہ پارٹی کی مالی حالت بہت خراب ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُنہیں وہ مالدار تاجر یا صنعت کار نہیں مل رہے تھے جو اِنکی پارٹی کو فنڈ دے سکیں۔ یہی وہ لوگ تھے جو پہلے کسی نہ کسی پارٹی فنڈ کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔

انگریزی شاعری کا بڑے شوق سے مطالعہ کرتے تھے۔ اُنہیں ایک واقعہ یاد آتا تھا جو ٹینی سنؔ کی ایک نظم کا حصہ تھا‘ جس میں ایک بادشاہ کے بستر مرگ پر کہے ہوئے آخری الفاظ درج تھے‘ مگر پُر اُمید لہجے میں اُنہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ بُرے دنوں کی جگہ اچھے دن آئیں گے‘ بس تھوڑے سے عرصہ کی ضرورت ہے۔

اس دوران صادقؔ علی نے محسوس کیا کہ کرسی ٔ صدارت کو سنبھالنا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے‘ جہاں اراکین میں صبر و سنجیدگی نہیں تھی۔ تارا کیشوریؔ اور سنگھؔ نے پارٹی کے خلاف بیانات دینے میں کوتاہی نہیں کی۔ اس میں شک نہیں کہ پارٹی کا ڈھانچہ کمزور ہو گیا تھا۔ صادق علی نے کئی ایک کمیٹیوں کے لئے صدر کی نامزدگی کی تھی‘ جس پر رام سبھاگؔ سنگھ نے نکتہ چینی کی۔ جب چند اراکین نے سنگھ کو آڑے ہاتھوں لیا تو

نے اپنی پارٹی کانگریس (O) کے اپنے دیرینہ رفیقوں کے خلاف اخباری بیان دے دیا۔ اُن کا ساتھ دینے والی رکن پارٹی تارا کیشوری سنہا بھی تھیں۔ انہیں پتہ تھا کہ رام سبھاگ سنگھ کو صدارت اور تارا کیشوری کو کانگریس (O) میں معتمد عمومی کے عہدے نہ ملنے پر یہ رنگ بدلا جارہا ہے۔ اُنہیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ دونوں وزیر اعظم کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کررہے ہیں۔ نجلنگپّا کو اپنے خفیہ ذرائع سے اس کا بھی پتہ چل چکا تھا کہ اندرا گاندھی نے اپنے مخبروں کو سبھاگ سنگھ اور کامراج کے پاس بھی بھیجا ہے، وہ اُن کا ساتھ دینے پر راضی ہوجائیں۔ کامراج سے اپنے گہرے روابط کے باوجود نجلنگپّا کو پتہ نہ تھا کہ وہ کب کیا کرنے والے ہیں۔

اِن تمام نا قابلِ قبول واقعات کی روشنی میں انہوں نے محسوس کیا کہ کیوں نہ اب سیاست سے مکمل سنیاس لے کر ایک عام آدمی کی سی زندگی گذاری جائے۔ یہ بات انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھی ہے، مگر احساس بیدار ہوا کہ اس طرح کرنے سے لوگ الزام دیں گے کہ وہ فرار حاصل کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ کچھ بھی ہو، وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے موجودہ فرائض سے کنارہ کش نہیں ہوں گے۔ ایک سچے لنگایت کی طرح اپنا فرض سمجھ کر انہوں نے اپنی ساری ذمہ داریاں نبھائیں، جس میں مالی منفعت کا کہیں دخل نہیں تھا۔

بنگلور ڈسٹرکٹ کی سیاسی کانفرنس میں جو کہ ۱۲ ستمبر ۱۹۷۱ء کو منعقد ہوئی تھی، کامراج اور ویریندرا پاٹل نے دبے لفظوں میں کہا کہ اندرا گاندھی میں اب بہت سی قابل قبول تبدیلیاں آگئی ہیں، مگر اصولوں کے دھنی نجلنگپّا نے کہا کہ وہ اپنے دیرینہ اصولوں سے نہیں ہٹیں گے۔ اُن احباب نے نجلنگپّا سے گذارش کی کہ کانگریسیوں میں اتحاد کی کوشش کریں، اور اپنی پارٹی کی ہار کو بھول جائیں۔ اپنی ڈائری میں نجلنگپّا نے لکھا ہے کہ اقتدار

دیا۔ دفتر کے عملے کو دھمکی دی اور سارے دفتری کاغذات لے کر فرار ہو گئے۔ پولیس بروقت موقع واردات پر نہیں پہنچی، بہت ممکن ہے یہ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہوا ہوگا ۔ جب مُرارجی دیسائی نے یہ معاملہ پارلیمان میں اُٹھایا تو وزیر اعظم نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ آل انڈیا ریڈیو نے بھی اِس کے بارے میں کچھ نہیں کہا، شاید کسی کا حکم تھا!

احتجاجاً، صادق علی نے دھرنا دیا۔ پارٹی کی ورکنگ کمیٹی نے اس زیادتی کے خلاف ملک بھر میں احتجاج کیا۔ صادق علی سے گذارش کی گئی کہ برت توڑ دیں۔ جنتر منتر کا واقعہ صرف ایک آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھا۔ ایسی ہی واردات، بنگلور میں پی سی سی (o) کے دفتر پر اندرا گاندھی کے رضا کاروں کی طرف سے ہوئی۔ نجلنگپّا کی تصویر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے، اور فرنیچر تہس نہس کر دیا گیا۔

نجلنگپّا نے وہی کیا جو اُن کے ضمیر نے کہا۔ اس واردات کو ظلم سے تعبیر کیا۔ دھارواڑ کے ایک اخباری نمائندہ کو بھی یہی اطلاع دی۔

دسمبر ۷۱ء میں جب پاکستان کے خلاف جنگ چھڑ گئی تو سرکار نے خارجی ایمرجنسی کا اعلان کر دیا۔ مشرقی بنگال کے مسئلہ پر بھارت کے لئے تائید حاصل کرنے کے لئے اندرا گاندھی نے کئی ممالک کا دورہ کیا۔ اندرا گاندھی کی مغرب دُشمنی پالیسی کی بدولت اقوام متحدہ میں ہندوستان پر بُرا اثر پڑا۔ نجلنگپّا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ یہ بھارت کی غلط خارجہ پالیسی ہے۔ اُنہیں شکایت تھی کہ بیرونی ممالک میں ہمارے سفارتخانے مناسب و مؤثر خدمات انجام نہیں دے رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا تھا کہ ہندوستان کا کیس زوردار ہونے کے باوجود ہماری بات پر دھیان کم کم ہی دیا جاتا۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے میں تاخیر کرنے پر بھی نجلنگپّا نے نکتہ چینی کی۔ جب حکومت نے ۶ر دسمبر کو یہ سب کچھ کر لیا تو نجلنگپّا نے سوچا کہ کاش کہ یہ سب کچھ کوئی آٹھ مہینے پہلے ہوتا

وہ میٹنگ سے اُٹھ کر چلے گئے۔

صادق علی نے صورتِ حال سے بیزار ہو کر صدارت سے استعفیٰ دیدیا۔ پھر واپس لینے پر رضا مند ہو گئے۔ جب وہ اپنے مُربی نجلنگپا سے ملنے گئے تو نجلنگپا نے استقامت سے کام لینے کی تلقین کی کہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کریں، جس سے اراکین میں بے اعتمادی پیدا نہ ہو۔ ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے بعد جب وہ بنگلور لوٹے تو پہلی خبر یہ ملی کہ میسور کانگریس کے چند اراکین ایک نئی پارٹی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے نجلنگپا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ یہ لوگ موقع پرست ہیں 'اور اس سے انکی اپنی پارٹی میں جمے رہنا ہی اُنہیں بہتر لگتا ہے۔ اُنہیں یقین ہو چلا تھا کہ ایسے لوگ، عوام کے سچّے قائد ہو ہی نہیں سکتے۔ دوسرے دن کے پی سی سی کی مجلس منتظمہ میں بھی چند اراکین نے یہی رائے ظاہر کی۔ اُن کا سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اُن کا سیاسی اثر کم ہوتا جا رہا تھا' جب پارٹی کے نشان کا مقدمہ ہارا تو انہوں نے پُرانی کانگریس پارٹی کو آگے بڑھانے پر زور دیا۔ ویریندرا پاٹل جیسے لوگ تذبذب میں تھے۔ اُنہیں کانگریس (O) پر اعتماد نہ تھا' پھر بھی کسی اور طرف جانے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہے تھے۔ نجلنگپا نے اُنہیں آڑے ہاتھوں لیا کہ سیاست میں اِس طرح کی پینترا بازی اچھی نہیں۔ اُنہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ پارٹی سے پاٹل کی دلچسپی کم ہو گئی ہے۔

بادِ مخالف کے باوجود' نجلنگپا نے سپر نہیں ڈالی' اور کانگریس (O) کو دِل و جان سے عزیز رکھا۔ پارٹی کے دفتر کے اخراجات کے لئے اپنی جیب سے رقم صدر صادق علی کے نام رقم بھجوائی۔

اِس دوران کانگریس (I) نے پارٹی کے نشان کے حصول پر اپنی خوشی کا اسقدر اظہار کیا کہ جنتر منتر روڈ پر واقع دفتر پر ۱۲/ نومبر ۱۹۷۱ء کو حملہ کر دیا۔ صادق علی کو مارا پیٹا' باہر ڈھکیل

اپنا اپنا وقار کھو رہے ہیں۔ اس لئے نجلنگپا سیاست سے الگ ہو جائیں تو بہتر ہوگا۔

ایسے صبر آزما دور میں کوئی بھی تعمیری مشورہ کانگریس (O) کے حق میں تریاق تھا ۔نجلنگپا کو خوشی ہوئی کہ اُن کی پارٹی کو ایک انتخابی نشان دیا گیا ہے' جس میں ایک عورت چرخہ کات رہی ہے' مگر اِس چھوٹی سی کامیابی سے کانگریس (O) کا امیج بہتر نہیں ہوسکتا۔ میڈیا نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی' جبکہ ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ پر اندرا گاندھی سے متعلق معمولی معمولی خبر بھی نمایاں طور پر نشر ہوتی یا شائع ہوتی۔ گویا سارا سرکاری میڈیا' اندرا گاندھی اور اُن کی پارٹی کے لئے مختص تھا۔ نجلنگپا کو میڈیا کی آزادی پر جو یقین تھا' وہ بھی اُٹھ گیا۔

کانگریس (O) کو تحلیل کر کے نئی پارٹی کی تشکیل کی خبروں پر نجلنگپا کو بڑی تشویش ہوتی تھی' اُنہیں دکھ ہوا کہ ہاسن ڈی سی سی نے ۱۳ر جنوری ۷۲ء کو ایک قرارداد منظور کی ہے' جس میں نجلنگپا اور دوسروں کو کانگریس سے مستعفی ہو جانے کے لئے کہا' تا کہ ایک نئی پارٹی کی تشکیل ممکن ہو سکے۔ نجلنگپا محسوس کر رہے تھے کہ نئی پارٹی کی باتیں بالآخر اندرا گاندھی میں ضم ہونے پر ختم ہوں گی۔ ۵ر جنوری ۷۲ء کو پی سی سی کے صدور کی میٹنگ میں یہ بات بھی زیر بحث آئی' مگر صورتحال میں کسی بھی تبدیلی کو نامنظور کر دیا گیا۔ البتہ میسور کے قائدین کو یہ قرارداد پسند نہیں آئی۔ نجلنگپا کو یہ دیکھ کر دُکھ ہوا کہ اِس واقعہ کے پیچھے اُن کے وہ دو پُرانے رفیقِ کار بھی تھے' جنکی سیاسی تربیت' انکے ہاتھوں ہوئی تھی۔

اپنی ڈائری میں اُنہوں نے خود سے سوال کیا ہے کہ کیا انہوں نے کہیں کوئی غلط فیصلہ کیا تھا؟

پی سی سی نے' ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کو منظوری دے دی' مگر نجلنگپا کے داماد مہالنگ شٹی نے نجلنگپا کو بتایا کہ ٹمکورڈی سی سی نے کہا ہے کہ بار بار وزیر اعظم پر حملے

تو ہند پاک۔ جنگ کی نوبت ہی نہ آتی۔

دورانِ جنگ، وہ پُر تجسس اور تناؤ سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے، مگر جب ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو بنگلہ دیش کی فتح ہوئی تو سب سے زیادہ خوشی شاید نجلنگپا کو ہوئی۔ اپنی ڈائری میں اُنہوں نے اندرا گاندھی کی حکمتِ عملی اور جرأت مندی کی کھل کر داد دی ہے۔ تاہم یہ یقین بھی نجلنگپا کو تھا کہ اِس جیت کا سہرا اندرا گاندھی اپنے سر باندھ کر خوب استحصال کریں گی، تاکہ اپنا اور اپنی پارٹی کا امیج خوب بڑھے۔ اندرا گاندھی کی مقبولیت اس کے بعد بام عروج پر پہنچ گئی، اگر ایسے حالات میں انتخابات ہوئے تو ان کی جیت بھاری اکثریت سے ہوگی۔ نجلنگپا نے محسوس کیا کہ اندرا گاندھی عوام کی نظر میں ایک ''دیوی'' ہیں۔ لیس کے پاٹل اور نجلنگپا نے اندازہ لگایا کہ ایسی صورتِ حال میں اندرا گاندھی کا مقابلہ ہوسکتا ہے، مگر اُنہیں ہرانا تقریباً ناممکن ہے۔ اُن کی مخالفت کرنے والی سیاسی پارٹیوں کا وجود ختم کر کے رکھ دیں گی۔ نجلنگپا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ عوام کو یہ کہہ کر پریشانی میں جھونکا جا رہا تھا کہ نئی اور پُرانی کانگریس ایک ساتھ ہیں، دونوں میں کوئی اَن بن نہیں ہے۔

پاٹل کو امید تھی کہ کبھی نہ کبھی، اندرا گاندھی کے خلاف ایک پارٹی بنے گی، وہ ملک کی خارجہ پالیسی بدلے گی، اور تمام ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات بڑھائے گی، تمام مذاہب کا احترام ہوگا، پیداوار میں اضافہ ہوگا، نظریات تعمیری ہونگے، اور نئی نسل کی قیادت ہوگی، جہاں بزرگوں کا احترام ہوگا۔ اس طرح، ایک نئی پارٹی کی اہمیت وضرورت روز بہ روز بڑھتی جا رہی تھی۔

۲۴ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو نجلنگپا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ رام کرشنا ہیگڈے اور ویریندرا پاٹل نے ان سے یہ کہا ہے کہ مرارجی، پاٹل، اتلیہ گھوش، اور گپتا پر اعتماد کم ہو رہا ہے۔ وہ

۔ کانگریس (ا) نے زبردست جیت حاصل کر لی ۔ اِنکی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ پارٹی کو گہری چوٹ لگی ۔ پارٹی نے محسوس کیا کہ اُن کے خلاف سازشیں ہوئی ہیں، انتخابات میں ووٹوں کی گنتی میں، دھاندلیاں ہوئی ہیں۔ رشوت کا بازار گرم رہا ہے۔ کیمیکل کا استعمال کر کے ووٹوں کی صداقت سے کھلواڑ کیا گیا ہے۔ نجلنگپاؔ نے ان الزامات پر یقین کیا، اور اخباری نمائندوں کے روبرو بیان دیا۔ ساتھ ساتھ پست ہمت نہ ہونے کی احباب کو تلقین بھی کی۔ انتخابات کے بعد قیادت کے مسئلہ پر اتفاق رائے نہ پا کر، کئی ایک ریاستوں نے فیصلہ اندراؔ گاندھی پر چھوڑ دیا۔ نجلنگپاؔ کو اس پر بھی تعجب ہوا کہ آخر جمہوریت کس نہج پر آ ٹھہری ہے۔ اُن کا خیال تھا کہ اندراؔ گاندھی چونکہ میسور میں لنگایتوں اور وکلیّگا لوگوں کو پسند نہیں کرتیں، دیوراج ارسؔ، جن کو اکثر ممبران اسمبلی کی حمایت حاصل تھی، وزیر اعلیٰ بنائے جائیں گے۔ نجلنگپاؔ کی نظر میں ارسؔ، سدا ویرپّا سے بہتر تھے۔ مگر بدریؔ نارائن، ارسؔ سے بہتر تھے، مگر نجلنگپاؔ کو معلوم تھا کہ برہمن ہونے کے ناطے بدریؔ نارائن نظر انداز کر دئے جائیں گے۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۲ء کو کانگریس (o) کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی۔ طویل تبادلۂ خیال کے بعد سب پر عیاں ہو گیا کہ پارٹی ورکرس پست ہمت ہو گئے ہیں۔ کامراجؔ نے کہا کہ اُن کی پارٹی میں، یہ خیال زور پکڑتا جا رہا ہے کہ ڈی ایم کے کو ہرانے کے لئے کانگریس (o) اور (ا) دونوں متحد ہو جائیں، گو کہ ذاتی طور پر وہ اُس کے حامی نہیں ہیں۔

ڈی سی سی کے صدور نے طئے کیا کہ پارٹی کو مضبوط بنانے کے لئے ہمہ وقت کوشش جاری رکھیں گے۔ نجلنگپاؔ نے اس ضمن میں کئی ایک تجاویز پیش کیں، کہ ہر ضلع میں ایک ایک ہزار، رضا کاروں کی تربیت ضروری ہے، تا کہ عوام بالخصوص دیہاتیوں کو سرکار کی غلط پالیسیوں کے بارے میں سمجھا سکیں۔

کرنے والی، نجلنگپّا کی بات پسند نہیں آئی۔ اِس لئے کہ اس سے عوام میں خود اُن کی مقبولیت کم ہو جائے گی۔

شاید یہ اندازہ صحیح تھا۔ اندرا گاندھی کے خلاف، نجلنگپا کا ردِ عمل کچھ زیادہ ہی ہوتا تھا۔ اندرا گاندھی سے اُن کے تلخ معاملات کے پیش نظر نجلنگپّا نکتہ چینی، اور تلخ نوائی سے اپنے آپ کو روک بھی نہیں سکے تھے۔ گو کہ اندرا گاندھی کے پاس سارے اختیارات سمٹ کر آ گئے تھے۔ نجلنگپّا فطرتاً جرأت مند، صاف گو سیاست دان تھے، جن کے پاس مصلحت پسندی اور چاپلوسی کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ بہتر ہوتا اگر اندرا گاندھی کی شخصیت سے بڑھ کر وہ اُن کی غلط یا کمزور پالیسیوں پر زیادہ دھیان دیتے۔

نجلنگپّا کے اکثر ساتھی یکے بعد دیگرے ان سے دُور ہوتے گئے، اور خطرناک حد تک اکیلے کرتے جا رہے تھے۔ پھر بھی وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ جہاں انہوں نے اندرا گاندھی کے بارے میں تلخ نوائی سے کام لیا، وہیں ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف بھی کیا۔

کانگریس (ا) نے اچھے اُمیدواروں کو ٹکٹ نہیں دیا۔ نجلنگپّا کو یہ بات بھی پسند نہیں آئی، مگر انہیں خواہش تھی کہ کم سے کم دیگر سیاسی پارٹیاں بہتر اُمیدواروں کو میدانِ انتخاب میں اُتاریں۔ جون ۷۲ء کے اطراف، انتخابات کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کانگریس (٥) پریشان تھی کہ پیسہ کہاں سے لائیں۔ اندرا گاندھی کے ڈر سے صنعتکاروں نے مٹھی بند کر لی۔ ہمت افزاء بات صرف یہ تھی کہ جنتر منتر کا دفتر اُن کے قبضہ میں تھا، مگر اِس سے کیا ہو گا؟

فنڈ اکٹھا کرنے کے لئے شہر شہر گھومتے رہے، مگر بے سود، کرناٹک کا بھی طوفانی دورہ کیا۔ انتخابات کے بعد اپنے بیٹے کے پاس دھارواڑ چلے آئے، اور نتائج کا انتظار کیا

اقتصادی قوت کمزور ہوگی' وہاں سماجی بے انصافی بڑھے گی۔ 'غریبی ہٹاؤ' کا نعرہ' نعرہ بن کر ہی رہ جائے گا۔ ضرورت نعروں کی نہیں' بلکہ عمل کی ہے۔ نیّت کی ہے۔ انہوں نے کامراج سے گذارش کی کہ 'لادینیت' کے درآمد کا مطلب سمجھائیں' جواب میں کامراج نے ایک سوال کو جنم دیا کہ وہ بتائیں کہ ''ہندو مذہب کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے' کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے''۔ نجلنگپّا نے یہ بات واضح کی کہ ہر شخص اپنی اپنی بات کا الگ الگ مفہوم رکھتا ہے۔ سماج واد کی بہترین تعریف تو وہ ہے جو بابائے قوم مہاتما گاندھی نے کی ہے کہ دولت کا ایک جگہ سمٹ کر نہ رہنا ہی سماج واد ہے۔ اقتدار اور طاقت کو مرکزیت سے دُور رکھا جائے۔ عام آدمی کو ہمہ جہتی ترقی کی سہولیات فراہم ہوں۔

نجلنگپّا نے سوال کیا کہ کیا برسر اقتدار اندرا کانگریس نے صحیح معنوں میں اپنے تشہیر شدہ' دس نکاتی پروگرام کو عملی جامہ پہنایا ہے؟ مثلاً کیا اب تک کسانوں کے چارے کے ذخیروں کا انشورنس ہوا ہے؟' کیا بینکوں کو قومیانے سے حقیقی معنوں میں غریبی دور ہوئی ہے؟' کیا اندرا گاندھی کی ریڈیو پر اجارہ داری نہیں ہے؟ کیا ''پریوی پرس'' کو واپس لے لینے سے سماج واد کو ترقی ملی ہے؟ دوائیوں پر کنٹرول سے کیا دوائیوں کی قیمتیں گھٹی ہیں؟ اور کیا اس سے غریب آسانی سے خرید سکتے ہیں؟

نجلنگپّا نے کہا کہ انصاف' عام انسانوں سے دُور ہوگیا ہے۔ عدالت عالیہ مالداروں کا ہتھیار بن گیا ہے۔ غریب مجبور ہیں' ضلعی عدالت تک بھی جا نہیں سکتے۔ کیا لینڈ ریفارمس کا قانون کامیاب ہوا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ بڑے بڑے زمینداروں نے اپنی زمینات پر قبضہ جمائے رکھنے کی کوشش میں بے شمار طلاقیں ہوئی ہیں۔ ایسے عجیب وغریب کھیل کھیلے جارہے ہیں۔ پیداوار میں گراوٹ آگئی ہے یا قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے' پتہ نہیں چلتا۔ کاشت کے قابل زمینوں میں آج مدرسے راستے' کارخانے

جب ریاست میں راجیہ سبھا کے انتخابات کا اعلان ہوا تو دو اُمیدوار میدان میں تھے ۔ ویریندر اپاٹل اور گروپدّاسوامی ۔ نجلنگپّا نے گروپدّاسوامی کو ترجیح دی کہ وہ تجربہ کار ہیں' اور ایک بار راجیہ سبھا کے رکن بھی رہ چکے ہیں' مگر دوسروں نے پاٹل کو ترجیح دی کہ اُن کے جیتنے کے امکانات زیادہ ہیں۔ نجلنگپّا نے اِن سے اتفاق کیا۔ پاٹل نے کراس ووٹنگ کی بنیاد پر انتخاب جیت لیا۔

بنگلہ دیش کی فتح سے ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے اندرا گاندھی کا وقار بہت بلند ہو گیا۔ اُنہیں ہرانے والا کوئی نہ تھا' ملک کا ہر قائد اُن کے سامنے بونا لگتا تھا۔ ریاستی قائدین اُن کے پیچھے ایسے لگے جیسے میری کے پیچھے مثالی بکری' وہ مختارِ کُل بن گئیں۔ انکا فرمایا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ ان کی مخالفت کرنے والا خاک میں مل جاتا تھا۔ ایسی مقبولیت کے نشہ میں آمرانہ احکامات جاری کرنے میں انہوں نے کوئی پس و پیش نہیں کیا۔

اسکے باوجود' نجلنگپّا کی پُر اُمیدی کو زنگ نہیں لگا۔ اُنہوں نے بیبا کی سے اندرا گاندھی کی پالیسیوں پر حملے کئے' اس امید پر کہ جلد یا بدیر اندرا گاندھی کو زوال آئے گا' مگر انہیں احساس تھا کہ اُن کے زبانی حملوں سے صورتحال نہیں بدلے گی۔ سیاسی سطح پر' انتخاب میں اُن کی پارٹی کو ہرا کر ہی خوشگوار تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔

اکتوبر ۷۲ء کے اواخر میں پونہ میں اپنی پارٹی کی اے آئی سی سی کی میٹنگ ہوئی' جہاں ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ اُن کے قیام کا انتظام شہر کے ایک مشہور صنعت کار کوٹھاری کے ہاں کیا گیا' جن کے گھر والوں نے اِن کا شاندار خیر مقدم کیا۔

اپنی تقریر میں نجلنگپّا نے کئی اہم اُمور پر گہری نظر ڈالی کہ موجودہ سرکار صرف سیاسی اقتدار چاہتی ہے۔ اقتصادی طاقت پر کوئی زور نہیں ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ جہاں

تھے، جن کے آشرم کی نجلنگپّا نے مدد کی تھی۔ نجلنگپّا اُن کی بڑی تعریف کرتے تھے کہ سوامی جی ہمیشہ فلاحِ عامہ کے کاموں میں جُٹے رہتے ہیں۔

نئی سرکار نے اس آشرم کی اس لئے مدد نہیں کی کہ وہ نجلنگپّا کا پسندیدہ آشرم ہے۔ قابل سوامی جی کے قتل کی کوششیں بھی ہوئیں۔

کرناٹک کی سیاست عجیب موڑ لے رہی تھی، اور نجلنگپّا کے خلاف محاذ بنانے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ نئے وزیرِ اعلیٰ دیوراج ارس نے پُرانی کانگریس سرکار پر الزام لگایا کہ ۱۹۷۳ء میں بیجاپور میں قحط، نجلنگپّا کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے ہوا ہے۔ نجلنگپّا نے فوراً اپنا ردِ عمل ظاہر کیا، اور پریس سے مخاطب ہو کر کہا کہ جب ارس اُن کی کابینہ میں تھے، تو اُنہوں نے کچھ نہیں کیا تھا۔ ارس ایک چالاک سیاستدان تھے۔ نجلنگپّا کے ساتھ کوئی جھگڑا مول لینا مناسب نہ سمجھ کر چپ رہ گئے۔

نجلنگپّا کو اِس بات کا یقین تھا کہ اگر اُن کے شروع کئے گئے پراجکٹ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جاتا تو نوبت قحط تک نہ آتی۔ صورتِ حال سے تنگ آ کر بیجاپور کے لوگوں نے سرکار کی سرد مہری کے خلاف احتجاج کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے افتتاح کے لئے ۵ر مارچ ۷۳ء کو نجلنگپّا سے گذارش کی گئی۔ سچ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے خود اس ستیہ گرہ میں شامل ہونے کی پہل کی تھی۔ اُس دن شہر میں ہڑتال ہوئی۔ ساری دکانیں بند رہیں۔ ستیہ گرہ کرنے والوں کو حراست میں لیا گیا۔ بعد ازاں کھانا کھلا کر رہا کر دیا گیا۔ دوسرے دن نجلنگپّا نے ضلع کے سربراہ سے ملاقات کی، اور متنبہ کیا کہ راحت رسانی میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔

۶ر مارچ ۷۳ء کو انہوں نے قحط زدہ اِنڈی تعلقہ کا دورہ کیا، اور لوگوں کی ابتر حالت دیکھ کر بہت رنجیدہ ہو گئے۔ کھیت خشک، درخت گنجے، کھانے کے لئے نہ کھانا، نہ پینے

اور گھر بن گئے ہیں۔ کاشتکاری کے لئے زمین کم ہوگئی ہے۔

نجلنگپّا نے کہا کہ بہر حال پیداوار میں اضافہ ہو، بہتر آب رسانی ہو، تا کہ بیروزگاری کم ہو۔ اُنہوں نے ورکرس سے کہا کہ عوام سے رابطہ بنائے رکھیں، اُنہیں ہم خیال بنائیں۔ غرض نجلنگپّا نے جہاں نکتہ چینی کی، وہاں اگر کوئی متبادل منصوبے، تجاویز پیش کرتے تو بہتر ہوتا جن پر عمل آسان ہو، ممکن ہو۔

ورکنگ کمیٹی کے لئے، نجلنگپّا کا جھکاؤ گروپدّا سوامی کی طرف تھا، مگر ناگپّا آلوا کی مداخلت سے غیر جانب دار ہو کر رہ گئے، اور اس طرح ویریندرا پاٹل کی کامیابی ممکن ہوسکی۔ دسمبر آیا سارا کرناٹک نجلنگپّا کا یوم پیدائش منانے کی تیاری میں جُٹ گیا۔ گویا ایک عید کی تیاری ہو رہی تھی۔

چترادرگا میں اُن کے چاہنے والوں نے، شہریوں نے اُن کا اکہتّر (۷۱) واں جنم دن دس دسمبر ۷۲ء کو نہایت شان و شوکت سے منایا۔ ایک بڑے جلوس کی شکل میں اِنہیں لیجایا گیا۔ جلوس کے ساتھ ایچ ڈی دیوے گوڈا، ویریندر پاٹل اور دیگر احباب تھے۔ جلسے کی صدارت دیوے گوڈا نے کی۔ نجلنگپّا کو پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا گیا۔ اُن کے چاہنے والوں نے اُن کی خدمت میں ایک کیسۂ زر پیش کیا، جسے قبول کرنے کے بعد، ویسے ہی پی سی سی کو سونپ دیا۔ یہ ایک ایسا یادگار واقعہ تھا کہ اقتدار میں نہ رہنے کے باوجود عوام کی نظر میں ایک شریف النفس، ہر دلعزیز انسان کا کیا عظیم مرتبہ ہوتا ہے، تاہم چند ایک لنگایتوں کے مذہبی پیشواؤں میں نجلنگپّا مقبول نہیں تھے۔ نجلنگپّا کا عقیدہ تھا کہ مذہب اور سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ وہ ان مذہبی پیشواؤں کو پسند نہیں کرتے تھے جو سیاست کا استحصال کرتے ہیں۔ خوش نصیبی سے چند ایک مذہبی پیشوا ایسے بھی ہیں جو سیاست اور ذاتی غرض سے دُور رہتے ہیں۔ اُن میں ملاّڈی ہلّی کے راگھویندرا سوامی

جاتے۔ عام آدمیوں کے لئے تو یہ ایک سرچشمۂ اُمید تھے۔

قائدین کے یکے بعد دیگرے پارٹی سے ترکِ تعلق سے پارٹی کمزور ہوتی جارہی تھی۔ اُنہیں اندازہ ہورہا تھا کہ کانگریس کے دونوں فریق کے ملاپ کی کوششیں جاری ہیں۔ کامراج اور اندرا گاندھی کی اور پھر ویریندرا پاٹل' کامراج اور کرشنما چاری کے درمیان ہونے والی بار بار کی ملاقاتوں سے یہی کچھ اُن کی سمجھ میں آرہا تھا' جب کامراج سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان کا شک یقین میں بدل گیا' کہ وہ سب مل کر کانگریس (o) کو تحلیل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

دلّی میں کرپلانی اور اُن کی رفیقۂ حیات نے متنبہ کیا تھا کہ وہ کانگریس (ا) میں شامل نہ ہوں۔ بنگلور میں ہوئی کانگریس (o) کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں کامراج نے دلیل پیش کی کہ ضرورت آن پڑی ہے کہ تمل ناڈو میں کانگریس (ا) کے ساتھ اگر گٹھ جوڑ نہ ہوا تو ڈی ایم کے اور اے آئی ڈی ایم کے کو ہرا نہیں سکتے۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ کامراج کی سوچ اب تملناڈو کی سرحدوں تک سمٹ کر رہ گئی ہے۔ کامراج نے دھمکی دی کہ اگر اُن کا مشورہ قبول نہیں کیا گیا تو وہ پارٹی چھوڑ دیں گے۔ نجلنگپا کو یہ سُن کر تعجب ہوا کہ کامراج' تملناڈو میں ڈی ایم کے اور اے آئی ڈی ایم کے میں رشوت خوری کی بات تو کرتے ہیں پر' قومی سطح پر جو رشوت کا بازار گرم ہے' اُس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔

ناسازئ طبع کے باعث نجلنگپا نے ۱۱ر نومبر ۷۳ء کو دلّی میں ہوئی ورکنگ کمیٹی میں شرکت نہیں کی۔ ۱۹۴۸ء سے اب تک نجلنگپا نے کانگریس ورکنگ کمیٹی میں بڑی پابندی و احترام سے شرکت کی تھی۔ سوائے ان دو سالوں کے' جس دوران نہرو نے ٹنڈن سے صدارت اپنے ہاتھ لے لی تھی' اُن دو سالوں میں اِنہیں ورکنگ کمیٹی سے دُور رکھا گیا تھا۔ شمالی کرناٹک کے کچھ برہمن قائدین نے اِنکے خلاف' نہرو کے کان بھرے تھے۔

کے لئے پانی، جانوروں کے لئے چارہ بھی نہیں۔ کرناٹک کی تائید، مرکز نے اتنی بھی نہیں کی جتنی کہ مہاراشٹرا کی کی تھی۔ اِس دوران، وزیر اعظم نے کرناٹک کا سفر کیا، جہاں نجلنگپّا اُن سے ملاقات کے لئے نہیں گئے۔ ویریندرا پاٹل نے اُن سے ملاقات کی۔ یہ جان کر اُنہیں تشویش ہوئی کہ پاٹل نے اندرا گاندھی سے ملاقات کی۔ عین اُس وقت سپریم کورٹ میں بنیادی حقوق پر دلیلیں پیش کی جارہی تھیں۔ کورٹ نے فیصلہ سُنایا کہ پارلیمان کو دستور میں ترمیم کرنے کا حق ہے۔ بنیادی حقوق میں کمی بیشی کی وہ مختار ہے۔ اس فیصلہ پر اندرا گاندھی اور اُن کے چیلوں نے جشن منایا۔

اندرا گاندھی نے عدلیہ پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش میں تین بزرگ ججوں کو نظر انداز کر کے اپنی مرضی کے ایک جونیئر جج، جسٹس رے کو سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنادیا، جس کی بدولت ان تین بزرگ ججوں نے عزتِ نفس کی بُنیاد پر اپنا اپنا استعفیٰ بھجوادیا۔ اندرا گاندھی چاہتی تھیں کہ کرسیٔ انصاف پر ایک ایسا آدمی ہو جو ان کا احترام کرتا ہو، ان تین بزرگ ججوں میں کرناٹک کے جسٹس ہیگڈے بھی تھے۔

کانگریس (O) کے قائدین کی روز روز بڑھتی ہوئی پست ہمتی کو دیکھ دیکھ کر نجلنگپّا کا کلیجہ مُنہ کو آرہا تھا، مگر وہ پست ہمت نہیں ہوئے۔ اُس دوران اشوک مہتہ نے صادق علی سے کانگریس (O) کی صدارت کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس تبدیلی کو نجلنگپّا نے پسند نہیں کیا۔

جب بھی ملاقات ہوتی، ویریندرا پاٹل، رام کرشنا ہیگڈے اور دیوے گوڑا یہی کہتے کہ نجلنگپّا کے دن لد گئے۔ اُن کی تقلید سے انکا مستقبل خراب ہوگا۔ ایسی دل شکن باتیں سن کر بھی نجلنگپّا لوگوں سے ملتے، مختلف مسائل پر اُن سے تبادلہ خیال کرتے، اور مناسب رہنمائی کرتے۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جو اُن کی اخلاقی پختگی کا ہر نہج پر اعلان کرتا تھا۔ عہدہ یا اقتدار نہ ہونے پر بھی لوگ انکے پاس آتے۔ مسائل کا حل طلب کرتے، اور مطمئن ہو کر

رہی تھی کہ وہ سب پارٹی کے اغراض و مقاصد کے بالکل خلاف جا رہے تھے۔ کانگریس (ا) کی رشوت ستانی اور غیر اخلاقی کارروائیوں پر نکتہ چینی ہوتی تو بہتر تھا۔

نجلنگپا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ شاید اُن کی زندگی کا سب سے زیادہ المناک یا تکلیف دہ لمحہ وہ ہوگا' جب اگلی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں اس پارٹی سے ترکِ تعلق کی بات کریں گے' جس کو انہوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا' اُن کی پریشانیوں میں اور بھی اضافہ اس وقت ہوا جب یہ خبر ملی کہ سی بی گپتا اور ایس کے پاٹل بھی کامراج کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ یہ افواہیں بھی گرم تھیں کہ کامراج نے اندرا گاندھی سے خفیہ معاہدہ کر لیا ہے۔

۶ ر اپریل ۷۴ء کو کانگریس (o) کی ورکنگ کمیٹی نے یہ قرارداد پاس کی کہ وہ اندرا کانگریس میں ضم نہیں ہوگی' اور اُس کو کسی بھی قسم کا تعاون پیش نہیں کرے گی۔ نجلنگپا نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ اس قرارداد کے بعد کامراج کو پارٹی سے نکال دینا چاہئے تھا' جس سے پارٹی کا نقصان تو ہوتا' پر بہتر یہی ہوتا اگر کامراج خود نکل جاتے۔

دوسری چوٹ یہ لگی کہ اندرا کانگریس میں دوسری سیاسی پارٹیوں کے کارکن دھڑا دھڑ شامل ہوتے جا رہے تھے' جس سے وہ پارٹی روز بروز مضبوط ہو رہی تھی۔ آزادیٔ ملک کے بعد کی یہ صورتِ حال ایک عجیب موڑ لے رہی تھی' جہاں متضاد نظریات کے لوگ اکٹھا ہو رہے تھے۔

نجلنگپا کو ایک اور جھٹکا تب لگا جب اشوک مہتہ کا ۱۱ر مئی ۷۴ء کا لکھا ہوا ایک خفیہ خط انکے ہاتھ لگا' جس میں انہوں نے کانگریس (o) کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ یہ اس وقت ہوا جب کانگریس (o) کی حیثیت ایک ایسی کشتی کی سی تھی' جسکا کوئی ملاّح نہیں تھا۔ استعفیٰ کا سبب یہ لکھا تھا کہ وہ اپنی ذمہ داری ٹھیک و موثر انداز سے انجام نہیں دے

دریں اثناء کامراج نے نومبر ۷۳ء میں دوسری بار اندرا گاندھی سے ملاقات کی' اور پانڈیچری میں ہونے والے انتخابات کے لئے اُن کی پارٹی سے گٹھ جوڑ کا انتظام کرلیا۔

اپنی ڈائری میں نجلنگپا نے اپنا مشاہدہ دہرایا ہے کہ کامراج ایک علاقائی' مقامی قائد تھے' جن کی نظر تمل ناڈو کی سرحدوں سے پرے جا ہی نہیں سکتی تھی۔ یہ خبر پڑھ کر نجلنگپا کو غصہ آیا کہ سنجیوا ریڈی نے ۱۹ر نومبر ۷۳ء کو ایک بیان دیا ہے کہ وہ اندرا گاندھی کی قیادت کو مضبوط کرنے کی خاطر کامراج سے ملاقات کریں گے۔ نجلنگپا کے لئے یہ خبر ریڈی اور اُن کی سیاست کو بے نقاب کرنے کے لئے کافی تھی۔

بہر حال روز روز کی خبروں سے اُنہیں پتہ لگ رہا تھا کہ کانگریس (O) کی قیادت' پگھلتی جا رہی ہے' پارٹی کے کئی ایک وفاداران نے بھی کامراج کے اندرا گاندھی سے اس معاہدہ کی مذمّت کی' جو کامراج نے ورکنگ کمیٹی کے در پردہ کیا تھا۔ نجلنگپا نے محسوس کیا کہ کامراج کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے سے اُن کا دماغ خلاؤں میں سفر کر رہا ہے' اور یہ کہ اُن کی قوتِ فیصلہ متاثر ہوگئی ہے۔

مگر جب اُنہوں نے اپنے تربیت یافتہ ویریندرا پاٹل کا بیان پڑھا' گو کہ وہ خود انضمام پسند نہیں کرتے' تاہم اندرا گاندھی کو اپنا دُشمن بھی نہیں مانتے' بلکہ ان کے نظم و نسق کی مذمت بھی نہیں کریں گے۔ البتہ کانگرس کی سرکار کی غلط پالیسیوں کی مذمّت کریں گے۔ اس دوران نجلنگپا کو ایسے جھٹکے لگتے ہی گئے۔ غالباً ۲۱ نومبر ۷۳ء کو صدر کانگریس (O) اشوک مہتہ کا اُن کے نام ایک خط آیا' جس سے ان کو انتہائی بڑا جھٹکہ لگا۔ انہوں نے کامراج کے اس خیال سے اتفاق کیا تھا کہ کانگریس (I) ایک جمہوری سیاسی پارٹی ہے' اور اُن کے گٹھ جوڑ سے پانڈیچری اور کوئمبتور میں انتخابات لڑنا صحیح ہوگا۔ اپنے دیرینہ دوستوں سے آئے دن کی ایسی حرکتوں اور بیانات سے نجلنگپا کو کافی تکلیف ہو

شری جے پرکاش نارائن کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

سکتے۔ نجلنگپّا کی نظر میں یہ فرار تھا۔

نہ صرف پارٹی میں بلکہ پورے ملک میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، اُن سے نجلنگپّا بیحد مایوس تھے۔ اُنہیں لگ رہا تھا کہ اندرا گاندھی نے اپنے سارے مسائل ریاستی سرکاروں کے کندھوں پر ڈال دئے ہیں، اور خود اُن کے پاس کوئی حل نہیں ہے۔ سوائے بلند و بانگ نعروں کے۔ مگر اندرا گاندھی نے اس سست رفتاری کے لئے مخالف پارٹیوں کو ذمہ دار ٹھہرایا۔

جب بھی موقع ملا، نجلنگپّا نے اندرا گاندھی کی پالیسیوں اور کارکردگی کی مذمت کی۔ اُن کے دوست جی۔ محمد امام نے بھی ان سے اتفاق کیا کہ اندرا گاندھی موقع پرست ہیں، مسلمانوں اور ہریجنوں کا استحصال کر رہی ہیں۔ نجلنگپّا کا خیال تھا کہ فخر الدین علی احمد کو صدر ہند بنانے میں یہی حکمت عملی کارفرما تھی۔

اپنی ڈائری میں انہوں نے دلیل پیش کی کہ اندرا گاندھی کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے جئے پرکاش کو چاہئے کہ ایک نئی پارٹی بنائیں۔ انتخاب لڑیں، اور اندرا گاندھی کو ہرا کر اقتدار سے ہٹائیں، مگر امید نہیں تھی کہ ایسی پارٹی بن سکے گی۔

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۹۷۴ء ایک اہم سال بن کر نازل ہوا۔ جئے پرکاش نارائن نے جو ایک سچّے گاندھی وادی تھے، اندرا گاندھی کے طریقۂ کار اور رشوت خوری میں ملوث سرکار کے خلاف پُرامن تحریک چلائی، مگر اس سے جڑے ہوئے چند نوجوانوں نے بہار میں قحط سالی سے تنگ آ کر اِدھر اُدھر تشدّد برپا کیا۔ قحط سالی بام عروج پر تھی، تو رشوت خوری فلک بوس تھی۔ جے پی کی قیادت میں ''چھتر پریشد'' نے اس زوردار تحریک کو جاری رکھا، جو اندرا کانگریس سرکار کے خلاف تھی۔ تحریک نے مطالبہ کیا کہ پارلیمان اور دیگر اسمبلیاں برخاست کر دی جائیں۔ مگر اندرا گاندھی کے رفیق سُبرامنیم نے جو اُن

۔سارے ملک میں اُس کا چرچہ تھا۔ پٹنہ اور دلّی میں اس تحریک میں حصّہ لینے والوں کو پولیس کی زیادتیوں کا شکار ہونا پڑا۔ جے پی کو بھی مارا پیٹا گیا' جس کے نتیجے میں اُنہیں گہری چوٹیں آئیں' مگر مرکزی حکومت کے زیرِ قابو آل انڈیا ریڈیو نے یہ خبر نشر نہیں کی۔ جب جے پی اور وزیراعظم میں کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو تحریک نے اور زور پکڑا۔

مرکزی سرکار نے اپنا سخت گیر "میسا" (MISA) کا فراخدلی سے استعمال کر کے تحریک کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ اس قانون میں حراست میں لئے گئے آدمی کو کسی بھی عدالت سے رجوع کرنے کا حق نہیں تھا' کسی بھی شخص کو بلاوجہ حراست میں لینے کا اختیار تھا' مگر ایسے سخت گیر قانون سے دراصل جے پی تحریک کو شہہ ملی۔ ۵/ مارچ ۷۵ء کو دلّی بند کا اہتمام کیا گیا۔ جے پی کی قیادت میں ہڑتالیوں نے سرکار کے خلاف زبردست مگر پُرامن مظاہرہ کیا۔

اندراؔ گاندھی کے قریبی حمایتی چوہانؔ نے جےؔ پی کی تحریک کو موقع پرست بتایا۔ ۶/ مارچ ۷۵ء کو مختلف مقامات پر مظاہرے' جلوس اور احتجاجی جلسوں کا اہتمام ہوا۔ جے پی کے ملک بھر کے دوروں سے عوام میں بیداری کی لہر جاگنے لگی۔ ساتھ ساتھ انہوں نے پارٹی کے لئے فنڈ بھی اکٹھا کر لیا۔ جب ۵/ مئی ۷۵ء کو جے پی داونگیرے آئے تو عوام سے وصول کی گئی رقم کا ایک بھاری کیسۂ زر نجلنگپاؔ نے جے پی کو تھما دیا۔

اندراؔ گاندھی کو زبردست جھٹکا اس وقت لگا' جب ۱۲/ جون ۷۵ء کو الہ آباد ہائی کورٹ نے اندراؔ گاندھی کی انتخابی جیت کو غلط قرار دیا۔ مخالف پارٹیوں نے جے پی کی قیادت میں اندراؔ گاندھی سے مطالبہ کیا کہ عدالت کے فیصلے کے پیشِ نظر اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں۔

ان دنوں ایک عجیب واقعہ یہ ہوا کہ دلّی اور اُس کے قرب وجوار کے کئی ایک مزدور

کی کابینہ میں وزیر رہ چکے تھے، اور شنکر دیال شرما نے جو اندرا کانگریس کے صدر تھے، اس تحریک کو ناپسندیدہ سیاسی ردِعمل اور رجعت پسند قرار دیا۔

مگر دیکھتے دیکھتے جے پی کی یہ تحریک سارے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ گجرات میں سرکاری مشنری ڈھ گئی۔ ۱۵؍اپریل ۷۴ء کو چترادرگا میں کانگریس (O) کے نوجوان کارکنوں میں ایک اجلاس منعقد کیا، جس کی صدارت نجلنگپّا نے کی، جس میں جے پی کی تحریک کو بھرپور تعاون پیش کرنے کا فیصلہ لیا گیا کہ ملک کو تباہی سے بچانے کا لے دے کے ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔

حیرت کی بات یہ ہوئی کہ عین اُس وقت کامراج نے ایک اخباری بیان جاری کیا کہ ملک کو اس شدید بحران سے بچانے کا واحد راستہ اندرا گاندھی کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے۔ لیس کے پاٹل نے نجلنگپّا سے سوال کیا کہ کامراج کی ایمانداری واصول پرستی کو آخر ہو کیا گیا ہے؟

نجلنگپّا کو لگا کہ کامراج میں یہ تبدیلی اقتدار کی ہوس کا پیش خیمہ ہے۔

ملک کا صدر مقام دلّی ایک ایسا اسٹیج بن گیا تھا، جہاں ساری پارٹیاں اپنے اپنے زور وکرتب بازی کے نمونے پیش کر رہی تھیں، کہ دیکھیں انجام کیا ہوگا۔

نجلنگپّا کے دلّی کے سفر کے دوران ساری سیاسی پارٹیوں کے قائدین نے ان سے ملک کے مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ ۳۰؍ستمبر ۷۴ء کو راج نارائن اور پیلو مودی نے نجلنگپّا کو اپنی بھارتیہ لوک دل پارٹی میں شمولیت کی دعوت دی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اور اُن کے ساتھی، ویریندرا پاٹل اور ہیگڈے اُن کے ساتھ ہو جائیں تو کچھ بات بن سکتی ہے۔ سی بی گپتا نے بھی صلاح دی کہ کانگریس (O) کو بی ایل ڈی میں ضم ہو جانا چاہئے۔

جے پرکاش نارائن کی اندرا گاندھی کے خلاف تحریک دن بدن زور پکڑتی جا رہی تھی

جے پی نے عوام سے اپیل کی کہ اخلاقی قدروں کے تحفظ کے لئے ضرورت پڑنے پر عوام جیل جانے کے لئے ہمیشہ مستعد رہیں۔ جے پی کی تمنا یہی تھی کہ ایک سچّی، ہمدرد، عوام پسند جمہوری حکومت قائم ہو۔

انہوں نے پولیس اور فوج سے بھی گذارش کی کہ اندرا سرکار کے احکامات کی خلاف ورزی کریں۔ مختصر یہ کہ ان سب نے مل کر اندرا گاندھی کی سرکار کے خلاف جنگ کا سا اعلان کر دیا، مگر اُسے گاندھی جی کے خطوط پر پُر امن بھی رکھا۔ اندرا گاندھی کو یقین ہو گیا کہ اس اعلیٰ پیمانے پر ہو رہی تیاریوں کو روکنے کے لئے ایمرجنسی کے نفاد کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

۲۵ر جون ۱۹۷۵ء کو رات کے کوئی گیارہ بج کر پینتالیس منٹ پر صدر ہند فخر الدین علی احمد نے اندرا گاندھی اور سدھارتھ شنکر رے کی موجودگی میں ملک میں ایمرجنسی کے نفاد کے احکامات جاری کر دئے۔ ایمرجنسی نافذ کرنے کیلئے نہ کابینہ کی منظوری لی گئی، اور نہ ہی کم سے کم وزیر داخلہ کو ہی بتایا گیا۔ دوسری صبح کے چھ بجے یعنی ۲۶ر جون ۷۵ء کو مخالف قائدین جیسے مُرار جی اور دوسروں کو حراست میں لے لیا گیا۔ یکے بعد دیگرے جلدی جلدی کچھ ایسے قوانین بنائے گئے جس کے تحت سارے اختیارات سمٹ سمٹ کر وزیر اعظم کی مٹھی میں بند ہو گئے۔ تمام جمہوری اداروں، پارٹیوں، عوامی جلسوں، ہڑتالوں، مظاہروں، اخباروں پر پابندی لگا دی گئی۔

عوام سرکار کے آگے لاچار ہو گئی۔ سرکاری رشوت ستانی زور پکڑتی گئی۔ اقتدار پرست سیاست دان جیسے چوہان، جگجیون رام جہاں غلامانہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے تھے، وہیں اندرا گاندھی کی پالیسیوں کے خلاف لوگ مظاہرہ کرنے اور احتجاجاً جیلیں بھرنے لگے۔ وزیروں اور افسروں کی جواب دہی اور ذمہ داریاں ہوا ہو گئیں۔ سیاسی بُنیاد پر

آٹو رکشا والے، چھوٹے موٹے بیوپاری وغیرہ اندرا گاندھی کی رہائش گاہ پر اکٹھا ہو گئے، اور فلک شگاف نعرے، اندرا گاندھی کی تعریف میں لگائے۔

اندرا گاندھی نے سپریم کورٹ سے رجوع کیا، اور الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کو التواء میں رکھنے کی درخواست پر منظوری حاصل کر لی۔ بزرگ قائدین جیسے جے پی، مُرار جی، کرپلانی نے اعلان کیا کہ اندرا گاندھی کا اقتدار سے چمٹے رہنا، اخلاقی دیوالیہ کی بہترین مثال ہے۔ نجلنگپا نے بھی بدستور اندرا گاندھی کی اقتدار پرستی کی مذمت کی، مگر پارلیمان میں اپنی بھاری اکثریت کا سہارا لیکر اندرا گاندھی نے عدالت کے فیصلہ پر پانی پھیر دیا، اور اپنی کرسی پر جمے رہنے کی منظوری حاصل کر لی۔ نجلنگپا نے کہا کہ انسانی تاریخ میں اس سے بڑا سیاسی گناہ کسی نے نہیں کیا۔

الہ آباد کے تاریخی فیصلہ کے بعد اندرا گاندھی کے اطراف چند ہم خیال اکٹھا ہو گئے۔ جیسے ان کا دوسرا بیٹا سنجے گاندھی، سدھارتھ شنکر رے، بنسی لال، آر کے دھون وغیرہ۔ اُنہوں نے اندرا گاندھی کے سیاسی نظام کی باگ ڈور سنبھال لی۔ اُن کا واحد مقصد اندرا گاندھی کا امیج بڑھا چڑھا کر پیش کرنا تھا کہ عوام اُن سے ہمیشہ متاثر رہیں۔ بڑے سلیقہ سے ہر شہر میں اندرا گاندھی کی تائید میں منصوبہ بند جلوس نکالے گئے۔ اس سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ خفیہ طور پر ایمرجنسی کے نفاذ کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ انکے ''ینگ ٹرکس ساتھی''، چندر شیکھر، موہن دھاریہ کو ان خفیہ تیاریوں کا علم نہیں تھا۔ دریں اثناء اندرا گاندھی کے اہم حریف جے پی نے کئی ایک مخالف سیاسی پارٹیوں کو ایک پلیٹ فارم پر لانے میں کامیابی حاصل کر لی، اور اسکا نام ''لوک سنگھرش سمیتی'' رکھا۔

اس گٹھ جوڑ کا مقصد ملک گیر سطح پر پُر امن احتجاجیوں کا انعقاد تھا، جو ۲۹ رجون ۷۵ء سے شروع ہونے جا رہا تھا، تا کہ اندرا گاندھی کی آمرانہ سرکار کو بے نقاب کیا جا سکے۔

اپنی گرتی ہوئی صحت کے باوجود بدلتے ہوئے حالات پر نظر رکھی گو کہ راست حصہ لے نہیں سکے۔ ۱۳؍جون ۷۶ء کو کوچن میں کانگریس (O) کے کارکنوں کی ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے نجلنگپّا نے کہا کہ وہ اپنی جدوجہد اسی طرح جاری رکھیں کہ آمرانہ طرز حکومت ہمارے ملک کے لئے مضر ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے گٹھ جوڑ سے ایک نئی سیاسی پارٹی کی ضرورت پر بھی کافی زور دیا تاکہ اندرا گاندھی کی سرکار کا قلع قمع ہو جہاں ذاتیات من مانی کی گنجائش نہ ہو۔

خود اپنی ریاست کرناٹک میں انہوں نے دیکھا کہ کانگریس (O) کے صدر ویریندرا پاٹل فعال نہیں ہیں۔ نجلنگپّا نے طیش میں آکر اُن سے کہا کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ اپنے چند ساتھیوں جیسے سری رام ریڈّی، کے ایس ہیگڈے، گرو پدّا سوامی، لکشمی ساگر کے ساتھ ریاست کا دورہ کیا، ایمرجنسی کے خلاف عوام کو اُکسایا۔ اکتوبر ۷۶ء کو گاندھی جینتی کے موقع پر جب بزرگ قائد کرپلانی گاندھی جی کی سمادھی پر گئے تو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے بعد کہا کہ ملک میں جمہوریت کا ستیاناس ہو گیا۔

اُسی دن کامراج کا انتقال ہو گیا۔ اندرا گاندھی بھی سوگواروں میں تھیں۔ اُنہوں نے کہا کہ کامراج کی خواہش تھی کہ کانگریسی پھر سے متحد ہو جائیں، اور اُن کی (اندرا گاندھی) کی قیادت میں آجائیں۔

اپنے بیٹے سنجے گاندھی کی بے ایمان سیاست کے زیر اثر، اندرا گاندھی نے پارلیمان کے انتخابات ملتوی کر دئے کہ فضا سازگار نہیں ہے۔ دریں اثناء جئے پرکاش نارائن کی صحت خراب ہو گئی۔ وہ بستر مرگ پر تھے۔ بھوک ہڑتال نے اُن کی صحت پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اندرا گاندھی نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے جئے پرکاش کو جیل سے رہا کر دیا۔

روس نے ایمرجنسی کی تائید کی، جبکہ مغربی ممالک نے مذمّت کی۔ سچ تو یہ ہے کہ ملک گیر سطح پر نظم ونسق کی باگ ڈور، غیر ذمہ دار، پارہ صفت سنجے گاندھی کے ہاتھ میں تھی، جو ملک کے مختارِ کُل بنے بیٹھے تھے۔

ایمرجنسی کے نفاذ سے پہلے نجلنگپّا کی صحت خراب ہوگئی۔ اُن کی دونوں آنکھوں کا آپریشن ہوا۔ جسمانی کمزوری بڑھتی گئی۔ پھر بھی وہ جیل جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے کہ جانے کب بلاوہ آجائے۔ اُن کی بیوی نے جنہوں نے پہلے بھی انہیں جیل جاتے ہوئے دیکھا تھا، اِنکا حوصلہ بڑھایا کہ ایک بار اور سہی۔

ایمرجنسی کے خطرناک اثرات پر بحث کرنے کے لئے ۳۰ راگست کی کانگریس (O) کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ، مدراس کے عوض دلّی میں منعقد ہوئی۔ کامراج کی غیر حاضری پر ہر کسی کو تعجب ہوا۔ میٹنگ میں نجلنگپّا نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اندرا گاندھی سرکار کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا کہ کمیونزم، رجعت پسندی، فرقہ پرستی اور غلط جمہوری نظام فروغ پا رہا ہے۔ گاندھی جی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اُن کی خاطر یہ جنگ جاری رکھیں۔

ڈاکٹروں کے مشورہ پر نجلنگپّا نے ایمرجنسی کے خلاف چلائی گئی مہم میں راست حصّہ نہیں لیا، پر اُنہیں یہ بات اچھی نہیں لگی۔ ۱۴ ر مارچ ۷۶ء کو انہوں نے زرعی پالیسی کی تائید میں ایک اخباری بیان دیا کہ دیہات میں بنی چیزوں کو شہروں میں بنی چیزوں سے کم قیمتیں ملتی ہیں، اور یہ بے انصافی ہے۔ اجناس کی گرتی قیمتوں پر تشویش ظاہر کی۔ گرانی کی مذمّت کی۔ گنّے پر کسانوں کو مالی رعایت کی سفارش کی۔ دوائیوں پر قیمتوں کی کمی کا اعلان تو ہوا، پر اب بھی وہ غریب مریضوں کے دسترس سے باہر ہیں۔ ہر جگہ پیداوار میں توازن برقرار رکھنے کی اہمیت پر زور دیا۔

ہر کسی کو تعجب ہوا، جبکہ لوک سبھا کی میعاد ختم ہونے کے لئے ابھی ایک سال باقی تھا۔

ایمرجنسی کو وقتاً فوقتاً ڈھیل دیتے دیتے اُٹھایا گیا۔ ۱۸ر جنوری ۷۷ء کو صدر فخرالدیؔن علی احمد نے پانچویں لوک سبھا کو تحلیل کر دیا۔ ۱۸ر جنوری ۷۷ء کو ہی ایمرجنسی میں تھوڑی سی ڈھیل دی گئی۔ مخالف پارٹیوں کو محدود پیمانے پر اپنی کارروائیاں جاری رکھنے، اور اخباروں کو خبریں چھاپنے کی آزادی دی گئی۔ اس ماہ کے آواخر تک ''میسا'' کے تحت دھر لئے گئے کئی ایک سیاسی کارکنوں کو رہا کر دیا گیا۔ ۲۳ر جنوری ۷۷ء کو ایک کرشمہ سا ہو گیا، جب نئی دلّی میں سرو ودیہ لیڈر جئے پرکاؔش نارائن نے ایک نئی سیاسی پارٹی کا اعلان کیا، جس میں بھارتیہ لوک دل، جن سنگھ، سوشلسٹ پارٹی اور کانگریس (O) شامل تھے۔ مُرارجیؔ اس کے چیرمین اور چرن سنگھ نائب چیرمین بنائے گئے۔ یل کے اڈوانی (جن سنگھ)، سُریندر موہن (سوشلسٹ پارٹی) اور رام دھن (پرانی کانگریس) کو جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ انتخابی طریقۂ کار وضع کرنے اور مؤثر ڈھنگ سے عملی جامہ پہنانے کے لئے اکیّس (۲۱) رکنی قومی کمیٹی کی تشکیل دی گئی۔

نجلنگپاؔ نے جو کہ راست اس تشکیل میں حصّہ نہیں لیا۔ اپنی حد تک بالراست ہر ممکن کوشش کی کہ ایک ایسی قومی سیاسی پارٹی وجود میں آئے، مگر جب اکیّس (۲۱) رکنی کمیٹی اس ضمن میں بنائی گئی تو بدنصیبی سے نجلنگپاؔ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے کہ نجلنگپاؔ نے خود منع کیا ہو۔

سن ۱۹۷۷ء میں ملک کے حالات ڈرامائی انداز سے بدلتے رہے۔ ۱۱ر فروری کو فخرالدیؔ علی احمد صدر ہند کا بہتر (۷۲) سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ بی ڈی جتّیؔ جو ان دنوں نائب صدر ہند تھے، عبوری صدر ہند بنائے گئے۔ ۱۲ر فروری کو اندراؔ گاندھی کو بڑا سیاسی جھٹکا اس وقت لگا جب جگجیوؔن رام نے کابینہ سے استعفیٰ دیکر اپنی ایک الگ سیاسی

انہیں پتہ تھا کہ جے پی جیل میں مر گئے تو ہنگامہ بپا ہوگا۔ وہ چاہتی تھیں کہ اُن کی موت' جیل سے باہر ہو۔ ۱۲/نومبر ۷۶ء کو جے پی جیل سے نکلے' گو کہ عارضی طور پر پروانہ لیکر' تو لینے آئے ہوئے احباب کے چہروں پر خوف کے آثار دیکھے۔ ٹھیک دو ماہ بعد مرار جی اور دیگر قائدین کو بھی رہا کر دیا گیا۔

۳۰/اکتوبر ۷۶ء کو وزیر قانون گوکھلے نے پارلیمان میں یہ اعلان کیا کہ ایمرجنسی کی میعاد مزید ایک سال کے لئے بڑھادی گئی ہے۔ عین اس وقت نجلنگپا نے محسوس کیا کہ اب وقت آگیا ہے کہ اندرا گاندھی کو قومی سطح پر للکارنے کے لئے ہم خیال سیاسی پارٹیوں پر مشتمل ایک سیاسی پارٹی بنائی جائے۔ اُنہیں لگا کہ کرناٹک میں دیوے گوڈا' تمے گوڈا جیسے ساتھی بھی کچھ اس ڈھنگ سے سوچ رہے ہیں۔

ٹالسٹائی کی ''وار اینڈ پیس'' (جنگ اور امن) کا تیسری بار مطالعہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے کہ ہندوستان' جو کہ دُنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے' ایک وسیع جیل بن کر رہ گیا ہے' جو اندرا گاندھی کی اقتدار پرست پالیسیوں کا نتیجہ ہے' تاکہ اپنے بیٹے سنجے گاندھی کو ملک میں اپنا جاں نشیں چھوڑ سکیں۔ اُنہوں نے اپنی شدید جھلاہٹ کا یوں ذکر کیا کہ ''اس کھلی جیل سے' جیل کے اندر رہنا بہتر ہے''۔

انہوں نے ریاست کا دورہ کرنے' عوام کو سمجھانے بجھانے' اور اندرا گاندھی کے خلاف عوام کو منظّم کرنے کی کوشش میں اپنا بہت سا وقت صرف کیا۔ ۱۹۷۷ء کی آمد سے اُن کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر آیا۔ جہاں ملک میں ایک آزاد معاشرہ' جمہوری فضا میں سانس لینے کے لئے بے چین تھا۔

اندرا گاندھی نے چاہے اُن کی نیّت کچھ بھی رہی ہو' آل انڈیا ریڈیو پر بالکل غیر متوقع طور پر اعلان کیا کہ لوک سبھا کے لئے انتخابات کرائے جائیں گے۔ اس اعلان پر

ہیگڈے کو بٹھایا گیا۔ گوکہ نجلنگپا راست اس سیاسی پس منظر میں نہیں تھے، پھر بھی عوام سے ان کا ناطہ ہمیشہ جڑا رہا۔ ایک بزرگ سیاست دان کی حیثیت سے انہوں نے مرکز کی جنتا سرکار کو وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ مثال کے طور پر کرپلانی اور آئی کے گجرال کی ایماء پر ۱۶؍ نومبر ۷۷ء کو انہوں نے مُرار جی کو نصیحت کی کہ روس کے تئیں اُن کے رویہ میں نرمی آئے تو بہتر ہوگا۔ جب نجلنگپا سے پوچھا گیا کہ مُرار جی، وزیر اعظم کی حیثیت سے کس قدر کامیاب ہیں؟ تو جواب دیا کہ وہ ٹھیک ہیں، پر سیاسی نقطۂ نظر سے جگجیون رام بہتر تھے، اور یہ کہ اُن کی ذاتی صلاحیتوں اور کارکردگی سے زیادہ خوش ہیں۔

جنتا سرکار کا رویہ نجلنگپا کے ساتھ بہت زیادہ پسندیدہ بھی نہیں رہا ہوگا۔ مثلاً ۱۷؍ اپریل ۷۷ء کو مُرار جی نے چترادرگا فون کر کے نجلنگپا سے پوچھا کہ وہ آیا گورنر کا عہدہ قبول کریں گے۔ یہ پیشکش نہایت انکساری کے ساتھ انہوں نے کی کہ یہ ایک چھوٹی سی کرسی ہے، اور یہ کہ انہوں نے اپنے چند دوستوں کے اصرار پر پیش کی ہے۔

نجلنگپا نے بلا تاخیر انکار کر دیا، اور کہا کہ صادق علی اور ناگپا آلوا سے رجوع کریں۔ انہوں نے واضح کر دیا کہ وہ کوئی بھی منصب پسند نہیں کرتے۔ اس وجہ سے یکم مئی ۷۷ء کو نئی تشکیل شدہ پارٹی کی صدارت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ تب کہیں جا کر چندر شیکھر نے صدارت کی ذمہ داری قبول کی۔

انکی خواہش اس نہج پر یہ تھی کہ ایک الگ طرح کا رول ادا کیا جائے۔ وہ تھا عوام الناس سے راست تعلق، ایک سچے گاندھی وادی طرز میں جہاں شان و شوکت عہدہ منصب کوئی معنی نہیں رکھتا۔ انکا مقصد خدمت خلق تھا۔ یہی تو وہ غرض تھی، جس نے انہیں اداریاتی سیاست میں داخل ہونے، اور اسے فروغ دینے پر اُکسایا تھا۔ غرض اس طرح ترکِ سیاست کرتے ہوئے بھی وہ سیاست سے دُور رہ نہیں سکے۔

پارٹی ''کانگریس فارڈیموکریسی'' کی بنیاد ڈالی۔چھٹویں لوک سبھا کے لئے انتخابات ۱۶ تا ۲۰ / مارچ ۷۷ء کرائے گئے۔نتائج حیران کن تھے۔عوام نے اندرا گاندھی ان کی پارٹی اور بالخصوص ان کی ایمرجنسی کو بُری طرح شکست دے دی تھی۔

اندرا گاندھی کو صرف 34.54 فیصد ووٹ ملے' جو کہ کانگریس پارٹی کی تاریخ میں سب سے کم ووٹ تھے۔

۵۳۹ سیٹوں میں سے جنتا پارٹی کو دوسوستر' دونوں کمیونسٹ پارٹیوں کو ۲۹ اور سی ایف ڈی کو ۲۸ سیٹیں ملی تھیں۔اندرا گاندھی کو ۱۵۳ سیٹیں ملیں جو قابل لحاظ تھیں۔مگر اہم بات یہ تھی کہ اندرا گاندھی ۵۵۳۷۷ ووٹوں کے نمایاں فرق سے اپنا انتخاب ہار گئیں۔ ان کے ساتھ ان کے بیٹے سنجے گاندھی اور اپنی کابینہ کے کوئی ۳۴ وزیروں نے مُنہ کی کھائی۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھارت کے ان پڑھ دیہاتیوں کی اکثریت نے اپنی بیداری اور سیاسی شعور کا ثبوت دیا تھا۔۲۲ / مارچ ۷۷ء کو اندرا سرکار مستعفی ہوگئی' اور نئی لوک سبھا کی رسمی طور پر ۲۳ مارچ کو تشکیل ہوگئی۔۲۱ مارچ کو عبوری صدر جتی نے ایمرجنسی واپس لینے کے احکامات جاری کر دئے۔۲۴ / مارچ ۷۷ء کو مُرارجی وزیر اعظم اور چوہان حزبِ مخالف کے قائد چُنے گئے۔

یہاں جنتا سرکار کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت نہیں ہے۔تاہم اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ سرکار عوام کی توقعات پر پوری طرح اُتر نہیں سکی' اور اس طرح مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

سیاسی پہل جو ہوئی وہ کچھ صحت مندانہ نہیں تھی۔اُن نو ریاستوں میں جہاں مخالف سیاسی پارٹیاں برسرِ اقتدار تھیں' صدر راج نافذ کرنے کی کوششیں بھی ہوئیں۔۲۵ / جولائی ۷۷ء کو سنجیوا ریڈی صدر بن گئے' اور ان کی لوک سبھا اسپیکر شپ کی کرسی پر کے ایس

اور پچھلی سرکاروں کے خلاف تہ خانون میں پڑے جرائم ورشوت کے کیسوں کی تحقیقات کروائے کہ مجرموں کو سزا مل سکے۔ پاٹل نے جواباً افسوس ظاہر کیا کہ جنتا حکومت ایسے مشوروں کو نظر انداز کر رہی ہے۔

نجلنگپّا نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے دوست کو پھر کہا کہ اب انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ جنتا سرکار کیا کر رہی ہے۔ اب ان کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ ایک عام آدمی کی سی زندگی گزارنے میں بیحد خوشی محسوس کر رہے ہیں' اور اپنا زیادہ وقت مطالعہ' باغبانی اور اپنے پوتے پوتیوں کے ساتھ کھیلنے میں گزار رہے ہیں' جہاں عوام سے رشتہ کم کم ہی ہے۔

مگر یہ حقیقت ہے کہ نجلنگپّا اپنے آپ کو عوامی زندگی سے دور رکھ ہی نہیں سکتے گو کہ طریقۂ کار بدلا ہو۔ پاٹل نے جواب دیا کہ جنتا پارٹی نے اُنہیں اور عوام کو مایوس کیا ہے۔ اس لئے وہ بھی سیاست سے سنیاس لے لینگے۔

۱۱ر جون ۷۷ء کو نجلنگپّا نے مُرارجی کو ایک خط لکھا کہ لیس کے پاٹل اور اشوک مہتہ کی بیش بہا قومی خدمات کے پیش نظر ان دونوں کو بالترتیب امریکہ اور روس کے لئے سفیر بنا کر بھیجا جائے۔

جب برلا اور گوئنکا نے ان سے گذارش کی کہ فخر الدین علی احمد کے انتقال سے خالی ہو گئی کرسی صدر ہند کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کر لیں تو ایک لمحہ کے لئے نجلنگپّا کو یہ تجویز اچھی لگی کہ مان لیا جائے۔ پر دوسرے ہی لمحے' انہوں نے اسے اپنے ذہن سے جھٹک دیا' اور کہا کہ وہ اگر چاہتے تو بہت پہلے ہی صدر ہند بن گئے ہوتے' پر اندرا گاندھی سے سمجھوتہ اُنہیں منظور نہیں تھا۔

آر پی۔ گوئنکا کے پوتے کی شادی میں شرکت کے بعد' کلکتہ سے لوٹتے ہوئے

جب اُن سے پانڈیچری اور تمل ناڈو میں ہونے والے انتخابات میں پارٹی کے مبصّر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کی اُن کی گذارش کو ایک وفادار، خوش اخلاق کارکن کی حیثیت سے قبول کیا۔ دورہ کیا، اور ایک رپورٹ بھی دی کہ شکست کے اہم اسباب کیا تھے، اور اس کا تدارک کیسے کیا جاسکتا ہے۔

اُنہیں یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کرناٹک میں سیاست اور عوامی زندگی پر رشوت خوری کا زبردست غلبہ ہے۔ اُن کو لگا کہ کانگریس (ا) سرکار، انتظامی اور سیاسی رشوت کی انتہا پر پہنچ گئی ہے۔ تاب نہ لاکر انہوں نے مرکز کو خط لکھا کہ ارس اور ان کے ساتھی وزیروں کی رشوت ستانی کی تحقیق کے لئے ایک کمیشن بٹھائے۔ جب ارس کو اس کی بھنک ملی تو مرکز کے حرکت میں آنے سے قبل ہی جسٹس میر اقبال حسین کی سرپرستی میں یک رکنی تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیا، اور ان سے کہا گیا کہ ویریندرا پاٹل اور نجلنگپا کی کابیناؤں کے وزیروں کے خلاف الزمات کو بھی اپنے دائرۂ تحقیق میں شامل کرلیں۔

کرناٹک ہائی کورٹ نے اقبال حسین کمیشن کو بے ضابطہ و بے اثر قرار دیدیا۔ تاہم مرکز کی طرف سے گروور کمیشن اسی مقصد سے بٹھایا گیا، جس کے خلاف کرناٹک میں سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ پر سپریم کورٹ نے گروور کمیشن کو ہری جھنڈی دکھادی۔

۲۱ مئی ۷۷ء کو نجلنگپا نے مرکزی وزیر داخلہ کو لکھا کہ کرناٹک کے گورنر کو واپس بلالیا جائے، اور ارس سرکار کو برخاست کردیا جائے۔ یہ بات اہم ہے کہ مرکز نے نجلنگپا کے خط کے احترام میں گروور کمیشن بٹھایا تھا۔

نجلنگپا نے اپنے دیرینہ دوست ایس کے پاٹل کو خط لکھا کہ جنتا حکومت، عوام سے انتخابات کے دوران کئے ہوئے وعدے پوری سنجیدگی و ایمانداری سے پورے کرے،

تھا، اور اس کا جھکاؤ جن سنگھ کی طرف ہونے لگا تھا۔ انہوں نے نجلنگپا کو یہ مشورہ دیا کہ ہم خیال ساتھی، جیسے پی۔ سی۔ سین، ایس۔ این۔ سنہا، اور سی۔ بی۔ گپتا کی ایک ملاقات ہو، تاکہ اس صورت حال پر تفصیلی تبادلۂ خیال ہو سکے، مگر نجلنگپا نے صبر کی تلقین کی، اور کہا کہ جنتا پارٹی کو مختلف گروپوں سے تال میل جٹانے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

انہوں نے پاٹل سے کہا کہ ان جیسے بزرگوں کا فرض ہے کہ پارٹی کو راہ راست پر چلنے کی نصیحت کرتے رہیں۔ ۱۲؍ جولائی ۷۷ء کو نجلنگپا کو لکھے ہوئے خط میں پاٹل نے نجلنگپا سے اتفاق نہیں کیا، اور کہا کہ فوری اقدامات کریں۔ انہوں نے جنتا پارٹی کو بی ایل ڈی اور جن سنگھ کے چنگل سے بچانے کی بات کی۔ یہ بھی کہا کہ چونکہ وہ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں، انتظار کرنے کے لئے ان کے پاس کافی وقت بھی نہیں ہے، مگر نجلنگپا خود اب اداریاتی سیاست میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔

جہاں تک کرناٹک کا تعلق ہے، نجلنگپا کو لگا کہ جنتا پارٹی عوام سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی حالت خراب ہے۔ خصوصیت سے ریاستی جنتا پارٹی کے صدر ویریندرا پاٹل کی کارکردگی سے ناخوش تھے۔ مگر شمالی کرناٹک کے کئی لنگایت گروپوں نے ان سے مل کر گذارش کی ہے کہ ویریندرا پاٹل کو صدر پارٹی کی حیثیت سے کرناٹک میں رہنے دیا جائے۔ بصورتِ دیگر مرکزی حکومت میں وزیر بنا دیں۔ نجلنگپا کو پتہ تھا کہ رام کرشنا ہیگڈے اور پاٹل ریس کے گھوڑوں کی طرح ایک ساتھ دوڑ رہے ہیں۔ انہیں تعجب ہوا کہ پاٹل نے اِن کے چند پُرانے دشمنوں کو اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ پھر بھی نجلنگپا نے کبھی یہ نہیں پایا کہ ریاست کی شاخ کی صدارت سے ہٹایا جائے۔

انہوں نے پیلو مودی کو ایک خط میں لکھا کہ ریاست میں پارٹی کی تباہی کے ذمہ دار ویریندرا پاٹل، رام کرشنا ہیگڈے اور دیوے گوڈا ہیں۔ خط میں یہ بھی لکھا

جب وہ دلّی گئے تو اُن کے دوست ایس۔ این۔ سنہا‘ ناگپّا آلوا اور گروپدا سوامی نے کہا کہ اگر وہ اجازت دیں تو صدر ہند کے عہدے کے لئے وہ کوشش کریں گے۔ انہوں نے جواب دیا کہ چونکہ سنجیوا ریڈی سے اس سلسلے میں ایک بار ناانصافی ہوئی ہے‘ وہ چاہیں گے کہ ریڈی کے لئے ہی کوشش کی جائے۔

تب تک سنجیوا ریڈی‘ سنجیدگی سے اس کام میں لگ گئے تھے۔ جب یہ بات نجلنگپّا نے سُنی تو کہا کہ یقیناً ریڈی کے لئے کام کریں گے‘ مگر مُرارجی کو ریڈّی کی امیدواری پسند نہیں تھی۔ وہ ریڈّی کو ایک طرح کا دردسر سمجھتے تھے۔ جب مُرارجی سے ناگپّا آلوا وغیرہ نے پوچھا کہ وہ نجلنگپّا کے بارے میں کیوں نہیں سوچ رہے ہیں؟ تو مُرارجی نے جواب دیا کہ نجلنگپّا نے خود ایک بار ریڈی کا نام تجویز کیا تھا۔ دوسرا یہ کہ نجلنگپّا ارادے کے پکّے ہیں۔ نجلنگپّا کے دوست نے کہا کہ مُرارجی نے نجلنگپّا کی صدارت کی اُمیدواری کو اس بناء پر پہلے ہی نامنظور کر دیا تھا کہ ایک لنگایت جب ملک کے سب سے بڑے عہدہ نمبر دو پر موجود ہے تو اُسی ذات کے ایک اور فرد کو صدر ہند کے عہدہ کے لئے منصب کے لئے منتخب کرنا مناسب نہ ہوگا۔ نجلنگپّا کو یہ دلیل عجیب لگی۔ نجلنگپّا کو لگا کہ مُرارجی کو پسند نہیں کہ وہ صدر ہند بنیں۔

سنجیوا ریڈی نے جن کو تمام پارٹیوں کی حمایت حاصل تھی‘ کھلے بندوں اعتراف کیا کہ نجلنگپّا کے ہوتے ہوئے صدارت کے لئے اُن سے کہا جانا اُن کے لئے انتہائی خوش قسمتی کی بات ہے۔ نجلنگپّا کے صدر نہ بننے سے سب سے زیادہ دکھ ان کے دوست ایس۔کے۔ پاٹل کو ہوا۔ انہیں مایوسی اس لئے بھی ہوئی ہے کہ جنتا پارٹی میں شامل پارٹیاں ہم خیال نہیں تھیں۔ لہٰذا اتحاد و اتفاق کا فقدان تھا۔

اُنہیں اس بات کی بھی پریشانی تھی کہ کانگریس (O) کا اثر و رسوخ بتدریج کم ہو رہا

ہمیشہ عوام سے جُڑے رہیں۔

جب بھی موقع ملا' نجلنگپّا نے دیہاتوں کا دورہ کیا' اور عوام کی نبض ٹٹولی۔ مثال کے طور پر ۲۵ تا ۲۷ ستمبر ۷۷ء انہوں نے شیگاؤں' ساؤنور' مُنڈرگی' مُل گنڈ' نارگنڈ' رون' گجیندر اگڈھ' اور اُنّی گیرے جیسے شہروں کا شمالی کرناٹک میں دورہ کیا۔ ہر جگہ انہوں نے سرکار میں بڑھتی ہوئی رشوت خوری کی مذمّت کی' اور عوام سے کہا کہ ارس حکومت کے خلاف آواز اٹھاتے رہیں کہ ریاست میں رشوت خوروں کی ایک متوازی سرکار چل رہی ہے۔ اُنہوں نے مُرارجی سے گذارش کی کہ ارس سرکار کو برخاست کریں' اور کرناٹک میں صدر راج نافذ کریں۔

نجلنگپّا نے انتخابات کے اعلان کا خیر مقدم کیا۔ اتفاق سے نیا سال شروع ہورہا تھا ۔ اُنہوں نے عوام سے پُر زور اپیل کی کہ اگلے انتخابات میں جنتا پارٹی کو ووٹ دیں۔ دریں اثناء ان کے دوست ایس۔ کے۔ پاٹل نے بڑی شدّت سے محسوس کیا کہ اُنہیں نظر انداز کیا جارہا ہے۔ یہ بات اُنہوں نے نجلنگپّا کو ایک خط کے ذریعے معلوم کرائی۔ دونوں کے بیچ کی خط و کتابت دلچسپ ہے۔ جس سے دو قائدین کے اقتدار و منصب کے تئیں نظریات کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ جہاں نجلنگپّا' سیاست میں اپنی کوئی ذاتی غرض نہیں رکھتے تھے۔ پاٹل نے اِسے برداشت نہیں کیا' بلکہ چاہتے تھے کہ کانگریس (O) کی از سر نو تشکیل ہو۔ نجلنگپّا نے صدر جنتا پارٹی' چندر شیکھر کو لکھا کہ ایس۔ کے۔ پاٹل کے خیالات پر دھیان دیں...... اِس کا ردِ عمل مایوس کن تھا۔

جب نجلنگپّا نے منتخب اُمیدواروں کی فہرست دیکھی تو غصّہ کی انتہا نہ رہی۔ اس فہرست میں ان گنت بے اصول ''دَل بدلئے'' تھے۔ ان کا قیاس تھا کہ یہ کارستانی ہیگڈے کی ہے۔ انہوں نے چندر شیکھر کو لکھا کہ پارٹی کے ایسے ناپسندیدہ سفر سے

کہ ویریندر آ پاٹل پچھلے تین سال سے صدارت چھوڑنے کی بات تو کر رہے ہیں پر اب تک اپنا وعدہ نہیں نبھایا ہے۔ یہ بھی واضح کیا کہ ریاست کے ہریجن، پچھڑے طبقوں کے لوگ اور اقلیتیں جنتا پارٹی کے ساتھ نہیں ہیں، اور یہ کہ ہریجن لیڈر روائی رام کرشنا کو ریاستی شاخ کا صدر بنایا جائے۔

اقتدار سے باہر رہ کر بھی نجلنگپّا نے عوام کی بہتری کے کاموں میں ہمیشہ حصہ لیا، اور متعلقہ افسروں وغیرہ کو منصوبوں پر کامیاب عمل پیرائی پر اُکسایا، اُنہیں خطوط بھی لکھے۔ خصوصیت سے برقی قوت اور آب رسانی کے محکموں کو کئی ایک بار انہوں نے عوام سے مخاطب ہو کر اُن کے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ بھی کیا۔

۳ راگست ۷۷ء کو انہوں نے مُرار جی دیسائی کو فون پر بتایا کہ ویریندر آ پاٹل روز بہ روز غیر مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لئے وائی۔ رآم کرشنا کو ان کی جگہ بٹھایا جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ پارٹی کے سچّے کارکن بے چینی سے محسوس کر رہے تھے کہ پارٹی کو دھکّہ لگ رہا ہے تو صرف ہیگڈے، دیوے گوڈا، پاٹل اور بومّئی سے۔ جیسے تیسے کر کے پاٹل کو صدارت سے نکالنے میں نجلنگپّا کامیاب تو ہو گئے پر رام کرشنا کو ان کی جگہ نہیں لیا گیا، بلکہ دیوے گوڈا جنتا پارٹی کے صدر بنائے گئے، مرارجی نے دیوے گوڈا کا انتخاب اس لئے بھی کیا ہوگا کہ نجلنگپّا نے انکا نام تجویز نہیں کیا تھا۔ مُرارجی اور نجلنگپّا میں سچ پوچھئے تو کبھی بنتی ہی نہ تھی۔

ستمبر ۷۷ء کے دوران نجلنگپّا، دلّی کے سفر کے دوران، اچانک بیمار ہو گئے تو اُنہیں ویلنگڈن اسپتال میں بہترین علاج کرایا گیا، اور شاہانہ سلوک کیا گیا۔ ۲۹ رستمبر ۷۷ء کو اندرا گاندھی ان کی مزاج پُرسی کے لئے اسپتال آئیں، اور جنتا پارٹی کے صدر دیوے گوڈا ان کا آشیرواد لینے آئے۔ نجلنگپّا نے نصیحت کی کہ گروہ بندیوں سے دُور رہیں، اور

اور کہا کہ اس سے پارٹی پر بہت بُرا اثر پڑے گا۔ اس لئے گذارش کی کہ استعفیٰ واپس لے لیں۔ اُن کی مخلصانہ گذارش واصرار سے متاثر ہو کر بادل نخواستہ نجلنگپّا نے اپنا استعفیٰ تو واپس لے لیا' پھر وہ اپنے آپ کو اس فیصلے سے مطمئن کر نہیں سکے۔

۱۶ رفروری ۷۸ء کو نتائج کا اعلان ہوا۔ جنتا پارٹی کو شکست فاش ہوئی۔ عوام نے دیوے گوڈا کو شکست کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ساتھ ساتھ رام کرشنا ہیگڈے کو بھی 'جہاں اندرا کانگریس کو ۱۴۹ سیٹیں ملیں' وہاں جنتا پارٹی کو صرف ۵۹ سیٹیں ملیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس شکست میں زیادہ افسوسناک بات تو یہ تھی کہ پارٹی میں بے قاعدگی بے ضابطگی عدم اتحاد اور نااہلیت تھی۔

اسمبلی میں جنتا پارٹی کے قائد کے انتخاب کے لئے ۱۶ رمارچ ۷۸ء کو اجلاس طلب کیا گیا' جہاں رام کرشنا ہیگڈے' ویریندرا پاٹل' دیوے گوڈا اور بومّئی موجود تھے۔ ان سب نے مل کر نجلنگپّا سے تبادلۂ خیال کیا' اور بومّئی کا نام تجویز کیا۔ نجلنگپّا نے ان سے کہا کہ شکست کا سبب' دل بدلیوں کی شمولیت ہے۔ اُنہوں نے اسمبلی میں پارٹی کے قائد کی حیثیت سے ہریجنوں یا پچھڑے طبقے کے کسی مناسب امیدوار کو موقع دینے کی تجویز رکھی' مگر دیوے گوڈا نے دلیل پیش کی کہ اُن گروپوں میں لکشمی ساگر اور تمیا ہیں' جو نووارد اور ناتجربہ کار ہیں۔ نجلنگپّا کو لگا کہ یہ ایک لنگڑا بہانہ ہے۔

نجلنگپّا جب بھی دلّی گئے صدر سنجیوا ریڈی سے ملاقات کی' اور ملک کی سیاسی صورتحال پر تبادلۂ خیال کیا۔ ریڈی نے جو صورتِ حال سے مایوس تھے' نجلنگپّا کو بتایا کہ مُرارجی کی نااہلیت اور ہٹ دھرمی سے کارکردگی متاثر ہورہی ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے نجلنگپّا کو راجیہ سبھا میں نامزدگی کے لئے مُرارجی سے کہا تو مُرارجی نے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی۔ ریڈی نے وزیر داخلہ چرن سنگھ کی نااہلی کی بھی شکایت کی کہ ان

وہ خوش نہیں ہیں، اور اس سے اُن کا پارٹی میں رہنا ناممکن ہوگیا ہے، مگر ان کے اس غصہ کے ردعمل میں کوئی جواب نہیں آیا۔ ایک بااصول کارکن پارٹی کی حیثیت سے، اب جنتا پارٹی سے مستعفی ہونے کے علاوہ اُن کے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ اُن کے دوستوں اور رشتہ داروں نے استعفیٰ واپس لینے کی گذارش کی۔ یکم فروری ۷۸ء کو ایک خط کے ذریعے یس۔ کے۔ پاٹل نے اپنے دوست نجلنگپّا کو مبارکباد دی کہ جنتا پارٹی سے ترکِ تعلّق مناسب فیصلہ ہے۔ بعدازاں پاٹل نے جنتا کی غلط کارکردگی کی ایک لمبی فہرست بھی لکھ ڈالی۔

اب کی بار پاٹل نے اپنے خط میں جنتا کے حالیہ جرائم کی تفصیلات بھی دُہرائیں، اور کہا کہ اس سیاسی کھیل میں فاتح اندرا گاندھی ہی ہیں۔ اُن کے استعفیٰ سے جہاں جنتا پارٹی کو کافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا، وہیں جنتا پارٹی کے حامیوں اور عوام نے یہ سوچنا شروع کیا کہ نجلنگپّا جیسے شخص ہی جنتا پارٹی سے بددل ہوگئے ہیں، تو یقیناً اس پارٹی کا بھی حشر وہی ہوگا جو کانگریس (ا) کا ہوا۔

اشوک مہتہ کو لکھے ایک خط میں، نجلنگپّا نے لکھا کہ وہ سیاست سے بہت بیزار ہوگئے ہیں، اور سیاست سے سنیاس لینا چاہتے ہیں۔ مہتہ نے محسوس کیا کہ نجلنگپّا کے اس فیصلہ سے جنتا پارٹی کو بہت بڑا نقصان ہوگا۔ نجلنگپّا کے استعفیٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام نے جنتا سرکار کی مذمّت کی۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ارس نے نجلنگپّا کو اپنی طرف لینے کی غرض سے ان کے گھر پر ملاقات کی۔ پر، نجلنگپّا ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ انہوں نے ایس۔ کے۔ پاٹل کو یقین دلایا کہ وہ کسی بھی صورت حال میں اندرا گاندھی سے سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ جیسے جیسے کرناٹک میں انتخابات نزدیک آتے گئے، جنتا پارٹی کے صدر چندر شیکھر نے کرناٹک کا دورہ کیا۔ ۲۳ رفروری ۷۸ء کو انہوں نے نجلنگپّا سے ملاقات کی،

دیسائی کے خلاف الزامات لگائے۔ نجلنگپاؔ کو یہ بُرا لگا کہ وزیر اعظم دیسائی کا بیٹا، اپنے باپ کے اعلیٰ عہدے کا غلط استعمال کر رہا ہے۔

جنتا پارٹی دلدل میں اس وقت پھنسی جب ۳۰ر جون کو چرنؔ سنگھ اور راج نارائن نے حکومت کو اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔ ایس۔ کے۔ پاٹل نے نجلنگپاؔ کو لکھا کہ اب کانگریس کے دونوں کیمپ متحد ہو جائیں اور کانگریس (o)، جنتا پارٹی کے گٹھ جوڑ سے الگ ہو جائے۔

حسبِ سابق، نجلنگپاؔ نے اُن کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا۔ تاہم اُن کی دوستی میں کوئی فرق نہیں آیا...... دوسری اہم بات جو نجلنگپاؔ کو کھٹک رہی تھی وہ یہ کہ مرکزی سرکار نے جنوب کی نمائندگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس ضمن میں نجلنگپاؔ نے مُرارجی کو لکھا کہ اس کمی کو پوری کرنے کے لئے قائدین جیسے سی۔ ایم۔ پونچا اور کے۔ سی۔ ابراہام کو کابینہ میں شامل کریں۔

نجلنگپاؔ نے سیاسی رشوت، موقع پرستی کے خلاف تن تنہا جنگ لڑی۔ جب جولائی ۷۸ء میں جنتا پارٹی نے مہاراشٹرا کی لڑکھڑاتی کانگریس (ا) کی شرد پوار کی سرکار کی مدد کی تو نجلنگپاؔ نے اس کی کھلے عام مذمّت کی۔

ایس۔ کے۔ پاٹل، جنتا پارٹی سے مستعفی ہو گئے، اور اُنہوں نے ۲۱ر جولائی ۷۸ء کے اپنے خط میں نجلنگپاؔ کو لکھا کہ اُنہوں نے مُرارجی کی ذاتی ہٹ دھرمی اور چندر شیکھر کی سیاسی موشگافیوں سے تنگ آ کر استعفیٰ دیا ہے۔ یہ بھی لکھا کہ اُنہوں نے اندرا گاندھی کو لکھا ہے کہ پُرانی کانگریس میں جان بھریں، مگر اُنہیں اس کی کامیابی کی اُمید نہیں تھی۔ اس لئے کہ اندرا گاندھی اپنے بیٹے سنجے گاندھی کے غلط اثرات کی لپیٹ میں ہیں۔

کے کئی ایک غلط و متنازعہ فیہ منصوبوں سے دشواریاں پیش آرہی ہیں۔

دن بدن، جنتا سرکار سے نجلنگپّا کی بیزاری و مایوسی بڑھتی ہی جارہی تھی۔ انہیں اندازہ ہو چلا تھا کہ چندر شیکھر میں بگڑے ہوئے سیاسی معاملات سے نپٹنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ انہوں نے پارٹی کی خراب حالت کے بارے میں ایک سخت خط چندر شیکھر کو لکھا، جس کی نقلیں چرن سنگھ، اٹل بہاری واجپائی اور جگجیون رام جیسے قائدین کو بھی بھجوائی گئیں۔

اپریل ۷۸ء میں جب وہ دلّی گئے تو صدر ہند اور وزیر اعظم نے انہیں گجرات کی گورنری پیش کی، جس کی پُر زور تائید چند مرکزی وزیروں نے بھی کی، مگر نجلنگپّا نے اس میں دلچسپی نہیں دکھائی، بلکہ جنتا پارٹی کی بگڑتی ہوئی حالت پر تبادلۂ خیال کو مرکزیت دی۔ اس وقت ان کا بیشتر وقت قائدین کی ایک دوسرے کے خلاف شکایتیں سُننے ہی میں صرف ہو گیا۔ اکثر کی یہ شکایت تھی کہ گٹھ جوڑ کے ساتھ جن سنگھ کی گرفت، سرکار پر بڑھتی جارہی ہے۔ دلّی سے لوٹ کر نجلنگپّا نے گورنرشپ کے بارے میں اپنی بیوی مُرّی گمّا سے رائے طلب کی تو اُنہوں نے اُسے فوراً مسترد کر دینے کو کہا، اور کہا کہ دراصل انہیں خاموش کرنے کی ایک چالاک کوشش ہے۔ نجلنگپّا نے اتفاق کیا، اور اپنا فیصلہ تار کے ذریعہ وزیر اعظم و وزیر داخلہ کو سُنا دیا۔ نجلنگپّا، دن بدن جنتا پارٹی کی خود اپنے ہی کارکنوں کے ہاتھوں تباہی دیکھ کر پریشان ہو رہے تھے۔ اس کے مستقبل کے بارے میں اُنہیں کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ ۲۲؍جون ۷۸ء کو انہوں نے پٹنہ میں جے پی سے ملاقات کی، اور دن بدن خراب ہوتی ہوئی سیاسی صورتِ حال پر تبادلۂ خیال کیا۔ جے پی نے نجلنگپّا کے تاثرات سے بھرپور اتفاق تو کیا، پر اس ضمن میں اپنی مجبوری جتائی۔ پارٹی کے اندرونی اختلافات، چوٹی پر اس وقت پہنچے جب چرن سنگھ نے وزیر اعظم کے بیٹے کانتی

استعمال کہاں، کب، اور کیسے ہوتا ہے۔ نجلنگپّا نے لکھا کہ اموات کے اعداد وشمار انہوں نے لوگوں سے سُن کر نہیں بتائے، بلکہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد انہوں نے ذاتی طور پر یہ اطلاع حاصل کی تھی۔ جب وہ جے پی سے ملنے کی غرض سے پٹنہ آئے تھے، اور یہ کہ بہت سارے بزرگ قائدین نے بھی یہ اعداد فراہم کئے تھے۔ نجلنگپّا نے پوچھا کہ کیا وہ سب لوگ غیر ذمہ دار ہیں؟

ٹھاکر نے جواب دیا کہ اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہزاروں لوگ مارے گئے ہیں۔ وضاحت کی کہ دراصل پولیس نے گولی مجبوراً اس وقت چلائی جبکہ پچھڑے ہوئے طبقات کے ووٹروں کو ووٹ دینے سے روکا جارہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اس سلسلے میں وہ کسی بھی تحقیقاتی کمیشن کے روبرو حاضر ہونے کے لئے تیار ہیں۔

اور اِدھر جنتا پارٹی وزیراعظم دیسائی کے بیٹے کانتی دیسائی کے معاملہ میں زیادہ سے زیادہ پریشانی کا شکار ہوتی جارہی تھی۔ نجلنگپّا کو پتہ تھا کہ الزمات سچے ہیں۔ پر اُنہوں نے مداخلت سے انکار کردیا۔

اُنہوں نے کہا کہ پانی سر سے اُونچا ہو جائے تو مداخلت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ پارٹی کا ہر قائد اپنے آپ کو بیحد اہم اور قانون کا جُز سمجھ رہا ہے، اور برہمن نواز جن سنگھ جنتا پارٹی پر اپنی گرفت مضبوط کرتی جارہی تھی۔

اور کانگریس (O) جس کی حیثیت اس گھ جوڑ میں ریڑھ کی ہڈّی کی سی تھی، دن بدن زیادہ سے زیادہ نظرانداز کی جانے لگی تھی۔ اندرا گاندھی نے پھر سے سیاست میں واپسی کا ارادہ کیا، تاکہ لوک سبھا میں داخلہ ممکن ہو سکے، اس کے لئے کرناٹک کی ارس کی کانگریس (I) سرکار نے وہاں کے حالیہ ممبر پارلیمان ڈی بی چندرے گوڈا کو اپنی سیٹ خالی کرنے پر آمادہ کیا کہ اندرا گاندھی کو چکمگلور سے ضمنی

نجلنگپّا نے، اپنے سیاسی فیصلوں کے پس منظر میں اپنے دوست پاٹل سے ناراضگی مول لینا مُناسب نہیں سمجھا۔ اگست ۷۷ء میں جب یہ افواہیں گرم تھیں کہ جنتا پارٹی سے چندر شیکھر مستعفی ہو جائیں گے تو، دوست سی۔ آر۔ بسپّا نے نجلنگپّا کو لکھا کہ وہ پھر سے پارٹی کے صدر بن جائیں تو مُناسب ہوگا، تا کہ مہینوں سے آلودہ ہو رہی جنتا پارٹی کو پاک وصاف کیا جا سکے، جیسا کہ توقع تھی، نجلنگپّا نے اس مشورہ کو مسترد کر دیا۔

یہ دیکھ کر اِس بزرگ قائد کی جان نکلی جا رہی تھی کہ اندرا گاندھی کی آمریت کو ختم کرنے کے لئے جس سیاسی پارٹی کی تشکیل دی گئی تھی وہ خود آج تتر بتر ہو رہی تھی۔ نجلنگپّا نے ۱۱/اگست ۷۸ء کا پورا مہینہ دلّی میں گزارا، جہاں وقتاً فوقتاً جنتا پارٹی کے اہم رہبروں کے ساتھ ملاقات کی کہ رشتے بنے رہیں۔ ملک کی تمام تبدیلیوں پر وہ اپنی نظریں جمائے ہوئے تھے، کہ اپنے وقت کا شائد ہی کوئی قائد اس قدر ملک کے لئے فکر مند تھا۔

نجلنگپّا نے اپنے تاثرات بیان کرنے اور اخباری بیانات دینے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ لہجہ ہمیشہ دوٹوک رہا۔ مثال کے طور پر جون ۷۸ء میں انہوں نے یہ سُنا کہ پنچایت انتخابات کے دوران بہار میں بہت سی اموات ہوئیں تو نجلنگپّا نے اخباروں کو لکھا کہ یہ بُری بات ہے، اور اُن اخباری بیانات کی کاپیاں وزیراعظم کو بھجوائیں۔ اس وقت کے بہار کے وزیراعلیٰ کرپوری ٹھاکر نے اِن خبروں کو غلط قرار دیا کہ اتنے لوگ نہیں مرے ہیں جتنا کہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے، اور یہ کہ صرف اٹھاون (۵۸) اموات ہوئی ہیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ اُنہیں افسوس ہے کہ ایک ذمہ دار بزرگ قائد ہونے کے باوجود نجلنگپّا نے بغیر تحقیق کے ایسے اخباری بیانات دئے ہیں۔

۱۵/اگست ۷۸ء کو نجلنگپّا نے کرپوری کو اپنا جواب بھیجا، جس میں واضح کیا کہ آج کے سیاسی قائد یہ بھی نہیں جانتے کہ ذمہ داری اور غیر ذمہ داری میں کیا فرق ہے۔ اس کا

لیا۔ نجلنگپّا نے دیکھا کہ چرن سنگھ نے دلّی میں پانچ لاکھ کسانوں کی ایک ریلی کا اپنی سالگرہ پر اہتمام کیا۔ صرف یہ تماشہ دکھانے کے لئے کہ ان کی شخصیت بیحد مقبول ہے' اور یہ سب لوگ ان کے بیحد چاہنے والے ہیں۔ نجلنگپّا کو یہ جم غفیر ایسا ہی لگا جیسا اندرا گاندھی نے کچھ عرصہ پہلے اپنی ساکھ جمانے کے لئے اکٹھا کیا تھا۔

پارلیمان سے برخاست کردئے جانے پر اندرا گاندھی کے حمایتیوں نے سرکار کے خلاف ملک گیر احتجاجی جلسوں کا اہتمام کیا' جس میں کسی قدر تشدد بھی شامل رہا۔ نجلنگپّا کے چتر ادرگا ضلع میں اندرا گاندھی کے پرستاروں نے کھڑی فصلیں جلا ڈالیں' غریبوں کی جھونپڑپٹیاں بھی نذرِ آتش کردی گئیں۔ مکانات پر پتھر برسائے گئے' ایسے پُر تشدد واقعات کی لپیٹ میں پارلیمان بھی آ گیا۔

دِواکر اور جسٹس تارکنڈے جیسے قائدین نے عوام اور سیاست میں تشدد کے داخلے کے خلاف ایک پلیٹ فارم بنانے کا منصوبہ بنایا۔ اس کی خاطر ۲۱ اور ۲۲ رجنوری ۷۹ءکو شروع شروع کے اجلاس میں دلّی میں نجلنگپّا نے شرکت بھی کی۔ حسبِ عادت اُنہوں نے کبھی اقتدار کے لئے اپنی رضامندی نہیں دی۔ ایسی ہی ایک پیشکش جودھ پور میں دیہی فاؤنڈیشن کے صدر بننے کی تھی۔ اسے بھی نجلنگپّا نے نہایت نرمی سے مسترد کردیا۔

جنتا پارٹی کے تیزی سے زوال کے پیش نظر پاٹل نے نجلنگپّا پر زور ڈالا کہ کانگریس (ا) اور (O) دونوں کو متحد کرنے کی کوشش کرنے' اور اس کے بعد بننے والی ایک پارٹی کو اندرا گاندھی کی قیادت میں دے دیا جائے۔ یکم جنوری ۷۱ءکو اپنے ایک خط میں انہوں نے جواب لکھا کہ صبر سے کام لیں۔ یہ صلاح بھی دی کہ پیش رفت دیکھ کر فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ جلدی اچھی نہیں' مگر ایس۔ کے۔ پاٹل کا جھکاؤ کانگریس (ا) کی طرف بڑھتا ہی جارہا تھا۔ اس لئے انہوں نے ایک اخباری بیان جاری کیا۔ ۵ جنوری

انتخابا کا امیدوار بنا کر جتایا جائے۔

ویریندرا پاٹل کا گروپ چاہتا تھا کہ اندرا گاندھی کے خلاف پاٹل ہی امیدوار ہوں۔اس گروپ کے بومئی وغیرہ نے اس سلسلے میں نجلنگپا کی منظوری لینے کی کوشش کی۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ وہ بومئی جنہوں نے نجلنگپا کو کرناٹک کی سیاست میں صفر بتا کر ان کے خلاف ایک غلط فہمی کا جال بُننے کی کوشش کی تھی، وہی آج ان سے مل کر ویریندرا پاٹل کی تائید کی اپیل کر رہے تھے۔

نجلنگپا نے حسب عادت سارے گلے شکوے دُور ہٹا کر ویریندرا پاٹل کے لئے کینواس کیا، مگر کرناٹک میں کانگریس (ا) کے سارے وسائل و ذرائع اندرا گاندھی کے انتخاب پر لگا دیئے گئے۔اندرا گاندھی نے بھاری اکثریت سے لوک سبھا کا انتخاب جیت لیا۔نجلنگپا نے مُرارجی سے کہا کہ جنتا سرکار کی نا اہلی اور انتخابی منشور میں کیئے گئے وعدوں کو ابتک پورا نہ کرنے سے پارٹی کو ہار ہوئی ہے ۔یہی اندرا گاندھی کی جیت کا سبب ہے۔

نجلنگپا کی نظر میں پارٹی کو مزید تباہی سے بچانے کا واحد راستہ یہ تھا کہ مُرارجی کی جگہ کوئی نوجوان وزیراعظم کی ذمہ داریاں سنبھالے، مگر اس کے امکانات بہت کم تھے۔

اندرا گاندھی کی یہ جیت 'عارضی نکلی' گو کہ تب تک اُنہوں نے ممبر پارلیمان کی حیثیت سے حلف لے لیا تھا۔ چند ہی دنوں کے بعد قانونی طور پر لوک سبھا میں اُن کی رُکنیت کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا، گو کہ اس خبر سے نجلنگپا کو تھوڑی سی خوشی ہوئی، پر جنتا پارٹی کے زوال کے آثار دیکھ دیکھ کر انکا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔

مُرارجی کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے چرن سنگھ نے جو چال چلی وہ اہم تھی۔ چرن سنگھ نے مالدار زمینداروں سے کوئی ستر لاکھ روپیوں کا نذرانہ قبول کر کے اپنا وقار گھٹا

ہوئی کہ جے پی کا انتقال ہوگیا۔ نجلنگپا اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ اُنہوں نے اس کی توثیق کے لئے فون کیا۔ جواب اثبات میں ملا' تو اُنہوں نے فوراً اخباری نمائندوں کو بُلا کر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا' اور کہا کہ سارے ملک میں اگر کسی کو عوام سے محبت تھی تو گاندھی جی کے بعد صرف جے پی کو تھی۔ مُرار جی نے لوک سبھا میں بھی تعزیتی کلمات کہے' مگر حکومت کی نااہلی کی انتہا نہ رہی' جب یہ معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ نجلنگپا کو تازہ خبر پر بہت خوشی ہوئی کہ جے پی بقید حیات ہیں۔

کرناٹک کی جنتا پارٹی' اندرونی اختلافات اور اقتدار پرستی کا شکار ہوکر پارہ پارہ ہورہی تھی۔ اس لحاظ سے جنتا پارٹی' کانگریس پارٹی سے کسی بھی طرح بہتر نہیں تھی' حتیٰ کہ رشوت خوری کے میدان میں بھی۔ جنتا پارٹی بے اُصولی' فرقہ پرستی اور ذات پات کی تمیز میں بھی وہی رویّہ اپنا رہی تھی۔ ریاست کی پارٹی کے صدر نے ایک بار تمّے گوڈا کے ساتھ' نجلنگپا سے ملاقات کی۔ یہ بتانے کے لئے کہ پارٹی میں کیا ہو رہا ہے۔ دیوے گوڈا نے جو کہ صدر پارٹی تھے' نجلنگپا کو تفصیل سے بتایا کہ یہ سب کارستانی ویریندر پاٹل کی ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ ویریندرا پاٹل' پارٹی کی تقسیم کے لئے پَر تول رہے ہیں' تا کہ اپنا اُلّو سیدھا کر سکیں' اور آگے چل کر اندرا گاندھی کیمپ میں شمولیت ممکن ہوسکے۔ نجلنگپا نے بتایا کہ ویریندرا پاٹل' پارٹی کی تقسیم کے بعد شاید وہی کرینگے' اس لئے کہ انہوں نے محسوس کیا ہے کہ پاٹل اقتدار پسند ہیں۔

گوڈا نے یہ بھی بتایا کہ دیوراج ارس اپنے طور پر کھیل کھیل رہے ہیں۔ کوئی ایک سو ممبران اسمبلی کے ساتھ پارٹی بدل کر چرن سنگھ کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش میں ہیں' کہ نئی پارٹی کی تشکیل ہو۔ نجلنگپا نے بتایا کہ یہ سب کچھ مُرار جی کے انکار کی بدولت ہے۔ اگر انہوں نے انکی نصیحت مان لی ہوتی تو نوبت یہاں تک نہ آتی' مگر یہ بات یادرکھنی

۷۹ء کو کہ کانگریس کے دونوں فریقوں کو متحد ہو جانا چاہئے' اور طریقۂ کار پر بھی روشنی ڈالی۔ نجلنگپّا کو پاٹل کی یہ کوشش پسند نہیں آئی' حالانکہ ایس۔ کے۔ پاٹل نے یہ صفائی پیش کی کہ انہیں بھی اندرا گاندھی کا طریقۂ کار پسند نہیں ہے۔ پر یہ حقیقت ہے کہ انہیں قبولیت عامہ حاصل ہے۔ یہ بھی لکھا کہ جنتا پارٹی کی ڈوبتی نیا کے پیش نظر اندرا گاندھی زیادہ طاقتور' اور قابل قبول نظر آ رہی تھیں۔

جنتا پارٹی کے اندرونی اختلافات میں اضافہ ہی ہو رہا تھا۔ چرن سنگھ اور مُرارجی کے درمیان چلی آ رہی سرد جنگ کے خاتمہ کے لئے یہ تجویز پیش ہوئی کہ چرن سنگھ اور جگجیون رام دونوں کو نائب وزیر اعظم کے عہدے پیش کئے جائیں۔ ۲۲/ جنوری ۷۹ء کو یہ فیصلہ کیا گیا' مگر اس سے بحران ٹلا نہیں۔ چرن سنگھ نے اعلان کیا کہ وہ پارٹی کے اندر رہ کر ہی کام کریں گے' پر راج نارائن نے کہا کہ وہ باہر رہ کر ہی جنگ جاری رکھیں گے۔ یہ سب دیکھ کر نجلنگپّا بیحد دُکھی ہوئے۔ مارچ ۷۹ء میں کرناٹک شاخ کے جنتا پارٹی کے صدر کا انتخاب ہونے جا رہا تھا۔ اس سلسلے میں نجلنگپّا نے ایک لاحاصل کوشش یہ کی کہ پچھڑے طبقوں میں سے کسی کا انتخاب ہو جائے۔

اُن کے علم کے بغیر جنتا پارٹی کی جو ۲۸ رکنی کمیٹی قومی سطح پر بنائی گئی' اس میں اُنہیں بھی نامزد کر لیا گیا۔ جب فہرست میں کوئی بھی ہریجن نہیں تھا تو نجلنگپّا نے کمیٹی کی رکنیت سے اپنا استعفیٰ دیدیا' جو آگے چل کر لاکھ دباؤ کے باوجود' واپس نہیں لیا گیا۔ ملک پر چھائی ہوئی تاریکی میں اُنہیں جے پی ہی ایک روشنی و اُمید کی کرن نظر آ رہے تھے۔ نجلنگپّا کی نظر میں راج نارائن میں گاندھی جی کا سا کردار تھا۔ اخلاقی قدریں تھیں' پر اُن کی گرتی ہوئی صحت سے نجلنگپّا پریشان تھے' اور دُعا گو تھے کہ جے پی کی عمر لمبی ہو۔

۲۲/ مارچ ۷۹ء کو جب تحریک کو بڑھانے کی سوچ ہی رہے تھے کہ ریڈیو پر خبر نشر

لے لیں گے۔ صدر ریڈّی چونکہ مُرارجی کو پسند نہیں کرتے تھے، چاہتے تھے کہ چرن سنگھ وزیرِاعظم بن جائیں۔ نجلنگپّا نے محسوس کیا کہ ریڈّی کے اس اقدام سے پارٹی میں پھوٹ یقینی ہے، اور یہ سلسلہ اندرا گاندھی کی جیت پر ختم ہوگا۔

ریڈّی نے سب سے پہلے حزبِ مخالف کے چوہان کو مدعو کیا۔ جب انہوں نے اپنی مجبوری ظاہر کی تو چرن سنگھ کو دعوت دی گئی۔ چرن سنگھ کو یقین تھا کہ چوہان کے پچھتر (۷۵) ممبران کا تعاون انہیں مل جائے گا۔ ۲۸ر جولائی ۷۹ء کو چرن سنگھ کو رسمی طور پر جنتا سوشلسٹ اور کانگریس (ا) کے گٹھ جوڑ کی بُنیاد پر وزیرِاعظم کا حلف دلایا گیا، مگر ۲۰ر اگست ۷۹ء کو چرن سنگھ اپنی اکثریت پارلیمان میں ثابت کئے بغیر اس لئے وزیرِ اعظم کے منصب سے اُتر گئے کہ کانگریس نے یکلخت اپنا تعاون واپس لے لیا۔ چرن سنگھ نے پارلیمان برخاست کرنے کی سفارش کی۔ اس طرح اُن کی قلیل مدتی سرکار کا ۲۳ر اگست کو خاتمہ ہوگیا۔ پر اُن کا یہ ریکارڈ توڑا، اٹل بہاری واجپائی نے جو صرف ایک ہفتہ کے لئے وزیرِاعظم بن سکے تھے۔

نجلنگپّا کا اندازہ تھا کہ چرن سنگھ کے عوض اگر جگجیون رام کو وزیرِاعظم بنایا جاتا تو صورتِ حال بہتر ہوتی، اور جنتا پارٹی، اقتدار پر جمی رہتی۔ مُرارجی دیسائی نے گو کہ وزیرِاعظم کے عہدہ کے لئے استعفیٰ دیدیا تھا، تاہم جنتا پارٹی کی پارلیمانی کمیٹی کے قائد کے لئے استعفیٰ نہیں دیا تھا۔ یہ نجلنگپّا کے لئے باعث تشویش تھی۔ اُنہوں نے مُرارجی کو تار بھیجا کہ ۱۹ر جولائی ۷۹ء کو سبکدوش ہو جائیں، اور پھر ۲۰ جولائی ۷۹ء کو ایک خط جے پی کو لکھ کر اپنی بھڑاس نکال لی، جس میں پھر جگجیون رام کو وزیرِاعظم بنانے کی اُن کی رائے کا اعادہ کیا۔ یہ بھی لکھا کہ گو کہ وہ رام کو پسند نہیں کرتے، پھر بھی اُن کی نظر میں ان حالات میں اس عہدہ کے لئے وہ بہتر شخص ہیں۔ یہ بھی لکھا کہ چندر شیکھر

چاہئے کہ ویریندرا پاٹل نے وہی کیا یا کرنے جا رہے تھے جو کوئی بھی عام ہندوستانی سیاستدان کرتا آیا ہے۔ کچھ بھی ہو، نجلنگپّا نے ویریندرا پاٹل کی خودغرضی کو کبھی پسند نہیں کیا۔اس کے باوجود انہوں نے پاٹل کی تنظیمی صلاحیتوں اور ذہانت کی داد دی۔اسی لئے انہوں نے اس خبر پر خوشی کا اظہار کیا کہ اپنا شاگردِ رشید بہار کا گورنر بن کر جا رہا ہے۔اس سے ریاست کی سیاست سے دوری ممکن ہو سکے گی۔

چرن سنگھ اور مُرارجی کے آپسی جھگڑوں سے جنتا پارٹی تباہ ہو گئی ...... چرن سنگھ وزیر اعظم بننے پر اڑے ہوئے تھے، مگر مُرارجی اُن کے لئے بڑی رُکاوٹ تھے۔ چرن سنگھ نے بڑی چالاکی سے لوک سبھا میں ۱۵/جولائی ۷۹ء کو مُرارجی دیسائی کی سرکار کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ مُرارجی کے حمایتیوں نے پارٹی کے بزرگ سیاستدان نجلنگپّا سے گذارش کی کہ اس نہج پر اُس بلا کو ٹال دیں۔ نجلنگپّا نے مُرارجی سے فون پر بات کی، اور تفصیلات سے واقفیت حاصل کی۔ جیوتشیوں کے مشورے پر مُرارجی نے اُسی دن وزیر اعظم کے عہدہ سے استعفیٰ دیدیا، پر پارلیمانی پارٹی کے قائد کی حیثیت سے مستعفی نہیں ہوئے۔

اِس سے قبل ۹/جولائی کو راج نارائن نے اپنے لوک سبھا کے نو (۹) ہم خیال ممبروں کے ساتھ جنتا پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ لگتا ہے کہ چرن سنگھ کی نیک خواہشات اس میں شامل تھیں، جس کے بعد اُنہوں نے جنتا (ایس) کی تشکیل کی۔

مُرارجی نے لوک سبھا تحلیل کرنے کی سفارش کی۔ چرن سنگھ نے صدر ہند ریڈی سے مُلاقات کی، اور نئی سرکار بنانے کی اجازت طلب کی، اور اپنی اکثریت کا یقین دلایا، جس کے لئے صدر نے اگست ۷۱ء تک کی مہلت دی۔ نجلنگپّا کا قیاس تھا کہ اندرا گاندھی اب کی بار چرن سنگھ جیسے حریف کا ساتھ دیں گی، اور آگے چل کر یک لخت تعاون واپس

گیا۔ وہ چاہتے تھے کہ جنتا پارٹی کا اقتدار ہو، مگر کامیاب نہ ہو سکے...... انہوں نے محسوس کیا کہ ریڈّی، اندرا گاندھی کیمپ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ نجلنگپّا کو تعجب ہوا کہ اندرا گاندھی کے ہاتھوں وعدہ خلافی کا مزہ چکھنے کے باوجود ریڈّی اندرا گاندھی کے لئے راہیں ہموار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پر انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ہندوستانی سیاست اب کافی حد تک موقع پرستی کی لپیٹ میں آ گئی ہے، اور ہر سیاستدان کی صرف ایک ہی منزل ہے اقتدار پر جمے رہو اور پیسہ کماؤ۔

۲۱ راگست ۹ ۷ء کو صدر ہند نے لوک سبھا تحلیل کر دی۔ انہوں نے چرن سنگھ کو وزیر اعظم کی حیثیت سے عبوری طور پر کام کرتے رہنے کی گذارش کی۔ نجلنگپّا کو اب یقین ہو چلا تھا کہ اب اندرا گاندھی کو روکنے والا کوئی نہیں ہے، اور اُن کا اقتدار پر لوٹنا بیحد آسان ہو گیا ہے۔ یس۔ کے۔ پاٹل نے جنتا پارٹی کی بگڑتی صورتِ حال سے نالاں ہو کر اندرا گاندھی کے حق میں تعریفی کلمات ادا کئے۔ نجلنگپّا کے خیالات و نظریات میں یا اندرا مخالف رائے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس کے باوجود پاٹل اور نجلنگپّا کے دوستانہ تعلقات میں کوئی دراڑ نہیں آئی۔

انتخابات یقینی جان کر ہم خیال موقع پرستوں کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ کرناٹک میں ارس کی قیادت میں کانگریس (ا) کی سیاسی شاخ کی تشکیل نو ہوئی۔ یس۔ کے۔ پاٹل نے نجلنگپّا پر پھر دباؤ ڈالا کہ کانگریس (ا) میں شامل ہو جائیں۔ ریاست میں سب سے زیادہ مایوس کن حالت کانگریس (O) کی تھی۔ بی جے پی اور سوشلسٹ پارٹیوں نے اپنے طور پر منظّم تحریک چلائی۔ جسمانی تھکان سے چُور ہو کر بھی نجلنگپّا نے پارٹی کے لئے انتخابی مہم جاری رکھی۔ آخر کار انہیں اسپتال داخل کرایا گیا۔ وہ نومبر ۹ ۷ء کا مہینہ تھا، نجلنگپّا نے پیشین گوئی کی کہ چونکہ دیگر سیاسی پارٹیوں میں ضروری دم خم نہیں ہے،

میں بھی یہ ذمہ داری نبھانے کی خوبیاں ہیں، بشرطیکہ وہ دوسرے ذرائع سے بھی تعاون جُٹا سکیں۔ جب ریڈی نے چرن سنگھ کو سرکار بنانے کے لئے مدعو کیا تو نجلنگپّا نے محسوس کیا کہ یہ کوئی صحت مند روایت نہیں ہے۔ چرن سنگھ کے ہاتھوں ملک کی صورتِ حال ابتر ہو رہی تھی۔ ایس کے پاٹل نے ۲۸ر جولائی ۷۹ء کو ایک خط لکھ کر نجلنگپّا پر زور ڈالا کہ وہ اپنی سیاسی علیحدگی توڑ کر کانگریس (O) کی از سر نو تشکیل کے بارے میں سوچیں۔ جواب میں نجلنگپّا نے پوچھا کہ کوئی بتائے تو سہی کہ اب کیسے پہچانا جائے کہ حقیقی معنوں میں کون کانگریس (O) کا آدمی ہے۔

کرناٹک میں سیاست حد درجہ آلودہ تھی۔ جب یہ تبدیلیاں ہو رہی تھیں تو ویریندر پاٹل جنتا پارٹی چھوڑ کر کانگریس (I) میں شامل ہو گئے تھے۔ نجلنگپّا نے ان کے اس اخراج کا خیر مقدم کیا۔ چرن سنگھ کے مستعفی ہونے سے چند روز قبل نجلنگپّا سے جگجیون رام نے گذارش کی کہ وہ دلّی چلے آئیں کہ ضروری تبادلۂ خیال کرنا ہے۔ اس لئے نجلنگپّا نے ۲۰ر اگست ۷۹ء کو دلّی کا سفر کیا۔ دوسرے دن جگجیون رام نے ان سے کہا کہ وہ وزیر اعظم بننے کی خواہش رکھتے ہیں، اور یہ کہ چونکہ صدر ریڈی ان کی بات کا احترام کرتے ہیں، ریڈی سے گذارش کیجائی کہ جگجیون رام کو وزیر اعظم کے اعلیٰ عہدہ کے لئے مدعو کیا جائے۔

نجلنگپّا خود چاہتے تھے کہ جگجیون رام وزیر اعظم بنیں۔ انہوں نے سوچا کہ ایسا اگر ہو گیا تو اندرا گاندھی کو ہریجن ووٹ نہیں ملیں گے، اور ان کی شکست ہوگی۔ یہ سوچ کر انہوں نے ارادہ کر لیا، اور صدر ریڈی سے تبادلۂ خیال کیا۔ پر صدر ریڈی نے یہ دلیل پیش کی کہ یہ ممکن نہیں۔ البتہ صرف ایک راستہ ہے وہ یہ کہ از سر نو انتخابات کرائے جائیں۔ لاکھ سمجھانے پر بھی ریڈی نے اپنا ارادہ نہیں بدلا۔ نجلنگپّا کی ساری کوششوں پر پانی پھر

شروع کیا۔اس کے لئے انہوں نے اپنا پُرانا طریقۂ کار اپناتے ہوئے پارٹی کا نظم ونسق اور ریاستی سرکاروں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے لئے اُن کے وفادار چیلوں نے بڑھ چڑھ کر جوش وخروش دکھایا، جن میں کچھ وزیراعلیٰ بھی شامل تھے۔

اس خاندانی راج کے تصور سے سخت مایوس ہو کر نجلنگپّا نے ۱۵/اگست ۸۰ء کو خود سے سوال کیا کہ حقیقت میں کیا اِس دن کے لئے آزادی ملی تھی، اور آزادی کِسے ملی ہے؟...... اُس دن کی اُن کی ڈائری میں پچھلے تیس سالوں کے آزاد ہندوستان کا احاطہ کیا، جس میں اپنے تاثرات دوٹوک لہجہ میں لکھ کر محفوظ کر لئے۔ انہوں نے لکھا کہ ایک عام آدمی خصوصیت سے غریب، کسان، اور مزدور بدستور پچھڑے ہوئے ہیں، بلکہ کچھ زیادہ ہی۔

آزادی کا پھل اونچی سطح کے چند بارسوخ وزیر، برسر اقتدار پارٹی کے اراکین اور سرکاری افسران بھی ہر مرحلے میں مزے لوٹ رہے ہیں۔ صنعتکاروں نے بھی اس کا فوری مزہ چکھا ہے۔ شہروں کے مزدوروں کی حالت دیہاتی مزدروں سے بہتر ہے۔ غربت کی لکیر سے وہ لوگ 410 فیصد نیچے ہیں۔ جب سے اندراؔ گاندھی نے اقتدار سنبھالا ہے، غریبوں اور مالداروں کے بیچ کی خلیج وسیع تر ہوگئی ہے، گو کہ ہر کسی کی زبان پر گاندھیؔ جی کے نعرے ہیں، پر رشوت کا بازار گرم ہے۔ ساری غیر صحت مندانہ طاقتیں بشمول فرقہ پرستوں اور غیر ملکی گھس پیٹھیوں کے، ملک کو برباد کر رہی ہیں۔ کرناٹک میں تباہی کا تناسب خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے۔

جب ممبران اسمبلی ایک وزیر ابراہیمؔ کے خلاف الزمات کی کھلے عام بوچھار کر سکتے ہیں تو وزیر اعلیٰ کا بے شرمی سے 'اس رشوت خور مجرم ساتھی کا دفاع کرنا' کیا مطلب رکھتا ہے؟

۹ جولائی کو ۸۱ء کو چتر ادرگا میں اس ملزم وزیر کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کرنے

اندرا گاندھی یہ انتخاب جیت جائیں گی۔ لوک سبھا کے لئے انتخابات ۳/تا ۶/جنوری ۱۹۸۰ء کو ہوئے۔ اندرا کانگریس نے دوتہائی اکثریت سے بھاری کامیابی حاصل کی۔ ۵۲۵ سیٹوں میں جنتا کے ہوئے مقابلے میں کانگریس (ا) کو ۳۵۱ سیٹیں ملیں۔ لوک دل کو نسبتاً زیادہ یعنی اکتالیس (۴۱)، کانگریس (O) کو تیرہ (۱۳)، سی پی آئی کو دس (۱۰)، اور سی پی ایم کو پینتیس (۳۵)، ڈی ایم کے کو سولہ (۱۶)، جے ڈی ایم کے کو دو، مسلم لیگ کو تین، اکالی دل کو ایک اور نیشنل کانفرنس کو تین سیٹیں ملیں۔ آزاد امیدواروں نے چار اور دیگر چھوٹی موٹی پارٹیوں نے جملہ چودہ (۱۴) سیٹیں حاصل کیں۔ اندرا گاندھی نے یو پی میں رائے بریلی سے اور آندھرا پردیش میں میدک حلقوں سے انتخاب لڑا، اور دونوں جگہ سے کامیاب ہوگئیں۔

۱۴/جنوری ۸۰ء کو اُنہوں نے وزیراعظم کے عہدہ کا جائزہ لیا، اور اِس نئے سال کی شروعات شاندار کامیابی سے ہوئی۔ لوک سبھا کے انتخابات میں بھاری شکست کی بناء پر ۷/جنوری ۸۰ء کو دیوراج ارس نے کرناٹک کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے اپنا استعفیٰ پیش کر دیا، مگر انہوں نے اسمبلی تحلیل کرنے کی سفارش نہیں کی، بلکہ آر۔ گنڈو راؤ نے نئے کانگریس (ا) کے وزیراعلیٰ کی حیثیت سے عہدہ کا جائزہ لے لیا۔

۱۹/فروری ۸۰ء کو اندرا گاندھی نے اُن نو ریاستی سرکاروں کو برخاست کر دیا، جہاں غیر کانگریس (ا) سرکاریں برسراقتدار تھیں۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ اس سے پہلے جنتا سرکار نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ جب اندرا گاندھی شہرت و اقتدار کی بلندیوں کو چھو رہی تھیں تو ایک زبردست سانحہ ہوگیا۔ اُن کے دوسرے بیٹے سنجے گاندھی ایک ہوائی جہاز کے حادثے کا شکار ہو کر جان بحق ہوگئے، مگر خاندانی دبدبہ و اقتدار کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی غرض سے انہوں نے اپنے پہلے لڑکے راجیو گاندھی کو اپنی جان نشینی کے لئے تیار کرنا

نے بویا تھا۔ ابتدائی تیاریوں کے بعد ارس نے نجلنگپّا سے ۲۵ ستمبر ۸۱ء کی صبح کوئی دس بجے چترادرگا میں ملاقات کی ۔ دونوں نے اندرا گاندھی کے خلاف ایک زبردست سیاسی پارٹی کی تشکیل کے لئے گھنٹہ بھر تبادلۂ خیال کیا۔ نجلنگپّا نے ارس سے کہا کہ جنتا سرکار' اس لئے ناکام ہوگئی کہ اس میں شامل پارٹیوں نے اپنی اپنی الگ راہیں نکال لیں' اور اُن کے قائدین نے ملک سے بڑھ کر اپنے مفاد کی ہمیشہ فکر کی ۔ انہوں نے نشان دہی کی کہ عوام میں اندرا گاندھی کے خلاف جذبات ہونے کے باوجود' ایسا کوئی نہیں جو انہیں ایک پلیٹ فارم پر لاسکے۔

ارس نے کہا کہ وہ بھی پارٹی میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں' اور اس سلسلے میں چرن سنگھ اور چندر شیکھر سے بھی بات ہوئی ہے ۔ ارس نے بتایا کہ چرن سنگھ اب وزیر اعظم بننے کے خواہش مند نہیں ہیں' پر اندرا گاندھی کے خلاف ایک مضبوط متحدہ محاذ بنانے کی کوشش میں ہیں۔ نجلنگپّا نے جواب دیا کہ چرن سنگھ ایک خودغرض آدمی ہیں' جن پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

ارس نے نجلنگپّا کو بتایا کہ ریاست کی جنتا پارٹی کے ایک سابق صدر ان دنوں گنڈو راؤ کے گھر پر دن بھر پڑے رہتے ہیں' اور اندرا گاندھی کیمپ سے قربت کے طالب نظر آتے ہیں ۔ نجلنگپّا نے کہا کہ وہ اُس شخص اور اُس کی حرکتوں سے بخوبی واقف ہیں۔

موجودہ آزاد بھارت کی سیاسی تاریخ میں جنتا پارٹی ایک المناک باب بن کر رہ گئی تھی ۔ کسی بھی سیاسی پارٹی نے اتنے جوش وخروش سے اپنی شروعات نہیں کی تھی ۔ یہاں وعدے وعدے ہی رہ گئے ۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ۱۹۸۰ء کے اوائل میں' اندرا گاندھی کا سیاسی سطح پر اُبھرنا' اور جنتا سرکار کا زوال پذیر ہونا' یہ سب اس کا پتہ دیتا ہے کہ نجلنگپّا کا سیاسی تشخص پھیکا پڑنے لگا تھا' اس کے باوجود یہ کہنا مشکل یا غلط ہوگا کہ اس

کے لئے نجلنگپّا کی صدارت میں ایک بڑا اجلاس منعقد کیا گیا' جس میں نجلنگپّا نے نہایت افسوس کے ساتھ ان سنگین الزامات کا ذکر کیا کہ آج ملک میں ایسے عناصر برسر اقتدار ہیں۔ اس دوران چند ایک اضلاع قحط سالی کا شکار ہوئے۔ پھر بھی ریاستی سرکار کے کارندوں نے سوائے ہیلی کاپٹر سے اُن علاقوں کا دورہ کرنے کے راحت رسانی کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ انہوں نے ایسی صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے ایک مستقل راحت رساں کمیٹی یا محکمہ قائم کرنے کی رائے پیش کی۔

ابتر ہوتی ہوئی سیاسی صورتِ حال' رشوت خوری' گھپلوں کی وارداتیں' اور سیاست دانوں کی حصول زر واقتدار کی ہوس' یہ سب دیکھ دیکھ کر نجلنگپّا کا خون کھول رہا تھا' پر وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ اُنہیں یقین ہو چلا تھا کہ یہ سب کچھ بڑے بڑے قائدین کی سرپرستی میں ان کی نظروں کے سامنے کیا جا رہا ہے۔ دیوراج ارس کرناٹک میں گو کہ اقتدار سے ہٹ گئے تھے' تاہم ریاست میں یہ کہتے پھر رہے تھے کہ ملک میں آج کیا ہو رہا ہے۔

بہت ساری چیزیں کھونے کے بعد ارس کا شعور بیدار ہوا تھا۔ انہوں نے اندرا گاندھی کی سرکار کی مذمت کی' اور اپنی پارٹی کے لئے حمایت طلب کی۔ چترادرگا میں ایک عظیم ریالی سے انہوں نے خطاب بھی کیا۔ گو کہ اُن کے عہد میں رشوت ستانی' زوروں پر تھی' اور خود بھی اُس میں ملوّث تھے' اُن کے چند ایک اچھے منصوبوں کے پیش نظر لوگ انکے ساتھ تھے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۸۱ء کو اپنی ڈائری میں نجلنگپّا نے لکھا ہے کہ ارس کانگریس (O) چھوڑ کر اسی سال یعنی ۱۹۷۱ء کو اندرا کانگریس میں ہی شامل ہو گئے' اور اندرا گاندھی کی سرپرستی پا کر اپنی ریاست میں رشوت خوری کو خوب بڑھاوا دیا تھا۔ وہی ارس اب اندرا گاندھی کی مذمت کرتے پھر رہے تھے۔ لوگوں کو علم تھا کہ رشوت کا بیج خود ان ہی

تھا' جذبۂ اتحاد و یکجہتی تھا' انسانی دوستی کارفرما تھی' اور سیاست کو آلودہ کرنے والی طاقتوں کے خلاف ایک جہاد تھا۔

انکی نظر میں اندرا گاندھی ایک ایسی سیاستدان تھیں جو گاندھی وادی سیاسی اصولوں کے بالکل مخالف تھیں۔ سیاسی سطح پر اندرا گاندھی کو ہر نہج پر للکارنے والا سیاستدان و مدّبر تھا تو صرف نجلنگپاّ۔ انہوں نے اپنی ذاتی غرض کے لئے اندرا گاندھی کے سامنے کبھی ہاتھ نہیں پھیلایا' اور نہ ہی کانگریس کے دونوں کیمپوں میں اتحاد کی کوشش کی۔ اگر ایسا کر جاتے تو شاید ان کی شخصیت گہنا جاتی۔

جنتا پارٹی کے قیام سے لیکر آخر تک انہوں نے گاندھی جی کی تعلیمات پر ہی عمل کیا۔ اسی کا پرچار کیا۔ جنتا پارٹی سے کسی قدر فاصلہ پر رہنے میں بھی ان کی کوئی خاص وجہ رہی ہوگی' مگر اس سے ان کی اصول پسندی کبھی متاثر نہیں ہوئی۔ کئی ایک کو سخت تعجب ہے کہ نجلنگپاّ جیسا آدمی گندی سیاست میں اتنے طویل عرصے تک کیسے اپنے آپ کو سنبھال کر رکھ سکا' جب کہ سیاست میں اصول شکنی ہی اکثر دیکھی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آزادئ وطن کے بعد گاندھی وادی سیاست کی عمل پیرائی میں انہوں نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ اپنا ہر رول مسکرا کر پوری ایمانداری سے ادا کیا۔ موقع پرستی کو کہیں داخل ہونے نہیں دیا' اور دیگر سیاسی قائدین کے سامنے ایک بہترین نمونہ پیش کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ بلا شبہ نجلنگپاّ ان لوگوں کے علمبردار ہیں جو غربت کے ظلم و استحصال کے مارے ہوئے ہیں۔

ایسے سیاستدانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ اس سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں اُنہیں ہیرو بنا کر پیش کررہا ہوں۔ تاہم صرف یہ بتانا ہے کہ آج بھی

کے بعد اُنہوں نے سیاست میں دلچسپی نہیں لی۔

اگلے باب میں ہم دیکھیں گے کہ اُن کا سیاسی اور عوامی رول باقاعدہ بنا رہا' گو کہ وہ الگ الگ دائروں میں تھا۔ جب ہم کانگریس کی تقسیم اور بعد کی جنتا سرکار کی کارکردگیوں کو نجلنگپّا کے نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں تو پتہ چلے گا کہ اُن کی شخصیت میں کس قدر حوصلہ مندی' تنوع' فکر اور عمل کا جذبہ تھا۔ اُن کی ''شیرازہ بندی'' سے اُن کی پوری شخصیت اکائی بن کر ابھر آتی ہے۔

دراصل نجلنگپّا اس دَور کے چندان لوگوں میں سے ہیں' جنہوں نے زندگی کے ہر کام میں ایک آئینہ داری وایمانداری سے کام لیا۔ اُن کی ذاتی نجی زندگی اور عوامی زندگی' گویا تصویر کے دورخ تھے۔

ہندوستان کے سیاسی قائدین کا ایک نمایاں وصف یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اُن کی سیاسی اور نجی زندگیاں بالکل الگ الگ ہوتی ہیں۔ اغراض و مقاصد بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ پر اپنے گھربار کی فکر سے بالاتر ہو کر عوام کی بھلائی کے لئے جدوجہد کرتے رہنا' یہ نجلنگپّا ہی کا حصہ تھا' وصفِ خاص تھا' اس سودے میں ان کا خسارہ ہی خسارہ ہوا ...... انکا خیال تھا کہ ریاست اور ملک کا چولی دامن کا رشتہ ہے۔ ایک کے مفاد کو دوسرے کے مفاد پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اس نظریہ کے قائل تو تھے' پھر بھی آگے چل کر قومی غرض کو ترجیح دینے پر مجبور تھے۔ عموماً وہ یہی چاہتے تھے کہ ہمارے جمہوری نظام میں' دونوں میں ایک معنی خیز توازن برقرار رکھنا ہوگا۔ نجلنگپّا کو دستوری اُصولوں کی پاسداری بہت عزیز تھی۔ اس اعتبار سے انہیں صحیح معنوں میں گاندھی وادی کلچر کا نمائندہ کہنا بہتر ہوگا۔ کانگریس میں تقسیم کا جو ناقابل فراموش واقعہ ہوا' اس میں ان کا رول ایک اصول پرست سیاستدان کا تھا' جس میں بُنیادی جمہوری وسیاسی قدروں کی طہارت تھی' اخلاص

7. نیا موڑ
ضمیر اور شعور کی سیاست

حال ہی میں، اِس سوانح نگار نے نجلنگپاؔ سے پوچھا کہ کیا انہوں نے سرگرم سیاست سے سنیاس لے لیا ہے، تو بزرگ سیاستدان نے شیر کی طرح گرج کر کہا کہ "یہ کس نے کہا کہ میں سیاست سے الگ ہوگیا ہوں، وہ میری زندگی کا ایک اٹوٹ حصہ ہے، میں کس طرح اُس سے الگ ہوسکتا ہوں؟۔

اس پُر جوش اور برجستہ جواب نے نجلنگپاؔ کو چند لمحوں کے لئے سوچنے پر آمادہ کیا، اور سوانح نگار، اگلے سوالات کے تانے بانے بننے میں مصروف ہوگیا کہ دیکھیں اب کیا ہونے جا رہا ہے، اور نتیجہ اس باب کا عنوان ہے۔

عام طور پر سرگرم سیاست اور غیر دلچسپ سیاست میں فرق کرتے ہیں۔ یعنی فعّال کردار اور غیر متحرک کردار میں فرق ہوتا ہی ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو موجودہ سیاست میں دلچسپی لینے، اور ملوث ہونے کو سرگرم سیاست، اور کسی قدر فاصلے پر رہ کر، ایک تماش بین کی حیثیت سے روز مرّہ کی سیاست پر برائے نام نظر رکھنے کو، عدم دلچسپی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔

نجلنگپاؔ کی گرتی ہوئی صحت کے باوجود، اگر کسی نے چھیانوے سالہ ایک بزرگ کو اس وسیع و عریض زمین پر پورے اعتماد کے ساتھ مستعدی کے ساتھ چلتے پھرتے دیکھا، اور اُن کے ہم عمر بزرگوں کے ساتھ اُن کا موازانہ کر کے دیکھا ہے تو صاف پتہ چلے گا کہ

سیاست میں سچّی لگن، وطن پرستی اور غرباء پروری کے لئے جگہ ہے۔ البتہ سچی لگن اور صحیح پہچان ضروری ہے۔ بلا شبہ اپنے استاد گاندھی جی کی طرح نجلنگپّا کردار کے غازی تھی۔ گاندھی جی نے ریاست میں اخلاقی ضرورت اور صلاحیت کی ضرورت کے بیچ کی سرد جنگ کا مسئلہ حل کر دیا کہ کس طرح سیاسی صلاحیت کو سیاسی ایمانداری کے سپرد کرنا ہے۔ سب سے اہم یہ ہے کہ انہوں نے بنیادی اور فروعی اُصولوں کے بیچ خطِ امتیاز کھینچ کر ایک صحیح طریقۂ کار کو فروغ دیا۔ اسی سبب انہوں نے بلا خوف و خطر، مصلحت و جھجک اپنے آپ کو کسی کے روبرو کمزور محسوس نہیں کیا۔

بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ کُلی طور پر نہ سہی، گاندھی وادی سیاست پر چل کر دکھانے والا نجلنگپّا کے سوا کوئی دوسرا نظر نہیں آیا۔

والوں میں ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے کی عادت سی ہوگئی ہے۔ اِسی لئے انہوں نے کسی بھی لالچ یا چاپلوسی کے آگے اپنی سپر نہیں ڈالی۔ نجلنگپّا کا جہاں تک تعلق ہے' طریقۂ کار کی تبدیلی تو ضروری تھی' مگر نظریات میں تبدیلی کو جگہ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کی سیاسی زندگی میں پہلے ضمیر و شعور بیدار نہیں تھا' وہ اس وقت بھی تھا' اور اب بھی ہے۔ اس کی روح وہی ہے' تاہم ڈھانچے بدلے ہیں۔ ان کے عمل در آمد میں کہیں ٹکراؤ نہیں ہوا' بلکہ یہ دونوں متوازی شکل میں ایک تسلسل برقرار رکھتے ہوئے چلتے ہی رہے۔ نجلنگپّا نے اس سیاسی ڈھانچے کی نمائندگی کی' جو ہمہ وقت قومی سطح پر تعمیر ملک و قوم میں جٹا ہوا تھا...... ایسے فلاحِ عامہ کے ڈھانچوں یعنی منظّم اداروں میں سردار ولبھ بھائی پٹیل ٹرسٹ' نیشنل میموریل ٹرسٹ فار لال بہادُر شاستری' خواب اور تعمیر سوسائٹی' سچیتا میموریل فنڈ' ہری دوار' کرناٹکا دھر مستھلا سوسائٹی' سرینواس ملیا میموریل سوسائٹی' بھارتیہ ودیا بھون اور دیگر ان گنت ادارے ہیں۔

دراصل' بنگلور میں بھارتیہ ودیا بھون کے مرکز کے قیام میں اِن کا بہت بڑا رول رہا۔ ۱۰ استمبر ۵ ۷ ءکو جب اِس کی تیسویں (۳۰) ویں سالگرہ منائی گئی تو نجلنگپّا کو خوب سراہا گیا۔ نجلنگپّا نے جشن میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستانی تہذیبوں کی مؤثر تبلیغ' بیرونی ممالک میں ہونی چاہئے۔ اُنہوں نے اس ادارے کی تعریف کی' مبارکباد دی۔

ایک اور ادارہ جسے نجلنگپّا کی سرپرستی حاصل رہی ہے' وہ ہے چتر ادرگا ضلع ہولل کیرے تعلقہ کے' ملاّ ڈی ہلّی کا مشہور و معروف یتیم خانہ...... یہ ایک غیر سرکاری ادارہ ہے' جسے نمونہ کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہاں ذہنی' جسمانی' روحانی اور اخلاقی تعلیم دی جاتی ہے۔ ایسے اور بھی ادارے ہیں' جہاں سماجی خدمت بخوبی انجام دی جاتی ہے۔ صدی کی آٹھویں دہائی میں نجلنگپّا نے ایسے کئی ایک اداروں کے قیام و

سماج و سیاست میں در آئیں ناپسندیدہ برائیوں کے خلاف لڑنے والوں کی تعداد' اُنگلیوں پر بھی گنی نہیں جا سکتی۔ اس کے باوجود کوئی جدوجہد کر رہا ہے' اور وہ بھی پوری یکسوئی' ذمہ داری اور ایمانداری کے ساتھ' تو وہ صرف نجلنگپّا ہیں۔ اِس دوران ان کا دائرۂ عمل کسی قدر بدلا ہے۔ بس''

ایک اندازہ کے مطابق عمومی طور پر سیاسی انتشار اور ۱۹۷۰ء کے اواخر میں جنتا کے گٹھ جوڑ کے زوال کے بعد' نجلنگپّا نے باقاعدہ تنظیمی ڈھانچے کی سیاست سے جیسے سرکاریں' اداروں' پارٹیوں وغیرہ سے اپنی دلچسپیاں ہٹا لیں' تاہم انہوں نے ان لوگوں پر اپنی پوری توجّہ مرکوز کر دی' جو ان ڈھانچوں میں اب بھی اور ہمیشہ سے' گھٹن محسوس کر رہے ہیں۔ جہاں ایک عام انسان' ہر لمحہ' اپنی روزی روٹی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہی رہتا ہے۔

آج کی اہم ضرورت' اداریاتی نظام اور اُس کے کامیاب نفاذ سے بڑھ کر لوگوں کے ضمیر کو جھنجھوڑنا ہے' اور یہ بتانا ہے کہ بُرائی سے اچھے معاشرہ کو زنگ لگ جائے گا' جس سے سیاسی زندگی بُری طرح متاثر ہو گئی ہے۔ اِسی لئے وقت آ گیا ہے کہ ارباب حل و عقد سے وقتاً فوقتاً سوال کیا جائے کہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی نبھائیں' جیسا کہ اُس کا حق ہے۔ قانون کا احترام' عوام کے جذبات و ضروریات کا احترام وقت کی پُکار ہے۔

ایسے صحت مند سیاسی دائرہ کے اندر رہ کر گُمراہ کن سیاست کی طرف تیزی سے لے جانے والوں کو متنبہ کرنے والے راہِ راست پر لانے والے واحد باشعور ذمہ دار فرد نجلنگپّا ہی ہیں۔ مختصر یہ کہ سن ۱۹۷۰ء کے بعد نجلنگپّا ضمیر و شعور کی سیاست پر پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ ہی ایمان و یقین رکھتے ہیں' اور اس پر باقاعدہ عمل بھی کر رہے ہیں۔

آزادیٔ ہند کے بعد' سیاسی پس منظر میں گاندھی وادی طریق زندگی کو اپنانے

۸ مارچ ۸۳ء کو گلید گڈّ ہ میں جنتا پارٹی کے دفتر کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے ایک بیحد انقلابی، قابل قبول و قابل عمل مشورہ سیاستدانوں کو یہ دیا کہ چونکہ سیاست دانوں کے وظیفہ کی کوئی خاص عمر مقرر نہیں کی گئی ہے، بہتر یہی ہے ہوگا کہ بزرگ سیاستدان خود اس کا فیصلہ کر کے نوجوان نسل کے لئے راہ ہموار کرتے رہیں، اور کسی کے کہنے سے پہلے رضا کارانہ طور پر یہ کر دکھائیں، بعدازاں اُن نوجوان قائدین کی صحیح رہبری کے لئے تیار رہیں۔ انہیں پتہ ہوگا کہ ایسی نصیحت اگلے زمانے میں آشرموں اور گُروکلوں میں کی جاتی تھی ۔ یہ کردار نجلنگپّا نے بخوبی نبھایا۔ اسی لئے وہ اپنا تشخّص بنائے رکھنے میں کامیاب ہیں۔ اس موقع پر اُنہوں نے فرقہ پرستی کی مذمّت کی، اور اپیل کی کہ لادینی فضا بنائے رکھیں، جہاں ہر مذہب کے افراد کو پھلنے پھولنے کے برابر مواقع نصیب ہوں۔ اس کے بعد سرکار سے مطالبہ کیا کہ آب رسانی کے تمام پراجکٹوں کی جلد از جلد تکمیل ہو، ورنہ عوام بدظن ہو جائیں گے۔

ایک سال بعد ۹ مارچ ۸۴ء کو پٹنہ کے جۓ پرکاش نگر میں جنتا پارٹی کے دوسرے سالانہ اجلاس میں شرکت کی، اور کانگریس (ا) کی آمرانہ ذہنیت کی خوب مذمت کی، اور مخالف سیاسی پارٹیوں سے گذارش کی ہے کہ متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں، اور اچھے نتائج کی اُمید رھیں۔ اس ضمن میں جنتا پارٹی کے صدر چندر شیکھر کی اپیل سے اتفاق کیا کہ وقت کی ضرورت کو محسوس کریں، اور جمہوریت کا تحفظ کریں۔ مزید یہ بھی کہا کہ قائدین کی ذاتی غرض کی وجہ سے جنتا پارٹی مرکز میں ناکام ہوگئی ہے۔

۲۵ مارچ ۸۴ء کو الکل کے مہنتا سوامی جی کی بارہویں سالگرہ پر نجلنگپّا نے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ سماج کی خدمت، روحِ مذہب ہے۔ جلسہ کے اختتام سے پہلے باگے واڑی سوامی جی، جنہیں سنیک سوامی یا سانپوں کے سوامی نے اُنکے گلے میں

سرپرستی کی ذمہ داری لی۔

اداروں، انجمنوں سے وابستگی کے ساتھ انہوں نے عوام سے رشتہ بنائے رکھنے کی کوشش میں کبھی کاہلی سے کام نہیں لیا۔لوگ اپنے مسائل کے اطمینان بخش حل کے لئے ان کے پاس ہمیشہ آتے ہی رہتے ہیں۔ یہ اُن کی روزانہ مصروفیات کا حصّہ ہے۔عوام کے مسائل کے بارے میں متعلقہ افسروں وغیرہ کو خطوط لکھنا، رابطہ قائم کرنا، مشورے دیناان کے روزانہ کے معمولات میں ہے۔

ہندوستان کی دیہاتی زندگی میں غیر معمولی دلچسپی رکھنے کی اپنی پُرانی عادت کے مطابق انہوں نے کرناٹک کے شمالی کینرا ضلع کے ایک پچھڑے ہوئے علاقے بناواسی میں۱۹۸۲ء میں قائم شدہ بناواسی ولَیا' اَبھیُو دَیا سمیتی کی کافی مدد کی۔خصوصیت سے اس ادارہ کے زیراہتمام ایک دیہی ترقیاتی تربیتی انسٹی ٹیوٹ کے قیام میں مدد کی ،جس کو کے ایل ای سوسائٹی کے زیراہتمام پری میسَر ایجوکیشنل سوسائٹی شمالی کرناٹک کی سرپرستی حاصل ہے۔اس کے استحکام کے لئے نجلنگپّا نے ریاستی اور مرکزی سرکاروں سے رجوع بھی کیا۔

۱۹۸۰ء کے دوران اس ادارہ کے لئے بہت سارے لوگوں سے ملاقات کی'لوگوں کو سمجھایا کہ اس ملک میں ایک عام آدمی کی حالت کیسی ہے'اور کیسی ہونی چاہئے۔انسانی قدروں کی کیا اہمیت ہے'اور ایک صحت مند معاشرہ کیسے تشکیل پاتا ہے'جہاں صحت مند سیاست کی جہانگیری کیسے ممکن ہوسکتی ہے۔

اس باب میں ہمارا مقصد اُن کی ہر ایسی کوشش کا احاطہ کرنا نہیں ہے' بلکہ چند ایک ناقابل فراموش واقعات کو قلمبند کرنا ہے' جہاں سیاست میں ضمیر اور شعور کی کارفرمائی نظر آتی ہے'جس کی تبلیغ 'انہوں نے ہمیشہ کی۔

ایک سانپ اپنی پٹاری سے نکال کر ہار کی طرح پہنایا' اور اُس سے کھیلنے کے لئے کہا تو نجلنگپا بہت محظوظ ہوئے...... پر ایسا کیا نہیں۔

سانپ تھوڑی دیر کے بعد اپنی پٹاری میں لوٹ گیا۔ اس وقت کی تصویریں اخباروں میں آئیں' اور انہیں ''سرپا سوامی'' کہا' جو بھگوان شیوا کا ایک اور نام ہے۔

۶ مارچ ۸۵ء کو یعنی جنتا پارٹی کی رُکنیت سے مستعفی ہونے کے ایک سال بعد چترادرگا سے اُنہوں نے پی ٹی آئی کے نمائندہ سے کہا کہ اُنہوں نے پارٹی سے استعفیٰ اس لئے دیا ہے کہ اظہارِ خیال کی آزادی نصیب ہو۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا انہیں ریاستی سرکار کی کارکردگی سے اطمینان ہے؟ تو پلٹ کر کہا کہ راجیو گاندھی کی مرکزی سرکار سے کرناٹک کی جنتا سرکار بہتر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے ۱۹۷۸ء کو پارٹی کی رُکنیت سے استعفیٰ اس لئے دیا تھا کہ مرکزی قائدین پارٹی کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں تھی' حالانکہ اُن سے استعفیٰ واپس لینے کی اپیل کی گئی۔

۱۹۸۵ء کو انڈین نیشنل کانگریس کی صد سالہ تقریبات کی تیاریاں ہو رہی تھیں' مگر وہ حقیقی کانگریس کہاں تھی جس کا جشن منایا جا رہا تھا' اور اُسے منانے کا حقدار کون تھا؟ کیا کانگریس (I) کو یہ حق مل سکتا تھا جو کانگریس کے بطن سے پیدا ہوئی تھی؟

کیا اُسے کسی پارٹی کے لیبل کے بغیر منایا جانا چاہئے یا سب پارٹیاں مل کر یہ جشن منائیں کہ یہ ایک قومی تہوار لگے؟ ۴ رمئی ۸۵ء کو اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے ان متنازعہ فیہ سوالات کا ذکر کیا' اور آخر کار فیصلہ کیا کہ اُن صد سالہ تقریبات میں وہ حصّہ نہیں لیں گے۔ ایسے چونکہ انہیں مدعو بھی نہیں کیا گیا تھا' اُن کی اس میں شرکت کا سوال ہی نہیں تھا۔ انہوں نے بس یہ بنیادی سوال کیا کہ جب حقیقی کانگریس کا وجود ہی نہیں ہے تو اُس کے جشن میں شرکت کا سوال کیا معنیٰ؟ اب جو ہے' وہ تو بس اندرا

شری رام کرشنا ہیگڈے کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

ستور مٹھ کے شری شِواراتیشورادیشی کیندراسوامی جی کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

کانگریس ہے۔ اُنہوں نے فخریہ لہجے میں کہا کہ اس عظیم کانگریس پارٹی کے صدر ہونے کا اُنہیں شرف حاصل ہے، جس کے قائدین ستاروں جیسے تھے۔ اُنہوں نے اندرا گاندھی پر الزام لگایا کہ ایسی عظیم کانگریس کا خاتمہ اُن کی بدولت ہوا......اور یہ کہ اب انگریزی کے جتنے حروف تہجّی ہیں، اتنی ہی کانگریس پارٹیاں ہیں۔

اسکے باوجود ۵ر مئی ۱۹۸۵ء کو، راجیو گاندھی نے، ان صد سالہ تقریبات کا افتتاح کیا، اورافسوس ظاہر کیا کہ چند بزرگ قائدین اس میں شریک نہیں ہیں۔ اُن کا اشارہ غالبًا نجلنگپّا کی طرف تھا۔ بعدازاں، بنگلور میں ۲ر ستمبر ۱۹۸۵ء کو شیلاؔ ڈکشت نے ان تقریبات کا افتتاح کیا۔ ۱۵ر دسمبر ۸۵ء کو کرناٹک کے مشہور ثقافتی و ادبی مرکز شہر میسور میں بین الاقوامی کنڑا سمیلن ہوا، جس کا افتتاح ریاست کے مایۂ ناز کنڑا شاعر کے۔ وی۔ پٹّپّا (کوویمپو) نے کیا، جو ۱۷ر دسمبر ۸۵ء تک چلتا رہا۔ اس بین الاقوامی میلہ میں کئی اہم موضوعات پر سمینار، سمپوزیم وغیرہ کا اہتمام کیا گیا، جن میں کرناٹک کی سیاسی روایات پر ہوئے سمینار کی صدارت نجلنگپّا نے کی۔ اپنے صدارتی خطبہ میں انہوں نے قومی یکجہتی، مختلف مذاہب کے احترام اور بھائی چارگی پر زور دیا۔

۲۰ر مارچ ۸۶ء کو بلگام سے کوئی پینتیس (۳۵) میل کے فاصلہ پر چھوٹی سی بستی نارگُند (خانہ پور تعلقہ) اگریکلچرل مارکیٹنگ سوسائٹی کے زیراہتمام تعمیر کئے گئے ایک شادی محل کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے محبوب موضوعات یعنی زراعت، پیداوار، آبپاشی پر روشنی ڈالی، اور افسوس ظاہر کیا کہ اُن کے زمانے میں شروع کئے گئے بڑے بڑے پراجکٹوں کی تکمیل کی فکر اُن کے بعد کی سرکاروں کو اب تک نہیں ہوئی۔ انہوں نے بہ حیثیت وزیراعلیٰ ۱۹۶۴ء میں جو کام شروع کیا تھا، ان کی تکمیل کی آج تک نوبت نہیں آئی...... افسوس ظاہر کیا کہ کم سے کم دس سال کے عرصہ میں تو

کے لئے رسّہ کشی ہو رہی ہے۔ ایسی دوٹوک باتیں کرتے ہوئے اُنہوں نے کبھی خوف یا جھجک محسوس ہی نہیں کی۔

ویراشیوا مذہبی اداروں کی کارکردگی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ چند ایک سوامی جی نے کالجوں کے قیام کے لئے عطیہ جات (ڈونیشن) لینے شروع کر دئے ہیں' اور اس طرح حاصل کردہ رقم کو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اُن پیشواؤں سے پوچھا کہ کیا وہ پیسہ اُن کا اپنا ذاتی پیسہ ہے؟

اُنہوں نے کہا کہ وہ اس طرح کہنے پر اس لئے مجبور ہیں کہ غریبوں کی پریشانی اُن سے دیکھی نہیں جاتی۔

نجلنگپّا نے پیشواؤں سے گذارش کی کہ 'داسوہا' کا اہتمام کریں۔ فلاحِ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لیں کہ یہی اُصول لنگایتوں کا ہے' جس کا پرچار بسویشورا نے کیا تھا' اور کہا کہ عوام کی صحیح رہنمائی کریں کہ کس طرح وہ ایک کامیاب باعزّت و باوقار سماجی زندگی گذار سکتے ہیں۔

اُنہوں نے عظیم رہنما شری جیا دیوا سوامی کی مثال پیش کی کہ کس طرح اُنہوں نے داسوہا کی رقم سے' اپنی ماں کی بھی مدد نہیں کی' گو کہ وہ مصیبت میں تھیں۔ ایک سوامی جی کے خادم نے داسوہا کی رقم سے سوامی جی کی ماں کے لئے ایک ساڑی خریدی تو سوامی جی نے بُرا مانا' اور کہا کہ وہ رقم اپنی جیب سے بھر دیں۔ نجلنگپّا نے حاضرین سے پوچھا کہ ایسے کتنے لوگ ہیں جو ایسا نمونہ پیش کر سکتے ہیں؟

اُنہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ سرکار اور مذہبی پیشوا ملک میں کوئی چالیس کروڑ عوام کو روزگار فراہم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اُنہوں نے گذارش کی کہ روزگار فراہم کرنے کے لئے سر جوڑ کر سوچیں۔

اُنہیں مکمل کر دینا چاہئے تھا۔!!

اگر وہ مکمل ہو گئے ہوتے تو تقریباً پچاس لاکھ ایکڑ زمین کاشت کے قابل ہو جاتی، جس سے سالانہ کوئی دو کروڑ روپیوں کا اناج کرناٹک کو میسر ہو سکتا تھا۔ اس موقع پر اُنہوں نے اپنے مرحوم رفیق دیرینہ بسپّا ارآگاوی کی سوانح عمری کا ذکر کیا۔ آب رسانی کے پراجکٹوں کا پھر سے ذکر کرتے ہوئے اُنہوں نے آندھرا پردیش سرکار کی تعریف کی کہ کس یکسوئی، اتحاد و دلجوئی سے ناگارجنا ساگر پراجکٹ کی تکمیل کی گئی ہے، جس سے نہ صرف ضروری مقدار میں چاول کی پیداوار ہو رہی ہے، بلکہ دیگر ریاستوں کو بھی فراہم کیا جا رہا ہے۔

۸ر جون ۸۶ء کو نجلنگپّا نے بنگلور میں گُرو دَرشنا کے سیمنار میں خطبۂ صدارت پڑھتے ہوئے وہاں موجود ویراشیوا مٹھوں کے پیشواؤں سے کہا کہ وہ داسوہا پر عمل کریں، اور غریب عوام کے ذہنوں سے لاعلمی دُور کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہیں۔ یہ سیمنار جگجیوتی بسویشور تقریبات کے سلسلے میں ہو رہے تھے، جس کا اہتمام ایف جی ہلکٹّی فورم نے کیا تھا۔

خانقاہوں (مٹھوں) کے سربراہوں سے کہا کہ بسویشور کی تعلیمات کا صحیح پرچار کرتے رہیں، اور اپنے عقیدتمندوں کے مسائل و پریشانیوں پر دھیان دیتے رہیں۔ مالداروں سے دور رہیں۔ تب کہیں وہ ''سنگھار کشنا'' کی کھائی ہوئی قسم سے انصاف کر سکیں گے۔ اس سلسلے میں انہوں نے کانچی کاماکوٹی سوامی جی کی مثال دی، جو اپنے عقیدتمندوں سے ملنے کے لئے میلوں پیدل جاتے ہیں۔ چند ایک پیشواؤں کے طریقۂ کار پر اپنی ناپسندیدگی کا بھی اظہار کیا کہ اُن میں سے ایک کو تو صرف غیر ملکی کاریں چاہئے۔ ایک اور مٹھ کا ذکر کیا، جس کی پونجی تین کروڑ روپیوں کی ہے، جس پر حق جمانے

سماج میں ذات پات کی تمیز کی جڑیں بہت گہرائی تک پھیل چکی ہیں، اور اُنہیں اُکھاڑ پھینکنا مشکل ہی نہیں، ناممکن سا ہو گیا ہے۔

احتجاج بند کرنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ یہ بہتر ہوگا کہ لوگ دیہات اور وہاں کے پریشان حال لوگوں کی روز مرّہ زندگی کا مکمل جائزہ لیں، مواد اکٹھا کریں، جیسا کہ اُنہوں نے خود کوئی آٹھ سال قبل مرکزی اور ریاستی سرکار سے گذارش کی تھی۔ بعد ازاں ریاستی سرکار کو اس سلسلے میں یاددہانی بھی کرائی گئی تھی، مگر نتیجہ بے سود نکلا۔ اُنہوں نے زور دیکر کہا کہ ریزرویشن ایک قومی مسئلہ ہے، اِسی لئے قومی سطح پر ہی اس کا حل ڈھونڈنا چاہئے۔

کڈی دال منجپّا نے سرکاری ملازمتوں میں اضافہ کی پالیسی، اور دیہاتیوں کی غربت کی مذمت کی، اور کہا کہ سرکاری ملازمتوں کی مانگ اس لئے ہے کہ وہاں اپنی تنخواہوں کے ساتھ رشوت بھی ملتی ہے، اور کام کا دباؤ نسبتاً کم ہوتا ہے۔ اُنہوں نے سرکاری ملازمین کی موٹی موٹی تنخواہوں پر اعتراض کیا۔

۱۶رمئی ۸۷ء کو نجلنگپّا نے ہبلی میں لنگایت ایجوکیشن سوسائٹی کی تقریبات میں حصہ لیا، اور ہُراکڈالی اَجّا کی سالگرہ میں بھی شرکت کی۔ اس موقع پر تعلیم کے میدان میں سوسائٹی کی خدمات کو سراہا، اور کہا کہ سوسائٹی دریائے گنگا کی طرح ہے جو آلودہ ہوئے بغیر بہتا ہی جارہا ہے۔

۱۷راکتوبر ۸۷ء کو کرناٹک کے کھوڈس انجمنوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس میں مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی، اور اپنے خیالات کا اظہار کیا، جس سے گاندھی وادی، اقتصادیاتی پالیسی پر ان کی گہری نظر کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے ان کی قوتِ ترسیل اور کمالِ تقریر کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اُنہوں نے سامعین سے پوچھا کہ کیا ان میں

بسویشور کے مجسّمے بنانے، اور نصب کر کے پیسہ ضائع کرنے کا کوئی مطلب نہیں، بلکہ بہتر یہی ہے کہ بسویشور کے آدرشوں، تعلیمات کو عام کیا جائے، اور اخلاق کے مجسّمے تیار کیے جائیں جو خدمتِ خلق کی اہمیت کو سمجھتے ہوں۔ اس موقع پر بسویشور کی تعلیمات کا بین الاقوامی سطح پر پرچار کرنے پر زور دیا، اور کہا کہ تعلیمات کو آشرموں، مدرسوں تک محدود نہ کریں۔ اُنہوں نے امبیڈکر کا حوالہ دیتے ہوئے یاد دلایا کہ کس طرح اُنہوں نے لنگایتوں پر تنقید کی تھی کہ بسویشور کو محدود کر رکھا ہے۔

۱۹۸۶ء کے اواخر میں کرناٹک میں جو متنازعہ فیہ مسئلہ لوگوں کو پریشان کر رہا ہے، وہ وینکٹ سوامی رپورٹ کی ریزرویشن پالیسی کے بارے میں ہے۔ کرناٹک کے دو اکثریتی فرقے، وکلّیگا اور لنگایتوں نے اِس پر اپنی ناراضگی، ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا کہ انہیں مستحق ریزرویشن سے محروم کیا گیا ہے، اور اُن کا احتجاج اِسی رپورٹ کے خلاف تھا۔ اس پس منظر میں، سابق ممبر اسمبلی پی رام دیو نے ۲ر ستمبر ۸۶ء کو بنگلور میں ایک سمینار کا اہتمام کیا تھا۔

کڈڈال منجپّا نے صدارت کی، اور نجلنگپّا نے افتتاح کیا۔ دونوں قائدین نے اپنی اپنی ذات کے لوگوں سے اپیل کی کہ وینکٹ سوامی کمیشن کی رپورٹ کے خلاف اپنا احتجاج ختم کر دیں، کہ اس سے پہلے ہی ہاونور اور وینکٹ سوامی رپورٹوں کے خلاف مظاہرے ہو چکے ہیں۔ اُنہوں نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ دراصل کسی بھی طرح کے ریزرویشن کا مطالبہ، سرکاری نوکریوں کو ذہن میں رکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

نجلنگپّا نے نشاندہی کی کہ جس کسی کی سالانہ آمدنی نو (۹) ہزار روپیوں سے زیادہ ہے، اُن کو سرکار کی طرف سے کوئی بھی مراعات نہیں ملنی چاہئیں۔ اس بات کا اعلان کیا کہ اقتصادی کمزوری کو ہی بُنیاد بنا کر مُراعات کا تعیّن ہونا چاہیے۔ بدنصیبی سے ہمارے

ملک کے سیاسی نظام پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایک غریب، کسی نہ کسی طرح اسمبلی کا ممبر اور پھر وزیر بننے میں کامیاب ہو گیا تو وہ ایک خصوصی نظام یا ڈھانچے کا حصّہ بن کر اپنے آپ کو اپنے جیسوں سے دُور کر لیتا ہے، اور اگلے پانچ سالوں تک بہتر ساری سہولیات وآسائشوں کا عادی اس طرح بن جاتا ہے کہ اُس کی رُکنیت کی میعاد ختم ہوتے ہی احساس محرومی کا شکار ہو جاتا ہے، اور رشوت خوری کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اُسی آسائشی زندگی کی طلب میں غلط طریقوں سے روپیہ کماتا ہے، کسی نکتہ چیں نے کھدر کو موٹا، کھردرا بتایا ہے۔ یعنی ''کلپے کپڑا''۔ مگر نجلنگپّا نے اُس نکتہ چیں سے کہا کہ وہ ایسا ہی کپڑا سن ۱۹۲۰ء سے پہنتے آئے ہیں، اور وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ دیگر کپڑوں کی بہ نسبت یہ مضبوط ہے، دیرپا ہے، اور یہ کہ اُن کے پاس کوئی اٹھارہ سال پہلے سلے ہوئے کپڑے ہیں، اور اب بھی قابلِ استعمال ہیں، اور عوام سے کہا کہ یقین نہ ہو تو اُنہیں دیکھ کر اطمینان کر لیں۔

''کیا میں نے صاف ستھری کھادی نہیں پہنی ہے؟'' مسکرا کر اُنہوں نے یہ سوال اس ڈھنگ سے پوچھا کہ سامعین کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

یکم نومبر ۸۷ء کو گلبرگہ کے کنڑا ساہتیہ سمیلن میں ان کی کنڑا کے فروغ کے لئے پیش کی گئی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں، ان کی عزّت افزائی کی گئی۔ اس موقع پر انہوں نے اچھے وزندہ ادب کی، جو جامع تعریف کی، وہ قابل غور ہے۔ انہوں نے کہا کہ حقیقی ادب وہ ہے جو بند آنکھوں کو جاگنے، کھلی آنکھوں والے کو اُٹھ بیٹھنے، بیٹھے ہوئے کو اُٹھ کھڑا ہونے، اور اُٹھ کھڑے ہوئے کو خوشی سے ناچنے پر آمادہ کرتا ہے۔''

اپنے رفیقِ دیرینہ، اُتلیہ گھوش کی یاد میں اُنہوں نے کلکتہ میں ۱۹۸۷ء میں جو تقریر کی، اس کی حیثیت، تاریخی ہے، اُن کا وہ پہلا ''میموریل لکچر'' تھا جس میں اُنہوں نے

کوئی ہریجن بھی ہے؟ اگر ہے تو اُٹھ کھڑا ہو۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں، پر اُن میں سے کوئی اُٹھا نہیں۔ نجلنگپا نے کہا کہ ''شاید ان میں کوئی بھی ہریجن نہیں ہے، تب مجھے اپنے آپ کو ہریجن سمجھ کر خطاب کرنا ہوگا۔'' آپ سے گذارش ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے سہی آپ بھی اپنے آپکو ایک ہریجن سمجھ کر مجھے غور سے سُنیں۔''

اُنہوں نے کہا کہ ملک میں بارہ (۱۲) کروڑ ہریجن ہیں، جو پہلے زمانے میں اپنے گذرِ معاش کے لئے چمار کا کام کرتے تھے۔ دیہاتوں میں مُردہ جانوروں کی کھالیں اُتار کر خام اشیاء کے روپ میں استعمال کرتے تھے، اور اب وہی کھالیں جن سے سَرانڈ پھیلتی رہتی ہے، شہروں میں قائم باٹا اور فلیکس جوتوں کی فیکٹریوں میں پہنچ کر چپل اور شو بن رہی ہیں۔ اس روزگار میں کارخانوں میں مٹھی بھر لوگ ہی کام کرتے ہیں۔ ان کارخانوں کی بدولت دیہات کے بیچارے ہریجن اپنے روایتی روزگار سے محروم ہو گئے ہیں۔ آج ہر کوئی سرکاری ملازمت کا طالب ہے، مگر سرکاری ملازمتیں تو پندرہ فیصد لوگوں کو ہی دی جاسکتی ہیں، اور ان پندرہ میں بھی دو یا تین ہی ان ہریجنوں کو نصیب ہوتی ہیں، مگر سرکاروں نے اس سچائی کو اس لئے دبا رکھا ہے کہ ووٹوں کے حاصل کرنے میں اُنہیں آسانی ہو۔ اُنہیں جھوٹی آس پر زندہ رکھا ہے۔ اُنہوں نے پوچھا کہ اس ریزرویشن پالیسی نے ان کروڑوں ہریجنوں کو کیا دیا ہے۔ جن کو سرکاری ملازمتیں نہیں ملی ہیں، اس لئے ایک ریزرویشن پالیسی بنائی جائے، جس کا اطلاق صرف چند شعبوں میں ہو اور زور اس بات پر ہو کہ لوگ اپنے طور پر روزگار فراہم کر لینے کے اہل بن جائیں۔ اس سے ہریجنوں کیساتھ ساتھ تمام لوگوں کو ملازمتیں ملیں گی، مگر کھالیں صاف کرنے اور جوتے بنانے کا کام ہریجنوں کو ہی نہیں بلکہ ہر کسی کیلئے عام کر دیا جائے، بشمول لنگایتوں اور برہمنوں کے تو، سب کو روزگار ملے گا۔

کا جوڈھانچہ پیش کیا گیا تھا' اس کی بُنیاد' مغربی صنعت کاری کے بھڑ کیلے پن پر ہے......؟

دیہاتوں میں بسنے والے پچھتّر (۷۵) فیصد عوام کو بُنیادی سہولتوں سے محروم کردیا گیا ہے۔ تعلیم جوان کا دستوری حق ہے' اس سے وہ محروم ہیں۔ یہ دلیل پیش کرتے ہوئے کہ زراعت ہی ہندوستانی اقتصادی زندگی کی بنیاد ہے' اُنہوں نے یہ مشورہ دیا کہ اس کا فروغ پوری یکسوئی سے ہو' جیسا کہ کسی کارخانے کا ہوتا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ زراعت کو بھی ایک انڈسٹری کا درجہ دینا چاہئے' اور اس کا فروغ بھی سائنسی طور پر ہو۔ آب رسانی پر عدم توجہی ہے' اس پر تشویش ظاہر کی۔ اُن کے اندازہ کے مطاق زراعت پر سرمایہ لگانے سے اسکا پچیس (۲۵) فیصد واپس ملے گا' جو کہ کسی بھی انڈسٹری میں نہیں ملتا۔ بعدازاں دیہات کے غیر محفوظ وغیر صحت مندانہ ماحول کے بارے میں بتایا' گوبر گیس کی پیداوار کی اہمیت پر بھی زور دیا' اور کہا کہ اس معاملے میں بھی ہندوستان' چین سے بھی بہت پیچھے ہے۔ برقی قوت کی پیداوار پر' از سرنو سوچنے' اور نئی تکنالوجی اپنانے پر' زور دیا۔

''بائیوگیس کے منصوبوں'' کی کامیابی مرکز اور ریاست کے اشتراک سے ممکن ہے ۔اس سے برقی قوت کی مساوی تقسیم میں کافی مدد ملے گی۔ اس میدان میں مزید سائنسی تحقیقات کی ضرورت ہے۔ گاندھی وادی چھوٹی چھوٹی گھریلو صنعتوں کی پالیسی پر دیہات میں بالخصوص عمل پیرائی پر' دھیان دینے کا مشورہ دیا کہ اس سے بیروزگاری دُور ہوگی۔ اُنہوں نے کڑی تنقید کی کہ بے سوچے سمجھے' سرکاروں نے مالداروں' سرمایہ کاروں کے اشتراک سے سازباز سے دھڑا دھڑ کارخانے کھول رکھے ہیں۔ اس سے ان کا اشارہ غالباً نہرو کی صنعتی پالیسی کی جانب تھا' جسے حقیقتاً نو آبادیاتی اقتصادی پالیسی کی توسیع کہا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ آزادیٔ ہند کے بعد ترقی کی بُنیاد عوام کی حقیقی

اتلیہ گھوش کی غیر معمولی صلاحیتوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ ملک کی ڈوبتی اقتصادی کشتی کو کیسے پار لگایا جاسکتا ہے۔ گھوش کے بچوں سے پیار، محبت وشفقت کا خصوصیت سے ذکر کیا۔ بہر حال ایک پیشہ ور ماہر اقتصادیات نہ ہوتے ہوئے بھی ملک کے اقتصادی ڈھانچے کو سدھارنے کے لئے جو نکات اپنی سیاسی زندگی میں وہ تلاش کر سکے وہ قابل تحسین ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ پچھلے چالیس سال کی اقتصادی ترقی نے بھارت کے قصبہ جات وشہروں میں فاصلے پیدا کر دئے ہیں۔ گاندھی جی کا حوالہ دیکر کہا کہ جب تک مالداروں کی طرف سے دولت کی مساوی تقسیم نہیں ہوگی یہ خلیج یوں ہی حائل رہے گی، اور غریب تشدد پر اُتر آئیں گے، اور یہ سلسلہ، طبقات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔

اُنہوں نے متنبہ کیا کہ کسی بھی منصوبے کو روبہ عمل لانے کے لئے تشدد کا استعمال مناسب نہیں ہوگا۔ یہی دراصل گاندھی جی کی تعلیمات کا لب لباب ہے۔ کامیابی اس وقت یقینی ہے، جب اقتدار، نچلی سطح تک اُتر آئے۔

سردار پٹیل کا نام لیکر کہا کہ اُن کا کردار ایک قائد کی حیثیت سے گاندھی جی سے کافی ملتا جلتا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ پٹیل کو دیہاتیوں کے مسائل کا گہرا علم تھا۔

نہرو کا نام لئے بغیر اِشارتاً کہا کہ آزادی کے بعد کی اقتصادی ترقی سے سماج میں ناہمواری جڑ پکڑنے لگی ہے۔ اخلاقیات پر اثر پڑنے لگا ہے۔ دستور ہند کا حوالہ دیکر کہا کہ انسان کے بُنیادی حقوق اور سرکار کی طرف سے وضع کردہ خصوصی احکامات پر معنی خیز غور و خوص اور ایماندارانہ عمل کی ضرورت ہے۔ یعنی ڈائریکٹیو پرنسپلس (DIRECTIVE PRINCIPLES) کا احترام ہو۔ بنیادی حقوق نے منفی آزادی دی ہے تو "ڈائریکٹیو پرنسپلس" نے مثبت آزادی کی نشاندہی کی ہے۔ آزاد بھارت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ یہاں دوسرے عنصر کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ ترقی

کمی سے بھی کافی رقم بچائی جا سکتی ہے۔ اُنہوں نے پلاننگ کمیٹی کے قیام و غیر تسلّی بخش کارکردگی پر بھی گہری چوٹ کی۔ اُن کی پُر مغز تقریر کا اختتام، اِن نکات پر کیا، جن کا ذکر ضروری محسوس ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کو فروغ نہ دیا جائے بلکہ محنت پر منحصر پالیسی لاگو کی جائے۔ اگلے دس سالوں میں دس تا بارہ کروڑ زمین قابلِ کاشت بنالی جائے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جب سرکار کی طرف سے اخراجات، وقت اور پیسہ پر گرفت ہو۔ پیداوار میں، مرکزیت والے یونٹوں کو ڈھیلا کر کے مرکزیت کو فروغ دیا جائے۔ دیہات کو خود مکتفی بنانے کے لئے گاندھی وادی منصوبوں پر عمل کیا جائے، جہاں جہاں ممکن ہو گھریلو صنعتوں پر پوری توجہ دی جائے۔

بائیو گیس کی قوت، انسانی قوت اور بیل گاڑی کے استعمال کو عام کیا جائے۔ اناج وغیرہ دیہات سے بازار لے جانے کے لئے بیل گاڑیوں کا ہی استعمال ہو، تا کہ پٹرول کی کھپت کم ہو جائے۔

رشوت وغیرہ سے حاصل کی گئی غیر مستحق املاک، سرکاری قبضہ میں لے لی جائے، جس کے لئے مؤثر قوانین وضع کئے جائیں، اور ایماندارانہ عمل ضروری سمجھا جائے۔ خطا کار سرکاری ملازمین کو کڑی سزائیں دی جائیں۔ جوابدہی اور سزا سے سمجھوتہ نہ کیا جائے۔ دولت اور اقتدار کی مساوی تقسیم ہو، چند ہاتھوں میں اکٹھے ہونے نہ دیں۔

گاندھی جی اور اُن کے اصولوں، تعلیمات کو یاد رکھیں، اور ان پر سچائی سے عمل کریں۔

"ستیم، شیوم، سُندرَم"۔

نجلنگپّا کے اس یادگاری لکچر کی اہمیت، ایک دستاویز کی سی ہے۔ اس پر پُر خلوص عمل کرنے سے، ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہونے کا قوی امکان ہے۔ ممکن ہے کسی کو اس

ضروریات کو دھیان میں رکھ کر نہیں رکھی گئی ہے۔اس بات کو سرے سے فراموش کر دیا گیا ہے کہ یہاں کی آبادی کم نہیں ہے' اور یہ کہ یہاں ملازمت کے مواقع محدود ہیں۔

نجلنگپّا نے یہ صلاح دی کہ ملازمت کا تعلق سرمایہ سے نہیں بلکہ انسانی محنت و موجودگی سے جوڑا جائے۔تب کہیں غریبی کا مسئلہ روزگار سے جُڑے گا۔دیہات میں قابل کاشت زمینات کی تقسیم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ زمینات کو اقتصادی' اور قابل گرفت حدود تک ہی رکھا جائے۔اس ضمن میں آبپاشی کے لئے کوئی چھ ایکڑ کا حساب لگے گا' اور خشکی کا تناسب بیس تا تیس ایکڑ لگے گا۔یہ بھی کہا کہ اگر کسی کے پاس آمدنی کا کوئی اور ذریعہ ہو تو اسے کاشت کے لئے زمین نہ دی جائے۔نجلنگپّا نے اس منصوبے یا مشورے کو سماج واد کی سمت صحیح قدم بتایا۔

شہروں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہاں انسانی زندگی' ایک عذاب بن کر رہ گئی ہے ۔اس گھٹن سے نجات اُسی وقت ممکن ہے جب کارخانے' شہروں سے ہٹا کر دیہات میں آباد کر دئے جائیں۔خوردنی تیل اور کپڑوں کے کارخانوں پر کنٹرول ضروری ہے۔جہاں چھوٹی چھوٹی مشینوں کا استعمال بہتر ہوگا۔زور دیا کہ ہندوستان کے قریہ جات کو اپنی ضروریات کی فراہمی کے لئے خود مکتفی ہونا ہوگا۔

رشوت خوروں پر گرفت مضبوط کرنے کے لئے کہا کہ سرکاری ملازموں کی سچّی آمدنی اور رشوت خوری سے حاصل شدہ املاک کی تنقیح ہو' عوام کی آمدنیوں پر بھی کڑی نظر ہو' اور اس میں سب کے سب' بشمول وزیر اعظم جوابدہ ہوں۔کالے دھندوں کو سختی سے کچلنے پر زور دیا۔خدمتِ عامّہ پر سرکاری عملہ زیادہ دھیان دے' ورنہ اُن کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے۔اگر سرکاری کارخانے منافع بخش نہ ہوں تو مناسب تدابیر کی جائے گی۔سرکاری خرچ میں کمی اور سرکاری ملازمتوں میں

اُنہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ کرناٹک کے لوگوں نے بڑے بڑے کارخانوں کے قیام کے لئے پہل نہیں کی' بلکہ بیرون ریاست سے سرمایہ داروں کو بُلا کر اپنے ہاں اجازت دیدی۔ ۲۸؍جولائی ۸۸ء کو منڈیا ضلع کے شیوپورا گاؤں میں جہاں پچاس سال پہلے آزادیٔ ہند کی تحریک شروع ہوئی تھی' نجلنگپّا نے قومی جھنڈا لہرایا۔ اتفاق سے وہ ہندوستان کی آزادی کی اکتالیسویں سالگرہ بھی تھی' اور حُسنِ اتفاق سے اس موقع پر ۱۹۳۸ء کی تحریک سے جُڑے ہوئے تگدور رامچند راراؤ' ایم ایس جوشی اور ڈاکٹر پارتھا نارائن پنڈت بھی موجود تھے۔

بار بار' جگہ جگہ جلسوں میں شرکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام سے ملنے' اور تبادلۂ خیال کرنے میں بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا۔ گاندھی جی کی تعلیمات کی آزادانہ تبلیغ کے لئے ایسی ملاقاتیں بہت کارآمد تھیں۔

مگر بدنصیبی سے سن ۱۹۸۸ء اُن کی زندگی کا تاریک ترین سال تھا۔ اِسی سال ۱۰؍اکتوبر کو اُن کی باسٹھ (۶۲) سال کی رفیقِ حیات' بلکہ اُن کی کائنات' مُری گمّا کا بنگلور کے ایک پرائیویٹ نرسنگ ہوم میں انتقال ہوگیا۔ نجلنگپّا کے لئے اپنی بیوی' ریڑھ کی ہڈّی کی سی تھیں۔ اُن کے ایک فرزند کا کہنا ہے کہ اُن کی ماں کی خواہش تھی کہ اُن کی موت ایک سہاگن کی موت ہو' جیسا کہ ہر ہندو بیوی کی خواہش ہوتی ہے۔ وہ بینائی سے محروم ہوگئی تھیں' اور جوڑوں کے درد میں مبتلا تھیں۔ چاہتی تھیں کہ اُن سے کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ ایک زبردست ''عارضۂ قلب'' کے دس دن بعد اُن کا انتقال ہوگیا۔ سُنا ہے کہ نجلنگپّا اپنی طویل زندگی میں دوسری بار' بچوں کی طرح پھوٹ کر روئے۔ حالانکہ اپنے جذبات پر قابو رکھنے میں اُنہوں نے بڑا حوصلہ دکھایا تھا۔ پہلی بار اسوقت روئے تھے جب اُن کی ماں کا انتقال ہوا تھا۔

سے اتفاق نہ ہو، پر، یہ قابل عمل نکات ہیں، بشرطیکہ سنجیدگی سے سوچا جائے۔ چند ایک مشورے جیسے سرکاری عملے میں کٹوتی، ایک قابل ستائش مشورہ ہے۔ پر قابلِ عمل کم ہے، اس میں گاندھی جی کے نظریات وعقائد کی رُوح پوری طرح کارفرما ہے۔ اِن پر عمل در آمد سے ایسا لگے گا جیسے ہمارے مہاتما، پھر سے ہمارے درمیان آ گئے ہیں۔ ہمارے اس نازک دَور میں ان کی تعلیمات کی بہت، بلکہ زیادہ ضرورت ہے۔

۲۳ر مئی ۱۹۸۸ء کو نجلنگپّا نے، بنگلور میں مجاہدین آزادی کی ایک کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ حصولِ آزادی کے چالیس سال بعد بھی ہمارے بیچ سماجی و اقتصادی نابرابری ہے، جس کی ذمہ داری برسراقتدار سرکاریں ہیں۔ حصولِ زر کی ہوس نے سیاستدانوں کو رشوت خور بنادیا ہے۔ ملک کی دولت، چند مُٹھیوں میں بند ہوگئی ہے۔ مرکز اور ریاست کی عدم توجہی سے دیہات میں غربت عروج پر ہے۔

پلاننگ کمیشن کو غریب دیہاتیوں کی حالت کا اندازہ نہیں ہے۔ اُنھوں نے وزیر اعظم راجیو گاندھی سے اپیل کی کہ غریبی دُور کرنے کے لئے مناسب اقدامات کریں۔ ۲۹ر مئی ۸۸ء کو کنڑ دانوں کی ایک کانفرنس کا افتتاح کیا، اور سرکار سے مطالبہ کیا کہ کنڑ دانوں کے مفاد کے تحفظ کے لئے مہاجن اور سروجنی مہیشی کی رپورٹوں پر عمل ہو۔'' ساہتیہ کلا وِدَرابلا گا'' (حلقۂ اربابِ ادب) کی اس کانفرنس میں کہا کہ ترقی کے میدان میں کرناٹک کسی بھی ریاست سے پیچھے نہیں ہے۔

مگر کرناٹک کے عوام سے اپیل کی کہ اُن کی تہذیب، ہندوستانی تہذیب کا نمونہ پیش کرے۔ اُنھوں نے محسوس کیا کہ مہاجن رپورٹ میں کنڑ والوں سے پوری طرح انصاف نہیں کیا گیا ہے، مگر بلگام کو کرناٹک ہی میں بچائے رکھنے کے لئے اُس رپورٹ کا مان لینا ضروری ہو گیا تھا۔

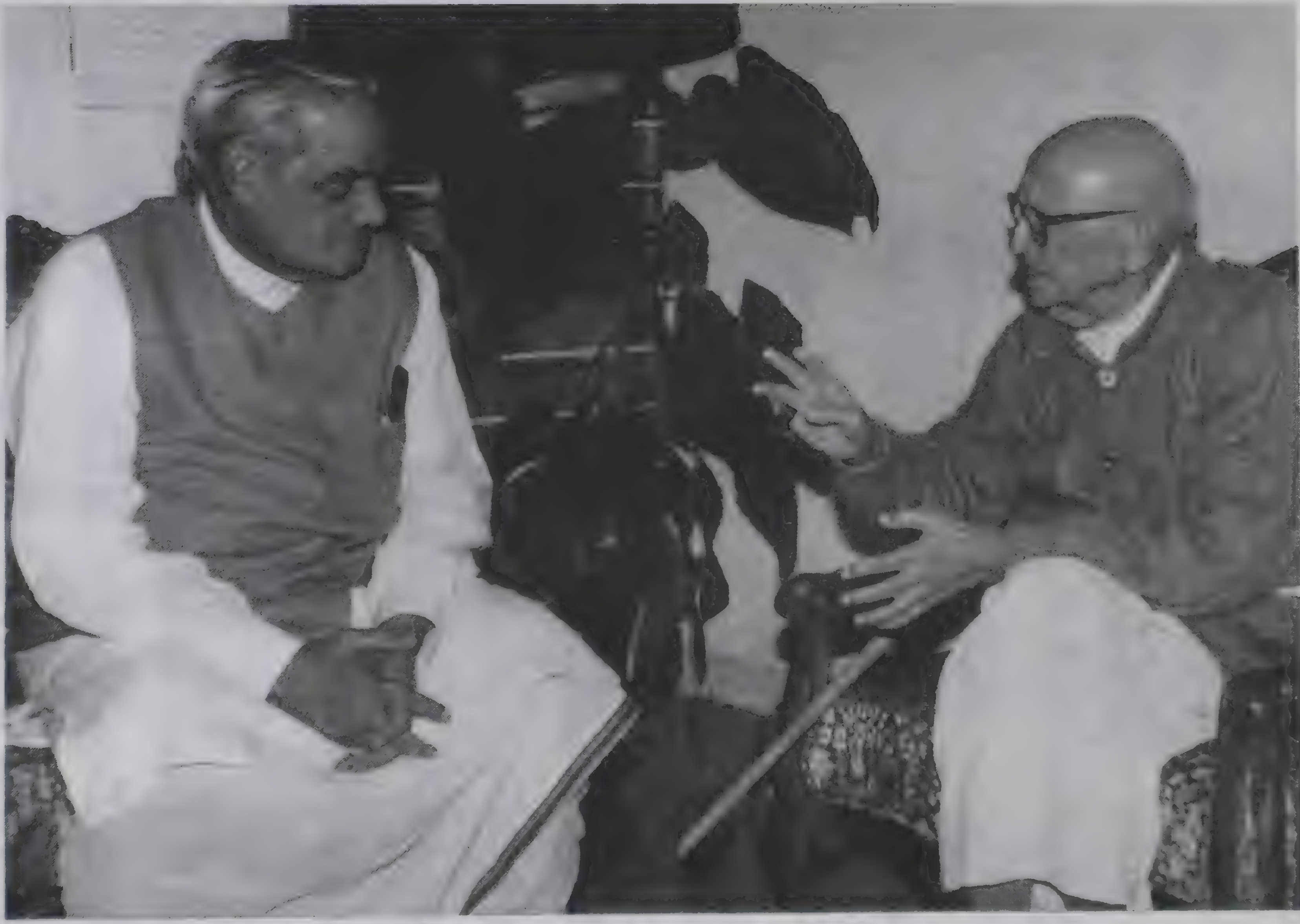

سابق وزیراعظم شری اٹل بہاری واجپائی کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

نجلنگپّا کی بیوی ایک مثالی کردار کی حامل تھیں۔ اُنہوں نے کنڑا میں پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔ کنڑ پڑھ تو لیتی تھیں، پر مشکل سے لکھ سکتی تھیں۔ وہ سادگی پسند اور مجسم صبر و رضا تھیں۔ اُن کے لئے اپنا شوہر اور خاندان ہی سب کچھ تھا۔ انہوں نے سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں لی، مگر اپنے شوہر کو کھُلی آزادی دی۔ یہ بھی نہیں بتایا کہ وہ ایک عظیم وزیر اعلیٰ کی بیوی ہیں۔ ان کا تعاون، غم گساری و خلوص شامل حال نہ ہوتا تو شاید نجلنگپّا سیاسی میدان کے اتنے کامیاب شہسوار ثابت نہ ہوتے۔

وہ مذہبی خاتون تھیں۔ خُدا کی ذات پر کامل بھروسہ تھا۔ زندگی کے نشیب و فراز اُن کے لئے ایک سے تھے۔ ۱۱/اکتوبر ۸۸ء کو چترادرگا کے قریب اُنہیں دفنایا گیا۔ بیوی کے انتقال سے نجلنگپّا کی زندگی میں جو خلاء پیدا ہوا، اُس کی شدت کا احساس صرف نجلنگپّا کو ہے۔ اسی لئے اس سوانح نگار نے اُن کی نجی زندگی کی گہرائی میں جانا مناسب نہیں سمجھا۔

اتنے عظیم سانحہ کے باوجود انہوں نے اپنے سیاسی شعور و کردار کو متاثر ہونے نہیں دیا۔ وہ عوام سے بدستور ملتے رہے۔ ۲/اکتوبر ۸۸ء کو ہبلی کی لائنس کلب میں گاندھی جینتی کے موقع پر کہا کہ ہم نے اُس عظیم ہستی کو فراموش کر دیا ہے، جس نے خون خرابے تشدد کے بغیر بھارت کو یعنی ہمیں آزادی دلائی۔ گاندھی جی کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ شہرت، منصب اور نمائش کے لئے اُن کے پاس کوئی گنجائش نہیں تھی۔ خدمت خلق ہی، اپنا ایمان تھا۔ نجلنگپّا نے گاندھی جی کی تقلید کرنے اور اُن کی تعلیمات کو عام کرنے کی پُر زور اپیل کی۔ سری کرشن بھگوان کا حوالہ دیکر کہا کہ وہ دھرتی پر دھرم کو بچانے کے لئے بار بار آتے رہیں گے۔

نجلنگپّا نے کہا کہ اس سے اُن کا مطلب 'خُدا نہیں' بلکہ انسان ہے، جو وقتاً فوقتاً رام، بُدھ، بسوا، عیسیٰ جیسے لوگوں کے رُوپ میں آتا رہے گا، جن کا منشا صرف ایک ہے، یعنی

مندی کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ ہندو مسلم سب یہاں بھرپور عقیدت سے آتے ہیں۔ اُنہوں نے خواہش ظاہر کی کہ کاش ایسی فضاء ہر جگہ ہو۔

اُنہوں نے جواہر روزگار یوجنا' اور نہرو روزگار یوجنا کو محض ایک انتخابی چال یا کرتب قرار دیا' اور کہا کہ ان منصوبوں کے ساتھ نہرو کا نام جوڑنا مناسب نہیں۔ اس لئے کہ نہرو کو دیہاتی ملازمتوں سے جُڑی ہوئی اسکیموں پر کوئی یقین نہیں تھا۔ گاندھی جی ہی دراصل ایسے منصوبوں کے محرک تھے۔ لہٰذا انہوں نے وزیر اعظم کو لکھا ہے کہ ان یوجناؤں میں نہرو کا نام نکال کر گاندھی جی سے منسوب کر دیا جائے' اور پلاننگ کمیشن کے وائس چیرمین رام کرشنا ہیگڈے نے اس سے اتفاق بھی کیا ہے کہ اس تبدیلی کے امکانات روشن ہیں۔

نجلنگپّا کی سیاسی پارٹیوں سے بیزارگی کا سبب یہ تھا کہ' اس سے فرقہ پرستی' سیاسی ناپائیداری اور غیر یقینی ماحول وجود میں آتے ہیں' اور اس کا بھرپور ثبوت ۱۹۸۹ء کے لوک سبھا کے انتخابات نے دیا' جہاں کوئی بھی پارٹی اکثریت حاصل کر نہیں سکی' گو کہ ۵۲۵ سیٹوں میں کانگریس کو ۱۹۳ سیٹیں ملیں' دوسرے نمبر پر جنتا دل کی ۱۴۱ سیٹیں تھیں' بی جے پی کو ۸۸ سیٹیں ملیں۔

اُن کی نظر میں نوجوان ہرڈیکر منجپّا ایک منبع تحریک تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسے ہوش مند قائد تھے کہ اُنہوں نے کرناٹک کے لنگایتوں کو گاندھی کی تعلیمات اور کانگریس سے قریب لانے میں نمایاں رول ادا کیا۔ اُن میں اعلیٰ درجے کی ذہانت و تنظیمی صلاحیتیں تھیں۔ کنڑ میں سیاست پر بے باگ تبصرہ کرنے میں انہیں جو مہارت تھی وہ کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے۔ انہیں کرناٹکا گاندھی کے نام سے قبول عام حاصل ہے۔ افسوس کہ اُن کی موت آزادی سے قبل ہی ہوگئی۔

بین الاقوامی برادری۔ یہ بھی کہا کہ گاندھی جی اس قبیلے کے سردار تھے۔

۲۲/اکتوبر ۸۹ء کو بنگلور میں نامہ نگاروں سے کہا کہ کسی بھی سیاسی پارٹی کی ان کی نظر میں عزّت نہیں ہے۔ انہوں نے جیوتی بسو اور بی جے پی کے قائدین کو چھوڑ کر تمام سیاسی لیڈروں کی مذمّت کی، اور کہا کہ یہ اُن کی ذاتی رائے ہے، جس سے ان لیڈروں کے نظریات کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی کہ وہ بی جے پی کی فرقہ پرستی، اور انڈین کمیونسٹ پارٹیوں کی مارکسزم کے خلاف تھے۔

اُنہوں نے محسوس کیا تھا کہ سیاست دان، جو ایک خاص طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، رشوت خوری میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے اشارہ کیا کہ تمام وزرائے اعلیٰ حتیٰ کہ وزیراعظم پر بھی رشوت خوری کا الزام ہے۔ اُنہوں نے پوچھا کہ جب یہ صورتِ حال ہے تو بے قصور آخر کون ہے اور کہاں ہے؟

بی جے پی کے قائدین پر رشوت خوری کا الزام تو نہیں ہے، پر اُن کی پارٹی کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ اس لئے کہ اُس پارٹی پر بالراست آر ایس ایس کا تسلط ہے۔ اُنہوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ انتخابات ہوں گے، اور لوگوں کو چاہئے کہ وہ ووٹ ضرور دیں۔ انہوں نے عوام کو نصیحت کی کہ وہ مستحق و اہل امیدواروں کو ہی چُنیں، چاہے وہ کسی بھی پارٹی کے ہوں۔

بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا حوالہ دیکر کہا کہ یہ ایک افسوسناک اِرتقاء ہے، جس سے ملک کی سالمیت و اتحاد کو دھکّہ پہنچ رہا ہے۔ اتحاد، قومی یکجہتی کا واحد حل ہے کہ لوگ بلا لحاظ مذہب و ملّت، ملک میں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر پوری آزادی سے زندگی گذاریں، اور تمام مذاہب کا برابر احترام کریں۔ کرناٹک کے بابا بُڈھن گری کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں ہر مذہب و ملّت کے لوگ اپنی عقیدت

اہتمام قائم کرنے میں بہت دلچسپی لی۔ ۲۷ر فروری ۱۹۹۰ء کو وزیر اعظم وی پی سنگھ کو ایک خط لکھ کر گذارش کی کہ اس انسٹی ٹیوٹ کی ہر ممکنہ مدد کریں۔

جولائی ۱۹۹۲ء کو کاویری ندی کے پانی کی تقسیم کے سلسلے میں کرناٹکا ویدیکے کے کسانوں کی ایک عظیم ریالی سے اُنہوں نے خطاب کیا۔ وزیر اعظم پی وی نرسمہا راؤ سے کہا کہ کاویری کے پانی کے تعلق سے ٹربیونل کی تشکیل غلط ہے۔ دریاؤں کے پانی کی تقسیم کے بارے میں فیصلہ سُنانے کے لئے تین رکنی کمیٹی کا قیام' مناسب رہنما ہدایتوں کے بغیر ہے۔ اس ضمن میں یہ صلاح دی کہ ماہرین کی ایک کمیٹی سے کہا جائے کہ متعلقہ مواد اکٹھا کر کے حل تجویز کریں۔

کرناٹک کی حق تلفی کے لئے مرکز کو ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے عوام کو متنبہ کیا کہ وہ بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائیں۔

اُنہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے انہوں نے آب رسانی کے جو دس پراجکٹ شروع کئے تھے وہ اب تک زیر تکمیل ہیں۔ سوائے کرشنا راج ساگر کے۔ مرکز نے کسانوں کے مفادات کو نظر انداز کر دیا ہے' اور ڈائریکٹیو پرنسی پلس یعنی رہنما ہدایات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ خواندگی اور تعلیم کسانوں سے ابھی بہت دُور ہے۔ رشوت خوری کا بازار گرم ہے' اور کئی لوگوں نے غلط طریقوں سے دولت جمع کر لی ہے۔ انہوں نے تشویش ظاہر کی کہ عدلیہ کا معیار بھی اطمینان بخش نہیں ہے' اور ان کے پاس کافی ثبوت موجود ہیں کہ ٹربیونل کے ممبران بھی رشوت کھاتے ہیں۔

انہوں نے نرسمہا راؤ سے کہا کہ دیوے گوڈا سے ویڈیو کیسٹ حاصل کر کے اطمینان کر لیں۔ تمل ناڈو پر الزام لگایا کہ وہاں غیر منصفانہ طور پر پانی کی تقسیم ہوتی ہے' اس لئے وزیر اعظم کو چاہئے کہ اس کی مناسب تحقیق کرائیں' اور کہا کہ وہ کرناٹک سے

وہ گاندھی جی کے سچّے عقیدت مند و پیرو کار ہونے کے باوجود لوگوں کی نکتہ چینی سے آزاد نہیں تھے۔ ان کی زبردست کنڑ تحریروں کو اکٹھا کر کے کرناٹک یونیورسٹی کے شعبۂ سیاست کے پروفیسر جی۔ ایس۔ ہالپّا نے ایک کتابی شکل دی ہے۔ اس سوانح نگار کا ایک مضمون بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ مَیں نے اُن کے رفیقِ کار کی حیثیت سے یونیورسٹی میں اُن کے ساتھ کام کیا ہے۔

۱۹۹۰ء میں منجپّا کی صد سالہ تقریب منائی گئی، جس میں کرناٹک سرکار کے شعبۂ کنڑا اور کلچر کے زیر اہتمام ایک یادگار تصنیف بھی شائع کی گئی، جس کا عنوان تھا ''کرناٹکا گاندھی، ہرڈیکر منجپّا''...... ۲۱/اپریل ۱۹۹۰ء کو دھارواڑ میں نجلنگپّا نے اس کتاب کی رُو نمائی کی، اور کہا کہ منجپّا پر سری بشویشور کی تعلیمات کا گہرا اثر تھا۔ گاندھی جی کے نظریات سے بھی وہ بے انتہا متاثر تھے۔ (ان دو عظیم ہستیوں کی تعلیمات کا اثر نجلنگپّا پر بھی بے انتہا ہے، مگر منجپّا بھی اپنی آزادیٔ خیال کو آلودہ ہونے نہیں دیا۔ مثال کے طور پر منجپّا کو گاندھی جی کی ''ورنا شرما سکیم'' پر یقین نہیں تھا۔ نجلنگپّا نے افسوس ظاہر کیا کہ ملک میں آج بھی ذات پات کی تمیز عروج پر ہے، اور اس بُرے رواج کو زندہ رکھنے کے لئے آئے دِن بے انصافیاں ہوتی ہی رہتی ہیں۔

نجلنگپّا نے سنسکرت زبان کو ایک عظیم زبان قرار دیا، مگر افسوس ظاہر کیا کہ اسے ایک عام آدمی تک پہنچنے سے روکا گیا، اگر اسے نچلی سطح تک اُترنے کی سہولت دیدی جاتی تو ملک کی تاریخ میں حیرت انگیز تبدیلی آجاتی۔

نجلنگپّا کی سرگرمیوں میں سے، ایک یہ بھی ہے کہ سماجی خدمت کی انجمنوں کو بڑھاوا دیا۔ اُن کو ریاستی اور مرکز سرکاروں سے امداد کی سفارش کی۔ مثلاً کرناٹک کے شمالی کنڑا کے بنواسی گاؤں میں ایک دیہی تربیتی انسٹی ٹیوٹ بنواسی وَلایا ابھیودیا سمیتی کے زیر

نرسمہاراؤ کی سرکار ملک کی ترقی کے لئے نہیں تھی بلکہ اپنی کرسی پر جمے رہنے کے لئے تھی۔ نجلنگپّا نے اپنی طویل خاموشی کے بعد کوئی گھنٹہ بھر خطاب کیا' جس میں نہرو کے نظریات کی حسبِ معمول' مذمّت کی۔ پلاننگ کمیشن کے بارے کہا کہ وہ غیر فعّال ناقص وغیرہ محرک ہے۔ من موہن سنگھ' بس بنکوں کے خادم ہیں۔

نجلنگپّا نے افسوس ظاہر کیا کہ نہرو نے گاندھی جی کو ریا کار و مکّار کہا تھا' کسی قدر طیش میں آ کر انہوں نے کہا کہ ایسا کہہ کر نہرو نے خود اپنا وقار و معیار گھٹا لیا ہے' اور کہا گاندھی جی جیسی شخصیت ہزاروں سال میں ایک بار پیدا ہوتی ہے۔ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ من موہن سنگھ کا نام تو من موہ لینے والا ضرور ہے' پر وہ بنکوں کے خادم ہیں' اُنہیں بھلا ہندوستان کے بارے میں کیا معلوم ہے؟ اِنہیں کیا پتہ ہے کہ اُنہوں نے ملک کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے......؟

اُنہوں نے پلاننگ کمیشن کو فاضل و غیر دستوری بتایا' اور کہا کہ یہ روسی کمیونسٹوں کی نقالی ہے' اور اس کے ممبران وفادار ہیں' صرف اُن کتابوں کے جن کے مصنّف غیر ملکی ہیں' اُنہوں نے کمیشن کی اس پالیسی کی مذمّت کی کہ مشینیں' سرمایہ اور مہارت' غیر ملکوں سے ہندوستان میں بسائی جائے' جبکہ ہمارے ملک میں مہارت' وسائل و ذرائع کی کمی نہیں ہے۔

اُنہوں نے ویرپّا موئیلی سرکار کی تعریف کی' اور کہا کہ وہ اُنہیں زیادہ نہیں جانتے' بس ایک دو بار دیکھا ہے۔ اُن کے کام کی تعریف کی کہ اُن کے پیشرو وزیر اعلیٰ اور چیف سکریٹری مشکوک تھے' اُن لوگوں نے نصف شب کو ہائی کورٹ کے ایک جج کو نیند سے جگا کر کلاسک کمپیوٹرس کے سلسلے میں ایک متوقعیانہ ضمانت ''ANTICIPATORY BAIL'' حاصل کی تھی۔ اس واقعہ میں آپ کچھ بھی

شری بالے کندی کو کرناٹک کا نمائندہ بنا کر بھیجیں گے، اور تمل ناڈو اپنے کسی ماہر کو جائزہ لینے کے لئے بھیجے کہ حقیقت کیا ہے، تاکہ قابل قبول حل ڈھونڈا جاسکے۔

ججوں کے تقرر، اُن کو بیش قیمت تحفہ جات پیش کرنے، اور اُن کی بیویوں کو قیمتی ساڑیاں پیش کر کے سرکار کا روپیہ اور وقت ضائع کرنے کی غیر صحت مندانہ روش کی مذمّت کی۔ ۲۷ر جولائی ۱۹۹۲ء کو کرناٹکا وِکاس ویدیکے، نے کوئی پچاس ہزار کسانوں کی ایک زبردست ریالی کا اہتمام کیا، جس میں شرکت کرنے والے زیادہ تر اُن اضلاع کے تھے جو کاویری کے پانی سے محروم ہونے جارہے تھے۔ اس ویدیکے اور ریالی کے مہتمم دیوے گوڈا تھے، جو اُن دنوں سماج وادی پارٹی کے ایم پی تھے۔

نجلنگپّا نے ریالی سے خطاب کرتے ہوئے پُر امن احتجاج پر زور دیا، اور کہا کہ کرناٹک کا جائز حق لے کر رہیں، اور احتجاج جاری رکھیں، جس میں کاویری اور کرشنا دونوں ندیوں کے پانی کا مسئلہ اُٹھا ہوا ہے۔ اُنہوں نے وزیراعظم پر زور ڈالا کہ تین ماہ کے اندر دریاؤں کے پانی کی مساوی تقسیم کے لئے ایک قومی پالیسی اپنائیں۔ ۳۰ر مارچ ۱۹۹۳ء کو بنگلور میں نجلنگپّا نے نامہ نگاروں سے کہا کہ اس ملک کو مزید تباہی سے بچانے کے لئے ایک تیسری فعال طاقت یعنی پارٹی کی ضرورت ہے، اور کہا ہے کہ ایک طرف کانگریس ہے جس پر نہرو کا زنگ آلود فلسفہ غالب ہے، تو دوسری طرف بی جے پی ہے جو ''ہندوتوا'' کی قائل ہے۔ اُنہوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر بی جے پی برسر اقتدار آگئی تو خطرہ لاحق ہوگا۔ اُنہوں نے سوال کیا کہ کیا ہم لوگ اپنے ملک کو فرقہ پرستوں اور کمیونسٹوں کے حوالے کر دیں؟...... مجھے نہیں معلوم کہ ''ہندوازم'' کیا ہے، مگر بی جے پی کی اصطلاح میں ''مسلمان دُشمن'' ہندوتوا ہے۔ یہ بھی کہا کہ کانگریس موقع پرستوں اور اقتدار کے ہوس مندوں کی پارٹی بن کر اپنا وقار کھوچکی ہے۔

جرنلسٹ گوتم ماچیّا نے نجلنگپّا پر ایک خصوصی فیچر بنایا، جس کا عنوان تھا ''ایک قابلِ احترام محبِ وطن''۔ مصنّف نے ایک مراسلہ میں کہا کہ نجلنگپّا کے عہدِ خزاں میں بھی اُن کے وہ نظریات اب بھی پیچھا کر رہے ہیں، جن کی آبیاری انہوں نے اپنے خون جگر سے کی۔ یہ ایک جامعہ تعریف ہے نجلنگپّا کی، خصوصاً اب جبکہ ملک میں اخلاقی گراوٹ خطرہ کی گھنٹی بجا رہی ہے، ان کی اصول پرستی معنی خیز ہے، اور ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔ رشوت خوری سے وہ خصوصی طور پر بہت نالاں ہیں۔

انہیں اِس بات کا بھی افسوس ہے کہ روایتی اخلاقی ڈھانچے رفتہ رفتہ منہدم ہو رہے ہیں۔ وہ اس لئے کہ آزادی کے بعد لوگوں نے گاندھی جی کی تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے۔

۱۶ر مئی ۱۹۹۴ء کو اس وقت کے کرناٹک کے وزیر اعلیٰ ویرپّا موئیلی کو ایک کنڑ خط میں انہوں نے لکھا کہ بنواسی ہارڈیکر منجپّا کے گھر کو ایک قومی یادگار میں تبدیل کر دیں۔ انہوں نے لکھا کہ نجلنگپّا جب دس بارہ سال کے تھے تو منجپّا کے داونگیر سے شائع ہونے والے مشہور کنڑا جریدہ ''دھنُر دھاری'' سے متعارف ہوئے تھے، اور اُن کے زیر اثر آ گئے تھے، اور ان سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اُن سے اُن کے ذاتی مراسم تھے۔ اس سے پیشتر ایک اور خط میں موئیلی ہی کو بنواسی میں منجپّا کے قائم شدہ اس دیہی ترقیاتی انسٹی ٹیوٹ پر بلا تاخیر توجہ دینے و سرپرستی کرنے کی گذارش کی تھی۔

اس حقیقت کے پیش نظر کہ نجلنگپّا نے سیاسی پارٹیوں کو سرے سے مسترد کر دیا تھا، ان سے اب یہ سوال پوچھنا مناسب لگا کہ اس صورت میں آگے کیا کرنا چاہیے۔ اس کا مُتبادل کیا ہے؟

نجلنگپّا کے قریبی حلقوں سے یہ اشارے ملے ہیں کہ انکے ذہن میں ایک غیر متنازعہ فیہ اجتماعی ذمہ داری قبول کرنے والی سیاسی پارٹی کا خاکہ ہے، جس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ذہن، قابل ترین مشاہیر ہوں۔ یہ

مطلب نکال سکتے ہیں۔ اُنہوں نے مطالبہ کیا کہ رشوت خوری کو سی بی آئی کے حوالے کر دینا چاہئے، اور اُن کی جائیداد ضبط کر لینی چاہئے۔

''بی'' رپورٹوں کے اجراء پر غصّہ کا اظہار کیا کہ یہ ایک افسوس ناک و تشویشناک حرکت ہے۔ غیر ذمہ داری کا نمونہ ہے، جو فی زمانہ عام ہوتا جا رہا ہے۔ اِنہوں نے کہا کہ مَیں عدم تشدّد کا قائل ہوں، پھر بھی جی چاہتا ہے کہ ان سب لوگوں کی پٹائی کروں۔

ایک مندر کے تنازعہ میں، بدن وال گاؤں کے تین ہریجنوں کے لنگایتوں کے ہاتھوں قتل پر افسوس کا اظہار کیا، اور کہا کہ ایک لنگایت ہونے کے ناطے اسے ایک نا قابل برداشت جرم قرار دیتے ہیں۔

اُنہوں نے رائے ظاہر کی کہ مندروں سے پُجاریوں کو ہٹا دیا جائے، اور مندروں میں ہر کسی کے لئے داخلہ عام کر دیا جائے۔ بھگوان اور اس کے عقیدتمندوں کے درمیان کوئی کیوں رُکاوٹ ڈالے۔ اس ضمن میں عظیم مذہبی پیشوا، بسویشور کی تعلیمات کا حوالہ دیا۔ عوام سے اپیل کی کہ ملک میں بڑھتی ہوئی رشوت خوری کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں۔

۶ رجون ۱۹۹۳ء کو اُن کے عقیدتمندوں اور دوستوں نے مل کر ایک قومی فاؤنڈیشن کے قیام کا فیصلہ کیا، یہ ٹرسٹ قومی تعمیر کے کاموں میں دلچسپی رکھے گا، اور اس کی حیثیت رضا کارانہ ہوگی۔ اس کی ۱۱ رجون ۱۹۹۳ء میں رجسٹری بھی کرائی گئی۔ اس کے صدر، ایک نہایت قابل شخصیت، سابق وزیر کرناٹک اور نجلنگپّا کے رفیقِ دیرینہ اے۔ آر۔ بدری نارائن ہیں۔ اس کے نام نجلنگپّا نے ایک پیغام جی۔ بی۔ مہالنگاشٹّی کی معرفت بھجوایا تھا، جس میں اعادہ کیا کہ ملک کے سارے مسائل کا حل گاندھی جی کی تعلیمات میں موجود ہے۔ اُنہوں نے زور دیا کہ بین الاقوامی برادری یعنی ''وشوامانوا'' کا جو تصور کرناٹک کے مشہور زمانہ شاعر کوویمپو نے دیا ہے، اس سے وہ بھرپور اتفاق کرتے ہیں۔

پسند منکسر المزاج اور آئینہ دار شخص کی تصویر اُبھرتی ہے...... کہ انہوں نے زندگی بھر کھانے میں اعتدال پسند کیا نہ پینے کی عادت ہے نہ ہی تمبا کو نوشی کی، کبھی کبھار کسرت کر لیا کرتے ہیں، اور گہری نیند سوتے ہیں۔ ان کی زندگی باضابطہ ہے، اور ہر کام اپنے ڈھنگ سے وقت وقت پر ہوتا ہے۔ صبح سات بجے جاگنا، ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد نہانا، اور پھر روزناموں اور رسائل کے مطالعہ میں مصروف ہو جانا...... اس کے بعد خط و کتابت جو کافی مغزپاشی و وقت کا متقاضی ہوتا ہے۔ دوپہر کو ریڈیو پر نشر ہونے والی موسیقی سے لطف اندوز ہونا...... ان کا اپنا زیادہ تر وقت دیہات سے آئے ہوئے لوگوں کے مسائل سُننے اور ان کا مناسب حل تجویز کرنے پر صرف ہوتا ہے۔ اس کے بعد دوپہر گھنٹہ بھر قیلولہ...... اگر روزمرّہ سیاسی و سماجی زندگی میں کچھ زیادہ ہی اُتھل پتھل نظر آئی تو، پریشانی سے، نصف شب کو جاگ جانا۔

ان کی صرف ایک آنکھ کام کر رہی ہے، دوسری آنکھ ٹھیک تو ہے، پر دُور کی چیزیں دیکھنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ کان تیز تھے، مگر ۱۹۹۵ء کے بعد کچھ اُونچا سنائی دیتا ہے ۔ وہ چاہتے ہیں کہ گاندھی جی کے سارے خواب شرمندۂ تعبیر ہوں، وہ موت سے نہیں ڈرتے، اور کہتے ہیں کہ موت زندگی کی جڑواں بہن ہے، اور ناگزیر ہے، تو ڈرنا کیا۔ پچھلی یا حیات بعد الموت پر یقین نہیں۔ وہ ایک لاادریت کے قائل ہیں، اور کہتے ہیں کہ خدا کے وجود کو تسلیم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ زندگی کو غنیمت و نعمت جان کر خوشی خوشی دن بتالیں، اور خوشی خوشی دنیا سے رُخصت ہو جائیں۔ مرنے کے بعد اجزائے ترکیبی دیگر عناصر میں شامل ہو جائیں گے۔ بس!

اُن کی انکساری دیکھئے کہ انہوں نے گنگو بائی ہانگل اور کو ویمپو کے ساتھ ہمپی میں کنڑا یونیورسٹی کی اعزازی ڈگری ''ناڈوجا'' قبول فرمائی۔

ایک ایسی انجمن ہے جو نیشنل کانسن سیس'' کے خطوط پر ہو' جس کے پیچھے من موہن سنگھ اور سیشن کی کوششیں کارفرما ہیں۔

مگر نجلنگپّا نے تا حال اس نظریہ پر مزید روشنی نہیں ڈالی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ خیال ایک قومی سرکار بنانے کا ہے' جسے جے پرکاش نارائن نے ''بنا پارٹی جمہوریت'' کا نام دیا تھا' یہ اور بات ہے کہ اس نظریہ کو سیاسی سطح پر سنجیدگی سے قبول نہیں کیا گیا ہے' مگر یہ ہے قابل غور۔ اس پر چھان بین ضروری ہے۔

نجلنگپّا نے زندگی بھر زرعی پیداوار میں اضافہ' اور آب رسانی کی بہتر موثر سہولیات فراہم کرنے کی فکر کی۔ یہ اُن کے محبوب منصوبے رہے ہیں۔ اسی شدّت کے پیش نظر انہوں نے وزیر اعلیٰ دیوے گوڑا کو نصیحت کی کہ ہر کسی کے مفادات کے لئے کسانوں کو بلا ٹوک برقی قوّت فراہم کریں' اور اس کی قیمت ادا کرنے کے لئے کسانوں کو بھی آمادہ کیا جائے۔ یہ نصیحت' اس وقت دی گئی جب گوڑا نے ان سے بنگلور میں ملاقات کی۔ گوڑا سے کہا گیا کہ جو بھی نامکمل پراجکٹ ہیں' اُن سب کو جلد سے جلد پورا کر لیا جائے' تو گوڑا نے ذاتی طور پر دلچسپی لینے کا وعدہ کیا کہ وہ مکمل کر لئے جائیں گے۔ برقی قوّت کی زیادہ پیداوار کو افضلیت دینے کا بھی وعدہ کیا۔

شاید یہ ہماری گفتگو جلد ہی ختم ہونے جا رہی ہے' پھر بھی سوانح نگار نے محسوس کیا ہے کہ عوامی تاریخ ساز ہستی نجلنگپّا کے پیچھے چُھپے ہوئے اس شخص کو بھی عوام کے سامنے پیش کیا جائے جو خالص نجلنگپّا ہے۔ ان کی نجی زندگی کو اب تک نظر انداز ہی کیا گیا ہے' مگر یہ سراسر بے انصافی ہوگی۔ لہٰذا کوشش ہوگی کہ چند جھلکیاں اُن کی زندگی کے اہم ذاتی پہلوؤں کی بھی دکھائی جائے۔ خوش نصیبی سے ۱۹ر مارچ ۹۵ء کو انہوں نے خود کنڑا ہفتہ وار ''کرما ویرا'' کو دئے گئے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ اس سے اُن کی ایک اعتدال

اُن کے خاندان کے بارے میں ان کے ایک صاحبزادے نے حسبِ ذیل معلومات فراہم کی ہیں، کہ اُن کی بڑی لڑکی پاروتمّا ہے، جن کی عمر ۶۸ سال ہے۔ اُنکی تعلیم میٹرک تک ہوئی، ان کی شادی ہبلی کے ایک چائے کے بیوپاری وٹھیکہ دار مہالنگ شٹّی سے ہوئی، جن کا ایک سال پہلے انتقال ہوگیا۔ اُن کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اُنہوں نے اپنے بھائیوں راج شیکھر اور اوما کانت کے ساتھ مل کر ''کنڑ اواگی کرُتاپدَا کوشا'' تصنیف کی ہے۔

دوسرے ین۔ اُوما کانت ہیں، جن کی عمر سڑسٹھ سال ہے، فزکس میں یم ایس سی کرنے کے بعد کرناٹک یونیورسٹی دھارواڑ میں فزکس کے پروفیسر کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کے بعد حال ہی میں وظیفہ پایا ہے، وہ کنوارے ہیں۔

تیسرے راج شیکھر ہیں، جن کی عمر ۶۵ سال ہے، اور جنہوں نے پی یوسی تک تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ زراعت پیشہ تھے، مگر اب کچھ نہیں کر رہے ہیں، وہ بھی کنوارے ہیں۔ اپنے باپ کیساتھ چترادرگہ میں رہتے ہیں، اور ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ انہوں نے کوویمپو کی معرکتہ الآرا تصنیف ''رامایناد رشَنم'' کو کنڑ انثر میں منتقل کیا ہے۔ ہندی تصنیف ورگی کرُتاپدا کوشا کے بھی معاون مصنّف ہیں۔ اپنے بھائی اوما کانت کے ساتھ مل کر میٹرلنک کے ڈرامے ''بلُو برڈس'' کا کنڑ امیں ترجمہ کیا ہے۔

چوتھی انوشیا ہیں جن کی عمر ۶۳ سال ہے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ بنگلور کے ڈاکٹر جی چندر شیکھرپا سے شادی کی، شوہر کا چند ماہ پہلے انتقال ہوگیا، اُن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔

پانچویں گورمّا جن کی عمر ۶۲ سال ہے۔ پی یوسی تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد نجلنگپّا کے رفیقِ دیرینہ وطالب العلمی کے عہد کے مُربّی وبہی خواہ ساہوکار بھدرپّا کے

اہلیہ شریمتی مُری گما، چھ بیٹیوں اور تین بیٹوں کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

۳؍نومبر ۹۵ء کو کرناٹک کے وزیر اعلیٰ دیوے گوڑؔا نے صنعت کاروں‘ کسانوں سے اپیل کی کہ برقی قوت کے نرخوں میں اضافہ کے لئے امکان بھر تعاون کریں۔ بنگلور میں ودھان سودھا کے روبرو کسانوں سے خطاب کرتے ہوئے گوڑؔا نے تجارتی فصلوں کی بہتر پیداوار کے محرک کسانوں کو ’’قابل ترین کسان‘‘ انعامات کی تقسیم کی۔ اس موقع پر دیوے گوڑا نے کہا کہ محکمہ برقی قوت کو سات سوتیں کروڑ کا نقصان ہو رہا ہے۔ یہ بھی کہا کہ نرخوں کے اضافے کے سلسلے میں اب تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا ہے۔ اُنہوں نے یقین دلایا کہ وہ صنعت کاروں سے زیادہ بوجھ برداشت کرنے اور کسانوں سے کم بوجھ اٹھانے کی اپیل کریں گے۔ نجلنگپّاؔ نے اس جلسہ میں شرکت کی‘ اور کہا کہ مرکز کو چاہئے کہ ریاست میں آبیاری کے تمام پراجکٹ مکمل کرے‘ جن کو عرصہ سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا کہ مرکز نے ریاستی پالیسی کی رہنما ہدایات کو عملی جامہ نہیں پہنایا ہے۔ اس لئے یہ خراب صورتِ حال ہے۔ اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ وزیر اعلیٰ کا عہدہ انہوں نے نہ چھوڑا ہوتا تو‘ اپّر کرشنا پراجکٹ کوئی پندرہ سال پہلے ہی مکمل ہو گیا ہوتا۔ اُنہیں اس بات کا فخر ہے کہ سب سے بڑا اشراوتی پراجکٹ اُنہوں نے صرف چھ سال کی قلیل مدّت میں مکمل کرالیا‘ اور یہ پراجکٹ ایشیاء کا سب سے بڑا پراجکٹ ہے۔

۱۹۹۵ء کے اواخر میں حکومت کرناٹک کی جنتا سرکار نے اعلان کیا کہ چنڈی گڑھ کے خطوط پر ایک نیا شہر نجلنگپّاؔ کی خدمات کے اعتراف میں اُن کے آبائی وطن میں بسایا جائے گا‘ اور اُس کا نام نجلنگپّاؔ نگر یا نجلنگا پورہ رکھا جائے گا۔ ۳۰؍دسمبر ۹۵ء کو ملک کی سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس ای۔ ای۔ وینکٹ رامیّا نے تعلقہ کا دورہ کیا‘ اور وہاں ایک ہزار ایکڑ زمین کا انتخاب کیا‘ جو بلاری ضلع کے ہڈگلّی سے کوئی چھ کلومیٹر دُور کوالیراگٹّی کے پاس ہے‘ کرناٹک کے دیہی ترقی کے شعبے کے وزیر ایم پی پرکاش‘

بیٹے ایس۔وی۔ پرمیشور سے شادی کی' جو انشورنس کمپنی میں ایک افسر تھے۔ان کا انتقال ہوئے کوئی پندرہ سال ہو گئے ہیں' اُن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔

چھٹویں بیٹی کا نام گری جَما ہے' اُن کی عمر اٹھاون سال ہے۔انہوں نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔مرلا واڈی کے ایم۔وی۔راج شیکھرن سے شادی کے بعد بنگلور میں مقیم ہیں۔راج شیکھر منیلا میں قائم شدہ بین الاقوامی انسٹی ٹیوٹ فار ڈیولپمنٹ کے چیر مین ہیں۔اُن کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔

ساتویں پرتبھا ہیں' جن کی عمر ۵۴ ہے۔اُنہوں نے یم ایس سی کرنے کے بعد' آئی اے ایس افسر ایس۔بی۔مُدپّا سے شادی کی' جو حال ہی میں حکومت کرناٹک میں چیف سکریٹری کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔پرتبھا بنگلور کے ایک کالج میں لکچرر ہیں۔اُن کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔پرتبھا نے ''باٹنی'' میں ایک نصابی کتاب تحریر کی ہے۔

آٹھویں کرن شیکھر ہیں۔جنہوں نے ''ایل یونیورسٹی'' سے فنِ تعمیر میں ماسٹرس ڈگری لی ہے۔اُن کی عمر باون سال ہے' اور فی الحال حکومت کرناٹک میں چیف آرکی ٹکٹ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔نجلنگپّا کے بیٹوں میں صرف اس بیٹے نے شادی کی ہے۔انکا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔سب سے چھوٹی پورنیما ہے۔عمر پچاس سال ہے۔بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔انہوں نے ڈاکٹر جیا اسلُور سے شادی کے بعد کناڈا میں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔اُن کے دو بیٹے ہیں۔

غرض پوتوں اور پوتیوں' نواسے اور نواسوں سے بھرا پُرا اُن کا یہ خاندان نجلنگپّا کو بہت پسند ہے۔بچوں کے ساتھ کھیلنے اور اُن کے ساتھ رہنے میں بے حد خوشی محسوس کرتے ہیں۔وہ جب بھی سفر پر جاتے ہیں' ان کے ایک رشتہ دار بھائی مرحوم ایس گرونا تھ کے بیٹے' ایس۔جی۔منجوناتھ اُن کی دیکھ بھال کے لئے ان کے ساتھ رہتے ہیں۔

کیلئے مرکز کو آڑے ہاتھوں لیا کہ یہ سپریم کورٹ کی ہدایات کے عین مطابق ہے' گو کہ تکنیکی طور پر حق بجانب نہیں ہے۔

مختلف گھپلوں اور افسران اعلیٰ کی رشوت خوری و جرائم کا ذکر کیا' اور کہا کہ نہ صرف تمام سیاسی پارٹیاں بلکہ سرکاریں بھی بے حس ہو کر رہ گئی ہیں۔ اُنہوں نے پیشین گوئی کی کہ اس بے جا گروہ بندیوں کے سبب کوئی بھی سیاسی پارٹی اکثریت حاصل نہیں کر سکے گی ۔(یہ پیشین گوئی سچ نکلی)۔

تو اس کا تدارک کیسے ہو؟...... کمیونزم اور بی جے پی کی فرقہ واریت اسکا حل نہیں دے سکتے۔ اس لئے صرف اس پارٹی کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں جو لادینی جمہوریت میں یقین رکھتی ہو۔ مگر ایسی پارٹی ہے کہاں؟...... یہ حقیقت ہے کہ ایسی کوئی پارٹی فی الحال موجود نہیں ہے۔ یہاں پہنچ کر نجلنگپا نے اپنے ۱۹۹۰ء کے پُرانے موضوع کی یاد دلائی کہ اِن حالات میں صرف ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ پُرانی کانگریس میں نئی روح پھونکی جائے ۔ یہ وہ پارٹی تھی جس نے ملک کو آزادی دلائی' اور جس نے ملک پر بیس سال تک حکومت کی' اور وہ کانگریس' گاندھی جی کی تعلیمات پر چل سکتی ہے۔ مزید گہرائی میں گئے بغیر' یہ اشارہ دیا کہ نہرو کے ماڈل کو مسترد کر دیا جائے۔

نئی اور پُرانی کانگریس مل کر انتخابات لڑیں' اور پُرانی کانگریس کی قیادت میں سرکار چلائیں۔ یہ صلاح دی کہ ہر حلقہ سے ایک قابل شخص کو منتخب کیا جائے جو کسی بھی پارٹی کا نہ ہو۔ یہ بھی کہا کہ فی الحال اس کا امکان نہیں ہے۔ تاہم پُرانی کانگریس سے یہ اُمیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔ نجلنگپا کا یہ خیال ظاہراً دلکش تھا' مگر ناقابل عمل تھا۔ اس لئے کہ سنجیدہ نظریات' اور تنظیم کی دشواریاں درمیان میں رکاوٹ بن ہی گئیں۔

کچھ دِن پہلے اس سوانح نگار نے اس موضوع اور عملی دشواریوں پر نجلنگپا سے تبادلۂ

وینکٹ رامیّا اس زمین کے معائنہ وانتخاب کے دوران ہمسفر تھے۔

بعد ازاں، وینکٹ رامیّا نے نامہ نگاروں سے کہا کہ یہاں جو نیا شہر آباد ہوگا، اِس کی حیثیت کرناٹک کے دوسرے صدر مقام کی ہوگی، تاکہ بنگلور پر دباؤ کم ہو۔ شہر کا تعمیری کام، بلاری ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے زیر نگرانی ڈیولپمنٹ اتھارٹی کو سونپا جائے گا۔ وزیر پرکاش نے کہا کہ اس خطۂ اراضی پر ایک مقامی رہائشی اسکول اور ایک اگریکلچرل ریسرچ مشن بھی قائم کیا جائے۔ وزیر موصوف نے کہا کہ حکومت قرب وجوار کے دیہات کو پینے کا پانی سپلائی کرنے کے لئے ایک کروڑ روپے فراہم کرے گی۔

بلاری ضلع میں اُس جگہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ نجلنگپّا کا وہی آبائی وطن ہے، اور جغرافیائی اعتبار سے ریاست کا مرکز بھی ہے۔

۱۹۹۶ء میں ہونے والے انتخابات سے نجلنگپّا کے اندر کا سیاستدان انگڑائیاں لیکر بیدار ہونے لگا ہے۔ یہ کسی سیاسی پارٹی کی ایماء یا تحریک پر نہیں ہوا ہے، بلکہ اس کی تحریک اُن کے اندر کے ضمیر وشعور کی بیداری کی باعث ہے۔ جسے ایک سچے محبِ وطن کے جذبات پر محمول کرنا بہتر ہوگا۔ اِسی لئے اُنہوں نے شہریوں، قائدین، سیاسی پارٹیوں سے ایک بیان کے ذریعے اپیل کی کہ اس موقع کی اہمیت کو سمجھیں، اور کچھ کر دکھانے کا عزم کریں۔ پارٹیوں اور ان کے اندرونی اختلافات کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ سیاست میں ہر طرح کے جرائم بے دریغ داخل ہوگئے ہیں۔ سرکاری ملازمین کو آڑھے ہاتھوں لیا کہ وہ بے جا ہڑتالوں سے گُریز کریں۔ عوامی زندگی کے ہر شعبہ میں رشوت کی مذمّت کی، اور کسانوں کی بہتری کے لئے زور لگانے کو کہا کہ دیہات میں غُربت و بیروزگاری، بڑھتی ہی جارہی ہے۔ اس کا بڑا سبب زراعت پر عدم توجّہی ہے۔ مرکزی حکومت کی رہنما ہدایات سے غفلت کی مذمت کرتے ہوئے ذمہ داری کا ثبوت دینے

سِدگنگا مٹھ کے شری شوکمار سوامی جی اور سابق وزیر اعلیٰ کرناٹک شری جے۔ ایچ۔ پٹیل کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

خیال کیا تو انہوں نے اتفاق کیا، مگر اُمید ظاہر کی کہ خاموش رہنے سے بہتر ہے کہ سنجیدگی سے شروعات کی جائے، آزمائش شرط ہے، اور اس کے لئے وقت درکار ہے، اور یہ تصور نیا نہیں بلکہ جنتا سرکار کے دوران، ایس۔ کے۔ پاٹل نے یہ تجویز رکھی تھی۔

۲۱/جنوری ۹۶ء کو بنگلور میں نامہ نگاروں سے خطاب کرتے ہوئے نجلنگپّا نے اس نظریہ کو دُہرایا کہ تمام کانگریسی ایک جھنڈے تلے پھر سے آجائیں، اور مل کر الیکشن لڑیں۔ اُنہوں نے صلاح دی کہ پی وی نرسمہاراؤ، رام کرشنا ہیگڈے اور بومائی اس سلسلے میں پہل کریں تو بہتر ہے، مگر واضح کیا کہ وہ پہل نہیں کریں گے۔ ایک نجی ملاقات کے دوران، وزیر اعلیٰ دیوے گوڈا نے بھی اس خیال سے اتفاق کیا۔ نجلنگپّا کو بی جے پی سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال میں تھوڑی سی رکاوٹ تھی، گو کہ اس پارٹی کے نظریات سے وہ متفق نہیں تھے، تاہم اسکے قائدین کی ایمانداری پر ان کو شک نہیں تھا۔

حوالہ کیس میں سی بی آئی نے جب اڈوانی پر فردِ جرم عائد کی تو اُنہوں نے لوک سبھا سے استعفیٰ دیدیا۔ اُنکا یہ فیصلہ نجلنگپّا کو پسند آیا، اور کہا کہ نرسمہاراؤ بھی انہی خطوط پر عمل کریں تو کیا ہی اچھا ہو۔ نجلنگپّا کی نظر میں سونیا گاندھی ایک موثر قائد نہیں ہیں۔ اُنہوں نے اُنہیں ایک عام خاتون کہا، جن میں کوئی خاص قابلِ ذکر صلاحیتیں نہیں ہیں۔

نجلنگپّا کی تجویز سے نامہ نگاروں نے شہ پاکر پوچھا کہ حوالہ کیس میں بہت سارے پُرانے کانگریسی بھی ملوث ہیں تو کیا کیا جائے؟ جواباً نجلنگپّا نے کہا کہ ایسے اور بھی بہت سارے کانگریسی ہیں جو ملوث نہیں ہیں۔ اس کے بعد ایک غیر معمولی، ناقابل عمل بات کہی کہ وہ بی جے پی کے لیڈروں کو پُرانی کانگریس میں شامل ہونے کی دعوت دینگے۔

بڑھتی ہوئی رشوت خوری، سیاست میں جرائم کی دخل اندازی، فرقہ پرستی، نابرابری اور دوسری برائیوں سے وہ سخت نالاں تھے۔ بے جا ریزرویشن پالیسی کے بھی بہت خلاف تھے۔

کہ سرگرم سیاستدانوں میں اب بھی اُن کا کس قدر اثر ورُسوخ اور وقار تھا۔

۱۹ر جون ۹۶ء کے انڈین ایکسپریس نے نجلنگپّا کی ''گیسٹ چیئر کالم'' میں تفصیلی گفتگو شائع کی ہے۔ انہوں نے دیوے گوڈا کے وزیر اعظم بننے پر خوشی کا اظہار کیا' اس لئے کہ وہ کرناٹک کے ہیں' اور دوسرا یہ کہ اُنہیں زراعت سے دلچسپی ہے' مگر اُنہیں خدشہ تھا کہ کانگریس اُنہیں اپنی پوری میعاد مکمل کرنے نہیں دیگی۔

۱۹۶۹ء کی پھوٹ کا حوالہ دیتے ہوئے اُنہوں نے ایک بار پھر اندرا گاندھی کو بے اُصول بتایا۔ اندرا گاندھی نے باطل کا ساتھ دیا تو نجلنگپّا نے سچّائی کا۔ خود اپنے سیاسی سفر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کانگریس میں پھوٹ کے بعد پُرانی کانگریس جنتا دل میں ضم ہونے تک وہ پُرانی کانگریس کیساتھ ہی رہے۔ اب ان کا خیال تھا کہ انہیں کوئی بھی پارٹی ایسی نظر نہیں آرہی ہے جو قابلِ قبول ہو' اور یہ کہ گوڈا کے قومی سیاست میں داخلے سے کرناٹکا کا قومی سیاست میں رول بڑھ گیا ہے۔ اُنہوں نے کرناٹک کو گروہ بندی سے پاک ریاست بتایا' جس کو گاندھی جی نے ''اپنا صوبہ'' کہا تھا۔ کرناٹک نے گاندھی جی کی تحریکِ آزادی کو نہایت ذمہ داری وکامیابی سے آگے بڑھایا تھا۔ مگر ۱۹۴۷ء کے بعد' کرناٹک خود اپنے ہی چھوٹے موٹے کھیلوں میں ملوث ہوکر رہ گیا ہے۔

یو پی کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ بھارت کے اکثر وزیر اعظم اُسی علاقے کے ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ آوڈی کی بے معنی سماج وادی طریقۂ معاشرت والی قرارداد کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ کسی بھی پارٹی کے پاس اقتصادی مشکلات کو دُور کرنے کا کوئی ٹھوس پروگرام نہیں ہے۔ انہوں نے دیہاتیوں اور شہریوں میں پائے جانے والے عدم توازن کا حوالہ دیا' اور کہا کہ بھارتی شہری' ہر میدان میں دیہاتیوں سے آگے ہیں۔ پر' اُمید ظاہر کی کہ حالات سدھریں گے' اور یہ کہ اُنہیں سُدھرنا ہی چاہیے۔ یہ

۲۰ رجون ۹۶ء کو انڈین ایکسپریس کے نامہ نگاروں کو دئے ایک انٹرویو میں' انہوں نے کہا کہ موجودہ سیاسی صورتِ حال پر ان کی گہری نظر ہے۔ بتایا کہ دیوے گوڈا اور رام کرشنا ہیگڈے کی ذاتی دشمنی کا اثر مرکزی و ریاستی سرکاروں پر پڑے گا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہیگڈے کو پارٹی سے خارج کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ یہ دراصل دو افراد کی دشمنی کا پھل ہے' جبکہ ہیگڈے کو کوئی وجہ بتاؤ نوٹس تک جاری نہیں کیا گیا کہ صفائی پیش کر سکیں۔ ویسے ہیگڈے کو بھی آڑے ہاتھوں لیا کہ انہوں نے اخباری بیانات دیکر فضا مکدر کر دی۔ یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ جنتا دل کے اندرونی اختلافات سے فائدہ بی جے پی اور کانگریس کا ہوگا۔ جو آگے چل کر مرکز کی سرکار یعنی یونائٹیڈ فرنٹ پر ضرور پڑے گا۔ اس لئے گوڈا اور ہیگڈے کے اختلافات کو ختم ہونا ضروری ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ کرناٹک کے وزیر اعلیٰ جے ایچ پٹیل نے دلّی جانے سے قبل اس سلسلے میں فون پر گفتگو کی ہے' اور حامی بھری ہے کہ ان کے نظریات وخیالات کا گوڈا سے ذکر کریں گے۔ ہیگڈے نے بھی ایک گھنٹہ تک ان سے اسی موضوع پر تبادلۂ خیال کیا ہے۔ نجلنگپا نے محسوس کیا کہ ہیگڈے سمجھوتہ کرنے اور گوڈا سے مل کر حل نکالنے کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔

- نجلنگپّا نے اُمید ظاہر کی کہ گوڈا بھی ان کی نصیحت کا خیر مقدم کریں گے۔ نجلنگپّا نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے ہیگڈے سے اپنے حمایتیوں کے مجوزہ کنونشن روکنے کے لئے کہا' پر ہیگڈے نے جواب دیا کہ یہ ممکن نہیں ہے' اور حمایتی اڑے ہوئے ہیں۔ ہیگڈے کے ساتھ جو اہم شخصیتیں ان سے ملنے آئیں' ان کے نام وزیر کرناٹک یم پی پرکاش' آر وی دیش پانڈے' پی جی آر سندھیا' اور ریاستی جنتا دل کے کارگذار صدر روجے لکشمی ساگر تھے۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ سیاست میں نجلنگپّا نے کس قدر دلچسپی لی' اور یہ

کا مطالبہ کر رہے تھے، تاکہ پُرانی کانگریس میں داخلہ کے لئے راہ ہموار ہو سکے۔ نجلنگپا کا اصرار تھا کہ راؤ کو اخلاقی بُنیاد پر اپنے عہدہ سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے دلّی کا سفر کیا، اور وزیر اعظم دیوے گوڑا سے بھی ملاقات کی۔ اُنہوں نے یاد دلایا کہ کس طرح انہوں نے نہرو کی ایک بالراست شکایت پر ۱۹۵۷ء میں کرناٹک کے وزیر اعلیٰ کے منصب سے استعفیٰ دیدیا تھا۔ نہرو نے شکایت اپنے ایک قاصد کی معرفت بھجوائی تھی کہ ان کی سرکار کی کارکردگی اطمینان بخش نہیں ہے۔

نجلنگپا نے نامہ نگاروں سے کہا کہ مَیں نے فوراً سفید کاغذ منگوایا، اپنا استعفیٰ تحریر کیا، اپنی کار منگوائی، اور چل پڑا۔ جب پوچھا گیا کہ پُرانی کانگریس کے احیاء پر کون اس کی باگ ڈور سنبھالے گا؟ تو نجلنگپا نے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ بنگلور کا کنونشن کرے گا۔

نجلنگپا اقتدار کی مرکزیت کے خلاف تھے۔ اس لئے انہوں نے وزیر اعظم اور صدر کانگریس کے عہدوں پر ایک ہی شخص کے جمے رہنے کو پسند نہیں کیا۔ بنگلور کنونشن بلانے والے یونائیٹیڈ کانگریس فورم کے صدر نجلنگپا تھے، تو نائب صدر چودھری رنبیر سنگھ تھے، جو نجلنگپا کی طرح پُرانی کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے رکن رہ چکے تھے، ان کا تعلق ہریانہ سے تھا۔

اس کنونشن کے سرکاری کنونیر اور کانگریس (I) کے عہدیدار سیّد اشرف تھے، جو وی پی سنگھ کے معاون رہ چکے تھے۔ فورم نے پُرانے کانگریسیوں اور حمایتیوں کی ایک بڑی تعداد کو اس کنونشن میں دیوے گوڑا، نرسمہا راؤ، آر وینکٹ رامن، سی سُبرامنیم، ڈاکٹر کرن سنگھ، چندر شیکھر، شرد پوار، ارجن سنگھ، کرونا کرن، حتیٰ کہ سونیا گاندھی کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ مدعوئین میں بہت سے وہ لوگ بھی تھے جو کانگریس میں رہتے ہوئے بھی نرسمہا راؤ کے مخالف تھے، مگر حقیقت یہ ہے کہ تا حال اس تجویز کو کوئی ٹھوس شکل نصیب نہیں ہوئی، گو کہ نجلنگپا نے جو ازلی امید پرست ہیں۔ (اگر کوئی ہے تو صرف

افسوس بھی ظاہر کیا کہ ہم نے مغرب کی تقلید میں گاندھی جی کے اُصولوں کو فراموش کر دیا۔ نہرو کو وہ اچھا آدمی سمجھتے تھے۔ پر اُن کی پالیسیوں کو پسند نہیں کیا کہ نہرو نے زراعت اور دیہات کو نظر انداز کیا تھا' اور گاندھی ازم کو فراموش کر کے' روس کی تقلید کی تھی۔ نجلنگپّا نے کہا کہ کمیونزم کی مغرب میں بھی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ انہوں نے بائیں بازو کی پارٹیوں کی تنقید کی کہ ان کے پاس واضح پروگرام نہیں ہیں۔ بی جے پی کو ان کی فرقہ پرستی کی بناء پر لتاڑا۔ آگے چل کر کہا کہ عام شہری اپنے حقوق سے واقف تو ہے' پر اس کے مؤثر استعمال سے ہنوز ناواقف ہے۔

ہمیشہ کی طرح انہوں نے ڈائرکٹیو پرنسپلس کے مکمل و موثر نفاذ پر زور دیا کہ اس سے ایک مضبوط قومی زندگی کی بُنیاد پڑے گی۔ نجلنگپّا نے سرّیتا رائے سے تفصیلی بات کی' جنھوں نے ان کے خیالات کو قلمبند کر کے منظوری کے بعد شائع بھی کیا۔

پُرانی کانگریس کے احیاء کی فکر ہمیشہ دامن گیر ہوتی تھی۔ اس لئے انہوں نے نرسمہا راؤ سے بھی اپیل کی کہ وہ صدر کانگریس کے عہدے سے ہٹ جائیں۔ بعد ازاں ان تمام لوگوں سے جنہوں نے ۱۹۶۹ء میں کانگریس سے ترکِ تعلق کیا تھا' اپیل کی کہ پھر سے اس کے جھنڈے تلے آجائیں۔ وہ چاہتے تھے کہ کانگریس میں پھر سے بھرپور اتحاد آجائے...... نہ صرف اُنہوں نے کانگریسیوں میں اتحاد کی اپیل کی' بلکہ اس ضمن میں ٹھوس قدم بھی اُٹھایا' اور ۱۹۶۸ء میں بنگلور میں ایک کنونشن بھی طلب کیا کہ انڈین نیشنل کانگریس میں ازسرِ نو جان بھر کر فرقہ پرست بی جے پی کا مقابلہ کرے۔ نرسمہا راؤ سے ذکر اس لئے بھی کیا کہ جولائی ۱۹۹۶ء میں ہائی کورٹ نے اُن کی اپیل رد کرنے سے ان کی پوزیشن ڈانواڈول ہوگئی تھی۔ نجلنگپّا اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ نجلنگپّا نے نرسمہا راؤ کو اپنے منصب سے اس لئے ہٹ جانے کے لئے کہا کہ پُرانے کانگریسی اس

اُسے اکیلے ہی کرنا پڑے۔

۱۰ دسمبر ۱۹۹۶ء کو یونائیٹیڈ کانگریس فورم کے زیر اہتمام دلّی میں نجلنگپا کا پچانویواں جنم دن منایا گیا۔ اس موقع پر کانگریس کے مختلف گروپوں اور خود ان کے بے شمار پرستاروں نے کثیر تعداد میں شرکت کی' اور گلہائے تہنیت پیش کیا۔ یہ تقریب کرناٹک بھون میں تھی۔ شرکاء میں چندر شیکھر اور نرسمہا راؤ بھی تھے۔ زراعت میں دلچسپی رکھنے والے نجلنگپا نے چندر شیکھر سے ان کی باغبانی اور اُن کے دلّی کے پاس کے باغوں کے پھلوں کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے راؤ کو مبارکباد دی کہ ان حالات میں انہوں نے چپکی سادھ رکھی ہے' اور یہ کہ ایسی ثابت قدمی کم دیکھنے میں آئی ہے۔ راؤ نے جواباً کہا کہ ہاں یہی ٹھیک ہے کہ نشیب وفراز کو یکساں اہمیت دینی چاہئے۔ راؤ کے ساتھ نجلنگپا نے اپنی پُرانی یادوں کو تازہ کیا' جبکہ ان کے ارادے وحوصلے جوان وپُر اُمید تھے۔ نجلنگپا نے کہا کہ ہر شعبۂ زندگی میں وکیل ہو' ڈاکٹر ہو کہ تاجر' ان کی ملاقاتیں بہترین لوگوں سے رہی ہیں۔

مگر آج......؟ کتنا تضاد ہے۔ ان دونوں کی گفتگو کے دوران یوتھ کانگریس کے جنرل سکریٹری سلیم احمد نے مداخلت کی' اور نجلنگپا کا آشیرواد طلب کیا۔ نجلنگپا نے جواب دیا کہ تم ہمارے لئے بہت قیمتی ہو' فائدہ مند ہو' ہماری اُمیدیں نوجوانوں سے وابستہ ہیں۔ راؤ نے مشورہ دیا کہ ان کے حوصلوں کو ٹھوس شکل ملنی چاہئے۔ ''ہم نے اچھا' بُرا یا غیر متعلق جو بھی کیا' بس کر چکے' اب ضرورت ایک وقار کے ساتھ کنارہ کش ہو جانے کی ہے۔

جی ہاں نجلنگپا نے یہی تو کیا' مگر کیا ہم نرسمہا راؤ کے بارے میں ایسا کہہ سکتے ہیں؟......تقریب میں شروع شروع میں آنے والے کرناٹک کے دو سابق وزرائے اعلیٰ' رام کرشنا ہیگڈے اور ویریندر پاٹل تھے' جن کی سیاسی نشوونما نجلنگپا نے خود کی تھی

نجلنگپّا ہیں) کبھی اپنے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کی۔

اخباری نمائندوں سے خطاب کرتے ہوئے نجلنگپّا نے کہا کہ نرسمہارآؤ کو کانگریس (I) کے منصب سے ہٹا دینا چاہئے' اور تمام پُرانے کانگریسیوں سے اپیل کی کہ انڈین نیشنل کانگریس کو زندہ کریں کہ بہت سے کانگریسی' کانگریس (I) کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اندرا گاندھی نے ۱۹۶۹ء میں کانگریس کا قتل کر ڈالا' اور اب وقت آ گیا ہے کہ کانگریس سے جُڑے (I) کو نکال دیا جائے۔

دیوے گوڈا کی سرکار کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ فی الحال کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا' اس لئے کہ اس کی عمر چھوٹی ہے۔ اکثر لوگوں کو پتہ نہیں کہ نجلنگپّا' سردار پٹیل کو بہت پسند کرتے تھے' اور اُن سے اپنائیت لبوں تک محدود نہیں تھی۔ انہوں نے بارہا کھلے عام افسوس ظاہر کیا کہ سردار پٹیل کو بھارت کا پہلا وزیر اعظم بنایا جانا چاہئے تھا' کہ ملک کے دیہاتوں اور وہاں کی زندگی کا انہیں پورا پورا علم تھا۔

نجلنگپّا نے سردار پٹیل سوسائٹی قائم کی۔ وہ اس کے پہلے چیرمین بنائے گئے۔ ایک میوزیم بھی نہرو میموریل کے خطوط پر قائم کیا گیا' جس میں ان کی تحریروں اور تقریروں کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں ہر سال ایک خصوصی لکچر کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہاں ایک کُتب خانہ بھی کھولا جائے گا' جس میں ان سے متعلق سارا مواد محفوظ ہوگا' جس کی اِدارت ڈاکٹر پی ین چوہرہ کے ذمہ ہوگی۔ سوسائٹی کی مدد کے لئے ایک مشاورتی کمیٹی بھی ہوگی' جس میں قابل اراکین' علماء و تاریخ دان ہوں گے' کمیٹی کے سربراہ نجلنگپّا ہوں گے۔

پہلا سردار پٹیل میموریل لکچر' ابردین یونیورسٹی کے پروفیسر میخائیل لن نے دیا۔ اب تک آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں' اور تین جلدیں پریس میں ہیں۔ اس کام سے اندازہ لگتا ہے کہ نجلنگپّا جو کام کرنا چاہتے ہیں' وہ کر گزرتے ہیں چاہے

خوری کے خاتمہ کے لئے ایک مہم چلائیں گے' کیونکہ موجودہ قائدین کی نظر میں پُرانی کانگریس کے احیاء کا کوئی مطلب نہیں۔

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ نجلنگپا اپنی کوششوں میں ناکام تو ہو گئے' پر یہ بات قابل ستائش ہے کہ انہوں نے ملک کے سنگین مسائل پر ہمیشہ نظر رکھی' اور مناسب حل ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ پُرانی کانگریس کا احیاء تھوڑی بہت کوشش سے ہو سکتا تھا' پر ایسا نہیں ہوا...... ایسے حوصلہ شکن حالات میں بھی نجلنگپا کی اُمید پرستی قابلِ تعریف و قابل تقلید ہے۔

نجلنگپا میں اُمید کی جو موہوم کرن اُبھرتی رہتی ہے' وہی ان کی طاقت بھی ہے' یہی گاندھی وادی عقیدہ بھی ہے۔ ورنہ دنیا کی ہر شئے ساکت و جامد ہو کر رہ جائے۔ مختصر یہ کہ کوشش کر کے ناکام ہو جانا کوشش نہ کرنے سے بہتر ہے۔ ان کی نظر میں ملک کے سامنے سب سے بڑا خطرہ' رشوت خوری ہے۔

۱۹/مارچ ۱۹۹۷ء کو بنگلور میں اخباری نمائندوں کے ایک بڑے گروپ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ۱۹۶۹ء سے اب تک کے سابق و موجودہ وزیراعظم' وزیر اعلیٰ' ممبران پارلیمان' اور اعلیٰ افسران کی جائیداد وغیرہ کی مکمل چھان بین ہو' اور کہا کہ یہ سال اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ وہ سال ہے جس میں کانگریس تقسیم ہوئی' اور اندرا گاندھی نے اپنا آہنی اقتدار جمانے کی کوشش شروع کی' جس سے رشوت ستانی نہ صرف جڑ پکڑنے لگی' بلکہ بلندیاں سر کرنے لگی۔ انہوں نے کہا کہ ایماندار افسر تحقیقات کریں' الزام ثابت ہونے پر سزا دی جائے' اور ان کی ملکیت ضبط کر لی جائے۔ بے ایمان سیاستدانوں اور اعلیٰ افسروں کی جائیدادیں ضبط کرنے سے ملک کی اقتصادی حالت سدھرے گی' اور ہمیں غیر ملکی فنڈ یا امداد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ انہوں نے اعلان کیا کہ وہ بہت جلد رشوت

۔ان دونوں کو کرناٹک کی سیاست میں ''لوا گشا'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔زندگی کے ہر شعبہ میں بالخصوص سیاست میں ابتری دیکھ دیکھ کر نجلنگپّا نے ۶رفروری ۹۷ء کو دلّی میں کوئی آدھ درجن قائدین سے بات چیت کی ۔اس سے ان کا مقصد' پرانی کانگریس میں نئی روح پھونکنا تھا۔کوئی دو گھنٹے کی بحث پر سابق وزیراعظم چندر شیکھر' کرناٹک کے سابق وزیراعلیٰ رام کرشنا ہیگڈے' کانگریس ورکنگ کمیٹی کے رکن راجیش پائلٹ' لوک سبھا کے سابق اسپیکر شیوراج پاٹل' دیوی لال' سی سبرامنیم' کرن سنگھ' میر قاسم اور ایس یم مشرا نے حصہ لیا۔ بعد ازاں نامہ نگاروں کو چندر شیکھر نے اطلاع دی کہ گفتگو ملک کے عام حالات کے بارے میں تھی' اور کانگریس میں اتحاد کے بارے میں کوئی تبادلۂ خیال نہیں ہوا۔

پائلٹ نے نامہ نگاروں کو بیان دیا کہ گروپ کی رائے ہے کہ کانگریس کے ہاتھ مضبوط کریں' اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب پارٹی میں پرانی قدروں کو بحال کیا جائے۔

پائلٹ نے وعدہ کیا کہ وہ کانگریسیوں کے جذبات وخیالات' ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کریں گے۔ جب یہ پوچھا گیا کہ آیا چندر شیکھر اور ہیگڈے کو پارٹی میں واپس لے لیا جائے گا؟ تو پائلٹ نے کہا کہ ضرور' کیونکہ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے پہلے ہی قرارداد منظور کرلی ہے کہ جو بھی پرانا کانگریسی واپس آنا چاہے اسے راہ دیدی جائے۔

نجلنگپّا نے کہا کہ چند پارٹیاں' پرانی کانگریس کے احیاء پر مزید تبادلۂ خیال کی خواہاں ہیں۔صدرِ کانگریس کیسری اور نرسمہا راؤ کو مدعو تو کیا گیا تھا' پر وہ نہیں آئے۔ظاہر بات ہے پرانی کانگریس میں نئی رُوح پھونکنے کی بات وہیں ختم ہوگئی ۔دیگر پارٹیوں نے بھی اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ دوسرے دن نجلنگپّا نے اعلان کیا کہ انہوں نے اپنی تجویز واپس لے لی ہے' اور اس کے عوض رشوت

مذہب کے لوگوں پر برابر ہونا ہوگا۔ کرناٹک کے ڈاکٹر پی وی ناّرائن کے متنازعہ فیہ حالیہ ناول ''دھرما کارنا'' کے بارے میں کہا کہ ناول نگار نے اس میں غلط بیانی سے کام لیا ہے' اور اکاّ ناگمّا اور چن بسّونا کے بارے میں واقعات توڑ مروڑ کر پیش کیئے گئے ہیں' مگر نجلنگپّا نے تخلیقی ادب کے تقاضوں کے بارے میں تبصرہ کرنے سے انکار کیا۔ انہوں نے صرف تاریخ پر اپنی گفتگو کی بنیاد رکھی' اور سنگی راجہ پرانا اور پندرہویں صدی کی دیگر تصانیف کا حوالہ دیا کہ اکاّ ناگمّا کے شوہر شیّوا سوامی تھے۔ نجلنگپّا نے وثوق سے کہا کہ ناول نگار نے اکاّ ناگمّا اُن کی شادی اور اُن کے بیٹے چن بسّونا کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ چھیانوے سال کی پکی عمر میں بھی اس مدبّر قائد کی نظر حالاتِ حاضرہ پر گہری تھی' چاہے ان کا تعلق سیاست سے ہو کہ سماج سے' یا ادب سے یا ثقافت سے' دلچسپی بھی ایسی جو بلندیوں کو چھوتی ہو۔

نجلنگپّا نے چنئی میں ۲۸ راگست ۱۹۹۷ء کو سی سبّرامنیم کو مجاہد آزادی کا تمغہ دینے کی تقریب میں شرکت کی' پر افسوس ظاہر کیا کہ آج بھی عوام کو بنیادی تعلیم سے محروم رکھا گیا ہے' اور یہ کہ ڈائریکٹیو پرنسپلس کی ریاستی پالیسی کو نظر انداز کر کے ملک کو ابتری کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے۔ ڈائریکٹیو پرنسپلس کے باب میں صرف ایک ہی ہدایت کو عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔ وہ ہے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ رکھنا' مگر دیہی ترقی کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ آج دولت اور اقتدار صرف چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آزادئ ہند کے دوران دیکھے گئے سنہرے خوابوں کی تکمیل کے لئے اور دستور ہند میں دئے گئے حقوق کے حصول کے لئے ابھی بہت سی منزلیں طے کرنی ہیں۔ ملک میں جڑ پکڑتی ہوئی فرقہ پرستی کی مذمت کرتے ہوئے نجلنگپّا نے کہا کہ اس سے ہماری سماجی ڈھانچے اور طور طریق پر نظر ثانی کی بہت ضرورت ہے۔ رشوت ستانی کا روز افزوں زور

کے انسداد کے لئے ایک ٹھوس منصوبہ لیکر آئیں گے۔ نجلنگپّا نے مزید اعلان کیا کہ اس ضمن میں اُنہوں نے کوئی پچپن مشاہیر کی رائے طلب کی ہے، جن کے وصول ہونے کے فوراً بعد کوئی ٹھوس شکل دیں گے۔ اس سے انکا مقصد صرف یہ ہے کہ حالات حاضرہ پر قابو ہو، سماج رشوت سے پاک ہو اور ملک کی اقتصادی حالت بہتر ہو۔

نجلنگپّا نے ان پچپن لوگوں کے نام نہیں بتائے، سوائے سابق الیکشن کمشنر ٹی این سیشن اور مہاراشٹر کے رشوت خوری کے خلاف مہم چلانے والے انا ہزارے کے۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ وہ رشوت کے انسداد کے لئے کوئی نئی پارٹی نہیں بنائیں گے۔ ان کے ذہن میں ایک تحریک تھی، انہوں نے کہا کہ پچیانوے سالہ پکّی عمر میں بھی رشوت کی روک تھام، اور عوامی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

نرسمہاراؤ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ انہیں کوئی پچاس سال سے جانتے ہیں، پر قانوناً ہر آدمی ایماندار ہے، جب تک کہ اسے سزا نہیں دی جاتی۔ پھر بھی کہا کہ ان کا کانگریس پر سے پوری طرح بھروسہ اُٹھ گیا ہے، اور پرانی کانگریس میں نئی روح پھونکنے کا اُن کا خیال نا قابل عمل ہو گیا ہے۔ کانگریس میں کئی گروپ ہیں، نئی پرانی، اندرا وغیرہ وغیرہ اور اس سے کافی الجھن ہو رہی ہے، مگر اب ان کا ذہن صاف ہے۔

دیوے گوڈا کی سرکار کے بارے میں کہا کہ اس کی عمر صرف نو مہینے ہے، اور اس قلیل عرصہ میں کسی بھی سرکار کی کارکردگی کا صحیح اندازہ مشکل ہے۔ تاہم اُن دنوں مرکز کی توجہ زراعت، اور دیہی ترقی پر کچھ زیادہ ہی ہے، جس کا مطالبہ، وہ پچھلے چالیس برس سے کرتے آرہے ہیں۔

ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ مرکز کو چاہئے کہ ہر جوڑے پر یہ پابندی عائد کر دی جائے کہ ان کا صرف ایک ہی بچہ ہو، اور اس کا اطلاق ہر

کرناٹک بھون کے ایک اجلاس میں نجلنگپّا کو اسوسی ایشن آف کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی ممبرس کا صدر منتخب کیا گیا' اس اسوسی ایشن کے تمام اراکین نے اپنے عملی تعاون کا یقین دلایا کہ رشوت کے خاتمہ' اور سیاست کو جرائم سے دُور رکھنے میں بھرپور ساتھ دیں گے۔ شُرکاء میں کُسما کانت جین' کالورام ورلکر' موتی رام بائیکا' بیگم عزیزہ رسول' بلونت سنگھ مہتہ' چودھری رنبیر سنگھ' بھگوان دین اور نہال سنگھ تکشک موجود تھے۔

کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی کے پندرہ اراکین اب بھی تکنیکی طور پر اپنی رکنیت پر بحال تھے۔ اس لئے کہ اس اسوسی ایشن کے چیئرمن' اور صدر ہند راجیندر پرشاد نے ایوان کو بلا تاریخ ملتوی کر دیا تھا۔ اپنے ایک خط میں وزیراعظم آئی کے گجرال نے اس کی تمام کارروائیوں سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا' اور کہا کہ رشوت کے خاتمہ کو اوّلیت دی جائے گی۔ نجلنگپّا نے وزیراعظم کے اس تعاون کے لئے شکریہ ادا کیا۔

دسمبر ۹۷ء میں نجلنگپّا چھیانوے برس کے ہوگئے' پھر بھی ان کی روزمرّہ مصروفیت میں کوئی کمی نہیں ہوئی' اور اپنے اطراف واکناف پر گہری نظر رہی۔ ان کی اس سالگرہ پر چتر ادرگا میں ایک شاندار جلسۂ عام منعقد کیا گیا' جس میں شہر کی مقتدر ہستیوں 'سیاستدانوں نے بزرگ قائد نجلنگپّا کو گلہائے عقیدت پیش کیا۔ حسبِ توقع نجلنگپّا نے اس موقع پر ملک کے اور دنیا کے اہم مسائل پر روشنی ڈالی۔ مثلاً یہ کہ ہندوستانی' تعلیمی سطح پر دوسروں سے بہت نیچے ہیں۔ تاہم ان کی ذہانت گرانمایہ ہے۔ اپنے مُربی گاندھی جی کی طرح نجلنگپّا نے مکتبی نصابی تعلیم' اور تجربہ سے حاصل کی ہوئی تعلیم میں فرق کو واضح کیا۔ ہونے والے انتخابات کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تمام شہری سر جوڑ کر سوچیں کہ کونسی پارٹی ووٹوں کی مستحق ہے' یہ بھی کہا کہ رشوت سے سڑتی گلتی سیاست میں صحیح فیصلے کرنے میں دشواری ہو رہی ہے۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی فیصلہ نہیں کر

پکڑنا بھی بیحد تشویش کا باعث ہے۔ لے دے کے اب صرف ایک ہی علاج رہ گیا ہے' اور وہ ہے لوگوں میں ذہنی بیداری کا پیدا کرنا' تاکہ ایک بہتر نظام وجود میں آسکے۔

۲ر اکتوبر ۹۷ء کو نجلنگپّا نے ملک میں پائی جانے والی بہت سی خرابیوں کی نشاندہی کی' اور آواز دی کہ گاندھی وادی اُصولوں پر تعمیر ملک کی کوشش ہو۔ گاندھی جینتی کے موقع پر ایک غیر سیاسی ادارہ ''گاندھی فورم'' کا افتتاح کرتے ہوئے نجلنگپّا نے ان خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ پچھلے پچاس سالوں میں ملک نے دفاع و سائنس میں کافی ترقی کی ہے' مگر اخلاقی سطح پر گاندھی جی کے اصولوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ بلکہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ دلّی میں گاندھی جی کی سمادھی پر نجلنگپّا نے ان خیالات کا اظہار کیا۔

گاندھی فورم نے پانچ نکاتی پروگرام ترتیب دیا' ورکنگ کمیٹی کے کارگزار صدر راجیش پائلٹ نے اعلان کیا کہ گاندھی وادی منزلوں کو سر کرنے کے لئے گاندھی جی کے اصولوں پر ہی تعمیل ہوگی' اور رشوت کے خاتمہ کے لئے فورم جو ٹھوس تجویزیں دے گا اسے سرکار امید ہے کہ اپنائے گی۔ اگر سرکار نے انہیں قبول نہیں کیا تو وہ ملک گیر سطح پر احتجاج کرائیں گے۔

فورم کا مطالبہ ہوگا کہ وزیر اعظم' وزرائے اعلیٰ اور ممبران اسمبلی اپنی اپنی جائیداد وغیرہ کی تفصیلات کا' ساٹھ دن کے اندر اعلان کریں' اور ان فہرستوں کی ایک ایک کاپی اپنی اپنی اسمبلیوں میں محفوظ کرادیں۔ فورم کی طرف سے' صدر نے یقین دلایا کہ انتظامیہ میں ایمانداری اور غیر جانبداری کو بحال کیا جائے گا' اور ایماندار افسروں کو قانونی اخلاقی ہر طرح کی ممکنہ امداد فراہم کرانے کی بھرپور کوشش ہوگی۔

جلسہ میں موجود نجلنگپّا نے اپنے' عملی تعاون کا یقین دلایا۔ ان کی ایسی یقین دہانی ہم سب کے لئے بیحد ہمت افزا ہے' اور قابلِ تقلید ہے۔ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں دلّی کے

شری ایس۔ نجلنگپا جی کے 'سو (۱۰۰) کے لئے تین قدم

پا رہے ہیں، اور یہ کہ کانگریس، جس نے ملک کو آزادی دلائی، آج بیحد کمزور ہوگئی ہے، بکھر گئی ہے۔ اس لئے لوگ پارٹی پرستی چھوڑ کر قابل ایماندار اور سنجیدہ ذہن کے قابل اعتماد امیدواروں کو ووٹ دیں۔ یہ بھی آواز دی کہ فرقہ پرستی سے لوگ اُوپر اٹھیں، اور ہر اعتبار سے مستحق امیدواروں کو ہی جتائیں۔

انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ ملک کو آزادی ملے پچاس سال ہونے کے باوجود ستّر فیصد آبادی ہنوز اَن پڑھ ہے۔ اس لئے کہ پچھلی مرکزی حکومتوں نے عوام کی ضروریات پر ضروری توجہ نہیں دی۔ انہوں نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا کہ آنے والی حکومتیں، بڑے بڑے کارخانے کھولنے کیلئے غیر ملکی سرمایہ کا خیر مقدم کریں گی، جس سے ملک کے مفاد کو خطرہ لاحق ہوگا۔ بہتر یہی ہوگا کہ کسانوں کو بہتر سہولتیں فراہم کرائی جائیں کہ دراصل وہی لوگ ہندوستان کی جان ہیں۔

انہوں نے فخر سے اس بات کا اعلان کیا کہ، جان بوجھ کر، انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ یہ بات انہوں نے اس سوانح نگار کو بھی بتائی جب چترادرگا میں ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ انہیں پتہ نہیں کہ وہ کب تک جی سکیں گے۔

انہوں نے نصیحت کی کہ اچھائیوں کو ہمیشہ فروغ دیا جائے کہ انہوں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا ہے۔ بہ حیثیت وزیر اعلیٰ کرناٹک غریبوں کو مالی امداد کے ذریعے راحت، مجاہدین آزادی کے لئے ماہانہ وظیفے، ادیبوں اور فنکاروں کو مالی امداد، صرف چھ سال کے اندر شراوتی ہائیڈل پراجکٹ کی تکمیل، ذرائع آب رسانی میں ترقی، یہ تھے ان کے چند عظیم کارنامے جو ان کے عہد میں تکمیل پائے۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ چترادرگا ریاست کا سب سے زیادہ پچھڑا ہوا ضلع ہے، جہاں آب رسانی کی سہولتیں بہت کم ہیں۔

8. نجلنگپّا کی بصیرت

نجلنگپّا کی زندگی اوران کے خیالات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کی زندگی اور خیالات میں یکسوئی اور ثابت قدمی فراہم کرنے والی کونسی چیز ہوگی؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی تمام تاریخ ساز ہستیوں کی طرح جنہوں نے دنیا پر اپنا گہرا اثر چھوڑا ہے' نجلنگپّا نے بھی کسی خاص منبع سے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر تحرک پایا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چیز خود ہی ان کے ساتھ رہتی آئی ہو۔ اس پس منظر میں شاید ہم اُن کی زندگی کی اس بصیرت کے ارتقاء سے متعارف ہوسکیں۔

بصیرت' ایک بامقصد مکمّل تصویر کو کہتے ہیں' جو ایک شخص اپنے وجود میں بناتا ہے۔ رنگ بھرتا ہے' جس کے لئے انہیں ساری خوبیوں' اور اقتدار کو بروئے کار لاتا ہے۔ مجموعی طور پر ان کی بصیرت ایک بیحد خلیق و ملنسار انسان کی بصیرت ہے' جس میں فطری اور اخلاقی عناصر کی کارفرمائی ہے۔ اس بصیرت میں' خدا' ایک لازمی جُز نہیں ہے' گوکہ اس کا ذکر' یا اس پر اعتقاد کبھی کبھی سہولت کی خاطر کیا گیا ہے۔ جہاں تک نجلنگپّا کے عقیدہ کا تعلق ہے وہ لاادری ہیں۔ اس لئے کہ خدا کے وجود کو تسلیم یا رَد کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہوئے ہیں۔ اس بصیرت میں آدمی بھی اپنے وجود کو ٹھوس شکل دیتا ہے۔ مرکزی کردار ہوتا ہے' اپنی قسمت خود بناتا ہے۔ یہ ایک انسانی خُو ہے جس کی بنیاد اخلاقیات پر ہے' جو سمجھ بوجھ کی کسوٹی پر سے ہوتی ہوئی یہ احساس

انہوں نے مرکزی حکومت سے گذارش کی کہ اپّر پراجکٹ کی امداد میں دیر نہ کرے۔

ان تفصیلات کا اختتام اب اس موڑ پر کرنا چاہوں گا کہ نجلنگپّا جن کی عمر اب چھیانوے برس کی ہوگئی ہے' خدمتِ خلق میں اب بھی اُسی جوش وخروش اور نیک نیتی سے ہمہ تن و ہمہ وقت جُڑے ہوئے ہیں۔

اس سوانح حیات کا اختتام تو ہوسکتا ہے' پر نجلنگپّا کا نہیں۔ شائد دوسرے سوانح نگار اس سے آگے ان کے بارے میں بہت کچھ لکھیں۔

اس سوانح حیات کے اختتام پر نجلنگپّا کا جو خاکہ اُبھرتا ہے' وہ ایک عظیم' نیک نیت' سادگی پسند' مخلص' خادم قوم کا ہے۔ کسی بھی لحاظ سے ان کی زندگی عظیم اور سرچشمۂ امید رہی ہے' قابل تقلید ہے' منبع تحریک ہے' ذریعۂ ہوش وخرد ہے۔

چھیانوے سال کے بزرگ' دیدہ ور' مدبّر سیاستدان کو دیکھ کر حوصلہ بڑھتا ہے' لگتا ہے کہ اس نحیف جسم کے اندر ایک آتش فشاں کروٹیں لے رہا ہے۔ ان کا جسد خاکی لافانی نہ سہی' مگر کرناٹک اور بھارت کی تاریخ میں ان کا نام ان کے کارنامے یقیناً لافانی ہیں۔ وہ اپنی موت سے خائف نہیں' اس کے خیر مقدم کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اسی انہماک سے جس طرح اب تک زندگی کے ہر نشیب وفراز کا خیر مقدم کیا ہے۔ ان کی زندگی ان کی تمنائیں' ان کی خوشیاں اور اس کائنات میں ان کا وجود یہ سب بے نظیر ہیں۔ ایسی عظیم شخصیتوں کی زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ کی وہ ایک اٹوٹ کڑی ہوتے ہیں۔

موت کے بعد......؟

یہ سوال نجلنگپّا کو پریشان نہیں کرتا۔

دلاتی ہے کہ اس کا وجود الگ نہیں ہے' بلکہ دیگر انسانوں اور فطری مخلوقات میں سے ایک ہے۔ اسی لئے نجلنگپاّ نے ''کرما'' اور آواگون کے عقیدوں کو مسترد کر دیا۔ اس اخلاقی بصیرت سے انہوں نے آزادی' مساوات اور بھائی چارگی جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کو اخذ کیا' اور ان پر عمل کیا۔ سیاسی پس منظر میں اس بصیرت کا تقاضہ لادینی اور جمہوری قدروں سے مکمل وابستگی تھا۔ اسی آزادانہ نظریہ کے پیش نظر ان کا رجحان فرقہ پرستی اور کمیونزم کے خلاف تھا۔ اس لئے کہ ان کی بدولت فرقہ وارانہ ہم آہنگی' اور جمہوریت کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔

یوروپی فہم وادراک میں ظاہر یہ ایک مغربی وژن لگتا ہے۔ پر اُنہوں نے اسے مقامی روایات کے ڈھانچے میں پوری طرح ڈھال لیا ہے۔ ایک طرف جہاں نجلنگپاّ نے بسویشور کے قیمتی جمہوری وانسان دوست روایات سے روشنی پائی' وہیں اخلاق پر مبنی گاندھی جی کے سیاسی وروایتی نظریات سے بھی بھرپور استفادہ کیا۔ چند ایک گاندھی وادی اُصولوں سے ان کا رشتہ بیحد صاف واٹوٹ تھا' جیسے سیاست میں لامرکزیت۔ مگر اس میں قابلِ لحاظ تناسب ضروری پیچیدگیوں کا بھی تھا۔

گاندھی جی نے اپنے خالص نظریات کے پیش نظر آزاد ہند میں ایسے موجودہ سیاسی کلچر کو ٹھکرا دیا تھا' جس میں پارلیمانی جمہوریت کا اداریاتی ڈھانچہ یا نظام ہو۔ لگتا ہے' نجلنگپاّ اس پیچیدگی سے واقف نہیں تھے' البتّہ یہ سچ ہے کہ روزمرّہ سیاسی نظام پر گاندھی وادی اصولوں کا اثر ڈالنے میں انہوں نے کبھی کوتاہی نہیں کی' مگر کسی بھی گاندھی وادی فن تنقید کو اپنا بنیادی ڈھانچہ نہیں دیا۔

مگر اس میں وہ اکیلے ہیں' اس لئے کہ موجودہ ہندوستانی سیاسی کلچر' گاندھی وادی بنیادی عقیدوں کو مسترد کرنے پر تُلا ہے' اور ان اصولوں کو دوسرے درجے کا گردانتا ہے۔

سابق صدر ہند شری گیانی ذیل سنگھ کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

تقدس مآب دلائی لامہ کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا

مثال کے طور پر ہمارے پنچایت راج یا اسٹیٹ پالیسی کے ڈائریکٹیو پرنسپلس کو صحیح معنوں میں گاندھی وادی نہیں کہا جاسکتا۔ ان میں گاندھی وادی بصیرت کی صرف جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔

یہی مسئلہ جے پی اور ان کے گاندھی واد کے ساتھ درپیش ہوا۔ تمام نیک نیتی کے باوجود انہوں نے غیر گاندھی وادی، غیر متشدّد نظام سیاست ہی کو فروغ دیا۔ اس نہج پر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ جیسا گاندھی وادی، گاندھی جی نے پیش کیا، اس کو عملی جامہ پہنایا نہیں جاسکتا۔ اس صورتِ حال میں یہ جواز پیش کرنا آسان ہوجاتا ہے کہ اب ہماری کوششوں کا رخ گاندھی واد کی طرف موڑ دیا جائے۔ اس لحاظ سے نجلنگپّا کو گاندھی وادی کہا جاسکتا ہے، لیکن اس معنیٰ میں نہرو اور گاندھی جی میں بنیادی فرق وہ نہیں رہ جاتا، جو کہ نجلنگپّا کی دانست میں تھا۔

نہرو کو گاندھی دشمن کا نہیں بلکہ گاندھی وادی اصولوں کا مخالف ہونے کا ہلکا سا الزام دیا جاسکتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات تھی تو گاندھی جی نے خود نہرو کو اپنا جانشیں کیوں مقرّر کیا؟...... یہ ایک ایسا معمّہ ہے جس کو سلجھانا تقریباً ناممکن ہے۔ اسی وقت، یہ بات بھی ذہن نشین کرنی ہے کہ نجلنگپّا نے کوئی اقتدار قبول نہیں کیا، جب تک کہ اس کے نوک پلک سے واقفیت حاصل نہیں کرلی۔ گاندھی جی کی اندھی تقلید نہیں کی۔ اسلئے جب بھی کوئی انہیں گاندھی وادی کہتا ہے تو اس کا یہی مطلب لینا چاہئے کہ نجلنگپّا ایک بیحد محتاط گاندھی وادی تھے۔ نجلنگپّا نے گاندھی جی سے دو اہم باتیں لیں، ایک یہ کہ سیاسی زندگی میں، ارتقاء، صبر و تحمل ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ دولت کبھی ایک فرد یا انجمن یا مقام پر سمٹ کر نہ رہنے پائے۔ آخر میں ان کا وژن ایک قومی وژن کہا جاسکتا ہے۔ ایک ایسے وژن کا پرستار جو ہندوستان کو سالمیت اور وجودی حیثیت بخشتا ہو۔ اس وژن پر اُن

زندگی بھراُن کے ساتھ رہا، مگر یہ کوئی خیالی بصیرت نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی مدبّرانہ بصیرت ہے، جس کو ہم پورے وثوق سے گاندھی وادی، اخلاقی سچائی کا نام دے سکتے ہیں۔

گاندھؔی جی کا آخری دیدار

گو کہ ہریجنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ روا رکھا گیا تھا، گاندھی جی کو غلط اطلاع دی گئی تھی کہ پُرانے میسور میں ۱۹۴۸ء سے پہلے ہریجنوں کو جائز سہولیات نہیں ملیں۔ مہاتما گاندھی نے شری لیس نجلنگپّا، شری ایچ سی داسپّا اور دوسروں کو ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کے پانچ بجے نئی دلّی کے برلا بھون میں تبادلۂ خیال کے لئے بُلایا تھا۔ پُرانے میسور کے قائدین، گاندھی جی کو صحیح معلومات سے باخبر کرانے کے لئے، بروقت تیار تھے، مگر بد نصیبی سے اُن کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی ناتھورام گوڈسے نے گاندھؔی جی کو گولی ماردی تھی۔ ٹھیک اسی دوران شری لیس۔ نجلنگپّا اور دوسرے ساتھی برلا ہاؤز میں تیزی سے داخل ہوئے۔ برلا بھون کے اندر ہل چل مچی ہوئی تھی۔ اس کے بعد سکوت! تب تک گاندھؔی جی دَم توڑ چکے تھے۔ صدر ہند، وزیر اعظم جواہر لال نہرؔو، ولبھ بھائؔی پٹیل اور دیگر لوگوں کو گاندھؔی جی کی موت کی خبر دینے والے پہلے شخص نجلنگپّا ہی تھے۔ شری ایچ۔ سی۔ داسپّا نے گاندھی کو دودھ پلانے کی غرض سے اِدھر اُدھر دودھ تلاش کیا کہ دودھ منہ میں ٹپکانے سے شائد ان کی جان بچ جائے۔!!

کا کامل یقین تھا، مگر اُن کے ذہن میں جس قوم کا تصوّر تھا، اس میں مختلف ریاستی نظاموں کا جُھرمٹ تھا، جس میں انواع اقسام کی تہذیبیں اور روایتیں تھیں۔ تاہم انہوں نے ایسے انوکھے دیش میں کوئی تضاد یا دشواری یا پیچیدگی کی دُھند نہیں دیکھی۔ البتہ ان میں ایک معنی خیز اشتراک ہی پایا، جس میں جُدائی کا عنصر شامل ہی نہیں تھا۔ یہی وہ نظریاتی بنیاد تھی، جس پر متحدہ کرناٹک کی تحریک چلائی گئی تھی۔ انہوں نے کئی بار دوٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ اگر لِسانی بنیاد پر قائم، ہماری ریاستیں، اپنے وجود کا سالم نہ رکھ سکیں، اور اپنی اپنی سرحدوں کے اندر امن و آشتی کی فضا بنائے رکھنے میں ناکام ہوگئیں تو ایسی علاقائیت کو وہ یکلخت مسترد کر دیں گے، اور ایک ملک وقوم کی حمایت کریں گے۔ اس لئے ہمیں نجلنگپّا میں ایک ایسا مبہم مبہم سا عکس نظر آتا ہے، جس نے اپنی پوری جوانی، جواں سالی، لسانی ہم آہنگی یا شیرازہ بندی پر صرف تو کی، پر جب ملک کے مفادات اسی لسانی بنیاد پر لڑکھڑانے لگے تو ان کو سرے سے مسترد کر دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی۔

بالآخر یہی وہ بصیرت ہے جو ہندوستانی آب و ہوا میں نشو و نما پاتی ہے، جس میں مغرب کی جدیدیت اور ہندوستانی مذہبی اختلافی عناصر کا حیرت انگیز اشتراک ہے۔ ایک طویل تاریخی بیانیہ میں، نجلنگپّا اور ان کی نسل کو بشمول گاندھی جی، ایک بیحد اہم کردار سمجھنا چاہئے، جس نے نوآبادیاتی تہذیب اور مقامی روایات کے درمیان ایک اہم کڑی کا رول ادا کیا ہے، مگر جو نسل، اس نسل کے بعد آئی ہے، وہ بین الاقوامیت کے سحر کا شکار ہوتی جا رہی ہے، جس کے نفاذ سے ایک ایسا نظام وجود میں آئے گا، جس میں ایک نئے ڈھنگ کا نوآبادیاتی نظام ہوگا، نئے ڈھنگ کی غلامی ہوگی، مگر نجلنگپّا پُر اُمیّد ہیں کہ ایسا ہونے نہیں دیا جائے گا۔ نوجوان اور عام آدمی ایسی صورت حال سے پوری ذمہ داری سے لڑیں گے، اور اس پر غالب آئیں گے۔ نجلنگپّا کا دراصل یہی وہ پُر اُمیّد وِژن ہے جو

شری بومئی کے کنڑ خط کی کاپی

ایس نجلنگپا

''ونئے''

وی پی ایکس ٹنشن

چترادرگہ-577501

(کرناٹکا اسٹیٹ)

فون:...... 2550

مورخہ:5/11/88

عزت مآب بومئی

نمسکار'

کل ''آپکے خط کی نقل میرے ہاتھ لگی۔ میری رفیقِ حیات مُری گمّا کے انتقال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے' اور میرے تئیں ہمدردی جتائی ہے' اس کے لئے میں آپکا شکر گُزار ہوں' احسان مند ہوں۔

اِسی طرح آپنے میری گرتی ہوئی صحت اور ڈھلتی عمر کے مسائل پر بھی تشویش کا اظہار کیا ہے۔ جس کے لئے شکر گزار ہوں۔ میرے علاج معالجے کے لئے میرے ڈاکٹروں نے چند برسوں سے بنگلور آنے پر زور دیا ہے۔ میری رفیقِ حیات کے سبب میں بنگلور نہیں آ سکا تھا۔ اب بنگلور آنے میں کوئی رُکاوٹ نہیں ہے۔ بنگلور میں میرے قیام اور علاج کا خرچ برداشت کرنے کی آپ کی پیشکش کا شکریہ' آپنے چترادرگا' فون کر کے میری ناسازیٔ طبع کے بارے میں پوچھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ مَیں نے اس ضمن میں بہت سوچا ہے' آپ کی پیش کش کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کرنا چاہوں گا کہ مَیں نے اپنے ہی خرچ پر بنگلور میں رہنے' علاج کروانے اور عوام' ملک وقوم کی خدمت کرنے کا مصمّم ارادہ کیا ہے۔ اس کے لئے میں اپنے وسائل وذرائع تلاش کر رہا ہوں۔

میں خدمتِ خلق کے لئے ہمیشہ تیار ہوں

آپ میرے غمگسار ہیں' پھر سے شکریہ

آپکا اپنا

نجلنگپا

بخدمت گرامی'

شری ایس آر بومیّا

کرناٹک کے سابق وزیراعلیٰ ایس۔آر۔بومّائی کے ساتھ ڈاکٹر ایس۔نجلنگپّا جی

(کنڑ)

۲-شری نجلنگپّا کے خیالات ......۱۰ دسمبر ۱۹۶۷ء کو بنگلور میں نجلنگپّا کی ساٹھویں سالگرہ (کے جشن کے) موقع پر اجراء کردہ یادگاری تہنیتی مجلّہ۔

۳-کامراج۔ایک مطالعہ۔وی کے نرسمہن' مانک ٹالاس' بمبئی ۱۹۶۷ء

۴-شری ایس نجلنگپّا کی سوانح حیات' ایس ین شانتا ویرپّا' سری شیلا پبلیکیشنز میسور ۱۹۶۹ء

۵-''بین السّطور'' (Between Lines) از کلدیپ نیّر۔الائیڈ پبلیشرس' بمبئی ۱۹۶۹ء

۶-انڈین نیشنل کانگریس میں پھوٹ۔ازاتلیہ گھوش۔کلکتہ ۱۹۷۰ء

۷-''کرناٹکا دارُ ودَری''۔از ڈی۔جوارے گوڈا (ڈی جا گو) کلا کنٹھیر وا' ٹی ایس کری بسیّا ٹرسٹ' بنگلور ۱۹۸۵ء (کنڑ)

۸-''ہندوستانی اقتصادیات میں عدم توازن اور۔تدارکات''۔اَتلیہ گھوش میموریل لکچر از ایس نجلنگپّا' کلکتہ ۱۹۸۷ء

۹-''بدُ وکُو' میلُو گو''۔از ایچ کے ویرنّا گوڈا۔(کنڑ)۔تفصیلات ناموجود)

۱۰-''ایک صاحبِ کشف کی جھلکیاں''۔از سی کے جعفر شریف (ایک سوانح حیات)

وڈّرا سے رگھورآما شیٹی' اصل کنڑ۔انگریزی متن از یل ایس سیشا گری راؤ' آئی بی ایچ پر کاشن بنگلور ۱۹۹۳ء

وزیراعلیٰ کرناٹک اسٹیٹ، بنگلور

کتابیات

غیر مطبوعہ مواد

ا-نجلنگپّا سے آٹھ گھنٹوں سے زیادہ ٹیپ ریکارڈ کی گئی گفتگو۔

۲-اُن کے غیر سرکاری کاغذات، بشمول ڈائری

۳-آنجہانی لیس لیس وَڈے یر کے ٹائپ شدہ نوٹس۔

سرکاری دستاویزات:

ا) میسور اسٹیٹ لیجس لیٹیو اسمبلی کی ۱۹۵٦ء تا ۱۹٦۸ء کی قراردادیں۔

۲) کانگریس بلی ٹینس (خبرنامے)

اخبارات

ا-انڈین ایکسپریس

۲-ڈکن ہیرالڈ

۳-سمیکتا کرناٹکا (کنڑ)

مطبوعات:

ا-کرناٹکا بھاگیہ وِدھاتہ، یل ایس چندر شیکھر اور سوشیلمّا چندر شیکھر، بنگلور ۱۹٦۲ء

- اُون کے کارخانوں کی توسیع وترقی۔
- حیدرآباد۔کرناٹک اور بمبئی۔کرناٹک کے علاقوں میں شاہراہوں، سڑکوں کی تعمیر جوکام متحدہ کرناٹک کی تشکیل سے بہت پہلے سے نظر انداز کیا گیا تھا۔
- بیجاپور میں سائینک اسکول کا قیام۔
- کِتُّور میں لڑکیوں کے لئے رانی کتّور چَنمّا رہائشی اسکول کا قیام۔
- کاروار بندرگاہ۔
- آب رسانی۔بھدرا نہر۔
- امداد باہمی سیکٹروں کو فروغ۔
- کنٹھیر وا اسٹوڈیو کا قیام۔
- اِنگل ڈال، تانبہ کی کان اور ہٹّی سونے کی کان کا انتظام۔
- کبّن پارک بنگلور میں نان گزیٹیڈ سرکاری ملازمین کی اسوسی ایشن کے لئے خطّہ اراضی۔

2۔اندرآگاندھی اور نجلنگپّا کی خط وکتابت

تقسیمِ کانگریس کے بارے میں

وزیراعظم اندرآگاندھی اور دیگر پانچ لوگوں کی طرف سے خط بہ نام صدرِ کانگریس لیس نجلنگپّا، مورخہ ۹/اکتوبر ۱۹۶۹ء

(ا) سیاسی صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد کانگریس ورکنگ کمیٹی نے ۲۵/اگست کو ایک قرارداد منظور کی کہ تمام کانگریسی تنظیم میں اتحاد کی فضا بنائے رکھنے کی

ضمیمے

1- بہ حیثیتِ وزیراعلیٰ ایس۔ ین کے کارناموں کی فہرست' (جن کا ذکر اس کتاب کی اصل عبارت میں شامل نہ ہوسکا)۔

- بنگلور ڈیری Bangalore Dairy
- دیہات میں کھادی اور دیہی کارخانوں کے فروغ کے لئے کھادی اور دیہی کارخانہ بورڈ کا قیام
- تنگا بھدرا نہر کی تعمیر
- کسان' اس نہر کی تعمیر کا خرچ برداشت کرنے کے اہل نہیں تھے۔ اس لئے وزیراعلیٰ نے احکامات صادر فرمائے کہ سرکاری خرچ پر نہر کی تعمیر ہونے کے دس سال کے اندر' خرچ وصول کرلیا جائے۔
- منگلور بندرگاہ۔
- بسوا بھون کے لئے خطّہ اراضی۔
- پولیس والوں کے لئے رہائشی مکانات اور ہاؤزنگ کارپوریشن کا قیام۔
- کاغذ کے کارخانوں کا قیام۔ ویسٹ کوسٹ پیپر ملس وغیرہ۔
- امدادِ باہمی کی بنیاد پر شکر کے کارخانوں کا قیام۔
- اگرو انڈسٹریس کارپوریشن کا قیام۔

آج ورکنگ کمیٹی کو آپ کا اور اپنے رفقائے کار کا لکھا ہوا خط ملا۔ پڑھ کر دُکھ ہوا۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں نے رضا کارانہ طور پر شری سبرامنیم کو ورکنگ کمیٹی سے نکال دینے کے احکامات جاری کئے ہیں۔ اس فیصلے پر پہنچنے اور اس معاملہ کی تشہیر کرنے سے پہلے آپ مجھ سے سچائی جان لیتیں تو بہتر تھا۔ مَیں نے سبرامنیم کو کوئی خط یا حکمنامہ نہیں بھجوایا ہے۔

رضا کارانہ طور پر فیصلے کرنے کا مَیں عادی نہیں ہوں۔ ذمہ دار رفقائے کار کو چاہئے کہ اس طرح کے بے بُنیاد الزامات سے احتراز کریں۔ آپ تو کانگریس کے دستور اور اُس کے مندرجات سے واقف ہیں کہ کسی بھی فرد کو ورکنگ کمیٹی کا رکن بننے کے لئے اے آئی سی سی کا رکن ہونا لازمی ہے۔ جہاں تک سبرامنیم کا تعلق ہے، ٹی این سی سی کے صدر ہونے کے ناطے ہی وہ اے آئی سی سی کے رکن تھے۔ اب چونکہ وہ ٹی این سی سی کے صدر نہیں رہے، اُن کی جگہ پُر کرنے وغیرہ کی کارروائی ہنوز باقی ہے۔ مَیں اس معاملے میں شری سبرامنیم کو لکھنے ہی والا تھا، اگر ان کو مراسلہ بھجوا کر رائے طلب نہ کریں تو کانگریس کے دستور کی خلاف ورزی ہوگی۔ اتحاد کی خاطر، کیا کانگریس کے دستور کے تقدّس کو نظر انداز کر دیا جائے؟

آندھرا پردیش سے مجھے خطوط آئے ہیں کہ کے پی سی سی کے صدر اور سکریٹری وہاں کی سرکار میں شامل ہو گئے ہیں، مگر ان کے جانشینوں کو منتخب کرنے کے لئے کوئی انتظامات نہیں کئے گئے ہیں۔ ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کے تحت، کملاپتی ترپاٹھی، پی سی سی سے عرصہ پہلے ہی مستعفی ہو چکے ہیں، اور نئے صدر کے انتخاب کے لئے ایک میٹنگ طلب کی گئی، پر اسے ملتوی کرنا پڑا۔ اس لئے ضابطہ کے مطابق پی سی سی کے دفاتر کو یاد دلانا ضروری ہو گیا ہے۔

کوشش کریں۔ شکایتیں ملی ہیں کہ کانگریس کے اہم قائدین کی طرف سے اس قرارداد پر پوری ایمانداری سے عمل نہیں ہو رہا ہے۔

سی۔ سبرامنیم کو ورکنگ کمیٹی سے اور کملاپتی ترپاٹھی اور کاکنی وینکٹ رتنم کو اپنے اپنے عہدوں سے کوئی دس سال پہلے پاس کی گئی قرارداد کے تحت کانگریس سے نکال باہر کرنے سے پارٹی میں اتحاد کی کوششوں کو زبردست دھکہ پہنچا ہے، اور اتحاد برقرار رکھنے کی قرارداد کو نقصان ہوا ہے۔

۷؍اکتوبر کو پارلیمانی بورڈ نے ان اُمور پر تبادلۂ خیال کیا ہے، اور طئے کیا ہے کہ ان باتوں کا کانگریس ورکنگ کمیٹی، فی الحال ملتوی کرنا بہتر تھا، جبکہ اس ماہ کے اواخر میں ایک اجلاس ہونے ہی والا تھا۔ صدر کانگریس کی اس حرکت سے سنگین سیاسی نتائج متوقع ہیں۔ اس لئے کانگریس ورکنگ کمیٹی کو چاہئے کہ جلد سے جلد اس پر مناسب غور وخوص کرے۔

ہم اس لئے گذارش کرتے ہیں کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کا اجلاس جو ۳۰؍اکتوبر کو بلایا جانے والا ہے، اسی ماہ کی پندرہ (۱۵) تاریخ کو بُلا لیا جائے۔ دریں اثناء صدر کے جاری کیے ہوئے حکمنامے کو التواء میں رکھا جائے۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ سارے سیاسی حالات کے تفصیلی جائزے کے لئے ''صدرِ پارٹی'' اے آئی سی سی کی میٹنگ، جلد سے جلد بلائیں، بلکہ ۷؍نومبر سے پہلے بُلا لیں۔

صدر کانگریس شری ایس نجلنگپّا کا ۹؍اکتوبر ۶۹ء کا خط
وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کے نام

پیاری اندرا جی

۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۹ء

مَیں نے ۹ر اکتوبر کو آپ کے پانچ رفقائے کار کے لکھے ہوئے خط کا جواب بھجوایا تھا۔آپ نے خط میں میرے رضا کارانہ فیصلوں اور تمام سیاسی صورتحال پر فوراً تبادلۂ خیال کیلیۓ اے ائی سی سی کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کرنے کی بات کہی تھی۔مَیں نے جواب فوراً اس لئے بھجوایا کہ آپ کو غلط فہمی نہ ہو کہ میں نے شری سبرامنیَن کے بارے میں رضا کارانہ طور پر فیصلہ کیا ہے وغیرہ۔مَیں نے اس الزام کی بھی تردید کی ہے کہ ''اتحاد کی قرارداد'' کے نفاذ میں اِن فیصلوں سے دھکہ پہنچا ہے۔''

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ آپ کا آٹھ تاریخ کا خط میرے لئے ایک بڑا دھچکہ ہے۔آج کل آپ کا اور آپ کے رفقاء کار کا یہ طریقۂ کار ہے کہ کوئی بات مجھے مطلع کرنے سے پہلے ہی اخباری نمائندوں کو معلوم کرادی جاتی ہے۔جہاں تک میرے حافظے کا تعلق ہے'میں نہیں سمجھتا کہ انڈین نیشنل کانگریس کی لمبی تاریخ میں' آج تک ورکنگ کمیٹی کے اراکین نے صدر کانگریس کو اس طرح کا کوئی خط لکھ کر اُن پر الزام لگایا ہو کہ انہوں نے رضا کارانہ طور پر تنظیم کے دستور و مفاد کے خلاف کوئی کارروائی کی ہو'اور نہ ہی مجھے کوئی ایسا واقعہ یاد ہے' جہاں ورکنگ کمیٹی کے اراکین نے اپنے عہدہ پر ہوتے ہوئے بھی صدر کے خلاف اس طرح کی بدگوئی کی تحریک چلائی ہو'اور صدر کی کسی عملی کارروائی پر تبادلہ خیال کیلیۓ اے ائی سی کے سیشن کا مطالبہ کیا ہو۔ماضی میں اختلافِ رائے ہونے پر بھی ورکنگ کمیٹی کے اراکین نے اتحاد و اتفاق کا ثبوت دیا ہے' اور اسی لئے ورکنگ کمیٹی کو ''ہائی کمان'' کا مرتبہ نصیب ہوا ہے'اور جس نے سالمیت

یہ تعجب وافسوس کی بات ہے کہ آپ نے اس طرح کی نکتہ چینی کی ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ...... ''ان قراردادوں کے تحت' جو کہ کوئی بیس سال پہلے پاس کی گئی تھیں' عمل درآمد سے حالات بگڑیں گے' اور اتحاد کی تحریک کو ٹھیس پہنچے گی' اور دشواریاں حائل ہوں گی''۔

مَیں نے سوچا کہ کانگریس کی قراردادوں پر عمل لازمی ہے۔ جب تک کہ اُن میں ترمیم وتنسیخ نہیں ہوجاتی۔ بالخصوص وہ قراردادیں جو پارٹی میں ڈسپلین سے تعلق رکھتی ہوں' کیا یہ آپ کی تھیسس (THESIS) ہے کہ کچھ عرصہ بیت جانے پر فیصلے خودبخود مٹ جاتے ہیں' اور قراردادیں اپنی اہمیت کھودیتی ہیں؟ میرے رضاکارانہ فیصلوں سے کسی فرد کا فائدہ ہورہا ہو تو اسے اتحاد کا نفاذ سمجھ لینا چاہئے۔؟

چونکہ آپ کے تحریر کردہ خط میں تشویش کا اظہار ہوا ہے' محسوس کرتا ہوں کہ طے شدہ پروگرام میں کوئی تبدیلی ضروری نہیں ہے' اور نہ ہی مرکزی ورکنگ کمیٹی کی یا اس کی طرف سے اے ائی سی سی کی میٹنگوں کی تاریخ میں تبدیلی ضروری ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ سارے سیاسی حالات پر تبادلۂ خیال کیلئے فوری اجلاس طلب کیا جائے' مگر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کون سے امور ہیں' جو فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔

صدرِ کانگریس شری ایس۔ نجلنگپّا کی طرف سے

خط بہ نام' وزیراعظم' شریمتی اندرا گاندھی

کیمپ آفس' بنگلور

اُس وقت بھی ان سے اپیل کی تھی کہ کانگریس کے امیدوار کیلئے دلجمعی سے کام کریں۔

اس وقت جب کہ پارٹی کے وقار کو ناقابل تلافی نقصان ہو چکا تھا، ورکنگ کمیٹی میں آپ سے ان الزامات کا ثبوت پیش کرنے کیلئے کہا گیا تو آپ نے یہ کہہ کر اپنا دامن بچالیا کہ آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، اور اس طرح وہ کہانی وہیں ڈھیر ہوگئی۔ پھر بھی کانگریس امیدوار کی ہار پر آپ نے تاسف کا اظہار نہیں کیا۔ یا اپنے طریقۂ کار پر افسوس نہیں کیا۔ جب کہ اُس بے بنیاد من گھڑت کہانی کی بنیاد ہی پر بے اصولی کو شہ ملی۔ سچ تو یہ ہے کہ اخبار گواہ ہیں کہ آپ نے کانگریس امیدوار کی ہار پر یعنی ہمارے مخالف امیدوار یعنی شری گرؔی کی جیت پر مبارکبادیاں قبول فرمائیں۔

مجھے اعتراف ہے کہ اخلاقی سطح پر پارلیمانی جمہوریت کی تاریخ میں ایسا واقعہ میں نے نہ سُنا اور نہ دیکھا، اور اِس تلخ حقیقت کو برداشت کرنے میں جو کوفت مجھے ہوئی ہے، اُس کو بھلانا ناممکن ہے۔

مجھے یقین ہے کہ جمہوریت پسند عوام کو آپ کی اِس حرکت پر بیحد تعجب ہوا ہوگا، کہ کس طرح آپ نے پارلیمانی بورڈ کے فیصلے کی خلاف ورزی کی اور آپ کی پیشین گوئیاں کہ اس کے نتائج سنگین ہوں گے وغیرہ، چونکانے والی تھیں۔ آپ کا اشارہ غالباً مرارجؔی دیسائی کی طرف تھا۔ بارہا درخواستوں کے باوجود کانگریس پارلیمانی پارٹی کے وہپ کو آپ کی طرف سے ہدایات کا نہ دینا، جگجیوؔن رام اور فخرالدین علؔی احمد کے بے بنیاد الزامات کو ہوا دینا، اور یہ کہنا کہ ان الزامات کی وجہ سے کانگریس امیدوار کو، صدارتی انتخاب میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اور آپ کی ناقابل قبول باتیں کہ ضمیر کی آواز پر ووٹ دیا جائے۔ یہ سب مجموعی طور پر اس بات کی نشان دہی کر رہی تھیں کہ آپ کو پارٹی کے فیصلہ سے اتفاق نہیں، اور یہ کہ کمیونسٹ پارٹی اور مسلم لیگ کے امیدوار کی حمایت ہی پر

'وفاداری' اور باہمی وقار سے عوام کا دل جیتا ہے۔

آپ نے اور چند رفقاء کار نے جو طریقۂ کار اپنایا' وہ ہماری دیرینہ روایات سے ہٹ کر ہے۔ وہ جمہوری نظام اور بھائی چارگی کے خلاف ہے' اور ایسی حرکت' ہماری پارٹی کی رُوح سے میل نہیں کھاتی۔ آپ نے ادب واحترام' پاسداری' اور انصاف کو بالائے طاق رکھ کر مجھے سنگین الزامات کا شکار بنایا' اور وہ بھی سنی سنائی باتوں پر' یا شک کی بنیاد پر۔ حد یہ کہ مجھ سے ان امور کی حقیقت جاننے کی زحمت بھی گوارہ نہ کی' اور یہ پہلا موقع نہیں ہے' جہاں آپ نے کانگریس کے صدر کے وقار کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ آپ نے تو بنیادی خوش خلقی کو تک خیر باد کہہ دیا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ صدر ہند کے عہدہ کیلئے پارٹی کے اُمیدوار کو چننے کے بارے میں میں نے مئی' جون اور جولائی میں بارہا آپ سے کہا تھا کہ ہمیں امیدوار کا انتخاب کر لینا چاہئے' مگر آپ نے اُسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ ابھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ آپ نے کسی کا نام تک تجویز نہیں کیا۔ حتیٰ کہ ۱۲ر جولائی کو اُمیدوار چننے کیلئے ہماری پارلیمانی بورڈ کے پاس' صرف دو گھنٹے رہ گئے تھے۔

آپ کو یہ بھی یاد ہوگا' کہ حالیہ صدارتی انتخاب کے مرحلے میں آپ' شری جگجیون رام' اور فخر الدین علی احمد نے ایک الزام مجھ پر لگایا کہ میں نے خفیہ طور پر جن سنگھ اور سوتنترا پارٹی سے معاہدہ کر لیا ہے۔ ایسے نازک وقت پر بھی آپ نے مجھے بلا کر' یا مجھ سے بات کر کے' حقائق جاننے کی پروا نہیں کی۔ حالانکہ مجھ پر دباؤ پڑ رہا تھا' اور اسے کانگریس پارٹی کے امیدوار کے خلاف ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جانے لگا تھا...... یہ الزام مجھ پر عائد کرنے سے پہلے ایک دن قبل شری جگ جیون رام اور فخر الدین علی احمد' مجھ سے ملے تھے' پھر بھی انہوں نے مجھ سے اس بارے میں کچھ بھی نہیں کہا' گو کہ میں نے

میرا خیال تھا کہ آپ نے' صدرِ عہد کے کانگریسی امیدوار کی شکست سے سبق لیا ہوگا۔ یہ واضح ہے کہ اتحاد کے بنا پارٹی کی پالیسیوں اور کارکردگیوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اتحاد پر تنظیم کی قراداد بالکل صاف ہے۔ ہم نے اِسے تسلیم کیا تھا' اور زور دیا تھا کہ اتحاد برقرار رکھنے کی ہر ممکن کوشش ہوتی رہے' اور پارٹی کے اندر پارلیمانی شاخ ہو کہ انتظامی' سب اپنے اپنے دائرہ میں مثبت رول ادا کرتے رہیں' تا کہ تنظیم مضبوط تر ہوتی جائے۔

میرا ضمیر صاف ہے کہ مَیں نے ایسا ہی کیا' جیسا کہ میری پارٹی نے مجھ سے کہا' اور ہمہ وقت سب سے اپیل کرتا رہا کہ پارٹی کی پالیسیوں اور قراردادوں کا احترام اور نفاذ ضروری ہے۔

خط کے ذریعے آپ نے مجھ پر پارٹی کے خلاف کام کرنے کا الزام لگایا تو تعجب ہوا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ آپ شاید بھول گئیں کہ اتحاد پر قرارداد کی شروعات کیوں' اور کس طرح ہوئی۔ اسی لئے غالباً آپ نے اور چند ساتھیوں نے بنگلور سیشن کے بعد ایسا دستخط شدہ خط بھجوایا' اور اتحاد کی قرارداد سے پہلے' اور بعد میں یہ طریقۂ کار اپنایا۔

اے ائی سی سی کے بنگلور سیشن کے بعد' کی آپ کی تقریروں اور کارکردگیوں سے مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ پارٹی کے تئیں آپ کا کیا رویہ ہے۔ آپ اپنی تقریروں میں اکثر صرف وزیراعظم کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتی ہیں۔ اس سے کسی کو انکار نہیں' مگر جمہوریت میں ایک وزیراعظم ایک ''سوایم بھو'' نہیں ہوتا۔ اُسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ وزیراعظم کو اپنی پارٹی چنتی ہے' اور پارٹی کے امیدواروں کو عوام چنتے ہیں۔ یعنی وزیراعظم کا انتخاب پارٹی کے نمائندوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ عوام کے سامنے پارٹی ہی کا منشور پیش کیا جاتا ہے۔ یہ عام کارکنانِ پارٹی ہی تو ہیں' جو پارٹی کیلئے کام کرتے رہتے ہیں' اور ووٹ

آپ کمر بستہ ہیں۔ ظاہر بات ہے' ایسی کھلی تائید نہ صرف کانگریس کے امیدوار' بلکہ کانگریس پارٹی ہی کی بنیادیں ہلانے کیلئے کافی تھی۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ کوئی بھی سیاسی پارٹی اندر سے کھوکھلی ہو جائے تو وہ جلد دَم توڑ دے گی۔

کسی بھی سیاسی تنظیم یا جمہوریت پسند پارٹی کی پالیسیاں اور پروگرام بے لاگ تبادلۂ خیال کے بعد ہی ٹھوس شکل اختیار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اکثریت کی رائے مقدم جانی جاتی ہے۔ پارٹی کا دستور اجازت دیتا ہے کہ پارٹی کی پالیسیاں کس طرح بنائی جائیں' اور پارٹی کے امیدواروں کا انتخاب کس بنیاد پر کیا جائے۔ پارٹی کے کارکنان اُسی شخص کو تسلیم کرتے ہیں' جو پارٹی کی پالیسیوں' فیصلوں کا احترام کرتا ہو اور ان پر عمل بھی کرتا ہو۔ تب کہیں جا کر وہ اپنی پارٹی کے امیدوار کیلئے کام کرتا ہے' اور جب بھی پارٹی کارکن پارٹی کے امیدوار کے خلاف' یا پارٹی کے مفاد کے خلاف کام کرتا ہے' تو پارٹی کا امیج خراب ہو جاتا ہے۔ اُس کا اثر زائل ہو جاتا ہے۔

اس سے شخصیت اور عوام کا اعتماد دونوں بُری طرح مجروح' بلکہ مشکوک ہو جاتے ہیں' اور پارٹی کے سامنے ایک بڑا سوالیہ نشان لگ جاتا ہے' کہ آگے کیا کیا جائے۔ تنظیم کو یقین نہیں ہوتا کہ اپنا امیدور اجیتے گا کہ نہیں' اور پھر اگر پارٹی برسرِ اقتدار ہو تو وثوق سے کہا نہیں جا سکتا کہ پارٹی کے اراکین یا ممبران پارلیمان اپنا تعاون برقرار رکھ سکیں گے بھی کہ نہیں' ایسی سرکار کے گرنے یا لڑکھڑاتے رہنے کا خدشہ ہمیشہ لگا رہتا ہے' اور بے یقینی کی فضاء پھیل جاتی ہے۔ یہ واضح ہے کہ ایسے جرائم سرایت کر جائیں تو پارلیمانی جمہوریت ناقابلِ علاج مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ پارلیمانی جمہوریت اسی وقت موثر و قابلِ احترام مانی جائے گی' جب پارٹی کے کارکن متحد ہوں' اور پارٹی کی پالیسیوں کا احترام کرتے ہوں۔ یہ نظم و ضبط نہ ہو تو پارٹی یا تنظیم خود ہی بکھر جائے گی۔

آپ پس پشت ڈال رہی ہیں۔ اگر آپ سے کوئی یہ پوچھے کہ آپ نے جو کر دکھایا ہے' دراصل پارٹی آپ سے وہی چاہتی رہی ہے' تو آپ کے جذبات کوٹھیس پہنچتی ہے۔ گوکہ پارٹی کے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آپ کو پورے اختیارات دئے گئے ہیں' اور آپ ہی اُس کی مختارِ کل ہیں کہ آپ کے ذریعے پارٹی کے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا ہے۔ آپ بُرے نتائج ہی کو پارٹی کے سر تھوپنا چاہتی ہیں۔

اگر پارٹی کے اربابِ حل وعقد یعنی پارلیمانی پارٹی پالیسیوں یا تنظیم کی کارکردگیوں پر نظر ثانی کرنا چاہتی ہے' یا جائزہ لینا چاہتی ہے' تو آپ ناپسندیدگی کا اظہار کرتی ہیں۔ آپ یہ تاثر دیتی ہیں کہ آپ کو خوشی اسی وقت ہوگی' جب پارٹی آپ کی مرضی ہی کے مطابق پالیسیاں بنائے اور یہ کہ انتظامیہ میں اور امیدواروں کے انتخاب میں' صرف آپ ہی کی رائے مقدم مانی جائے۔

یہ دیکھا گیا ہے کہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں کئی ایک بار پالیسیوں پر تفصیلی گفتگو سے آپ نے دامن بچایا ہے' اور حصہ لیا بھی تو بے دلی سے یا فیصلوں سے اتفاق نہیں کیا' حالانکہ کئی ایک امور' انتظامیہ کے دائرۂ اختیار میں ہوتے ہیں' تاکہ آگے چل کر ذمہ داری کا تعین کر سکیں۔ یعنی انتظامیہ اُن امور پر اپنے فیصلے کی مُہر ثبت کرتی ہے۔

آپ کے حالیہ خطوط سے یہ تاثر ملتا ہے کہ گویا آپ تنظیم کے صدر کو دستوری اختیارات چلانے کا حق صرف اِن امور کیلئے دے رہی ہیں' جہاں آپ کے مفادات کا تحفظ یقینی ہے۔ آپ کا رویہ یہ ہے کہ پارٹی کا اُمیدوار آپ کی پسند کا ہو' یا پارٹی کے قوانین وضوابط آپ ہی کی پسند کے ہوں' اور اُن کا اطلاق آپ کی بتائی ہوئی شخصیتوں پر' آپ کی مرضی یا ہدایات کے مطابق ہی ہو' اور اُسے کرنے میں قوانین میں ترمیم وتنسیخ بھی آپ ہی کی مرضی کے مطابق ہو۔

حاصل کرنے کی مہم چلاتے رہتے ہیں۔ اکثریت حاصل نہ ہونے پر بھی پارٹی کو چاہئے کہ اپنی کارکردگی جاری رکھے۔

تنظیم اور لیجسلیچر لے درمیان رشتہ اس بنیاد پر نہیں ہوتا' کہ پارٹی ہمیشہ برسراقتدار رہے گی' کوئی کہہ نہیں سکتا کہ پارٹی کو پارلیمان میں اکثریت ملنے اور پارٹی کا قائد وزیراعظم بننے کے بعد پارٹی اور پارٹی کی پالیسیوں' پروگراموں' تجربوں 'امیدواروں کی نامزدگی وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی اور یہ کہ قائد کی شان میں صرف قصیدہ گوئی کا سلسلہ ہی روا رکھا جائے۔ ایسی پالیسی جمہوریت کے مفاد کے خلاف ہوگی۔ جمہوریت میں پارٹی کو نظرانداز کرکے' قائد کی تحسین و تشہیر ہی کو مرکزیت دینا ٹھیک نہیں' مگر آپ کی تقریروں اور کارکردگیوں سے پارٹی کے تئیں آپ کے غیر معمولی رویہ کا پتہ اور ثبوت ملتا ہے۔ پارٹی کے چُنے ہوئے اُمیدواروں کو چھوڑ کر کسی اور ہی امیدوار کیلئے کام کرنا بہت بڑی بے وفائی ہے۔ اِس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ آپ کی مرضی پارٹی کی مرضی بن جائے۔

پارٹی اپنی پالیسی بناتی ہے' پروگراموں کو عملی جامہ پہناتی ہے' مگر آپ ان سے اتفاق نہیں کرتیں' بلکہ اپنی پسند کا ہی کام کرتی ہیں' تو یہ انفرادی کوشش ہی کہلائے گی نہ کہ پارٹی کی۔ مان بھی لیں کہ آپ نے پارٹی کے فیصلوں کو' منصوبوں کو (جیسے دس نکاتی پروگرام) یا ۱۹۷۵ء کی بنیادی ضروریات کی تجاویز کی یقین دہانی کا فیصلہ تسلیم کر بھی لیا' تو آپ سمجھتی ہیں کہ آپ نے جو بھی کیا ہے' وہ اپنی مرضی کے خلاف کیا ہے' اور وہ پارٹی کے نظریات سے میل نہیں کھاتا۔ مطلب یہ کہ ساری کامیابیوں کا سہرا آپ انفرادی کوشش کے سر باندھنے کی عادی ہیں۔ اپنے حمایتیوں کے پروپگنڈہ پر آپ زیادہ بھروسہ کرتی ہیں کہ آپ کی ہدایتیں ثمر بار ہوئیں۔ ایسا کرنے سے پارٹی کے وقار اور عظمت کو

غریبوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔

آپ یہ نہیں کہتیں کہ کانگریس پارٹی بینکوں کو قومیانے کے حق میں رہی ہے۔آپ کو یاد ہوگا کہ برسوں پہلے سنڈیکیٹ کے نام پکارے جانے والے اراکین نے بینکوں کو قومیانے کا مطالبہ کیا تھا' اور اُس کے بعد ہی آپ نے بنگلور کے اے ائی سی سی میں' اِس کے بارے میں ایک نوٹ بھجوایا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ کامراج' چوہان' اتلیہ گھوش اور دوسروں نے آپ کے نوٹ سے بہت پہلے ہی بینکوں کو قومیانے کی بات پارٹی کے سامنے رکھی تھی۔آپ کے اس نوٹ میں بھی آپ نے بینکوں کو قومیانے کو اوّلیت نہیں دی تھی' بلکہ آپ نے کہا تھا کہ اگر سماجی کنٹرول ناکام رہا تو تبھی بینکوں کو قومیایا جائے۔شری اشوک مہتہ نے ایک حالیہ بیان میں اس ضمن میں کابینہ اور ورکنگ کمیٹی میں ہوئی بحثوں پر آپ کے رویہ کی یاد دلائی ہے۔پھر بھی قومیانے کے تصور کو آپ کے ذہن کی اختراع کا اعزاز دیا گیا ہے' اور عوام کو یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ کچھ قدامت پسند لوگ اس کے خلاف تھے' اور یہ کہ ان لوگوں کی مخالفت کے باوجود آپ نے اسے عملی جامہ پہنا کر ہی چھوڑا' جبکہ حقائق اُس کے برعکس ہیں' اور ہر کوئی اس سے واقف ہے کہ کن حالات میں' اور کیسے آپ نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔اب اُن سب کو دہرانا' ضروری نہیں ہے۔آپ کی کوششوں اور رویہ سے آپ کی شخصیت اور وقار کو اہمیت ملتی ہے۔بڑھاوا ملتا ہے اور یہ کہ ترقی پسند تقاضوں کی آپ ہی رُوحِ رواں ہیں' تاکہ ان تمام لوگوں کے خلاف عوام یہ رائے قائم کریں کہ آپ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتیں ۔آپ نے صرف اپنے آپ سے وفا کی ہے اور کانگریس سے آپ کی وفاداری بس برائے نام ہے۔آپ سے وفاداری گویا کانگریس سے وفاداری کا تصور دیا گیا ہے۔آپ کے قصیدہ گو آپ کی نظر میں حقیقی ترقی پسند ہیں۔آپ سمجھتی ہیں کہ وہ جو تنظیم

آپ اکثر کہتی ہیں کہ آپ گروہ بندی کے خلاف ہیں اور یہ کہ کوئی سنڈیکیٹ ہے جو گروپ کی شکل میں کام کرتا ہے' اور وہ یہ کہ وہ آپ کے اور آپ کی ترقی پسند پالیسیوں کے خلاف کام کرتا ہے۔ مجھے پتہ نہیں کہ آپ کی رائے میں وہ کون ہے' جو سنڈیکیٹ کے لیبل کا مستحق ہے' مگر مجھے اِتنا معلوم ہے کہ پریس نے اِس اصطلاح کو اپنایا' اُن لوگوں کے تئیں' جنھوں نے شری لال بہادر شاستری کے انتخاب کیلئے اور بعدازاں ۱۹۶۵ء اور پھر ۱۹۶۷ء کے عام انتخابات کیلئے کام کیا۔

مرارجی دیسائی' یقیناً اُس گروپ سے منسلک نہیں تھے' جبکہ اُن تینوں نازک موقعوں پر وہی تو تھے' جن کو اپنی امیدواری واپس لینے پر پارٹی نے مجبور کیا تھا۔ یا ہار جانے پر آمادہ کیا تھا' تاکہ لال بہادر شاستری جی اور پھر آپ کو جیت نصیب ہو سکے۔ اس وقت تو آپ کو سنڈیکیٹ یا وہ گروپ بُرا نہیں لگا تھا...... اُس وقت آپ نے یہ نہیں کہا تھا کہ تنظیم میں ان لوگوں کی رکنیت بوگس ہے' اور یہ کہ وہ لوگ تنظیم کو سنبھال رہے ہیں' اور نہ ہی آپ نے کبھی اعتراض کیا کہ وہ مٹھی بھر لوگ اعلیٰ منصبوں کیلئے امیدواروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ آپ خود واقف تھیں کہ انہی لوگوں کی کوشش سے آپ پارلیمانی پارٹی کی قائد چنی گئی تھیں' اور اب آپ کہتی ہیں کہ وہ لوگ آپ کی ترقی پسند پالیسیوں کے خلاف ہیں اور یہ کہ ان کی بدولت وزیر اعظم کا وقار گھٹ رہا ہے۔!!

بینکوں کو قومیائے جانے کے بعد کی تقریروں میں آپ نے پُرانے قائدین کی بینکوں کے بارے میں پالیسی کی مخالفت کا ذکر کیا ہے' اور یہ بھی کہ وہ قائدین سرمایہ داروں کے ساتھ ہیں۔ اخباروں نے لکھا ہے کہ آپ یہ کہتی رہتی ہیں کہ آپ غریبوں کے ساتھ ہیں' اور انہیں اچھی طرح جانتی ہیں اور یہ کہ آپ اُن کے ساتھ رہنا پسند کریں گی۔ آپ نے یہ کبھی بتانے کی کوشش نہیں کہ کانگریس پارٹی ہمیشہ

جم کر بیٹھیں گے، ریاستوں سے سرکار چلانے کیلئے دیگر مخالف پارٹیوں کا تعاون طلب کرنے سے بھی آپ پیچھے نہیں ہٹیں گی، تاکہ آپ کا ذاتی شخصی وقار بلند ہوتا رہے، اور اس سے چاہے پارٹی پر کچھ بھی بُرا اثر پڑ جائے۔

کمیونسٹوں، مسلم لیگ اور ڈی ایم کے کو آپ نے جب صدر کے انتخاب کے وقت کانگریس کے امیدوار کو ہرانے کیلئے جس ڈھنگ سے استعمال کیا، اس سے ہمارے اس تاثر کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس کا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ آپ کی شخصیت اور مقبولیت کو بڑھاوا دینے والے جو بھی کریں وہ قابل قبول و تحسین ہے، اور وہ لوگ قابلِ معافی ہیں، مگر اس سے پارٹی کو جو نا قابلِ تلافی نقصان ہو رہا ہے، اس پر آپ کی نظر نہیں جا رہی ہے۔

ان حمایتیوں نے چاہے انکم ٹیکس کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہو، چاہے پارٹی کی ہدایات کے مطابق اپنی جائیداد کا اعلان نہ کیا ہو، چاہے اے ائی سی سی کو اب بھی اس سے اندھیرے میں رکھا ہو، مختلف ذرائع سے پارٹی کے نام پر چاہے کثیر رقم وصول کر کے 'پارٹی کو حساب کتاب نہ دیا ہو۔ ایسے لوگ آپ کی طرف سے غالباً قابل معافی ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ دُکھ اس بات کا ہے کہ آپ کی کارکردگی، اور ملک کا مفاد روز روز بُری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ اب مجھے شک سا ہونے لگا ہے کہ اس صورتحال سے پارٹی پر ایک ہی فرد کا تسلط ہوگا، اور جمہوری نظام کمزور پڑ جائے گا۔ یہ سب کچھ لکھتے ہوئے مجھے بہت دُکھ ہو رہا ہے۔ آپ کو ان تمام حالات اور خطرات سے آگاہ کرانے سے پہلے میں نے کئی گھنٹوں، بلکہ کئی دن تک کافی سنجیدگی سے سوچا ہے، مگر تنظیم کے سربراہ کی حیثیت سے یہ میرا فرض بنتا ہے، کہ صحیح تصویر دکھاؤں۔ میں اپنی ذمہ داری سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ صدر کانگریس کے ناطے ان تمام حالات پر گہری نظر رکھنا، اور

اور اس کی پالیسی کے ہمنوا ہیں، وفادار ہیں، (پر جو یہ نہیں چاہتے کہ امیدواروں کو چننے کا حق آپ ہی کو ہو، انتظامیہ کی باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں ہو) اور چاہتی ہیں کہ پارٹی کی پالیسیاں، مدلل بحث کے بعد ہی ٹھوس شکل اختیار کریں۔ ایسے لوگ ووٹ کے مستحق نہیں، اور ان کو آپ قدامت پسند اور بے وفا کہتی ہیں۔ آپ ریڈیو اور پریس کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر کے یہ جتانے کی کوشش کر رہی ہیں، کہ بزرگ قائدین 'رجعت پسند ہیں۔ ایسے لوگ حکومت کے وفود میں نامزد نہیں کئے جاتے۔ بلکہ کسی نہ کسی بہانے انہیں غیر ضروری، غیر مفید اور نااہل قرار دے کر ٹال دیا جاتا ہے۔

ان تنبیہات و اشارتی دھمکیوں کا، جو حکومت اپنے تصرف میں لاسکتی ہے، بڑی فراخدلی سے استعمال ہو رہا ہے، اور شخصی وفاداروں کی ایک فوج تیار کی جا رہی ہے۔ ان سب باتوں سے یہی تاثر ملتا ہے کہ آپ کی نظر میں کسی بھی ایسے شخص کو پارٹی یا سرکار میں کوئی جگہ نہیں، جو آپ کے نظریات، پسند و ناپسند میں تھوڑا بہت بھی اختلاف رکھتا ہو۔

آپ کہتی ہیں کہ آپ گروہ بندی کے خلاف ہیں، مگر آپ نے حال ہی میں جو خط میرے نام بھیجا ہے، اس پر ورکنگ کمیٹی کے چھ اراکین کے دستخط ہیں، اور ان میں سوائے ایک کے سب وہی ہیں، جو ''آزاد ووٹ'' دینے کے حق میں تھے۔

آپ کی کابینہ کے اراکین ملک کا دورہ کر کے ورکنگ کمیٹی اور پارلیمان کے اراکین سے جبراً دستخط لے کر یہ تاثر دے رہے ہیں، کہ تنظیم سے بڑھ کر ایک سے وفاداری اہم ہے، اور آزادئ اظہار کا حق رکھنے والا آپ کی ہاں میں ہاں ملانے والا ہی دراصل پارٹی، اور آپ کے حق میں کارآمد ہے۔ یعنی یہ کہ حواریوں کو آپ نوازیں گی۔

یہ تاثر بھی دیا جا رہا ہے کہ ریاست میں جمہوری طور پر منتخب کئے گئے اے ائی سی سی کے اراکین کو بھی آپ نظر انداز کر دیں گی، اور آپ کے انتظامیہ میں آپ کے حمایتی ہی

کا اطلاق لازمی نہیں ہوگا۔ یہ بھی رپورٹ کیا گیا ہے کہ اجلاس کا فیصلہ ہے کہ کانگریس کے نئے صدر کے انتخاب کے بارے میں غور وخوص کیلئے ۲۲/اور ۲۳/نومبر کو دلّی میں اے ائی سی سی کا ایک خصوصی اجلاس طلب کیا جانا چاہئے...... اِس رپورٹ کی ایک کاپی میں آج بھجوار ہاہوں۔

آپ کو علم ہوگا کہ اے ائی سی سی کا اجلاس وہی لوگ طلب کر سکتے ہیں، جن کو جمہوری طور پر انتخاب کا حق دیا گیا ہے، نہ کہ ان لوگوں کو جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے یا حق نہیں ہے۔ اگر یہ رپورٹ سچ ہے کہ آپ نے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی، جس میں فخرالدین علی احمد، سی۔ سبرامنین اور ایس ڈی شرما کو اے ائی سی سی کا سیشن طلب کرنے کی ذمہ داری دی گئی ہے، تو وہ پارٹی سے بے اصولی ہوگی۔

پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس لئے مَیں اس خط کے ذریعے آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ یہ بتائیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ اے ائی سی سی کے غیر قانونی اجلاس سے آپ جڑی ہوئی تھیں اور یہ سچ ہے تو آپ نے پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی کی ہے، جس کیلئے آپ جواب دہ ہیں۔

صدر کانگریس شری ایس۔ نجلنگپا کا خط، مطابق ۳/نومبر ۱۹۶۹ء بہ نام وزیر اعظم، شریمتی اندرا گاندھی

پیاری اندرا جی

بنگلور کے اے ائی سی سی سیشن کے حالات اور آپ کی کارکردگیوں، اور میرے شبہات و خدشات کے بارے میں میں نے ۲۸/اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ایک خط آپ کے نام

پارٹی کو نقصان سے بچانا میرا فرض ہے، تاکہ تنظیم میں اتحاد برقرار رہے، اور جمہوری طرزِ حکومت کا سلسلہ جاری رہے۔ اس سے سماج بھی ترقی کرے گا۔ مَیں نے صرف اسی جذبہ کے تحت آپ کو یہ خط لکھا ہے، اور امید کرتا ہوں کہ آپ میرے ان احساسات کو اسی نیک جذبہ سے پڑھیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ اب بھی لغزشوں پر قابو پایا جاسکتا ہے، اتحاد ہوسکتا ہے، اور ملک کی تعمیر پر کانگریس بہتر کارکردگی دکھا سکتی ہے۔ مَیں آپ کے ردِعمل کا انتظار کروں گا۔

میں اس خط کی نقل پریس کو نہیں دے رہا ہوں۔

نیک خواہشات کے ساتھ

آپ کا بہی خواہ

لیس۔ نجلنگپّا

بخدمت

شریمتی اندرا گاندھی

نمبر 1 صفدر جنگ روڈ، نئی دلّی

صدر کانگریس شری لیس۔ نجلنگپّا کا خط،

مطابق ۲ر نومبر ۱۹۶۹ء، بہ نام وزیر اعظم، شریمتی اندرا گاندھی

☆

آج کے اخبار نے یہ رپورٹ دی ہے کہ کل آپ نے ورکنگ کمیٹی کے چند اراکین کے ایک اجلاس کی صدارت فرمائی، جو آپ کے گھر پر ہوا۔ جس میں منجملہ اور چیزوں کے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ورکنگ کمیٹی کا کوئی بھی فیصلہ، نامناسب ہوگا تو کانگریس تنظیم پر اس

جمہوریت کا یہی جواب ہے؟

مجھے ڈر ہے کہ اس سے بہت ہی سنگین اور دُور رس نتائج سامنے آئیں گے۔ اس لئے، میرے لئے، یہ ضروری ہو گیا ہے کہ مَیں کانگریسیوں کو بتا دوں کہ پارٹی کو کیا خطرہ لاحق ہے، اور ہماری اس تنظیم کے نظریات، سالمیت وغیرہ کی دھجیاں اُڑانے پر کون کمر بستہ ہیں۔ مَیں اُن سب لوگوں کو جواب دہ ہوں، جن کی خدمت کا ہم نے بیڑہ اُٹھایا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ عوام کو صحیح صورتحال سے باخبر کرا دیا جائے۔ اس لئے میں اِس خط کے ساتھ ۲۸ رنومبر کے خط کی ایک نقل بھی پریس کو بھجوا رہا ہوں۔

آپ کا بہی خواہ

(دستخط) ایس۔ نجلنگپا

وزیراعظم، شریمتی اندرا گاندھی کا خط، مطابق ۳ رنومبر ۱۹۶۹ء بہ نام شری نجلنگپا

پیارے نجلنگپا

مجھے آپ کا ۳ رنومبر ۶۹ء کا خط، ابھی ابھی ملا ہے، جس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ آپ ۲۸ را کتوبر ۶۹ء کو میرے نام بھجوائے ہوئے خط کی ایک نقل بھی پریس کو بھجوا رہے ہیں۔ آپ کا ۲۸ را کتوبر ۶۹ ر کا خط ۲۹ را کتوبر کو میرے ہاتھ لگا۔ چونکہ اس میں بہت سے امور جواب طلب تھے، مَیں نے سوچا کہ ان کے تفصیلی جوابات بھجوائے جائیں۔ مَیں جب ایسا کر رہی تھی تو ۳۱ را کتوبر کو یکلخت یہ اطلاع دی گئی کہ آپ نے

بھجوایا تھا، جس میں آپ کی کارکردگیوں کے اثرات اور کانگریس تنظیم کے متاثر ہونے کا ذکر کیا تھا۔ یہ بھی بتایا تھا کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی کو، جس کیلئے ہم عرصۂ دراز سے کوشش کر رہے ہیں، کس قدر نقصان پہنچا ہے۔ میں نے آپ سے اپیل کی تھی کہ آپ اپنے طریقۂ کار پر نظر ثانی کریں، اور قابل قبول رویہ اپنائیں، تاکہ مزید تباہی سے بچ سکیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ضمیر کی آواز پر کان دھرنے میں تامل نہیں کریں گی۔ مجھے یہ بھی امید تھی کہ لاکھوں کانگریسیوں نے پارٹی کے استحکام کیلئے جو عظیم الشان قربانیاں دی ہیں، اُس کے پیشِ نظر آپ عظیم روایات کو پس پشت نہیں ڈالیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لاکھوں کانگریسیوں میں پارٹی سے وفاداری اور حب الوطنی کا وہی جوش و خروش ہے، مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ نے میری اپیل پر توجہ نہیں فرمائی۔ مجھ سے بات کرنے یا جواب بھجوانے کیلئے آپ نے وقت نہیں نکالا۔ اُلٹے انڈین نیشنل کانگریس کی قانونی طور پر تشکیل شدہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کا نہ صرف بائیکاٹ کیا، بلکہ عین اُسی وقت ورکنگ کمیٹی کے چند اراکین کے ساتھ، ایک اجلاس آپ کی رہائش گاہ پر کیا، اور اُس کی صدارت کی۔ پریس کی خبروں سے پتہ چلا ہے کہ آپ کی صدارت میں منعقدہ اِس اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی گئی ہے کہ میرے چند ایک جاری کردہ احکامات، غیر قانونی ہیں، نا قابلِ قبول ہیں، اور اس لئے کانگریس پارٹی کے صدر کے عہدہ سے مجھے ہٹا دینا چاہئے، اور نومبر ۲۲ / اور ۲۳ کو دلّی میں اے ائی سی سی کا ایک خصوصی اجلاس بھی طلب کیا گیا ہے۔

یہ حرکت کانگریس پارٹی کے دستور کے بالکل خلاف ہے، نا قابلِ معافی ہے۔ لگتا ہے کہ پارٹی کی سالمیت کو بھاری نقصان پہنچانے کیلئے ایسا کیا گیا ہے، تو کیا مَیں یہ سمجھ لوں کہ آپ کی یہ حرکت ہی میرے خط کا جواب ہے۔ اُصول پسندی اور

سے صدر مطمئن نہ ہو۔ یہ اختیار صرف عہدیداروں کو نکالنے کی حد تک محدود ہے۔

اس کا ذکر بھی قابلِ توجہ ہے کہ ایسے عہدیدار کو خارج کرنے سے قبل اُس کو نوٹس دے کر صفائی طلب کی جائے۔ دستور میں موجود ان تمام گنجائشوں، اور ضوابط کی آپ نے خلاف ورزی کی ہے۔

اِن قابلِ گرفت اعتراضات سے ہٹ کر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جب آپ پارٹی میں اتحاد کی بات کرتے ہیں تو آپ کو بتانا ہوگا کہ خلاف ورزی کہاں اور کیسے ہوئی ہے، اور پارٹی کے مفاد کو کہاں دھکہ پہنچا ہے۔؟

مجھے اِس دلیل کے بارے میں بھی کچھ کہنا ہے، جس کی آج کل بہت تبلیغ ہورہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ جس طرح ایک وزیراعظم کو اپنے چنے ہوئے وزیروں میں سے کسی بھی وزیر کو کابینہ سے ہٹادینے کا حق ہے۔ اسی طرح کانگریس کے صدر کو بھی حق ہے کہ اُس کی طرف سے ورکنگ کمیٹی کیلئے نامزد کئے گئے کسی رکن کو خارج کردے۔

وزیراعظم کے اختیارات دستور ہند میں مرقوم ہیں، جبکہ کانگریس پارٹی یا کسی بھی تنظیم کا دستور مختلف اغراض و مقاصد اور اپنی اپنی سہولتوں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ملک کا دستور ملک پر حکومت کرنے والے ناظمِ اعلیٰ کی بہتر کارکردگی کیلئے ہوتا ہے، اور وہ ملک کی پارلیمان کے روبرو جواب دہ ہوتا ہے۔ مگر پارٹی کے دستور کی صورتحال اس سے بالکل الگ ہوتی ہے۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ ان دونوں کا موازنہ کرنا مضحکہ خیز ہوگا۔

فخرالدین علی احمد اور سبرامنیم کے خلاف کارروائی کرنے کے بعد آپ نے ایک اور غیر قانونی کام کانگریس پارٹی کے دستور کے خلاف کیا، وہ یہ کہ ڈاکٹر شنکر دیال شرما کو ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے نکال باہر کردیا۔ چونکہ آپ نے درخواست کی تو انہوں نے قدرتی طور پر معتمد کے عہدہ کیلئے استعفیٰ دے دیا۔ مگر انہیں معتمد بنانے سے کئی مہینے پہلے

فخر الدین علی احمد کو ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے خارج کر دیا ہے۔ عین اُسی وقت آپ نے مسٹر سی۔ سبرامنیم کو بھی ایک خط بھجوا کر انہیں بھی ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے خارج کر دیا ہے۔ مَیں اس نہج پر آپ سے صرف یہی واضح کرنا چاہوں گی کہ پارٹی میں اتحاد برقرار رکھنے کی بات تو آپ نے کی، مگر آپ نے ۲۸ر اکتوبر کے خط میں اتحاد کا جو ذکر کیا ہے، اُس کی خود ہی خلاف ورزی کی، اور جمہوریت وسماج واد کو دھکّہ پہنچایا۔ مَیں سمجھتی ہوں کہ میرا یہ اوّلین فرض بنتا ہے کہ میں شری فخر الدین علی احمد اور شری سی۔ سبرامنیم کے خلاف آپ کی کارروائی کے بارے میں اظہار کروں۔

آپ کو علم ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کے بیس اراکین میں سے سات اراکین اے ائی سی سی کی طرف سے منتخب کئے جاتے ہیں اور بقیہ اراکین کو صدر نامزد کرتا ہے۔ دستور کی دفعہ پانچ کے تحت کانگریس کمیٹی کے ہر رکن کی میعادِ رکنیت عموماً دو سال ہوتی ہے، تو ظاہر ہے ان دو دفعات کے تحت کانگریس کے صدر کی طرف سے نامزد کیا ہوا رکن ہو یا اے ائی سی سی سے منتخب کیا ہوا رکن ہو، دو سال تک برابر اپنی رکنیت پر جما رہے گا۔ ویسے دستور میں کسی بھی رکن کو ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے خارج کرنے کی گنجائش ہی کہاں ہے؟

آپ کے خط سے پتہ چلتا ہے کہ جس رکن کو صدر نے ورکنگ کمیٹی کیلئے نامزد کیا ہے، اسے نکال دینے کا حق صدر کو ہے۔ یہ بات دستور کے قوانین میں نہیں ہے۔ مَیں یہاں صدر کے ان اختیارات کا بھی ذکر کر دینا بہتر سمجھتی ہوں، جس کے تحت صدر عہدیداروں کو نکال سکتا ہے۔

متعلقہ قانون کے تحت کوئی بھی صدر کانگریس کمیٹی کو اپنی طرف سے نامزد کئے ہوئے رکن کمیٹی کو اسی وقت نکال سکتا ہے، جس کو اُس نے نامزد کیا ہو، بشرطیکہ اُس رکن کی کارکردگی

خیال کے بغیر لے لے۔

آپ نے خط کے چھٹویں پیراگراف میں الزام عائد کیا ہے کہ وہ خود جو ضمیر کی آواز پر ووٹ دینے کی بات کر رہے ہیں، وہ کمیونسٹوں اور مسلم لیگ سے ملے ہوئے ہیں، اور یہ کہ شری گری ان پارٹیوں کے اُمیدوار ہیں، اور اس کیلئے آپ نے مجھے اور میرے چند رفقائے کار کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔

آپ نے پارٹی میں سالمیت کی بحالی اور فروغ کی قرارداد کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ آپ اس پر جمے ہوئے ہیں۔ مگر ملک میں آپ کے رویہ کے تعلق سے یہ بات سنی نہیں گئی۔ ورکنگ کمیٹی کے بزرگ اراکین، میرے خلاف بدگوئی کی مہم چلا رہے تھے، اور جو ان کی تائید میں تھے وہ اتحاد کی قرارداد کو نظر انداز کر رہے تھے، اور آپ نے یہ سب کچھ دیکھ کر بھی ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ اس کے برعکس یہ تاثر دیا کہ آپ ان سے ملے ہوئے ہیں۔ اخبارات کی ورق گردانی سے پتہ چل سکتا ہے کہ کس نے کس حد تک اتحاد کی قرارداد کی خلاف ورزی کی۔ یہ بھی بتادوں کہ مَیں نے اور نہ ہی کسی ذمہ دار فرد نے کسی بھی شخص کے خلاف کچھ کہا ہے۔

یو پی سی سی اور مدھیہ پردیش کانگریس کمیٹیوں کو لکھے گئے آپ کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے غیر قانونی طریقہ سے کملاپتی ترپاٹھی، وینکٹ رتنم اور اے پی شرما کے خلاف کارروائی کی ہے، جس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ ان لوگوں کے خلاف کام کر رہے ہیں، جو آپ کی نظر میں میرے ساتھی ہیں۔

صرف کل شام ہی پارلیمانی بورڈ کے اجلاس میں ہم ملے تھے۔ آپ نے ان امور کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ آپ کے فیصلے کی خبر ہمیں دیر سے ملی، جبکہ آپ اور آپ کے دیگر عہدیدار آرام کرنے کیلئے جا چکے ہیں، اور مَیں دوسری صبح لکشادیپ جانے کی

انہیں کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے نامزد کیا گیا تھا' اور اس لئے ان کی عہدیداری اور کمیٹی کی رکنیت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جب آپ نے ان کو اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جانے کی گذارش کی' اور انہوں نے اسے قبول بھی کر لیا تو آپ کا فرض بنتا تھا کہ انہیں کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے خارج کرنے سے پہلے احکامات جاری کرتے۔

ان تمام باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ خود اپنے مفاد کیلئے اپنی سہولت کے پیش نظر آپ کانگریس کے دستور کی خلاف ورزی پر آمادہ ہیں' اور پارٹی کی پالیسیاں بنانے والی اعلیٰ سطحی کمیٹی کی رکنیت سے بھی آپ نے انہیں نکال باہر کرنے کا خود ہی فیصلہ کر لیا' اور اپنا ذاتی فیصلہ مسلط کر دیا۔ انہی وجوہ کی بناء پر میں نے سوچا کہ آپ کو ایک طویل خط اس ضمن میں لکھنا بیکار ہے۔ پھر بھی چونکہ پریس کو خط بھجوا دیا ہے' میرے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان اہم نکات پر روشنی ڈالوں' جن پر آپ نے اپنے خط میں نشاندہی کی ہے۔

صدر کے انتخاب سے جڑے ہوئے تمام اُمور پر ورکنگ کمیٹی میں سیر حاصل تبادلۂ خیال ہوا تھا' اور پارٹی میں اتحاد برقرار رکھنے کی قرارداد ۲۵ راگست کو پاس کی جا چکی تھی' اور پھر اُس سے رجوع ہونا سعیٔ لاحاصل ہے' تاہم میں چند ایک نکات پر روشنی ڈالوں گی' جہاں آپ نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔

آپ کے بیان میں چوتھے پیراگراف کے مندرجات صحیح نہیں ہیں۔ صدارتی انتخاب کیلئے نہ مَیں نے تاریخ ملتوی کرنے کی گذارش کی تھی اور نہ ہی میرا کوئی پسندیدہ امیدوار تھا۔ میں کئی ایک لوگوں سے تبادلۂ خیال کر رہی تھی کہ سب کو پسند آنے والا امیدوار تلاش کر لیا جائے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ پارلیمانی بورڈ نے' تبادلۂ خیال کے بغیر کیا۔ کسی بھی عظیم پارٹی کیلئے' مناسب نہیں کہ ایسے فیصلے تبادلۂ

ہوئے اے ائی سی سی کا اجلاس طلب کرنے کی گذارش کی ہے۔ پارٹی اور سرکار کے رول کے بارے میں اتحاد پر مبنی قرارداد میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ پارٹی کو نظرانداز کر کے میں نے اپنی یا اپنی سرکار کے تمام اختیارات پر قبضہ نہیں جمائے رکھا ہے۔ بلکہ میں محسوس کرتی ہوں کہ پارٹی اور ملک کے مفاد کی خاطر اِن دونوں کو ہمیشہ مل جل کر کام کرنا ہے، تا کہ کامیابی کا سہرا دونوں کے سر رہے۔

صرف سرکاری کارروائیوں ہی سے سماج میں ایسے اقتصادی اور سماجی سدھار نہیں آ سکتا، جن کی ہمارے ملک میں بیحد ضرورت ہے۔ تنظیم کا کام صرف بڑی بڑی پالیسیاں مرتب کرنے پر ہی پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کو مقبول کرانے پر، لاکھوں کروڑوں عوام کو مائل کرنا بھی تنظیم کا اہم کام ہے، اور اسی ذمہ داری کے پیشِ نظر ہم محسوس کرتے ہیں کہ موجودہ صورتحال کے سنگین مسائل سے نپٹنے میں جتنا تعاون تنظیم سے سرکار کو ملنا چاہئے، وہ مل نہیں پا رہا ہے۔

اگر تنظیم کا بھرپور تعاون نصیب ہوتا تو ملک میں پائے جانے والے بہت سے جرائم، اور برائیوں کا تدارک ہو سکتا تھا۔ سرکار کی پالیسیوں اور اُن کے نفاذ کے بارے میں تنظیم فعال ہوتی تو ملک میں عوام ان کا زیادہ احترام کرتے، شرفِ قبولیت بخشتے۔ کوئی بھی شخص یہ سوال پوچھ سکتا ہے کہ تنظیم نے بالخصوص اور مرکزی قیادت نے اس وقت کیا کیا، جب احمد آباد میں فسادات پھوٹ پڑے، جب آندھرا پردیش میں تلنگانہ کے موضوع پر ہنگامے ہوئے، جب چنڈی گڈھ کی شمولیت پر ہریانہ اور پنجاب میں بدامنی کا دور دورہ رہا، اور جب کہ آسام میں تیل کی دوسری ریفائنری کے بارے میں پُرتشدد تحریک چلائی گئی۔ یہ چند واقعات ہیں، جہاں تنظیم ایک تعمیری رول ادا کر سکتی تھی، اور عوام کی صحیح رہنمائی کر کے عوام کا دل جیت سکتی تھی۔

تیاری میں مصروف تھی۔ ان تمام امور پر سنجیدگی سے غور وخوص کرنے کے بعد ہی چند اراکین ورکنگ کمیٹی نے اور مَیں نے یہ فیصلہ کیا کہ ۸ ستمبر کو آپ کے نام ایک مراسلہ بھیجا جائے۔

آپ نے شکایت کی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جن کو شکایت کا حق ہے، وہ تو اور ہی ہیں، اور جنہیں آپ کی غیر دستوری حرکتوں سے ٹھیس پہنچی ہے۔ آپ کا یہ بیان غلط ہے کہ آپ کو لکھا ہوا خط پہلے پریس کو بھجوایا گیا، اور بعد میں آپ کو، آپ نے شکایت کی ہے کہ ورکنگ کمیٹی کے چند اراکین صدر کانگریس کے خلاف بدگوئی کی مہم چلا رہے ہیں، اور مطالبہ کر رہے ہیں کہ اے ائی سی سی کا سیشن بلایا جائے۔ یہ بات حقیقت سے دُور ہے۔ بدگوئی کی تحریک تو دُور کی بات، آپ کے یا کسی بھی ورکنگ کمیٹی کے رکن کے خلاف، میں نے ایسی کوئی مہم نہیں دیکھی۔

کانگریس کے دستور میں گنجائش ہے کہ کسی خاص مقصد کیلئے اجلاس طلب کیا جا سکتا ہے، اور یہاں تو درخواست کی جا رہی تھی کہ صدر کی میعاد چونکہ عموماً دسمبر کو ختم ہونے والی ہے، بروقت انتخاب عمل میں آئے۔

مجھے تو اِس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، خصوصاً اس وقت جبکہ تنظیم کے مفاد کی خاطر اے ائی سی سی کے اکثر اراکین یہ محسوس کرتے ہیں کہ وقتِ مقررہ پر انتخاب ہو جائے۔ اگر پھر سے انتخاب لڑ کر، جیتنا چاہیں تو آپ کو اس کا حق ہے۔ اس کے برعکس تنظیم کے صدر ہونے کے باوجود آپ نے اراکین کے احساسات وجذبات ونظریات، اور وفاداری کو شک کی نظر سے دیکھا، مجھے لگتا ہے کہ خود آپ کی مشتبہ وقابلِ گرفت کارکردگی پر پردہ ڈالنے کی غرض سے آپ نے اپنے خط میں چند متنازعہ فیہ مسائل اُٹھائے ہیں، جبکہ اِن مورِدِالزام اراکین نے جائز طور پر اپنا جمہوری حق استعمال کرتے

عملی جامہ پہنانے کی خاطر مرارجی دیسائی کو وزیر خزانہ کے قلمدان سے ہٹا دیا جائے۔

میری شخصیت کو استحکام دینے کی کوشش اور خود کو ملک پر مسلط کرنے کا مجھ پر الزام بے بنیاد ہے اور دُکھ پہنچاتا ہے۔ آپ کو علم ہے کہ پارٹی تنظیم اور سرکار کے بیچ جو رشتہ ہے وہ پیچیدہ ہے جس پر نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ دیگر جمہوری سرکاروں میں بھی تبادلۂ خیال ہوا ہے خوب بحثیں ہوئی ہیں۔ رشتے برقرار رکھنے چند بنیادی اصولوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہمیں چاہیئے کہ ملک کی آج کی صورتحال کے پیش نظر کوئی قابل قبول مناسب حل ڈھونڈیں اور بس میں وہی کر رہی ہوں۔

آپ نے مجھ پر الزام عائد کیا ہے کہ میں گروہ بندی کی ذہنیت رکھتی ہوں

ایسے کئی لوگوں کو اہم کمیٹیوں اور بورڈوں میں رکھا گیا ہے جو میرے تئیں جارحانہ رویہ رکھتے ہیں اور جہاں سرکار کے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کی ضرورت ہوگی وہاں ایسے لوگوں کو نامزد نہیں کر سکتے جو صدقِ دل سے پارٹی کی پالیسی سے اتفاق نہیں کرتے۔ اگر کسی فرد کی طرف سے اس ضمن میں کوئی کمی پائی گئی تو پارٹی کے قوانین وضوابط کے تحت اُس شخص سے متعلقہ اتھارٹی نپٹے گی۔ میں نے کبھی کسی ایسے شخص کی تائید میں مداخلت نہیں کی جس نے پارٹی کے قوانین کی خلاف ورزی کی ہو۔

حوالہ دیا گیا ہے کہ پارٹی کی جانب سے رقم وصول کی گئی ہے اور اس کا کوئی حساب کتاب نہیں ہے۔ اس معاملہ میں چند ریاستوں میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کیا ورکنگ کمیٹی کے کسی بھی رکن نے ضمنی یا عام انتخابات کیلئے وصول کی ہوئی رقم کا حساب کتاب دیا ہے؟

شری لیس۔ کے۔ پاٹل نے ڈنکے کی چوٹ پر اعتراف کیا تھا کہ ۱۹۶۷ء کے انتخابات کیلئے انہوں نے ایک کثیر رقم وصول کی تھی۔ کیا اس رقم کا حساب کتاب موجود

آپ نے ایک اور الزام عائد کیا ہے کہ میں نے ''سنڈیکیٹ'' کے خلاف کہا ہے 'اور اُسے پارٹی کے اندر رجعت پسند طاقتور گروپ کہا ہے۔ میرا خیال ہے میں نے آج تک اپنی کسی بھی تقریر میں یا بیان میں لفظ 'سنڈیکیٹ' استعمال نہیں کیا ہے' اور نہ ہی میں نے کانگریس تنظیم میں کسی کو ''رجعت پسند'' کہا ہے۔ میں نے صرف ذاتی غرض رکھنے والوں کے خلاف کہا ہے' اور پریس میں نمایاں کئے گئے' ان الزامات کے خلاف کہا ہے' جن میں ہماری پالیسیوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

مگر شری لیس کے پاٹل نے عوام کے روبرو بینکوں کو قومیانے اور ''پریوی پرسس'' ختم کرنے کی کانگریس کی منظور شدہ پالیسیوں کے بارے میں جو کھلے عام بیانات دئے ہیں' ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بدنصیبی سے فرید آباد سیشن میں دئے گئے آپ کے صدارتی خطبہ میں بھی آپ نے تنظیم کی پرانی اہم تجاویز کی مذمت کی' جس پر ہم اب تک کام کرتے آئے ہیں۔ کئی ایک کی رائے ہے کہ فرید آباد کی آپ کی تقریر پر سوتنترا پارٹی کے لیڈر کی تقریر کا گمان ہوتا ہے۔ کانگریس تنظیم میں ہم ان رجحانات کو پوری طرح نظر انداز نہیں کر سکتے۔ میں نے کبھی دعویٰ نہیں کیا ہے کہ بینکوں کو قومیانے کا پروگرام میرا اپنا ہے۔ حالانکہ میں نے بارہا اُس کا اعلان کیا ہے کہ میں انہی پرانی پالیسیوں کو عملی جامہ پہنانے جارہی ہوں' جن کو کانگریس پارٹی نے منظوری دی ہے۔ اس لئے اب وقت آگیا ہے کہ میرے سر تھوپے گئے اس الزام سے مجھے آزاد کر دیا جائے۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ شری مرارجی دیسائی نے اس تجویز کی بھرپور مخالفت کی' حتیٰ کہ دیسائی نے دھمکی بھی دی تھی کہ اگر اس پروگرام کو عملی جامہ پہنایا گیا تو وہ استعفیٰ دے دیں گے۔ اُن کی اس شدید مخالفت کی وجہ سے ہی مجھے ملک کی ترقی کیلئے اس بیحد مفید اقدام کو ملتوی کرنا پڑا' اور آخر کار بنگلور کے اے آئی سی سی سیشن میں میں نے فیصلہ کیا کہ اُس منصوبہ کو

ورزی کرنے والوں کو تلاشیں' اور جڑ سے نکال پھینکیں' اور تنظیم کی صحت مند ترویج و بقاء کیلئے نئی راہیں ڈھونڈیں۔

اسی منشاء کے پیش نظر اے ائی سی سی کے اکثر اراکین نے اے ائی سی سی کا ایک خصوصی اجلاس بلانے کا مطالبہ کیا ہے۔ تنظیم کے سربراہ کا فرض تھا کہ پارٹی اراکین کی اِس گذارش کا احترام کرتا' اے ائی سی سی کی طرف سے دیئے گئے اختیارات و فرائض کے علاوہ صدر کی اور کوئی خصوصی ذمہ داریاں نہیں ہیں' جو کوئی پارٹی کے ان آدرشوں کے خلاف کام کرتا ہے' وہ جمہوری نظام کے تحفظ کا دعویٰ تو دُور کی بات جمہوری ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا۔

میرے مذکورہ خیالات کو اسی وقت بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے' جبکہ موجودہ صورتحال کو ہم سمجھ سکیں۔ کانگریس تنظیم کے سامنے جو شدید بحران موجود ہیں' دراصل وہی مشکل مسائل نے عوام کے سامنے نئی نئی چنوتیاں پیش کی ہیں۔ وہ فرید آباد سیشن ہی تھا' جس نے ہماری نئی چنوتیوں کے تیئں مختلف رویوں کو جنم دیا۔ جہاں ایک طرف صدر کے ناطے آپ کا خطبہٗ صدارت تھا' دوسری طرف اے ائی سی سی کے طئے شدہ پروگرام عملی جامہ پہننے کیلئے للکار رہے تھے۔

بنگلور کے اے ائی سی سی سیشن نے ان اختلافات کو اور زیادہ سنگین بنا ڈالا۔ میرا بھیجا ہوا نوٹ بھارت کے سامنے موجود سنگین مسائل کے ممکنہ حل ڈھونڈنے کی سمت ہی تھا' اور اس کے مقابل شری مرارجی کی تقریر تھی' جس میں ان کے اپنے نوٹ پر عملی جامہ پہنانے والی بات مقدم سمجھی گئی' اور تعمیری تجاویز پر پانی پھیر دیا گیا۔

اس پس منظر میں تسلیم شدہ پالیسی کے تحت جبکہ سرکار بینکوں کو قومیانے کا مصمّم ارادہ کر چکی تھی' کانگریس میں اندرونی اختلافات زور پکڑ رہے تھے۔

سوال پوچھا جاتا ہے کہ سرکار کے ارباب حل وعقد آخران پروگراموں کو روبہ عمل کیوں نہیں لاتے' جو کہ بنگلور کے اے ائی سی سی سیشن میں منظوری کا شرف پا چکے ہیں'

ہے؟ کیا یہ رقم اے ائی سی سی تک پہنچی ہے؟ ایسے کسی شخص کے خلاف کارروائی کی جائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ ایسی کارروائی ایمانداری وغیر جانب داری سے ہر مشکوک شخص کے خلاف کی جائے۔

آپ نے پارٹی اور سرکار میں یک رُکنی تسلط کے بارے میں خوف کا اظہار کیا ہے ۔سرکار کا چلنا اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک کہ اس کا قائد تمام اختیارات سے مسلح نہیں ہو جاتا۔ ویسے بھی دستور کے اندر ایسے اختیارات موجود ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس پر پارلیمان کی برابر نظر ہوگی کہ کہیں بھی لغزش نہ ہو جائے۔

مگر مجھے ڈر ہے کہ ہماری تنظیم کے بارے میں ایسا کہا نہیں جاسکتا۔ بتایئے کہ جہاں بوگس رکنیت ہو، حاکمانہ رویہ ہو، تو جمہوری طرز کہاں سے آئے گا۔ تنظیم میں عجیب طرح کے انتخابات اور اجارہ داری ہے۔ جب صدر پارٹی خود من مانی طور پر ورکنگ کمیٹی سے اراکین کو خارج کر دیتا ہے، تو وہاں جمہوری نظام کہاں ہوگا، جبکہ کانگریس پارٹی کے دستور میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایسے بیشمار واقعات ہیں، جہاں ایماندار اور قابل اعتماد کارکنان پارٹی کو بے مروتی سے محض اس لئے نکال پھینکا گیا ہے کہ وہ مقامی قائدین کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے تھے۔ ایسی صورت حال کا خاتمہ ہونا چاہئے، مگر ایسے کتنے لوگ ہیں، جو ان خامیوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہے ہیں؟ اُلٹا یہ ہو رہا ہے کہ ایسی صورتحال سے غلط فائدہ اُٹھا کر پارٹی میں اپنی پوزیشن مستحکم بنا رہے ہیں۔

مَیں آپ کو اور پارٹی کو یقین دلانا چاہتی ہوں کہ میں اپنے ذاتی فائدہ کیلئے کبھی کچھ نہیں کرتی۔ کانگریس پارٹی مضبوط و متحد رہے۔ جمہوریت، قومی یک جہتی اور سماج واد کی علمبردار رہے۔ آیئے ان تسلیم شدہ نظریات و پالیسیوں کی خلاف

نیک خواہشات کے ساتھ
مخلص
(دستخط) اندرا گاندھی

وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کا خط،
مطابق ۴؍نومبر ۱۹۶۹ء، بہ نام شری نجلنگپّا، صدر کانگریس

پیارے شری نجلنگپّا

۲؍تاریخ کا آپ کا جواب پا کر مجھے حیرت ہوئی، جس میں اے ائی سی سی کا ایک اجلاس طلب کرنے کی ایک گذارش سے منسلک ہونے کا مجھ پر الزام ہے، اور آپ نے مجھ سے وضاحت طلب کی ہے کہ اس سے پارٹی کے دستور اور ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ آپ کے ۲۸؍اکتوبر کے خط کے جواب میں میں نے اپنے کل کے خط میں آپ کو ہماری پارٹی کے آگے موجود سنگین صورتحال کے بارے میں لکھا ہے۔ ان تمام باتوں کو یہاں پھر سے دہرانے کے عوض یہ بتادوں کہ ہم یہاں کوئی تکنیکی یا قانونی بات پر بحث نہیں کر رہے ہیں۔ دراصل ہم ایک سیاسی بحران سے گذر رہے ہیں۔ کسی دستور کے قانون یا دفعہ یا ایسی ہی کوئی غیر ضروری بات پر مغز پاشی، ہمارے آج کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ اس بات کو تسلیم کر لینا چاہئے کہ اقتصادی اور سماجی مسائل کے حل ڈھونڈنے میں ہماری راہیں جدا جدا ہیں، اور ہمارے رویہ میں شگاف پڑ گیا ہے۔

اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ ملک کی اکثریت اور ہماری پارٹی کے اہم اور اکثر اراکین نے میری تجویز و جاری کردہ پروگراموں کی تائید کی ہے۔ عوام کی بھی خواہی کا

جیسے دس نکاتی پروگرام اور یہ کہ تنظیم کے قائدین کو نظر انداز کیوں نہیں کیا جاتا؟...... مگر سچ یہ ہے کہ توانا پروگراموں کی کامیابی' صرف سرکار ہی سے ممکن نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سرکار کے اندر زبردست قیادت ہو' جہاں ایک طرف واضح فیصلے کئے جائیں تو دوسری طرف تنظیم میں ایسی قیادت ہو' جو عوام کو ایسے موثر انداز میں سمجھائے کہ عوام تنظیم کے ہمنوا بن جائیں' تب کہیں قومی یک جہتی' اور اتحاد ممکن ہوسکتا ہے۔ ہماری تنظیم کے روبرو دراصل یہی تو دوہری ضروریات' سوالیہ نشان بن کر کھڑی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک کے کئی حصوں میں ہماری تنظیم کا ڈھانچہ مفلوج ہو کر رہ گیا ہے۔ نئے مسائل سے نپٹنے کا اس میں دَم نہیں۔ اسے پتہ نہیں کہ عوام کا سفر کس سمت ہے' اور نہ ہی وہ عوام سے سرکار کی پالیسیوں کو تسلیم کرانے کی کوشش کرتی ہے' جبکہ انہی باتوں کی آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

اس سنجیدہ کشیدگی کو طول دینا اچھا نہیں' اور اس کا ایک ہی جمہوری حل یہ ہے کہ اُسے جلد سے جلد اے ائی سی سی کے سامنے لایا جائے۔ اس لئے ضابطہ وغیرہ کا احترام کئے بغیر اے ائی سی سی کا اجلاس بلانے کی درخواست نہ صرف قبول کریں' بلکہ اُس کی صدارت بھی کریں' اور مشتاق اراکین کو آزادانہ اظہارِ خیال کیلئے موقع فراہم کریں' تاکہ پارٹی کے جمہوری فیصلوں کا نفاذ جلد ممکن ہوسکے۔ آیئے ہم پارٹی کو پورے اختیارات دیں کہ وہ کسی سے بھی مرعوب ہوئے بغیر وہی کرے جو عوام کے حق میں ہو۔ ملک کیلئے مفید ہو۔

میں اس گذارش کے ساتھ اس خط کا اختتام کر رہی ہوں کہ اگر اب بھی آپ یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اے ائی سی سی کا اجلاس مناسب و باضابطہ طور پر بلانا ضروری ہے' تو آپ ایک اجلاس دلّی میں اسی ماہ کی ۲۲ر اور ۲۳ر کو بلالیں۔

چونکہ آپ نے اپنے خطوط پریس کو بھجوادئے ہیں' مَیں بھی ایسا ہی کر رہی ہوں۔

درخواست اے ائی سی سی کو دیں تو بھی اے ائی سی سی کا اجلاس بلانا ایسا مطالبہ پیش کرنے والوں کیلیۓ لازمی ہے کہ وہ واضح کریں کہ اے ائی سی سی کا اجلاس کس مقصد کے تحت طلب کرر ہے ہیں۔ گذارش پر بلایا جانے والا اجلاس درخواست کے وصول ہونے کے دو ماہ کے اندر منعقد کیا جائے' بشرطیکہ ایسی گذارش سال میں صرف ایک بار ہو' اور پھر ایسی میٹنگ میں ورکنگ کمیٹی دیگر امور پر بھی غور وخوص کر سکتی ہے۔

جب دستوری گنجائش ایسی ہے تو کسی بھی شخص کیلیۓ اس میں مین میخ نکالنے یا قانونی سطح پر باریک بینی سے کام لینے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میٹنگ کو روکنے کا کسی کو حق ہے۔

اب جبکہ پچاس فیصد سے زیادہ اراکین نے اے ائی سی سی کا اجلاس طلب کرنے کی گذارش کی ہے تو ان کی گذارش پر پانی پھیرنا کیا بے انصافی نہیں ہے؟ آپ نے الزام لگایا ہے کہ قرارداد سے آپ کو خطا کار بتانا مقصود ہے۔ اگر آپ ایسا سوچتے ہوں تو آپ کیلیۓ بہ حیثیت صدر اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اراکین کو اکٹھا کر کے ان کی رائے جان لی جائے۔ میرا خیال ہے کہ قرارداد کو آپ کے خلاف فردِ جرم یا انتباہ کی کوشش قرار دینا حق بجانب نہیں ہے۔ ہماری جمہوری پارٹی کے اندر جب اراکین ہی کے حقوق تلف کیۓ جارہے ہوں تو میں یا کوئی بھی رکن خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ ہمارے ذہن میں پارٹی کا استحکام اور اس کی بحالی بیحد اہم ہے۔

اگر میں خاموش رہ جاتی' اور ایسا اقدام نہ کرتی جیسا کہ بہت سے رفقائے کار نے کیا ہے' تو میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام ہو جاتی۔ اب مجھے یقین ہے کہ ہمیں پارٹی کی اکثریت اور عوام کا بھرپور تعاون حاصل ہے۔ یہ ریاکاری نہ سہی بدنصیبی تو ہے کہ آپ نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ پارٹی ڈسپلین کو توڑنے کی میں نے کوشش کی اور اس طرح دستور کی خلاف ورزی کی ہے' یہ عجیب منطق ہے کہ اجلاس بلانے کی گذارش کو آپ نے غیر قانونی وغیر دستوری

دعویٰ کرنے والی ہماری تنظیم کو چاہئے کہ عوام' اور پارٹی کے اراکین کی قبولیت کا خیر مقدم کرے۔ پارلیمانی پارٹی کے قائد کی حیثیت سے اس نہج پر مَیں اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی نہیں کرسکتی۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام اور اے ائی سی سی کے اکثر اراکین اور مندوبین میرے پروگراموں' اور پالیسیوں کی تائید کرتے ہیں۔ آپ اسے آزمانا چاہیں تو اے ائی سی سی سے رُجوع کرنا ہوگا یا کانگریس کے عام اجلاس میں موضوع کو زیرِ بحث لانا ہوگا' تاکہ جمہوری طور پر فیصلہ ممکن ہو سکے۔

آج عوام اس بات سے واقف ہیں کہ اے ائی سی سی کے چار سو سے زیادہ اراکین نے تمہارے نام' ہمارے دستور کی دفعہ 12(B)(D) کے تحت عرضی بھجوائی ہے کہ اُس کے نوٹس پر بحث کیلئے اے ائی سی سی کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس طلب کیا جائے۔ اس کے بہت سے اراکین کے مطالبہ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ ملک کے حق میں کئے گئے ہمارے اقدامات پر ان کو پورا اعتماد ہے۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ پارٹی کے دستوری حقوق کا استعمال کرتے ہوئے اے ائی سی سی کے اراکین کی طرف سے جمہوری طور پر اے ائی سی سی کا اجلاس طلب کرنے کی تجویز کا غلط مطلب نکالا جائے گا' اور اسے تکنیکی غلطی قرار دے کر غیر ذمہ داری سے ناقابلِ قبول قرار دے دیا جائے گا۔

تو کیا میں مودبانہ پوچھ سکتی ہوں کہ ہمارے پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی کس نے کی ہے؟ خلاف ورزی ان لوگوں نے کی ہے' جن کو دستوری حقوق حاصل ہیں' یا آپ اور آپ کے حمایتیوں نے کی ہے' جنہوں نے مندرجۂ ذیل دفعہ 12(B)(D) کے تحت میٹنگ بلانے کی گنجائش کی کھلی خلاف ورزی کی ہے۔

''ورکنگ کمیٹی کے بلانے پر اے ائی سی سی کا اجلاس جتنی بار چاہیں بلایا جائے یا ووٹ دینے کا حق رکھنے والے کم سے کم بیس فیصد اراکین ورکنگ کمیٹی ایک مشترکہ

نیک خواہشات کے ساتھ

مخلص

(دستخط) اندرؔا گاندھی

صدر کانگریس شری لیس۔ نجلنگپّا کا خط' مطابق ۱۱رنومبر ۱۹۶۹ء
بہ نام شریمتی اندرؔا گاندھی' وزیر اعظم

پیاری اندرؔا جی'

میرے ۲۸ر اکتوبر کے خط کے جواب میں ۳رنومبر کا آپ کا جوابی خط آل انڈیا ریڈیو پر نشر ہوئی خبر کے چند ہی گھنٹوں بعد ملا۔ ریڈیو کی خبر سے مجھے چند تفصیلات معلوم ہوئیں۔ میں آپ کو فوراً ہی لکھ بھیجتا' پر دیر اس لئے کی کہ ۲۸رتاریخ کو میرے لکھے ہوئے خط کی روشنی میں ہمارے چند رفقائے کار مزید تبادلہ خیال کیلئے موقع فراہم کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں' مجھے افسوس ہے کہ لنچ پر ہم ملے بھی تو آپ نے ان بنیادی سوالوں پر گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھا' جن کا ذکر مَیں نے اپنے خطوط میں کیا تھا۔ اِس لئے آپ کو پھر سے لکھنے کے سوا میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں۔

میں نے آپ کا خط' پوری توجہ سے پڑھا ہے' جیسا کہ اس کا حق ہے۔ میں اس اُمید پر یہ خط پڑھ رہا تھا کہ اس میں کہیں تو تھوڑی سی پشیمانی یا تاسف کا ذکر ہوگا کہ ہماری پارٹی بے اعتدالی' عدم اتحاد و ڈسپلن کا شکار رہے۔ یہ اُمید بھی تھی کہ آپ اپنی کارکردگیوں پر نظر ثانی کریں گی' اور ایک نئے باب کا آغاز ہوگا۔ مگر آپ کے خط سے مایوسی ہوئی اور مجھے افسوس ہوا کہ امید نہیں کرنی چاہئے تھی۔ آپ کی کارکردگیوں پر ہم میں سے کئی ایک

قرار دیا ہے' اور پارٹی کے دستور اور ورکنگ کمیٹی کی قرارداد کو خلاف ورزی قرار دیا ہے۔

میں ان الزامات کی پُرزور تردید کرتی ہوں اور یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ اور آپ کے رفقائے کار نے پارٹی کے دستور کی بے انتہا خلاف ورزی کی ہے' اور اے ائی سی کا اجلاس طلب کرنے کی گذارش کو رد کر کے غیر قانونی حرکت کی ہے' اور اِسی غیر قانونی مقصد کیلئے آپ نے تین اہم اراکین کو ورکنگ کمیٹی سے بے جا طور پر خارج کر کے غلط حرکت کی ہے۔ یہ انتباہ ضروری ہے کہ اراکین کے اس طرح نکالنے پر کوئی بھی ورکنگ کمیٹی میٹنگ قانونی طور پر حق بجانب نہیں ہوگی۔

میری کارکردگی پر میرا خیال ہے کہ مجھے کسی بھی قسم کی وضاحت یا صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ مَیں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے' جو غیر قانونی یا نامناسب ہو۔ اس کے برعکس اُن لوگوں سے صفائی طلب کی جائے' جنہوں نے پارٹی کے دستور کی خلاف ورزی کی' اور جمہوری نظام کی' اور ورکنگ کمیٹی کے اراکین کی توہین کی' اور پارٹی اور ملک کے اندر ایک بحران پیدا کر دیا۔

مجھ سے صفائی طلب کرنے سے عام رائے کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ اور آپ کے حمایتی پارٹی میں پھوٹ کیلئے تیار ہیں' اور ان لوگوں سے چھٹکارہ پانا چاہتے ہیں' جو آپ سے ہاں میں ہاں نہیں ملاتے' گو کہ پارٹی میں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے' آپ سے اختلاف کرنے اور آزادانہ اظہارِ خیال کرنے والوں کو دھمکی دینا ہی آپ کا مقصد ہے تو آپ کو یقیناً مایوسی ہوگی۔

اختتام سے پہلے کیا مَیں آپ سے پھر سے گذارش کر سکتی ہوں کہ آپ تمام صورتحال کا پھر سے جائزہ لیں۔ ہماری تنظیم کے سربراہ ہونے کے ناطے آپ کی بڑی ذمہ داری ہے' اور مَیں آپ سے پوری سنجیدگی سے گذارش کرتی ہوں کہ ہماری پارٹی کی رائے جلد سے جلد جان لیں' تاکہ عمل پیرائی میں تاخیر نہ ہو۔

بتا سکتی ہیں، جہاں ورکنگ کمیٹی کے ایک رکن نے ڈسپلین کو بالائے طاق رکھ کر تنظیم کے سربراہ کے خلاف عوام میں اس طرح کا پروپگنڈہ کیا ہو جس طرح کہ شری فخرالدین علی احمد نے یکم نومبر کے مجوزہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے پہلے پریس کانفرنس بلا کر کیا تھا۔ ڈسپلین سے گری ہوئی، اور بے وفائی کی غیر معمولی حرکتیں غیر معمولی سزاؤں کی مستحق ہوتی ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ میں نے شری کملاپتی ترپاٹھی، شری وینکٹارتنم اور شری اے پی شرما کے خلاف جو کارروائی کی وہ اس لئے کی کہ وہ آپ کے حمایتی ہیں، اور یہ کہ میرا عمل اس ضمن میں غیر قانونی ہے۔ کیا آپ کو کانگریس کی قراردادوں کا علم نہیں کہ کوئی بھی وزیر 'پی سی سی کا صدر یا سکریٹری بن کر رہ نہیں سکتا؟ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ یہ قرارداد صرف آپ کے حمایتیوں کے خلاف استعمال کرنے کیلئے حال ہی میں بنائی گئی ہیں؟ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے خود ۸/اکتوبر کے خط میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کئی دہائیوں پہلے یہ قرارداد منظور کی گئی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بخوبی یاد ہوگا کہ ماضی میں اے ائی سی سی نے ایسے ہی خطوط پی سی سی کے ان صدور کو لکھے تھے جو وزیر بنا دئے گئے تھے۔

مجھے یہ بھی بتانے دیجئے کہ مجھے یاد نہیں کہ ہم نے شری اے پی شرما کے خلاف کوئی کارروائی کی ہو۔ یہ صورتحال ہے تو آپ کیسے اس نتیجہ پر پہنچ گئیں کہ شری کملاپتی ترپاٹھی 'شری وینکٹارتنم اور شری اے پی شرما کے خلاف میں نے غیر قانونی کارروائی کی ہے۔ کانگریس کی قراردادوں کو عملی جامہ پہنانا کیا دستور کی خلاف ورزی کہلائے گی؟۔

آپ کہتی ہیں کہ آپ کے کسی بھی ذمہ دار شخص نے اتحاد کی قرارداد کی خلاف ورزی نہیں کی، اور نہ ہی کسی فرد کے خلاف کچھ کہا۔ میں شری جگجیون رام اور شری فخرالدین علی احمد کی کئی تقاریر اور بیانات کے حوالے دیکر خط کو طول دینا نہیں چاہتا۔ پر، جگجیون رام

کی نظر میں جو شک کی دھند چھائی ہوئی ہے' اُسے ہٹانے کے عوض آپ نے ان بنیادی مسائل کو نظر انداز کیا' جن کی طرف میں نے اشارے کئے تھے۔ پر' سچائی اور نیم سچائی کے درمیان کی دُھند' اور زیادہ دبیز ہوگئی' اور مجھے واضح تصویر مل نہیں سکی۔

آپ نے مجھ پر الزام دھرا ہے کہ میں اتحاد کی بات تو کرتا ہوں' پر' تنظیم میں اتحاد برقرار رکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ آپ نے لکھا ہے کہ شری فخرالدین علی احمد' سبرامنیم اور ڈاکٹر شنکر دیال شرما کے خلاف میری کارروائی' واضح طور پر غیر قانونی ہے۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ میں نے سبرامنیم کو ورکنگ کمیٹی سے نہیں نکالا۔ شری سبرامنیم خود ہی تاملناڈو کانگریس کمیٹی کی صدارت سے نکل گئے' اور اس طرح وہ خود بخود اے ائی سی سی کی رکنیت سے بھی محروم ہوگئے۔ میں نے تو صرف دستوری نقطۂ نظر کی طرف اشارہ کیا۔ آپ یہ بھی بخوبی جانتی ہیں کہ میں نے یکم نومبر کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس سے پہلے ڈاکٹر شنکر دیال شرما کو نہیں نکالا تھا۔ اس دن وہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوسکتے تھے۔ انہوں نے غیر حاضر ہونے کو ترجیح دی۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ اُن کی اِس حرکت سے ایک جنرل سکریٹری کے عہدہ پر برقرار رہنے کا حق متاثر ہوگا۔ آپ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ وہ میں ہی تھا' جس نے شری شنکر دیال شرما کو ورکنگ کمیٹی کیلئے نامزد کیا تھا' اور اس طرح مجھے علم تھا کہ ورکنگ کمیٹی میں ان کی نامزدگی انہیں جنرل سکریٹری بنانے ہی کی غرض سے ہوئی تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جنرل سکریٹری کے عہدہ سے الگ ہونے پر وہ کمیٹی کی رکنیت سے بھی خارج ہوگئے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ شری فخرالدین علی احمد کو میں نے ورکنگ کمیٹی سے نکال کر غیر قانونی اور غیر معمولی حرکت کی ہے۔ آپ ذرا سوچ کر دیکھیں کہ کیا ان کی حرکت غیر قانونی اور غیر معمولی نہیں تھی؟...... کیا آپ انڈین نیشنل کانگریس کی طویل تاریخ میں کوئی بھی ایسا واقعہ

جمہوری ہے۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ وہ کونسی وجوہات تھیں، جن کی بناء پر، ورکنگ کمیٹی نے مطالبہ کو نامنظور کر دیا۔ ورکنگ کمیٹی اے ائی سی سی کا اجلاس بلانے کی گذارش کا ضرور خیر مقدم کرتی، اگر وہ گذارش اے ائی سی سی کے دستوری دائرہ میں آتی۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ جو عرضداشت بھجوائی تھی، وہ تو ایک قرارداد کی شکل میں تھی کہ صدر پر سے اعتماد اُٹھ گیا ہے۔ آپ بھی جانتی ہیں کہ کانگریس کے صدر کو اے ائی سی سی کے اراکین منتخب نہیں کرتے، بلکہ عام اجلاس میں شریک مندوبین منتخب کرتے ہیں۔ اس سے آپ پر، اور ہر کسی پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جانی چاہئے کہ صدر کانگریس کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پر غور وخوض کرنے کا حق صرف اور صرف سیشن کے مندوبین کو ہے۔ ایسی صورتحال میں کانگریس کے مندوبین کی حق تلفی کر کے ورکنگ کمیٹی کس طرح اے ائی سی سی کو غیر دستوری کام کی اجازت دیتی؟ آپ نے لکھا ہے کہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے بہت سارے اراکین نے اس عرضداشت پر دستخط کئے تھے اور اس لئے ورکنگ کمیٹی کو چاہئے تھا کہ اسے قبول کرلے۔

کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ اس بات سے ناواقف ہیں کہ اے ائی سی سی کے اراکین کے دستخط کس طرح لئے گئے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتیں کہ چند ایک دستخط جعلی ہیں اور چند ایک کو یہ ڈرا دھمکا کر دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا ہے کہ بصورت دیگر وہ اپنے غیر معمولی وانگنت اختیارات اور آپ کی سرپرستی سے محروم کر دئے جائیں گے۔ مان بھی لیں کہ لازمی تعداد میں اراکین نے عرضداشت پر اصلی دستخط رضا کارانہ طور پر کئے تھے تو، کیا اے ائی سی سی، اجلاس عام پر، ورکنگ کمیٹی کو ترجیح دے سکتی ہے۔؟

آپ نے تنظیم کو سست و مجہول کہا ہے۔ آپ نے پوچھا ہے کہ تنظیم اس وقت کیا کر رہی تھی جب احمد آباد میں فسادات پھوٹ پڑے تھے، آسام میں تیل کی ریفائنری کا

کے ۲۹/ اگست کے پٹنہ میں دئے گئے بیان کا حوالہ دئے بغیر نہیں رہ سکتا' جو کہ انہوں نے اتحاد کی قرارداد کی منظوری کے صرف چار دن بعد دیا تھا اور پھر آپ کی کانگریس تنظیم میں اتحاد کی قیادت کے بیان اور فخر الدین علی احمد کی دلّی کی پریس کانفرنس کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا' جن کا میں نے پہلے ہی ذکر کیا ہے۔

صدر ہند کے انتخاب کے تعلق سے آپ کے رول کے بارے میں میرے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب دینے سے آپ نے گریز کیا' اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اب لکیر پیٹنا فضول ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ نے دانستہ طور پر اس سے گریز اس لئے کیا ہے کہ آپ ان تمام حقائق سے بخوبی واقف ہیں' جو اتنے واضح ہیں کہ انہیں جھٹلایا ہی نہیں جاسکتا۔ ویسے میں آپ کے اس بیان کا حوالہ دینا چاہوں گا' جہاں آپ نے پوچھا ہے کہ صدر ہند کے عہدہ کیلئے کانگریسی امیدور کے بارے میں تبادلۂ خیال ملتوی کرنے کی بات مئی' جون اور جولائی میں ہمارے درمیان زیر بحث کہاں آئی تھی؟۔ یعنی آپ کا بیان ہے کہ یہ بات زیر بحث آئی ہی نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کا حافظہ جواب تو نہیں دے گیا؟...... آپ کو یاد دلاؤں کہ میں نے مئی' جون اور اوائل جولائی میں اس موضوع پر آپ سے گفتگو کی تھی' اور ہر بار آپ نے ٹال دیا۔ حتیٰ کہ امیدوار کے انتخاب کیلئے پارٹی کے پاس صرف دو گھنٹے رہ گئے تھے' اس دوران آپ نے اپنے منشاء کی بھنک بھی کسی کو نہیں دی۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ غیر معمولی طور پر مخالف سیاسی پارٹیوں سے مل کر ایک متعلقہ قابل قبول حل تلاش کرنے کی کوشش میں تو رہیں' پر' کبھی زحمت گوارہ نہیں کی کہ خود اپنی پارٹی سے مشورہ کریں۔ آپ کہتی ہیں کہ آپ نے شری گری کی کامیابی کیلئے کام نہیں کیا۔ پتہ نہیں یہ بیان دیتے وقت آپ کے ضمیر نے کیا کہا ہوگا؟

آپ نے کہا ہے کہ مطالبہ کو رَد کرنے کی ورکنگ کمیٹی کی حرکت غیر دستوری اور غیر

کنٹرول کیلئے سخت اقدامات کئے' اور مان بھی گئے تھے اگر وہ ناکام ہو گیا تو تو میا لینے کیلئے ضروری اقدامات کریں گے۔ ایک رکن سرکار اور تنظیم چلانے کی سمت آپ کی بار بار جو کوششیں ہو رہی ہیں' اور کانگریس کے اندر وفاداروں اور نام نہاد ترقی پسند و اصلاح پسند گروہوں کے درمیان جو کشیدگی ہے' اس سے ہر کوئی واقف ہے کوئی بے وقوف ہی اس کے برعکس سوچ سکتا ہے۔ آپ کی کوششوں کا عوام کو پتہ ہے۔ آمریت کے کسی بھی علمبردار نے اس بیسویں صدی میں سماج واد کا لبادہ اوڑھے بغیر پورے اختیارات اپنی مٹھی میں نہیں لئے۔

آپ نے پارٹی کیلئے فنڈ اکٹھا کرنے کی بات کی ہے' اور کہا ہے کہ شری لیس کے پاٹل نے رقم وصول کرنے' اور ان کا حساب کتاب نہ دینے کے بارے میں کھلم کھلا اعترافی بیان دیا ہے۔ شری پاٹل نے آپ کے الزامات کا آپ کو جواب دے دیا ہے کہ انہوں نے کانگریس پارٹی اور بمبئی ہائی کورٹ کو پورا حساب پیش کر دیا ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے' آپ کے رفقاء کار نے پارٹی اور سیاسی کام کیلئے کثیر رقم وصول نہیں کی ہے؟...... آپ جانتی ہیں کہ کانگریس کی قراردادوں کے تحت ہر وزیر کا یہ فرض ہے کہ اپنی ساری وصول شدہ رقم چاہے وہ خیراتی کام کیلئے وصول کی گئی ہو' اے ائی سی سی کو بتادے۔ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ اے ائی سی سی چاہتی ہے کہ تمام وزیر' ممبران اسمبلی و پارلیمان' اپنی اپنی جائیداد کی تفصیلات اے ائی سی سی کو پیش کر دیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ نے وصول شدہ رقم کا حساب کیوں نہیں دیا؟ اور اے ائی سی سی کو اپنی املاک و جائیداد کی تفصیلات سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟

آپ نے تنظیم میں بوگس رکنیت اور حاکمانہ رویہ کی بات کی ہے۔ آپ خود انڈین نیشنل کانگریس کی صدر رہ چکی ہیں' آپ جانتی ہیں کہ کانگریس ایسے مسائل سے نپٹنے کی

ہنگامہ تھا۔ چنڈی گڈھ کی شمولیت کا مسئلہ تھا' اور آندھرا پردیش میں تلنگانہ کی تحریکیں زوروں پر تھیں۔ کیا آپ کو ایسا نہیں لگا کہ آپ کی قیادت میں چلنے والی سرکار کی غیر دانشمندانہ کارکردگیوں سے فائدہ اٹھا کر' ان ہنگاموں نے سر اٹھایا تھا' اور آپ نے ان ہنگاموں کو اپنی ذاتی غرض کو مہمیز کرنے کیلئے استعمال کیا تھا' اور آپ اُس دن کی منتظر رہیں' جس دن لوگ مخالف مطالبات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ مجھے اس کا تفصیلی جائزہ لینے کی ضرورت نہیں کہ مرار جی دیسائی کی قیادت میں کانگریس تنظیم نے فرقہ وارانہ فسادات سے پیدا شدہ حالات سے نپٹنے کیلئے کیا کیا کیا تھا۔

آپ نے اپنے اس بیان میں تحفظ و شاباشی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے' کہ آپ کی بے ضابطہ کارروائیاں دراصل کانگریس کی غیر دانشمندانہ پالیسیوں کا باعث ہیں۔ آپ نے میرے فرید آباد سیشن کے خطبۂ صدارت کا حوالہ دیا ہے۔ شری لیس کے پاٹل کی تقاریر اور شری مرار جی دیسائی کے بینکوں کو قومیانے کے بارے میں رویہ کا ذکر کیا ہے' یہ جتانے کیلئے کہ آپ ترقی' توسیع' غرباء پروری اور سماج واد کی طرف نظریاتی جنگ میں آگے ہیں۔ آپ کی یہ ذہنی اختراع کہ میں نے کانگریس کی تسلیم شدہ پالیسیوں کے بارے میں فرید آباد میں پارٹی کے خلاف کہا' سراسر غلط ہے۔ میں بھی اتنا ہی سماج وادی ہوں جتنا کہ کوئی بھی بھارتی۔ تنظیم میں میرا ریکارڈ اور میسور کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے سماج واد' اور عوام کی فلاح و بہبود کے میدانوں میں میری خدمات اس کا پکا ثبوت ہیں۔ آپ سمجھتی ہیں کہ ایک سماج وادی پبلک سیکٹر کی توسیع کی مانگ تو کر سکتا ہے' پر اس کی بہتر کارکردگی کی تمنّا نہیں کر سکتا۔ بنگلور میں شری مرار جی دیسائی اور شری پاٹل کی تقریروں کے بارے میں کچھ کہنا مجھے پسند نہیں۔ مرار جی دیسائی نے خود صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بینکوں کو قومیانے کے خلاف نہیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے سماجی

3-انڈین نیشنل کانگریس کے اکہتّر ویں سیشن کے موقع پر دیا گیا شری۔ نجلنگپّا کا خطبۂ صدارت

لال بہادر نگر' حیدر آباد میں جنوری ۱۹۶۸ء کو انڈین نیشنل کانگریس کے اکہتّر ویں سیشن کے موقع پر دیا گیا شری نجلنگپّا کا خطبۂ صدارت

ساتھی مندوبین' اور رفقائے کار

سب سے پہلے اس اجلاس عام کی استقبالیہ کمیٹی کو مبارکباد دینا چاہوں گا' جس نے قلیل مدت میں اس اجلاس کا انعقاد ممکن بنایا۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ اجلاس مہاراشٹر کے سانگلی شہر میں ہونے والا تھا' مگر بدنصیبی سے ۱۱ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو ہوئے زلزلے سے مچی تباہ کاریوں کی وجہ سے اجلاس وہاں منعقد نہیں کیا جاسکا۔ آیئے پسماندگان کی خدمت میں ہم اپنی تعزیت و ہمدردی پیش کریں۔

آندھرا پردیش کانگریس کمیٹی نے اور وزیر اعلیٰ کی غیر معمولی کوششوں سے اس تاریخی' تہذیبی و ثقافتی مرکز' حیدر آباد شہر میں صرف تین ہفتوں کے اندر اس شاندار سیشن کا اہتمام ممکن ہوسکا ہے۔ آیئے ہم ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کریں۔

مجھ پر انڈین نیشنل کانگریس کی صدارت کی بھاری ذمہ داری ڈالی گئی ہے۔ اس عہدہ کی زینت بنے اب تک کے عظیم مجاہدین آزادی' مدبروں' سیاستدانوں' عالموں

کوشش کر رہی ہے، اور بوگس رکنیت سے نپٹنے میں کافی حد تک کامیابی ملی ہے۔ مگر مجھے اس کا پتہ نہیں کہ جب کانگریس کی صدر تھیں تو آپ نے اس ضمن میں کیا اقدامات کیے تھے، جبکہ آپ کی بنیادی ذمہ داریوں میں تنظیم کی کارکردگی بھی شامل تھی، ساتھ ساتھ بوگس رکنیت اور حاکمانہ رویہ کے مسائل اس وقت بھی قابل توجہ تھے۔

میرے سوال یعنی یک نفری، یک رکنی حکومت اور شخصیت پرستی کے بارے میں آپ کا جواب اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے صرف یہ تحریر فرمایا ہے کہ میرا الزام دکھ اور ٹھیس پہنچانے والا ہے۔ یہ اہم ہے کہ آپ نے میرے الزام کی تردید نہیں کی ہے کہ آپ کی کارکردگیاں اور رویہ ثابت کرتا ہے کہ آپ یک رکنی شخصی حکومت قائم کرنے کی متمنّی ہیں۔ آپ کہتی ہیں کہ ملک کے دستور میں شخصی حکومت کے خلاف تحفظات کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جرمنی کی ویمار ریپبلک کا دستور بھی ایسا ہی تھا۔ اس کے متوازی تلاش کرنے کیلئے کسی کو بہت دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ بیسویں صدی کی تاریخ ایسے المناک واقعات سے بھری پڑی ہے، جہاں ایک لیڈر جمہوری نظام سے فائدہ اٹھا کر قبول عام کی سند پا کر جمہوریت کی لاش پر سیاسی خود پرستی کا شکار ہو جاتا ہے، اور اس کی قصیدہ گوئی پر اس کے حواری ہمیشہ رطب اللسان ہوتے ہیں، جن کی کوشش، رشوت، رعب و دبدبہ سے مخالفین کو خاموش کرانا ہے اور پھر عوام کو اپنے چنگل میں پھنسائے رکھنے کیلئے ہر ممکن حربہ استعمال کرنا ہوتا ہے۔ کانگریس ایک ایسی تنظیم ہے، جس نے جمہوریت اور سماج واد کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے اور اس کا فرض ہے کہ ایسے عناصر ورویوں سے لڑتی رہے۔

نیک تمنّاؤں کے ساتھ

مخلص

ایس۔ نجلنگپّا

کہ کہاں ہم سے غلطیاں ہوئی ہیں‘ اور کہاں عوام کی فلاح و بہبود کی زیادہ فکر کی جاسکتی ہے۔ کہاں کہاں ان کا زیادہ اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے‘ جس سے ان کی غربت ‘بیروزگاری‘ بیماریاں‘ ناخواندگی دُور ہو‘ اور وہ بہتر خوشحال زندگی گذارنے کے قابل ہوسکیں‘ جس کا انہیں دستوری حق آزادی نے دیا ہے۔

پچھلے بیس سال سے کانگریس‘ مرکز اور ریاستوں میں برسر اقتدار رہی ہے۔ اس سے ملک میں یقیناً ہمہ جہتی ترقی ہوئی ہے۔ بالخصوص اقتصادی اور سماجی دائروں میں ......ملک کے عظیم عوام نے پچھلے تین انتخابات میں ہمیں کامیاب بنایا۔ صرف اس لئے نہیں کہ ہم نے اچھا کام کیا‘ بلکہ اس لئے بھی کہ ملک کے سیاسی ڈھانچوں میں صرف ہماری کانگریس پارٹی ہی واحد منظّم پارٹی کہلانے کی مستحق ہے‘ گوکہ دوسری پارٹیاں بھی ہیں‘ تاہم انہیں کانگریس ہی کی شاخیں کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ نظریاتی طور پر وہ سب کم وبیش ہم سے بنیادی اختلاف نہیں رکھتیں۔

مگر چوتھے عام انتخابات کے بعد ایک نئی تصویر ابھر کر آئی ہے۔ پچھلے دس مہینوں سے اس کا رنگ بدل رہا ہے۔ صرف آٹھ ریاستوں میں کانگریس اپنی اکثریت کی بناء پر برسر اقتدار ہے۔ راجستھان میں کانگریس کو اکثریت حاصل کرنے کیلئے مخالف پارٹیوں کے دل بدل اراکین کا تعاون حاصل کرنا پڑا۔ دوسری ریاستوں میں سوائے مدراس کے جہاں ڈی ایم کے نے اسمبلی میں بھاری اکثریت حاصل کی ہے‘ مخلوط سرکاریں ہیں‘ جہاں مختلف سیاسی پارٹیاں اکثریت کی خاطر یکجا ہوئی ہیں‘ بعد ازاں کانگریس کو گدی سے اتارنے کی خاطر ہریانہ‘ مدھیہ پردیش‘ اور یوپی میں اراکین اسمبلی نے دل بدلی کا طریقہ اختیار کیا‘ جو مسلسل دردسر ہے۔ ہریانہ میں ایک مستحکم سرکار قائم نہیں ہوسکی‘ اور اس لئے سرکار کو برخاست کردیا گیا۔ اسمبلی تحلیل کردی گئی‘ اور صدر راج نافذ کردیا

'دانشوروں اور ناظموں کی کہکشاں کے پس منظر میں مجھے اپنے بونے پن کا احساس ہوتا ہے۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ میں نے اس عظیم ذمہ داری کو بڑے پس وپیش کے بعد ہی قبول کیا تھا۔اس کا سبب میری اپنی کوتاہیاں اور منصب کے عظیم و پیچیدہ تقاضے تھے' جو آج ہمارے سامنے سوالیہ نشان بنے کھڑے ہیں۔دو تین دہائیوں کے میرے ان دوستوں اور ان سے زیادہ تمام مندوبین کے مجھ پر اعتماد نے وہ ذمہ داری قبول کرنے کی جرأت بخشی' بلا مقابلہ' مجھے منتخب کرکے آپ تمام نے جس اتحاد و تعاون کا مظاہرہ کیا' مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ان عظیم ذمہ داریوں سے نپٹنے میں وہی تعاون ہمیشہ ملتا رہے گا۔

ہمارے ملک کی تاریخ کے ایک اہم نازک موڑ پر ہمارا اجلاس منعقد ہو رہا ہے' اور یہ نازک گھڑی ملک ہی کی نہیں' بلکہ ہمارے ملک کی عظیم پارٹی کانگریس کی بھی ہے' جس کے کَل پرزے ہونے کا ہمیں فخر ہے۔ یہ سچ ہے کہ آزادی کے بیس سال بعد ہم نے کافی ترقی کی ہے۔ ہماری پیداوار میں اضافہ ہوا ہے' قومی آمدنی بڑھی ہے۔ ہمارے زیادہ لوگ اب پڑھے لکھے ہیں' تعلیمی سہولتوں کی کافی توسیع ہوئی ہے۔ بچوں اور ماؤں کی شرح اموات میں کمی ہوئی ہے۔ایک عام ہندوستانی کی عام عمر میں اضافہ ہوا ہے۔ ہماری زراعت دھیرے دھیرے جدید طرز سے روشناس ہو رہی ہے۔ ہمارے صنعتی ڈھانچوں میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ ہمارسرحدوں پر تعینات مسلح فوجیں زیادہ اعتماد کے ساتھ محاذ پر ڈٹی ہوئی ہیں۔اتنا سب کچھ ہونے پر بھی ہمارے ملک میں ابھی بہت کچھ کمی ہے۔آج پہلے کی بہ نسبت بے اطمینانی زیادہ ہے۔اس دوران کانگریس بھی متاثر ہوئی ہے۔پچھلے عام انتخابات نے ہمیں اپنا تفصیلی جائزہ لینے پر مجبور کیا ہے۔ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے ملک کے بارے میں زیادہ سنجیدگی سے سوچیں

ہوئے نظریاتی اتفاق کی بنیاد پر ایک سرکار قائم نہیں کر لیتیں۔

اب جو بدتر صورتحال چند ایک ریاستوں میں دیکھی گئی ہے، جس کو دیگر ریاستوں تک پھیلانے کے چند لوگ مشتاق نظر آتے ہیں، وہ ہمارے دیش کو ایک ایسے موڑ پر پہنچا دیں گی، جہاں سے لوٹ کر آنا ناممکن ہو جائے گا، اور تب تک سارا ملک تباہ و برباد ہو جائے گا۔

میں تو یہاں تصویر کا صرف ایک رُخ دکھلا رہا ہوں۔ ایک اور خطرناک و مضحکہ خیز تصور جو چند ایک دانشوروں کے ذہن میں پل رہا ہے، وہ یہ کہ کانگریس سے مخالفت بنائے رکھنا، جمہوری ہے اور اس کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون غیر جمہوری ہے۔ جب کانگریسیوں نے کانگریس ہی سے بے وفائی کی تو ان کو شاباشی دی گئی، اور انہیں نہ صرف جمہوریت کا پاسدار قرار دیا گیا، بلکہ ان کو وزیر اعلیٰ اور وزیر بھی بنا دیا گیا۔ اس کے برعکس جب بھی غیر کانگریسیوں یا مخلوط گروپوں سے دل بدل ہوئی، انہیں غیر جمہوری، ملک دشمن اور بد اخلاق قرار دیکر ان کو تشدد کی دھمکیاں دی گئیں، اور ایسی ہی صورتحال آج بنگال میں دیکھی جا رہی ہے، جہاں اجتماعی طور پر تشدد کے ذریعے جمہوری اصولوں اور اقدار کو گلی کوچوں میں آزمایا جا رہا ہے۔ بنگال میں ایک عجیب حکم نامے کے ذریعے لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر نے موجودہ کابینہ کی وفاداری کے بارے میں یہ احکامات جاری کیے ہیں کہ عدم اعتماد تحریک شروع کریں۔ گویا ہتھیار بند مسلح تحریک کو شہ دی جا رہی ہے، کمیونسٹوں کی بائیں بازو کی پارٹی نے آج صورتحال پر اپنی گرفت مضبوط کر لی ہے، جس کے نتائج خوش آئند ہونے کے امکانات کم ہیں۔

یہاں صرف یونائیٹڈ فرنٹ سرکار کا حوالہ کافی نہیں ہے، مانا کہ یہاں مالک۔ مزدور کے مسائل حل کرنے کی ان کی ناکامی، ریاست میں بدامنی کی عام فضاء، اور ان دنوں ہر

گیا۔ پنجاب میں مخلوط سرکار کو اپنے ہی ساتھی وزیروں کے استعفیٰ دینے پر گدی سے اُترنا پڑا، اور ایک دوسری سرکار کانگریس کے تعاون سے آج برسر اقتدار ہے۔

مغربی بنگال کے دستوری بحران سے ہر کوئی واقف ہے، جہاں یونائیٹڈ فرنٹ کی کابینہ کو برخاست کر کے کانگریس کے تعاون سے ایک نئی سرکار کیلئے راہ ہموار کی گئی۔

ذرا سوچئے کانگریس کی جگہ لینے کیلئے وجود میں آئی مخلوط سرکاروں نے کس حد تک اپنی قابلیت کی مہر لگائی ہے۔ یہ مخلوط حکومتیں موقع پرست ہیں، اور ان کے سامنے کوئی نظریات نہیں ہیں۔ محض اقتدار کی خاطر مختلف نظریات کے لوگ یکجا ہوئے ہیں۔ ان سیاسی پارٹیوں نے اپنا انفرادی تشخص برقرار رکھ کر ان مخلوط کام چلاؤ سرکاروں میں محض اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کیلئے یہ تعاون پیش کیا ہے، جس کے نتیجہ میں کابینہ میں اکثر اختلاف رائے، اور رسہ کشی ہوتی رہتی ہے۔ موقع پرست سیاسی پارٹیوں نے انہی ناقابل ترمیم نظریاتی بنیاد پر شائد اپنے اراکین کو انفرادی طور پر سیاسی دل بدلی کی اجازت دے دی ہے، نہ کہ کسی اصولی بنیاد پر، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ ذاتی غرض کیلئے ہی یہ مخلوط حکومتیں وجود میں آئی ہیں، اور ان اراکین نے شامل ہونا طئے کیا ہے، اس کے نتیجہ میں کئی ایک ریاستی سرکاریں عدم استحکام کا شکار ہو چکی ہیں، اور ظاہر بات ہے آج اپنا وجود برقرار رکھنے کیلئے ہاتھ پیر مار رہی ہیں۔ ان کی غیر اطمینان بخش کارکردگی اور کمزوریوں سے ان کی نااہلی کا بیّن ثبوت ملتا ہے، اور اس رَو کا شکار ہوئی ہے۔ ہمارے ملک کی اقتصادی ترقی جو روبہ زوال ہے

ہمیں اس سے جو سبق ملا ہے، وہ یہ ہے کہ مخلوط حکومتیں، کانگریس کا نعم البدل اس وقت تک نہیں ہو سکتیں، جب تک کہ کوئی ایک پارٹی بھاری اکثریت سے ایک مستحکم حکومت قائم نہیں کر لیتی۔ یا گنی چنی سیاسی پارٹیاں بہتر تال میل کا مظاہر کرتے

مرکز کی سرکاری زبان نے ہمیشہ مشکل و پیچیدہ مسائل کھڑے کیے ہیں۔کافی تبادلۂ خیال کے بعد ان دنوں کے وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے یہ یقین دلایا تھا کہ غیر ہندی لوگوں کو ہندی سرکاری زبان کے طور پر استعمال کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔اس کا حل یہ نکالا گیا کہ انتظامیہ میں ذولسانی پالیسی ہوگی اور تعلیمی میدان میں سہ لسانی پالیسی ہوگی۔خوشی کی بات یہ ہے کہ سرکار زبان کی ترمیم شدہ بل کے تحت پارلیمان کی منظوری کے بعد اس یقین دہانی کو دستوری حیثیت دے گی۔اس بل کے ساتھ چند ایک متنازعہ فیہ مسائل نے سر اٹھایا ہے، جن پر تفصیلی تبادلۂ خیال درکار ہے۔میں مرکز سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیلئے ہمیشہ تیار ہوں۔اس کے نفاذ میں اگر حقیقتاً کچھ دشواریاں ہیں تو مناسب سطحوں پر بحث کے بعد حل نکال لئے جائیں۔اس کیلئے میں غیر ہندی لوگوں سے اپیل کروں گا کہ ہندی کے خلاف کوئی تحریک نہ کریں۔خدشات کو ہوا نہ دیں، اور ایک ایسی فضا پیدا کرنے کی کوشش کریں، جہاں کوئی تنازعہ نہ ہو۔ہندی والوں سے بھی میری خاص اپیل ہے کہ وہ غیر ہندی دانوں سے تعاون کریں۔ہندی سرکاری زبان کا درجہ تو پا چکی ہے۔پر اس کے نفاذ میں عجلت یا سختی نہ ہو۔ہندی والے خود کہتے ہیں کہ ہندی کو عام ہونے میں ایک عرصہ درکار ہے۔ذولسانی پالیسی کو جاری رکھنا ہوگا، تاکہ کہیں بھی غیر ہندی دانوں کو پریشانیوں یا جانبداری کا سامنا کرنا نہ پڑے۔غیر ہندی دانوں کو مراعات پیش کرتے ہوئے مناسب تحفظات و رہنمائی کے ساتھ ہندی کو فروغ دے کر بالآخر قابلِ قبول بنانا ہوگا۔غیر ہندی دانوں کے دماغ میں موجود سارے شبہات کو دُور کرنا ہندی دانوں کا فرض ہے۔بدنصیبی سے زبان کے اس مسئلہ کا چند خود غرض، مفاد پرست لوگوں نے استحصال کیا ہے، جس کی وجہ سے ہندی کی ترقی میں رکاوٹیں پیدا ہوئی ہیں۔اس سے

جگہ زیر بحث ''گھیراؤ تحریک'' کا ذکر ہماری توجہ کا مستحق ہے۔ یہ تو ایک مثال ہے' ورنہ ایسی خراب صورتحال دیگر شعبوں میں در آئی ہے۔

سیاسی محاذ پر ہمیں ایسی صورتحال پر زیادہ کام کرنا ہے' ہر قیمت پر نظم ونسق پر گرفت مضبوط ہو' امن و آشتی کا ماحول ہو' اور جہاں بھی امن دشمن عناصر ہیں' انہیں کچل دیں۔ امن بنائے رکھنا معاشرے کا لازمی فرض ہے۔ جب دانستہ طور پر انصاف سے کھلواڑ کی اجازت دے دی جاتی ہے' اور کھلے عام تشدد کی تبلیغ کی جاتی ہے' جس سے ہمیں وہ سب کھو دینا پڑے گا جس کیلئے ہم نے جنگ آزادی لڑی تھی' اس لئے میں تمام سیاسی پارٹیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ بدامنی اور تشدد کو خیر باد کہہ کر ہمارے جمہوری نظام کو امن و آشتی کی فضاء میں پھلنے پھولنے دیں۔

سیاسی نظریات میں فرق ناگزیر ہے۔ اس لئے مجھے غیر کانگریسی سرکاروں سے کوئی دشمنی یا پرخاش نہیں ہے۔ مگر پارٹیوں کے اختلافات اصولوں اور قانون کی کسوٹی پر ہوں' یعنی بدامنی' نفرت' تشدد کو ذہنوں سے جھٹک کر ملک کے اقتصادی ڈھانچے کو مضبوط کرنا ہوگا۔ ملک ایسی غیر جمہوری وملک دشمن' سماج دشمن سرگرمیوں کو برداشت نہیں کریگا۔ ہر ممکن کوشش یہی ہونی چاہئے کہ تنظیمیں تخریب کاری سے باز آجائیں۔ بصورت دیگر ایسی تنظیموں پر پابندی عائد کرنے میں بزدلی نہ دکھائیں۔ ملک کی سالمیت کو متاثر ہونے سے بچانے کا یہ بھی ایک موثر طریقہ ہے۔

اس پر ہمارا اتفاق ہے کہ آج بھارت میں اقتصادی ترقی اور سیاسی استحکام کی بے انتہا ضرورت ہے۔ مانا کہ ان حالات میں یہ دونوں اپنی اپنی جگہ آزاد ہیں' پھر بھی اقتصادی ترقی کے بغیر سیاسی استحکام ممکن نہیں۔ بس اس پس منظر میں انتخابات کے بعد کے حالات' تغیر وتبدل کا ازسرنو جائزہ لینا ضروری ہوگیا ہے۔

پچھلے پانچ سالوں میں ملک ایک بیحد نازک دور سے گزرا ہے۔ چین کے حملے کے بعد پاکستان کی جنگ اور پھر قحط سالی نے ہمارے ملک کے اقتصادی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قیمتوں میں بالخصوص خورد و نوش کی چیزوں، غلہ وغیرہ میں اضافہ ہوا ہے۔ زراعتی پیداوار میں کمی ہوئی ہے۔ روپیہ کے تصرف پر پابندیوں کی بدولت، صنعتی ڈھانچہ کافی متاثر ہوا ہے۔ اس پر بالائے ستم یہ کہ روزمرّہ اور انجینئرنگ کی چیزیں متاثر ہوگئی ہیں۔ خوش نصیبی سے بہتر زراعتی پیداوار سے ہمارے ملک کی حالت اتنی خراب نہیں ہوئی، کچھ سنبھالا ملا ہے، کوئی پچانوے ملین ٹن غلّہ کی پیداوار اب کی بار متوقع ہے۔ کپاس اور تیل کے بیجوں کی کاشت ہمت افزاء ہے۔ یہ سب صرف خوشگوار مناسب موسم کی بدولت نہیں ہوا، بلکہ زراعت کے تئیں نئے موثر طریقوں کی وجہ سے بھی ممکن ہوسکا ہے۔ کپاس، پٹ سن، اور تیل کے بیج کی فصلوں میں خوشگوار اضافہ ہوا ہے۔ اگر دور اندیشی سے کام لیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ زراعت کے میدان میں ہمارے دیرینہ خوابوں کی تکمیل ہوگی۔ نہ صرف غلّہ زیادہ ملے گا، بلکہ صنعتی میدان میں بھی بہتر ضروری خام اشیاء زیادہ مقدار میں ملیں گی، جن کو درآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جاسکتا ہے، اس سے ہماری معاشی حالت میں کافی سدھار آئے گا۔

زراعت کے میدان میں ترقی فال نیک ہے۔ ملک کی ترقی کا باعث ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اس کے نتیجہ میں دیہات میں بسنے والوں کی زندگی میں کافی سدھار آئے گا، خوشحالی آئے گی۔ اس لئے پیداوار کو ڈھنگ سے برتنے، ان کی ذخیرہ اندوزی کرنے انہیں اِدھر اُدھر لے جانے اور ان کی حفاظت کیلئے مناسب انتظامات ضروری ہوجاتے ہیں۔ ساتھ ساتھ زراعت کیلئے ضروری اشیاء کے کارخانے کھلیں گے۔ ان کا نظم و نسق نوجوان نسل کے ہاتھوں میں ہوگا، جو آگے چل کر

دراصل ملک کی سالمیت ویک جہتی کو خطرہ ہے۔ ہمیں اس معاملہ میں چوکنا رہنا ہے۔ ہندوستانیوں کے سامنے اور بھی بڑے بڑے سنگین مسائل ہیں' جو فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنی صلاحیتوں کو تخریب کاری پر ضائع نہ کریں' اور شمال جنوب کے تفرقات کو حائل ہونے نہ دیں۔ اسلئے میں مودبانہ اپیل کرتا ہوں کہ ایسی تحریکوں' سرگرمیوں کو بالائے طاق رکھ کر ملک میں اتحاد برقرار رکھنے میں ہمارا ساتھ دیں۔

ریاستی سرحدوں کے بارے میں بھی' اِدھر اُدھر اختلافات ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ۱۹۲۱ء میں گاندھی جی کی قیادت میں کانگریس نے لسانی ریاستوں کی تشکیل کی بات کی تھی۔ کرناٹکا اور آندھرا کی علاقائی کانگریس کمیٹیوں کی تشکیل اسی مقصد کیلئے وجود میں آئی تھیں۔ اس سے پہلے بھی شمالی ہند میں سندھ اور اڑیسہ میں زبان کی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل ہوئی تھی۔ مگر ۱۹۵۶ء میں پورے ملک کی تقسیم اسی لسانی بنیاد پر ہوئی۔

اس میں شک نہیں کہ بہتر جمہوری عمل اس طرح کی تقسیم کے بعد ممکن ہوسکا ہے' اور بہتر عوامی تعاون مل رہا ہے' اور اقتصادی ترقی زور پکڑ رہی ہے۔ پر' دو تین ریاستوں کے سرحدی تنازعے ہمیں اب بھی پریشان کر رہے ہیں' جن سے رجوع ہونے کی ضرورت ہے' اور اسے سیاسی رنگ سے بچانا ہوگا۔

آپسی گفتگو سے حل ممکن ہے' البتہ یہ بات ذہن میں رہے کہ سرحدوں پر بسنے والے دونوں زبانوں کے عادی ہوتے ہیں۔

دریاؤں کے پانی کی تقسیم پر بھی کچھ ایسی ہی پیچیدگیاں ہیں' جن کو مجھے یقین ہے' باہمی تبادلہ ٔ خیال سے دور کیا جاسکتا ہے' اور اس کے حل کیلئے ہنگاموں' ہڑتالوں یا تشدد کی کوئی ضرورت نہیں۔

گا' ورنہ حکومت کو دیگر موثر طریقے ڈھونڈنے ہوں گے۔

دیکھا جارہا ہے کہ دیہات میں بہتر فصلوں کی بہتر قیمتوں کی وجہ سے' کسان اپنا پیسہ بینکوں' مالی و امداد باہمی کے اداروں میں لگا رہے ہیں۔ان تبدیلیوں کے صحیح جائزے کی ضرورت ہے کہ کسان کو بروقت ہر ممکنہ مدد مل سکے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ زراعت کے قابل زمین کی بہتر آب رسانی ہو۔زیادہ سے زیادہ زمین قابل کاشت بنائی جائے اور ذرائع آب رسانی موثر ہوں' اور آسانی سے دستیاب ہوں۔موسموں پر اعتبار کرنا ہمارے ملک میں ایک جوا ہے۔غیر معتبر موسموں اور ان کے نقصان دہ اثرات سے بچنے کیلئے بارش کے پانی کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ ہر قطرۂ آب کی حفاظت ہو۔مناسب ذخیرہ اندوزی ہو' تاکہ ضرورت پر فوراً استعمال کرسکیں۔اس کیلئے سینچائی کے کنوؤں' تالابوں کی تعمیر و مناسب دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ جنگلات کی حفاظت بھی ضروری ہے۔آب رسانی کو ہمیشہ ترجیح دینا ہوگا۔اتنا سب کچھ کرنے پر بھی ہمارے مسائل پوری طرح حل نہیں ہوتے۔غیر معتبر بارش پر تکیہ کرنے کے عوض بڑے بڑے بند تعمیر کئے جائیں۔ان سے نہ صرف راست آب رسانی ہوگی' بلکہ کافی مقدار میں ذخیرہ اندوزی بھی ہوگی۔بڑے دریاؤں سے مستفید ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

سنتے ہیں کہ کم سے کم دس فیصد پانی ضائع ہورہا ہے۔اگر اس نقصان پر قابو پالیا جائے' تو زیادہ زمین قابلِ کاشت بنا سکیں گے۔نتیجتاً زیادہ فصل ہوگی' اور ہمیں کسی اور کے در پر غلّہ کیلئے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

زراعتی پیداوار میں اضافہ کرنے کیلئے مرکز اور پلاننگ کمیشن کا دباؤ اچھی چیز ہے' مگر کسانوں کے مسائل بھی پیش نظر رہیں' اور قومی پراجکٹوں کیلئے لازمی فنڈ کی

ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے قابل ہوں گے۔مگر یہ سب کچھ کرنے کیلئے چند ضروری اقدامات توجہ طلب ہوں گے۔اچھی کھاد‘اچھے بیج‘جراثیم کش ادویات‘ان کی ذخیرہ اندوزی‘ان کی تقسیم کاری وغیرہ کو امدادِ باہمی کے اصول پر فروغ دینا ہوگا۔یہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ترجیحی کام ہے۔اسے موثر بنانے کیلئے کسانوں کو کم شرحِ سود پر قرضے دینا ہوگا۔مروجہ منصوبوں کی رفتار بڑھانے اور ضروری اشیاء کو جہاں تک ہو سکے‘اور جتنی جلد ہو سکے‘ان کے گاؤں تک پہنچانا مناسب وکارآمد ہوگا‘مزید یہ کہ زراعت کو بھی ایک ’’انڈسٹری‘‘ کا درجہ ملنا ہوگا۔

کسان ایماندار ہوتا ہے۔قرضہ دینے والی بینکوں کو ان پر بھروسہ کرنا چاہئے۔دیکھا گیا ہے کہ بینک اور دیگر مالی ادارے عام طور پر شہروں میں بسنے والے بڑے سرمایہ داروں‘کارخانوں کے مالکوں وغیرہ کو ہی قرضوں سے نوازتے ہیں‘اور قرض کے قابل و مستحق سمجھتے ہیں۔یہ نظریہ غلط ہے۔ان کی توجہ غریب و مستحق کسانوں پر مرکوز ہونی چاہئے۔کسان ہمیشہ امداد کا مستحق نظر آتا ہے۔

گیہوں‘چاول‘مکئی‘جوار کی کاشت میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔مصنوعی کھاد‘پودوں کی بہتر دیکھ بھال کا‘اس بہتر پیداوار میں بڑا ہاتھ ہے۔مجھے خوشی ہے کہ اس بہتر کارکردگی کیلئے سرکار اور بینک برابر دلچسپی لے رہے ہیں۔ہاں یہ بھی حقیقت ہے کہ بینک سرکاری نیم سرکاری عام طور پر کسانوں یا دیہات پر روپیہ لگانے کے مشتاق نظر نہیں آتے۔جبکہ شہروں کے صنعتکاران کے منظور نظر ہوتے ہیں‘بنکوں کی اس پالیسی میں تبدیلی ضروری ہے۔

لگتا ہے کہ مرکزی وزارت مالیہ نے بینکوں پر دباؤ ڈالنا شروع کیا ہے کہ اس میدان میں مستحقین کی مدد میں کوتاہی نہ برتیں۔مجھے اُمید ہے کہ اس کا بہتر اثر پڑے

پچھلے کئی برسوں کے ہمارے تجربوں نے ہمیں جو سکھایا ہے' اس کا استعمال ضروری ہے۔ ملک میں بڑے بڑے کارخانے قائم کئے جارہے ہیں' اور قائم ہونا بھی چاہئے' مگر یہ ضروری ہے کہ بڑے بڑے کارخانے ایک ہی جگہ نہ ہوں' بلکہ الگ الگ ریاستوں 'مقامات پر قائم کئے جائیں۔ دیو ہیکل کارخانوں سے ہمارے ملک کی خام اشیاء کی کھپت پر اثر پڑے گا' اور اقتصادی ڈھانچہ متاثر ہوگا۔ اس لئے بڑے کارخانوں کی مرکزیت اچھی بات نہیں۔ مقامی روزگار بھی اس سے بُری طرح متاثر ہوگا۔ خام اشیاء کی نقل وحرکت مہنگی ہوگی' دشواریوں کا شکار ہوگی۔ ان خام اشیاء اور پیداوار کیلئے بازار ہوں' جو کسانوں کی پہنچ سے دُور نہ ہوں۔

دیکھا جارہا ہے کہ نجی وسرکاری شعبوں میں مزدوروں کی بے چینیاں اور مطالبات 'روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ بدامنی اور تناؤ بھی تشدد کی شکل اختیار کررہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مزدوروں کے حقوق کا مناسب تحفظ ہو' ان سے انصاف ہو' استحصال نہ ہو' وہ بہتر زندگی کے قابل بنائے جائیں' مگر کبھی کبھار ملک دشمن عناصر ان کا استحصال کرکے معاشرہ' اور ملک کیلئے مسائل کھڑے کردیتے ہیں۔ اس لئے پچھلے چند برسوں کی وارداتوں کی روشنی میں مالک اور مزدور کے تعلقات میں سدھار کیلئے تفصیلی مطالعہ ضروری ہے۔ تخریب کاروں کی پہچان ہو' تدارکی اقدامات ہوں۔

مزدور کو اپنے مطالبات پیش کرنے کا حق ہے' مگر اُن کا یہ فرض بھی ہے کہ پیداوار' اور ملک کی اقتصادی حالت کو نشانہ نہ بنائے' ملک وقوم کی ترقی میں مدد کرنا ان کا اہم فرض ہے۔

چھوٹے اور درمیانی درجہ کے گھریلو کارخانوں سے ہماری اقتصادی حالت بہتر ہوگی۔ اِس سے روزگار بھی ملے گا گو کہ زراعت سب سے بڑا روزگار فراہم کرنے والا شعبہ ہے۔ اگر زراعت میں جیسا کہ توقع ہے کہ مشینوں کا استعمال ہونے لگا تو دیہات

فراہمی میں رکاوٹ نہ ہو۔اس ضمن میں میں یہ تجویز کرنے پر مجبور ہوں کہ ایسے پراجکٹوں کی کامیاب تکمیل کیلئے‘ اگر گھاٹے کا بجٹ پیش کرنے کی ضرورت پڑے‘ تو بھی سرکاروں کو گریز نہیں کرنا چاہئے۔تب کہیں غلّہ کی پیداوار میں دوگنی‘ تگنی ترقی ہوگی۔

آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ قابلِ کاشت زمین کا قابل لحاظ حصہ مکانات کی تعمیر کی نذر ہو رہا ہے۔جگہ جگہ کارخانوں‘ راستوں وغیرہ کیلئے بھی ایسی زمین استعمال کی جا رہی ہے‘ جس سے پیداوار میں کمی بُرے نتائج پیدا کرے گی۔

ہمارے جنگلات بھی بتدریج کم ہوتے جا رہے ہیں۔ان کی بروقت حفاظت نہیں کی گئی تو ہمیں ان سے ملنے والی بہت سی خام اشیاء سے محروم ہونا پڑے گا‘ بالخصوص کارخانوں میں استعمال ہونے والی اشیاء سے۔ان اقدامات سے زراعت کیساتھ دیگر شعبوں میں بھی قابل لحاظ ترقی ممکن ہو سکے گی۔ہاں یاد رہے کہ قابلِ کاشت زمین جتنی زیادہ ہو اتنا ہی بہتر ہے۔

ہل جوتنے کیلئے صرف ایک آدمی کافی ہوگا‘ مگر جدید طریقۂ زراعت میں بالخصوص آب رسانی کیلئے تین افراد کی ضرورت ہوگی۔اسی لئے میں اُسے ترجیح دینے پر مجبور ہوں جو کہ جدید ذرائع طریقۂ کار روزگار بھی فراہم کرے گا۔

بارش کے پانی کے ساتھ زیرِ زمین موجود ذخائر آب کے استعمال پر بھی‘ ہماری توجہ ہو‘ اور اعلیٰ پیمانے پر غور و خوص اور منصوبہ بندی ہو۔زراعت میں سدھار کے ساتھ ساتھ زمین کے بہتر استعمال اور ملکیت کے قوانین میں خوشگوار ترمیمات کی بھی ضرورت ہے۔’’لینڈ ریفارمس‘‘ کو تمام ریاستوں میں پوری طرح لاگو نہیں کیا گیا ہے۔یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔میں تمام ریاستی سرکاروں سے گذارش کروں گا کہ کسان کو مالک زمین بننے کے جائز و دیرینہ حق سے محروم نہ کریں۔

کرتا ہوں کہ ہریجنوں کے الگ ہوسٹل نہ ہوں' بلکہ ہریجن طلبا کو دیگر ہوسٹلوں میں رہنے کا موقع دیا جائے' اوران کے اخراجات سرکار برداشت کرے۔

یہ چند اقتصادی' سیاسی اور سماجی چیلنج ہیں' جن کا ہمیں بڑی دیدہ دلیری سے اس وقت تک سامنا کرنا ہوگا' جب تک کہ ہمیں پوری کامیابی حاصل نہیں ہو جاتی۔ ہمارے پڑوسیوں اور بیرونی دنیا سے نپٹنے کے دوران ہمیں بیحد سنجیدہ' دشوار گزار مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔ ہمارے تہذیبی ورثہ کا صدیوں سے یہ پس منظر رہا ہے کہ ہم پڑوسیوں کے ساتھ بیحد خوشگوار ماحول میں رہ رہے ہیں۔ ان کو بھی ایسا ہی ماحول فراہم کیا گیا ہے' کسی نے ہم پر جارحیت کا الزام نہیں دھرا ہے' ہماری یہ پالیسی 'جینے دو اور جیو' کے اُصول پر مبنی ہے' جہاں اتحادِ باہمی اتفاق کی روح کارفرما ہے' پنڈت نہرو ہمارے اس تہذیبی ورثہ کا نمونہ تھے۔ وہ دنیائے سیاست کے ایک ذہین طالب العلم تھے' اور جن کو وقت کے تمام مدبر سیاستدانوں میں ایک قرار دیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے ہماری رہنمائی کیلئے اپنے نقش قدم چھوڑے ہیں۔ دوسروں کی چیزیں غصب کرنے کا کلچر ہمارا نہیں ہے۔ اس کے برعکس آپ نے دیکھا کہ حال ہی میں ہمارے ملک پر بیرونی حملے ہوئے اور ہر بار ہم نے دلیری سے ان کا مقابلہ کیا۔ ان حملوں سے نہ صرف ہمارے ملک کو' بلکہ دنیا بھر کے امن و امان کو بھی ایک خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ ان حملوں سے ہمارے ملک کے اندرونی حالات بھی متاثر ہوئے ہیں۔ متوقع اثرات سے بچتے رہنے کی ہنوز کوششیں جاری ہیں۔ ہمیں ہمیشہ چوکنا رہنا ہے اور ہر قدم پر مناسب اقدامات کرنے ہوں گے۔ بالخصوص چین نے نہ صرف ہمارے ملک پر' بلکہ دیگر ممالک پر بھی اپنی حریصانہ نظر ڈالی ہے اور ایک طرح کی سرد جنگ کا آغاز ہو چکا ہے۔ ترقی کے سفر پر کمربستہ چین اور ہند' دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بہترین تعلقات رکھنا' دونوں

میں روزگار کم ہو جائے گا۔ جدید بڑے کارخانوں سے بھی روزگار متاثر ہوگا۔ ہمارے ملک میں جہاں کروڑوں کی آبادی ہے، گھریلو کارخانے روزگار فراہم کرنے میں بہت مفید ہوں گے۔ بینکوں اور مالی اداروں کو چاہئے کہ بے روزگاری دُور کرنے میں مدد کریں۔ زراعت کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا، چھوٹی گھریلو صنعتوں پر بھی انہی خیالات کا برابر اطلاق ہوسکتا ہے۔

گاندھی جی، جو ملک کے حالات سے اوروں کی بہ نسبت زیادہ واقفیت رکھتے تھے، ہمیشہ چاہتے تھے کہ گھریلو صنعت کو ترجیح دی جائے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جس طرح انہوں نے حصول آزادی کی خاطر عدم تشدّد کو بہترین ہتھیار سمجھا اور کر دکھایا، اسی طرح ہماری اقتصادی مشکلات سے نپٹنے کیلئے بھی عدم تشدد کا استعمال بہتر ہوگا، اور اسی طرح ہم لوگ سماج میں مساوی طور پر انسانوں میں بلالحاظ مذہب وملت ایک سماجی تغیر لاسکتے ہیں۔ اس لئے ہریجنوں اور دیگر پچھڑے طبقات کی فلاح و بہبود کیلئے وہ ہمیشہ اپنی جان بھی قربان کرنے کیلئے تیار تھے، اور ان کیلئے جو بھی کر دکھایا وہ قابل ستائش ہے۔ چھوت چھات کے خلاف قوانین بنائے گئے ہیں، مگر درج فہرست طبقات کی زندگیوں میں سدھار لانے کیلئے ان قوانین کا خصوصاً دیہات میں نفاذ خاطر خواہ نہیں ہوا ہے، موثر عمل بیحد ضروری ہے۔ میرا خیال ہے اس کے بہتر نتائج کیلئے دیہات اور چھوٹے شہروں میں اِن لوگوں کو عام لوگوں کے ساتھ ساتھ بسنے دیا جائے۔ اسلئے جہاں کہیں نئے نئے محلات، کالونیاں بنائی جارہی ہیں، وہاں ہریجنوں کو بھی دوسری ذاتوں کے لوگوں کے ساتھ رہائشی مکانات کی تعمیر کیلئے اراضی دی جائیں؛ جس سے نہ صرف سب کے ساتھ ہمیشہ مل جل کر رہنے، بلکہ احساس کمتری کو دُور کرنے کے بھی ہر قدم پر مواقع ملتے رہیں گے۔ اس سے اپنائیت اور یک جہتی کا فروغ ہوگا۔ میں یہ بھی محسوس

اعتماد کرنے کی پالیسی وجود میں آئی' اور یہی وہ جذبہ ہے' جو دنیا میں امن و آشتی کا ضامن ہے۔

سائنس اور تکنالوجی کی حیرت انگیز ترقی کے سبب اس دَور میں فاصلے سمٹ گئے ہیں' اور اس کا اثر ہر جگہ جاری و ساری ہے' اور آج کوئی بھی ملک' اکائی کے خول میں سمٹ کر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ ایک دوسرے کا با معنیٰ تعاون ہر کسی کیلئے ناگزیر ہو گیا ہے۔ ورنہ ہماری یہ دنیا بے معنی ہو کر رہ جائے گی' اور ترقی کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں گی۔ انسانیت چوراہے پر کھڑی ہے' اور جب تک طاقتور حکومتیں ذمہ داری اور انسان دوستی کی پالیسی نہیں اپنائیں گی' روحانیت کی تقلید نہیں کریں گی' یہ دنیا تباہی کی طرف تیزی سے بڑھتی ہی جائے گی اور انسانی قدریں متاثر' مجروح اور بے اثر ہو جائیں گی۔ اس لئے ونوبھاجی نے آواز دی ہے کہ سائنس اور روحانیت کو مل کر دُنیا سازی میں جٹ جانا ہے۔ یہ بات بیحد اہم ہے کہ پنڈت جی نے اپنے آخری دنوں میں انہی نظریات کو کار آمد بتایا تھا۔ نہ جانے کیوں یہ بات میرے دل میں تیزی سے گھر کر رہی ہے کہ سرمایہ داری اور کمیونزم' بیحد خطرناک ہیں۔ ان دونوں سے سوائے تباہی کے کسی اور چیز کی توقع رکھنا فضول ہے۔

یہ سچ ہے کہ کئی ممالک جیسے امریکہ' روس' انگلستان' جاپان اور جرمنی کئی ایک شعبوں میں ہماری مدد کر رہے ہیں' جس میں مالی تعاون بھی شامل ہے۔ ہمارا ملک صنعتی' اور دیگر میدانوں میں خود مکتفی ہو' اور ہمارے آب رسانی کے سارے پراجکٹ مکمل ہو سکیں۔ ہم ان سب کے شکر گزار ہیں۔ اس وقت جبکہ امریکہ ہماری اناج کی قلت پوری کر رہا ہے ۔کمی کا مسئلہ ہنوز پریشان کن ہے۔ روس نے جن کا بھی ہم خصوصی شکریہ ادا کریں گے ' کارخانے قائم کر کے ہمارا تعاون فرما رہا ہے' جس سے ہماری اقتصادی حالت بتدریج

کے حق میں بہتر ہوگا' ہم امید کرتے ہیں کہ چین کے ساتھ ہمارے ثقافتی تعلقات ہمیشہ کی طرح بہتر ہوں گے' اور کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں گے۔ ہمارے باہمی تعلقات جتنی جلد بہتر ہوں' اتنا ہی مفید ہوگا۔

ہماری تہذیب قدیم اور قابلِ رشک ہے۔ ہماری روایات قابلِ ستائش' ان کی اہمیت' ذہانت اور پختگی کو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔ ہمارے لئے یہ مناسب نہیں کہ ہمارے درمیان اختلاف کی فضا ہو' چینیوں کے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے' بلکہ چین میں موجود آمرانہ ذہنیت اور کمیونسٹوں کی بے اُصول قیادت کی ہم مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا منشاء خود غرضی کو ہوا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ انصاف اور سچائی پر ہی چل کر دکھائیں' تاکہ مناسب اور اطمینان بخش حل نصیب ہو۔

پاکستان کے تعلق سے بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ ہند اور پاک سہیلیاں ہیں' اور ان کی رگوں میں ایک ہی خون گردش کر رہا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ایک دوسرے کو شک کی نظر سے نہ دیکھیں' بلکہ باہمی اتحاد اور پُر خلوص تعاون کی ہی فکر کرتے رہیں۔ عرصۂ دراز سے دونوں کا پس منظر ایک ہی ہے' اور جغرافیائی سرحدوں کا بھی یہی تقاضہ ہے' اس لئے پاکستان کو یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک دوسرے سے نفرت اس کے حق میں ہی مضر ہے۔ ایک دوسرے پر اعتماد وقت کی اہم ضرورت ہے' اور ایماندارانہ کوشش اِس کیلئے ضروری ہے۔

جہاں تک بیرونی ممالک کا معاملہ ہے' ہمارے قابلِ فخر مدبر سیاستدان مرحوم پنڈت جواہر لال نہرو کی انتھک کوششوں سے ہمارے ملک کا وقار بلند ہوا ہے اور ہم سب کے ساتھ دوستی کا ماحول بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اچھے تعلقات ہی کی بناء پر دوسروں کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے اور دوسروں پر

مَیں نے اب تک چند اُن امور پر روشنی ڈالی ہے' جس سے ملک میں عام طور پر بے اطمینانی کا اظہار کیا گیا ہے' اور میں نے یہ اشارے دئے ہیں کہ ہمیں کن خطوط پر عمل کرنا ہوگا۔ ہمیں اپنے تزکیہ کی سخت ضرورت ہے' تاکہ آگے بڑھ سکیں۔ مجھے ان تمام سرکاروں کی کارکردگیوں کا سرسری جائزہ لینا ہے کہ کہاں اور کیوں ان کی کوششیں زیادہ ثمر بار نہیں ہوسکیں' اور کیوں رعایا ان سے مطمئن نہیں ہے' اور ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ آیا اِس کے موثر نفاذ میں رکاوٹ اس مروجہ نظم ونسق کی وجہ سے' جسے بنیادی طور پر ''پولیس راج'' کہا جاتا ہے' جس کا اِطلاق ہمارے جمہوری و ویلفیر اسٹیٹ پر ہونا مشکل ہے اور یہ کہ کس حد تک ہمارے پچھلے بیس سالہ تجربات سے ہم سبق سیکھ سکتے ہیں۔ دیکھنا ہے کہ ہمارے نظم ونسق کے ڈھانچے کہیں غیر متوازن تو نہیں' اور یہ کہ کہیں اس کے عملی کام میں غیر ذمہ داری وتساہل کا دخل تو نہیں؟

یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ بہتر و موثر نتائج کیلئے ہمارے لوگوں کا تعاون' ہر شعبۂ زندگی میں' بالخصوص اقتصادی میدان میں کس حد تک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ امور ہماری فوری توجہ کے مستحق ہیں اور ایسی تبدیلیاں ضروری ہیں' جن کے نفاذ میں کوئی تردّد نہیں ہونا چاہئے۔ مجھے اُمید ہے کہ ''ایڈمنسٹریٹیو ریفارمس کمیشن'' اِس ضمن میں صحیح رہنمائی کرے گا' مگر ایک اہم تر سوال پر ہمیں غور کرنا ہے کہ کیا بھوبنیشور میں جمہوری سماج واد کے بارے میں منظور کی گئی' ان قراردادوں پر عمل ہوا ہے' جن سے فرد کا وقار اور سماجی انصاف فرِوغ پائے گا؟۔

ہمارے سماج میں ان کے موثر نفاذ کیلئے وقت چاہئے' تو کیا ہم' کم سے کم اس سمت کوئی قدم اٹھا رہے ہیں؟۔ کیا ہم صحیح خطوط پر جا رہے ہیں؟ کیا غریب و مالدار کے بیچ کی خلیج کو پاٹنے میں' ہم کامیاب ہوسکے ہیں؟ کیا دولت کے چند لوگوں کے پاس سمٹ

سدھرے گی۔ دیگر ممالک سے بھی ہمیں تکنیکی رہنمائی مل رہی ہے۔ان سب کے بروقت تعاون کا ہم شکریہ ادا کرتے ہیں' اور امید کرتے ہیں کہ آگے بھی ان کا تعاون اسی طرح حاصل ہوتا رہے گا' پھر بھی خود کفیل بننے کیلئے ہمیں ہمہ وقت جد و جہد کرنی ہوگی۔ مجھے خوشی ہے کہ اب یہ رجحان زور پکڑتا جارہا ہے۔ہمیں چاہئے کہ تکنیکی صلاحیتوں کو فروغ دیں' تحقیقات کی لو تیز کریں۔سائنسی' صنعتی میدان میں نوجوان نسل کا حوصلہ بڑھائیں' تاکہ بہتر فصل کی امید کی جاسکے۔

ہماری انسان دوستی حسن اخلاق اور امن پسندی (**سروے جنا سُکھی نَو بھَونتو**) کے روحانی پس منظر میں' مادّی سطح پر بھی ہم دنیا کو بہت کچھ دے سکتے ہیں' جس سے ایک اچھا انسان دوست خوشحال معاشرہ وجود میں آسکے' جہاں کسی قسم کا سیاسی یا کوئی اور تناؤ کا نام ونشان نہ ہو۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ آزادئ ملک کے بعد پچھلے بیس سالوں میں کانگریس کی رہنمائی میں ملک میں اقتصادی سدھار لانے کی بہت کوشش کی گئی ہے۔لگتا ہے کہ غیر ملکیوں کے دور عہد میں جو کام دوسو سالوں میں نہیں ہوسکا تھا' وہ کام صرف بیس سالوں میں انجام پاچکا ہے۔مگر اس غیر معمولی ترقی پر دھماکہ خیز حد تک بڑھتی ہوئی آبادی نے پانی پھیر دیا ہے۔اس لئے ایک موثر منصوبہ بندی کی فوری ضرورت پر توجہ بیحد ضروری ہوگئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ' اس کی اہمیت سمجھ رہے ہیں' اور اِس پر رضا کارانہ طور پر عمل بھی کررہے ہیں۔ یہ بات حوصلہ افزاء ہے کہ دیہاتیوں میں شہریوں سے بڑھ کر دلچسپی دیکھی جارہی ہے۔ ممکن ہے دیہی اقتصادی پسماندگی بھی اس کا ایک اہم سبب ہو۔ کچھ بھی ہو یہ ایک قومی ذمہ داری ہے' جس کو بلا لحاظ مذہب وملت ہر کسی کو اپنانا ہوگا......اور وسیع پیمانے پر اسے مقبول بنانا ہوگا۔

زائل ہورہا ہے۔ مرکز، ریاستی یا مقامی انتخابات کے ایام کو چھوڑ کر ہم عام طور پر ایسی کارروائیوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے، اور ہاں کبھی کبھار تنظیم کیلئے رکن سازی کی دوڑ دھوپ کرلیتے ہیں۔ مگر ایک اہم سبب یہ ہے کہ ہم نوجوان نسل کو تنظیم کی اہم کڑی بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ چند ایک بار ہماری پرانی نسل کو بھی عدم دلچسپی کی نہج پر دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ جب تک ہم نوجوانوں کو ہمارے ساتھ لے کر نہیں چلتے، ان کی مناسب تربیت نہیں کرتے، اور انہیں آزادیٔ ہند کی تاریخی جدوجہد اور اس کے تاریخی نتائج سے باخبر نہیں کراتے، ان مشاہیر کے بارے میں نہیں سناتے، جذبۂ حب الوطنی کو ہوا نہیں دیتے، عدم تشدد کی عظیم قوت کا راز نہیں بتاتے، ہماری ترقی برائے نام ہوگی۔ ہمارے پرانے طریقۂ کار کی تجدید کرتے ہوئے، وقتاً فوقتاً ضلعی اور دیہی کانفرنسیں نہیں کرتے، ہمارے منصوبوں اور کارکردگیوں کا صحیح جائزہ نہیں لیتے، نوجوان نسل قیادت کیلئے تیار نہیں ہوگی۔ ہمیں چاہئے کہ ہمارے نوجوان کارکنوں کو گاندھی جی کے بتائے ہوئے راستوں سے واقف کرائیں، تاکہ عدم تشدد اور تعمیری عمل کی بنیادیں مضبوط ہوں۔ ہم گاندھی جی کی تعلیمات کو کبھی فراموش نہیں کرسکتے، اگر ہم نے عمل نہیں کیا تو ہمارے خاکے بے رنگ رہ جائیں گے، اور مستقبل منہ تکتے رہ جائے گا۔

اِس نازک موڑ پر اپنے تمام کانگریسیوں سے کیا میں یہ سوال پوچھ سکتا ہوں کہ کیا آپ سب نے ان امور پر سنجیدگی سے غور کیا ہے، اور اپنی اپنی انفرادی خدمات کا محاسبہ کیا ہے کہ کس حد تک گاندھی جی کی تقلید کی ہے؟ کیا ان کا کردار بلند ہے، اخلاقی معیار اونچا ہے، کیا مسائل کے تئیں ان کا رویہ تعمیرانہ ہے؟۔ مَیں تمام کانگریسیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اپنا اخلاقی معیار بلند رکھیں۔ ساتھ ساتھ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ملک و سماج کے دشمنوں کی، نہ صرف نشاندہی کریں، بلکہ ان کا خاتمہ بھی کریں۔ زبان، ذات

جانے کو ہم روک سکے ہیں؟ اور کیا ہم دولت کی غیر مساوی تقسیم کو روک سکے ہیں؟ ہمیں اعتراف کرنا ہوگا کہ اس راہ میں ہم نے بہت کم کام کیا ہے۔ آج بھی ہمارے سامنے عمل درآمد کی صحیح تصویر ابھر کر نہیں آئی ہے' جس سے یہ وثوق کے ساتھ کہہ نہیں سکتے کہ کب اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ سکیں گے' اور کب ایک خوشحال معاشرہ وجود میں آسکے گا۔ یہ بات صرف کانگریسیوں تک محدود نہیں ہے' بلکہ دیگر سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں پر بھی صادق آتی ہے' جو ایک سماج وادی معاشرہ کے متمنی ہیں ۔ ہمارے اربابِ حل وعقد میں اختلافِ رائے ہے۔ حتیٰ کہ اعلیٰ سطح پر بھی کہ ہماری تجارت بنکوں کو قومیانا' نجی اور سرکاری یونٹوں اور کارخانوں میں ہماری پالیسی کیسی ہونی چاہئے۔ ہمارے اس وسیع وعریض ملک میں ایسی مختلف الرّائے کا ہونا ناگزیر ہے۔ تاہم ایک بات ذہن میں رکھنی ہوگی کہ ہمارے شہریوں کا معیارِ زندگی بلند ہوتا رہے۔ خوشحالی بڑھتی رہے۔ چھوٹے بڑے کے درمیان فاصلے گھٹتے جائیں۔ دولت چند ہاتھوں میں سمٹنے نہ پائے۔ پیداوار اور اقتدار میں توازن ہو۔ استحصال کہیں نہ ہو۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے دس نکاتی پروگرام کے ذریعے ہمارے سامنے ایک عظیم نقشہ رکھا ہے۔ ان اقتصادی' سماجی اور سیاسی مقاصد کو بروئے کار لانے کیلئے عوام میں شعور کی بیداری اور ان کا عملی تعاون بیحد ضروری ہے۔ یہی وہ مقام ہے' جہاں کانگریس تنظیم کو سر جوڑ کر سوچنا ہے۔ تنظیم کو چاہئے کہ مرکزی وریاستی کانگریسی سرکاروں سے برابر ربط قائم رکھے' تاکہ ترقی کی پیش رفت کا صحیح اندازہ ہو۔ میں ان تمام حالات کا مکمل جائزہ لینے اور تبادلۂ خیال کے بعد مناسب تجاویز پیش کروں گا۔

آزادی کے بعد بھی صرف کانگریس پارٹی ہی سیاسی سطح پر ایسی پارٹی ہے' جس کی جڑیں ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ عوام پر اس پارٹی کا جو اثر ورسوخ تھا' وہ رفتہ رفتہ

لائیں۔اب کانگریسی بدنظمی کا شکار ہو نہیں سکتے۔سکریٹریٹ، پوری یکسوئی اور ذمہ داری سے کام کرے، اس کا ایک تحقیقی شعبہ بھی ہو۔تعلقات عامہ میں بہتر سمجھ بوجھ ہو۔کانگریسی سرکاروں سے مضبوط رشتے ہوں۔

اس پیچیدہ مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد آپ لوگوں کی رہنمائی سے کانگریس کی تشکیل نو کا کام سرانجام دوں گا۔یہ کام بھی بیحد اہم ہے، ہم ملک کے شہریوں کو اپنی اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کریں، اور بتائیں کہ کیا کچھ ہوا ہے اور ہنوز باقی ہے، جس کیلئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نقصان دہ ہوگا۔انہیں بتانا ہوگا کہ ''کرما'' کا مطلب تعمیری عمل کی ترغیب ہے، جس کے بغیر اکملیت ممکن نہیں۔انہیں بتانا ہوگا کہ اپنی سرکار کے انتخاب سے ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔انہیں احساس دلانا ہوگا کہ ملک کا قابل فخر شہری کون ہے۔عظیم تہذیبی ورثہ کے تئیں اس کی کیا ذمہ داریاں ہیں، اور اسے کس طرح ایک شاندار مستقبل کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔

اس اعتبار سے انڈین نیشنل کانگریس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو پھر سے ان عظیم مقاصد کے حصول کیلئے سیاسی، سماجی اور اقتصادی مہموں کیلئے وقف کردے، اور ڈراتے ہوئے نئے نئے مسائل کے حل تلاشیں۔ایک ساکت و جامد سوسائٹی میں مسائل نئے نئے روپ دھارتے ہیں۔ہمیں ان سے نپٹنے کیلئے موثر منصوبے بنانے ہوں گے۔ویسے کسی نئے علم یا تکنیک کی اُسے ضرورت نہیں۔مگر پیش رفت کا مطلب ہے، تبدیلی......یعنی نئی نئی مشکل پسند مہموں کا سامنا کرنا۔یقیناً انڈین نیشنل کانگریس کو، جس نے ملک کی تاریخ میں اہم رول ادا کیا، ان مسئلوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔اسی مقصد کے پیشِ نظر میں کانگریس تنظیم کی تشکیلِ جدید کے موقف میں ہوں۔ہمیں چاہئے کہ حوصلہ مند، باصلاحیت کارکنوں کا حوصلہ بڑھائیں۔ہمارے

پات، قومی یک جہتی کو دھکہ پہنچانے والے سارے منصوبوں کو بالائے طاق رکھ کر، صرف اور صرف تعمیری کام میں لگے رہیں۔

ریاست اور مرکز اور بین الریاستی رشتوں کی اہمیت آج پہلے سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے کہ نظم ونسق الگ الگ سیاسی پارٹیوں کا ہے۔ بہر حال ان کے مسائل کا بھی اطمینان بخش حل ڈھونڈنے کی سخت ضرورت ہے، تا کہ ملک کی سالمیت وقار اور قوت میں دراڑیں نہ پڑنے پائیں۔

ہمیں چاہئے کہ مرکز کے خلاف جذبوں کو ہوا نہ دیں اور کوئی بھی سیاسی پارٹی، استحصال کی پالیسی کو روانہ رکھے۔ اس مقصد کیلئے ہمیں چاہئے کہ مرکز اور ریاست کے رشتوں کا جائزہ ازسرنو لیں اور پہلے سے زیادہ اختیارات وسہولیات فراہم کریں، تا کہ ریاستوں کی طرف سے مرکز پر عدم دلچسپی کا الزام نہ آنے پائے، ورنہ ہر خرابی کا سہرا بآسانی مرکز کے سر باندھا جائے گا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے، کانگریس ہی ایک ایسی سیاسی پارٹی ہے، جس کی جڑیں پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اگر کسی وجہ سے اس کی طاقت اور رسوخ میں کمی ہوئی، اور وہ پھوٹ کا شکار ہوگئی تو وہ دن بھارت کی تاریخ میں ایک منحوس دن ہوگا۔ پورے ملک میں اور کوئی سیاسی پارٹی ایسی نہیں ہے، جو ملک کا نظم ونسق سنبھال سکے۔ اس لئے ہمارے لئے اور بھی زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنی خرابیوں کے تدارک کی فکر کریں، اور اِدھر اُدھر جو جال تنے ہوئے ہیں، انہیں نکال پھینکیں۔ یعنی یہ کہ الگ الگ آوازوں میں بات کرنا چھوڑ دیں۔ خوب غور وخوص کے بعد ہی قرارداد یں پاس کریں اور جو قرارداد پاس ہوئی، اس پر پوری سنجیدگی، انہماک اور تندہی سے متفقہ طور پر عمل پیرا ہوں۔ اس کیلئے مرکز اور ریاستوں میں کانگریس کے ڈھانچے میں سدھار

ہے، وہاں ایک خوبصورت صحت مند ماحول پیدا کیا جانا چاہئے۔

پلاننگ کمیشن، مرکزی اور ریاستی سرکاروں کو چاہئے کہ سر جوڑ کر ایسے منصوبے بنائیں اور پوری سنجیدگی سے انہیں روبہ عمل لائیں، جن کے ذریعے اگلے پندرہ سالوں میں بہتر مکانوں، راستوں، سڑکوں، مدرسوں، اسپتالوں وغیرہ کا صحت مند ماحول ممکن ہو سکے۔ اس سے نہ صرف دیہاتوں کو بہتر ضروریات زندگی میسر ہوں گی، بلکہ شہروں کو ان کا منتقل ہونا بھی کم ہو جائے گا۔ ورنہ ان کے نقل و حرکت سے شہروں کی گندگی، تنگ و تاریک فضاؤں میں اضافہ ہوتا ہی رہے گا۔ ایک ایسا وقت آئے، جہاں قریوں سے شہروں کی طرف جانے کے عوض شہری دیہاتوں کی طرف آئیں، جہاں کا پرسکون وصحت مند ماحول انہیں شہر کی طرف لوٹنے بھی نہ دے۔

ساتھ ساتھ اقتصادی، سماجی اور ثقافتی شعبوں میں ہماری ہر ریاست میں ہمہ گیر ترقی ممکن ہو سکے، جو کہ ہماری آخری منزل ہے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہو گیا ہے کہ تمام سرکاریں ایک ہی سیاسی پارٹی کی نہیں ہیں۔ سرکاریں چاہے کسی بھی سیاسی پارٹی کی ہوں، مجھے یقین ہے کہ وہ مجھ سے بھرپور تعاون کریں گی کہ ایک دوسرے سے باہمی تعاون اشد ضروری ہے، تاکہ ایک مستحکم و پائیدار دیش کی تعمیر ممکن ہو سکے، اور ہمارے شہریوں کیلئے بہتر نظام زندگی میسر ہو سکے، مَیں اپنے طور پر اپنی ذمہ داریاں قبول کرنے اور نبھانے کیلئے تیار ہوں۔

بہت کم لوگ ہیں جو حالات کا سنجیدہ جائزہ لینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اکثر لوگ قنوطی ہوتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو کچھ کریں گے بھی تو من مانی ہی، میں ایسے غیر متوازن جذبات کا شکار نہیں ہوں۔ کانگریس ہی وہ واحد تنظیم ہے، جو ملک کو ترقی کی راہ پر لگا سکتی ہے، اور جو ہمارے کروڑوں لوگوں کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کر سکتی ہے۔ اس

درمیان ایسے باکمال جیالے کارکنان موجود ہیں۔ چاہے ان کی تعداد کم ہی سہی، پر ان کو اب علم اٹھائے مورچہ پر جانا ہوگا، جس کے لئے نوجوانوں کو تنظیم میں دلچسپی لینے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ تب کہیں ہماری پارٹی کا امیج بہتر ڈھنگ سے پیش کرنے میں ہم کامیاب ہوسکیں گے، اور ہاں ان کارکنان کا ہماری پالیسیوں سے اتفاق کرنا ضروری ہوگا۔

میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ کانگریس تنظیم میں شامل ہوں اور اسے ایک بیحد فعال و بامعنی حوصلہ مند تنظیم بنائیں، جس میں نوجوانوں کا الگ شعبہ ہو، جہاں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور تعمیری استعمال کرسکیں۔

آزادی سے قبل، سیوادل نے جو گراں خدمات انجام دیں، اس کو اور زیادہ مستحکم کرنے کی ضرورت ہے۔ عورتوں کے تنظیمی شعبہ کو اور زیادہ فعال بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ یوتھ کانگریس کی تشکیل نو ہو کہ بہتر کارکردگی کی توقع کی جاسکے، اور سب سے بڑھ کر ہمارے کارکنان کو چاہئے کہ عوام سے جڑے رہیں۔ شہر ہو کہ قریہ، عوام سے برابر رشتہ بنائے رکھیں۔ اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

مزید یہ کہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرنا ہوگا کہ وہ زیادہ محنت سے، ہر اُس چیز کی پیداوار میں اضافہ کریں، جس کی ملک کو ضرورت ہے، اور یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے، جب لوگوں سے باقاعدہ اور مسلسل ربط بنائے رکھیں، ان کا اعتماد حاصل کریں، اور ایسی ہی بے لوث خدمت انجام دیتے رہیں، جیسی کہ جنگِ آزادی کے دوران دی گئی تھیں۔ کانگریس نے ایسے بہت سارے منصوبے بنائے ہیں، جن کے معنیٰ خیز و موثر عمل پیرائی سے بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے۔

ایک اور اسکیم ہے، جس کی طرف آپ تمام کی توجہ مبذول کرانا چاہوں گا، وہ یہ ہے کہ موجودہ قریوں کا ماحول صحت مندانہ نہیں ہے۔ جہاں ناخواندگی اور لاعلمی بہت

4۔اَتُلیہ گھوش یادگاری لیکچر

از: ایس۔نجلنگپا

ہندوستانی اقتصادیات میں عدم توازن اور اس کا تدارک

میرے لئے یہ بات باعث فخر ہے کہ اتلیہ گھوش میموریل کمیٹی کے دوستوں نے پہلا یادگاری لیکچر دینے کا مجھے اعزاز بخشا۔ مجھے خوشی ہوتی اگر مَیں اتلیہ گھوش کی شخصیت اور کارناموں کے بارے میں کچھ کہتا۔ یہ عرض کروں کہ ان کا ظاہری کھر دراپن، ان کی بے باکی، اور سب سے زیادہ ان کی منصف مزاجی اور صاف ستھرے کردار کے بارے میں کہہ سکتا تھا۔

پیار سے میں انہیں اتلیہ دا کہتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ مَیں نے انہیں کانگریس ورکنگ کمیٹی کے ساتھی رکن کی حیثیت سے کوئی بیس برس بہت قریب سے دیکھا ہے، اور پھر میری ورکنگ کمیٹی میں بھی، جبکہ مَیں انڈین نیشنل کانگریس کا صدر تھا، تقسیم کانگریس سے پہلے اور بعد بھی ہم ساتھ ساتھ ہی رہے، جبکہ اندرا گاندھی اور ان کے ساتھیوں نے بدنظمی کی فضا بنائی، تقسیم کانگریس کے بعد انہوں نے ''پھوٹ'' کے نام سے اپنی ایک کتاب بھی لکھی۔ میں خواہش کروں گا کہ جو بھی اس وقت کے حالات سے خبردار ہونے کا متمنی ہے، وہ اس کتاب کو ضرور پڑھے، کتاب بیحد دلچسپ ہے۔ مَیں اتلیہ گھوش اور دیگر

لئے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ایک ایسے مضبوط، متحدہ، صحت مند، خوشحال بھارت کی تعمیر کریں، جس کا مستقبل ہمارے ماضی سے زیادہ تابناک ہو۔ اس عظیم مقصد کیلئے آیئے ہم سب مل کر کام کریں۔

دوستو! مَیں نے اپنے خیالات پورے اطمینان، آزادی و بے باکی کے ساتھ آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ کانگریس کے ایک ادنیٰ خادم اور سپاہی کے ناطے، پچھلی تین چار دہائیوں سے ہر ممکن طریقہ سے، ہر سطح پر، مَیں نے خدمت کی ہے، اور چونکہ نظم و نسق میں تھوڑا بہت تجربہ ہے، مَیں اپنے آپ کو کسی بھی انتظامی کام کیلئے تیار رکھوں گا۔ آپ تمام سے میری رہنمائی کی گذارش ہے، بھرپور تعاون کی امید ہے۔

جئے ہند

ہے۔ ہماری اقتصادی پیش رفت' بہتر ہو سکتی تھی۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے' جس کا مطالعہ اور تجزیہ ضروری ہے۔ شہری صنعتی زندگی اور دیہی بدحال زندگی کا مطالعہ' اگر ایک عام آدمی بھی کرے گا' تو بے ساختہ اس فاصلے کے بارے میں کہہ اُٹھے گا۔

اوّلاً میں مہاتما گاندھی کے دو بیانات کا ذکر کروں گا۔

1) ''عدم تشدد کا نظام حکومت' اس وقت تک ناممکن ہے' جب تک کہ مالداروں اور بھوکوں کے درمیان خلیج حائل ہے''۔

نئی دلّی کے محلوں اور ان کے پاس کی بے شمار جھونپڑپٹیاں اس کی جیتی جاگتی مثال ہیں۔ ایک آزاد ہندوستان میں ان جھونپڑپٹیوں کا وجود ایک دن بھی نہ ہوتا' اگر غریبی امیری کا فرق مٹ جاتا۔ ظلم وتشدد سے پُر' خونین انقلاب ضرور ہوگا' جب تک مالدار رضا کارانہ طور پر اقتدار اور دولت کی ہوس سے اُوپر اٹھ نہیں جاتے' اور جب تک اپنی دولت غریبوں کے بھلے کیلئے تقسیم نہیں کر دیتے۔ آج کوئی یہ کہہ کر' اپنے کو تسلّی نہ دے کہ امیر غریب' شہزادہ وفقیر کا فرق ضروری ہے۔ اس سے میرے جذبات ونظریات کو ٹھیس پہنچے گی۔ امیری غریبی کا فرق ایک بیحد افسوسناک حقیقت ہے۔ غریب دیہاتیوں کا نہ صرف بدیسی استحصال کرتے ہیں' بلکہ خود ہمارے ہم وطن بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں' اور اُن میں بھی شہروں میں بسنے والے۔ دیہاتی اناج اُگا کر بھی بھوکے رہتے ہیں۔ دودھ' دوھ کر بھی اپنے بچّوں کو پلا نہیں سکتے۔ یہ بیحد شرمناک بات ہے۔ کھانے کیلئے ہر کسی کو متوازن غذا' رہنے کیلئے سلیقہ کا گھر' اور بچوں کی تعلیم کا انتظام ضروری ہے۔ انہیں طبّی امداد بھی ملنی چاہئے۔ ان بنیادی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ کی توقع تو فی الحال ناممکن ہے' جب تک کہ ہر غریب شہری مطمئن نہیں ہو جاتا...... زندہ رہنے کیلئے فی الحال جتنا چاہئے اتنا مل جائے۔ بس!

ساتھیوں کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے میرا ساتھ دیا۔

ایک خاص بات جو اُن کے تعلق سے کہنا چاہوں گا' وہ یہ کہ اتلیہ دا کو بچوں سے بیحد پیار تھا۔ دلّی میں میرے ساتھ میری پوتی سندھیا رہتی تھی۔ میری گذارش پر وہ میرے ہاں اکثر ناشتہ پر آجاتے تھے' گھر آتے ہی وہ بیحد پیار سے سندھیا کو پکارتے اور وہ بچی ان کی آواز سنتے ہی بھاگتے ہوئے آکر اُن کی گود میں سما جاتی۔ اور وہ اُسے کھلانے لگتے تھے۔ آج بھی سندھیا کے پاس اُس کی ایک سالگرہ پر اتلیہ دا کا تحفتاً دیا ہوا لیمپ' کمرہ کی زینت بڑھا رہا ہے۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ انہوں نے شہر میں بچوں کا بہترین ادارہ قائم کیا ہے۔

پھول' بالخصوص گلاب اُن کو بیحد پسند تھے۔ انہوں نے مجھے ایک بار ان کی دیہاتی رہائش گاہ پر بلایا تھا' مگر میری بد نصیبی سے میں جا نہ سکا۔ وہ ایک اچھے میزبان تھے۔ جیسے کہ عموماً ہر بنگالی ہوتا ہے۔

اِس پہلے یادگاری لیکچر کیلئے مَیں نے ان کی شخصیت کا انتخاب اس لئے نہیں کیا کہ ان کے ساتھی' ان کے بارے میں مجھ سے بہتر اور زیادہ جانتے ہیں۔ گویا میں محل کیلئے کوئلہ لے جا رہا ہوں۔ اس لئے میں نے جان بوجھ کر ایک ایسا موضوع چنا ہے' جس سے میں کسی قدر واقف ہوں اور وہ ہے ''اقتصادیات میں عدم توازن اور ان مسائل کا تدارک''۔

مَیں کوئی ماہرِ اقتصادیات نہیں ہوں' تاہم مَیں نے جتنے بھی حل پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے' وہ میرے تجربوں پر مبنی ہیں' جن کا تعلق میری پچاس سالہ سیاسی زندگی سے ہے۔ میری غریبی کے درمیان کی خلیج' آزادی کے بعد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ گو کہ آزادی حاصل کئے ہمیں چالیس سال ہو گئے ہیں۔ یہ انتہائی مایوس کن بات

دستور میں بنیادی حقوق کے تحت روزگار اور حقوق معلومات شامل کیے گئے ہیں۔ مَیں اِن رہنما اصولوں اور بنیادی حقوق کے بارے میں قانونی اعلانات و فیصلوں کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ بنیادی حقوق اور رہنما اُصول ہمارے دستور کا ضمیر ہیں۔ بنیادی حقوق کا مقصد ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل ہے، جس میں سب کے حقوق مساوی ہیں، تاکہ فرد، استحصال اور پابندیوں سے آزاد رہے، اور آزادی پر ہر کسی کا برابر کا حق ہو۔

رہنما اصول کا مقصد یہ ہے کہ اس سے چند ایسی سماجی اور اقتصادی منزلوں کا تعین ہو، جس سے جلد سے جلد تشدد سے پاک ایک سماجی انقلاب لایا جاسکے۔ ایسے سماجی انقلاب کے ذریعے، دستور ایک عام آدمی کی اہم بنیادی ضروریات پورا کرنے اور ہمارے معاشرہ کے ڈھانچے میں خوشگوار تبدیلی لانے کا قصد رکھتا ہے۔ دراصل اس کا مقصد، ہندوستانی عوام کو ایک مثبت و خوشگوار اطمینان بخش ماحول فراہم کرنا ہے۔ اِن رہنما اصولوں پر ایماندارانہ عمل درآمد کے بغیر دستور میں لکھے گئے ''ویلفیر اسٹیٹ'' کے مقاصد کا پورا حصول نہیں ہوگا۔ میری نظر میں، وہ دستور کا دل اور دماغ ہیں، اگر ہم آزادی کے بعد کی ہماری اقتصادی ترقی کا جائزہ لیں، تو واضح ہوگا کہ رہنما اصولوں پر عمل ہی نہیں ہوا ہے۔ ان کا احترام نہیں کیا گیا ہے، بلکہ انہیں پوری طرح نظر انداز کردیا گیا ہے، اور اس میں نفرت نہ سہی، لاپروائی نہ سہی، تساہل کا تو ضرور دخل ہے۔

ان اصولوں کو عوام کی بھلائی کیلئے استعمال کئے بغیر سرکار نے مغرب کی ظاہری صنعتی رونق پر زیادہ توجہ دی اور اس کی نقالی سے بڑے سرمایہ کے بڑے بڑے کارخانے کھولنے میں دلچسپی لینی شروع کی، اور اُن کی ہر ممکن مدد کی۔ اُن لوگوں کیلئے نہ صرف بدیسی سرمایہ فراہم کیا گیا، بلکہ مشینوں اور تکنیکی صلاحیتوں سے استفادہ کرنے کو بھی اوّلیت دی گئی۔ گو بھارت میں تکنیکی صلاحیتوں کا فقدان نہیں، اور ذہین، باصلاحیت، تعلیم

اتلیہ نے اپنا پہلا بیان ۱۹۴۸ء میں دیا اور دوسرا ۱۹۴۹ء میں۔ان کے وہ بیانات آج بھی بیحد اہم ہیں۔ان کی توقعات تو پورے نہیں ہوئے۔ برعکس ان کے خلاف عمل ہورہا ہے‘اور وہ رو تیز تر ہوتی جارہی ہے‘جس کے نتیجہ میں اس بدنصیب ملک کے غریبوں کونظرانداز کرکے مالداروں کونوازاجارہا ہے۔ملک کوآزادی دلانے والی وہ عظیم شخصیت‘جس کی عدم تشدد کی پرخلوص قیادت‘جس کا فلسفہ‘دولت واقتدار کی مساوی تقسیم کے اصول‘ شاندار و قابل عمل وتقلید ہیں۔اس عظیم رہبرِ قوم کوآزادی کے صرف ڈیڑھ سال کے اندر‘موت کے گھاٹ اتاردیا گیا‘اور یہ قتل ایک سرپھرے متعصب ہندو نے کیا۔اس کے بعد صرف دوسال کے اندر ایک اور قابلِ فخر شخص سردار پٹیل کا انتقال ہوگیا۔یہ وہ شخصیت تھی‘جس نے ملک کی سالمیت کو برقرار رکھنے کی امکان بھرکوشش کی‘ اور جس نے کوئی پانچ سوساٹھ سے زیادہ ریاستوں کے مسائل سے دیدہ دلیری سے نپٹنے کی ایماندارانہ کوشش کی۔بس ان دونوں کو ہی‘ صرف ان دونوں کو‘ بھارت کے بارے میں صحیح علم تھا کہ دیہات میں غریبی‘صحت‘علم اور بیروزگاری کا کیا معیار ہے اور لاکھوں کروڑوں لوگوں کی قابلِ رحم زندگی کے کیا تقاضے ہیں۔ان کے پیش نظر جو منصوبے تھے‘ اگر اُن پر سنجیدگی سے عمل درآمد کیا ہوتا‘تو بہت ساری غلط اقتصادی پالیسیوں کا تدارک ہوجاتا اور آج ہمیں اِس بدتری کا منہ دیکھنا نہ ہوتا۔

توقع کے مطابق آزادی کے فوراًبعد کانسٹی ٹیوینٹ سوسائٹی کے اراکین کا انتخاب ہوا‘جنھوں نے ہر پارٹی اور شعبۂ زندگی کی اعلیٰ قیادت میں تین سال تک تفصیلی تبادلۂ خیال کے بعد ملک کا دستور بنایا‘جو ہمارے بھارت کے تہذیبی ورثہ‘ تاریخ اور ذہانت کے اعتبار سے بہترین اور قابلِ عمل کہا جاسکتا ہے۔دستور میں انسان کے بنیادی حقوق‘ اور ریاستی پالیسی کے رہنما اصول مرتّب کئے گئے ہیں۔مجھے یہ عرض کرنے دیجئے کہ

زندگی میں پھیلے ہوئے ہیں، اور اپنی اپنی استطاعت کے مطابق روپیہ اور اقتدار بٹورنے میں مصروف ہیں۔ ایسے لوگوں کا تناسب ہماری آبادی کا کوئی دس فیصد ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں رہتے ہوئے ایسے لوگ ایسی پُر لطف و خوشحال زندگی گزار رہے ہیں، جیسی کہ مالدار ممالک کے باشندے۔

ایک بیان، غالباً امیری غریبی کے اِس فرق کو بہتر طریقے سے بتا سکے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسے ماحول کی پروردہ عورت کا ایک دن کا خرچ ایک دیہاتی عورت کے مہینہ بھر کے خرچ کے برابر ہوتا ہے۔ اس کے مقابل ہم دیہات میں کیا دیکھتے ہیں...... تقابل حیرت انگیز ہے، اور ان دو فریقوں کے درمیان کی خلیج دن بہ دن بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی آبادی ۶۵ فیصد سے ۷۰ فیصد تک ہے۔ بقیہ ۲۰ فیصد تا ۲۵ فیصد متوسط طبقہ کے لوگ ہیں، جو سب اپنی اپنی حد تک ٹھیک ہیں۔ دیہات کی ۸۰ تا ۹۰ فیصد آبادی غریبی کی لکیر سے نیچے ہے۔ مزید یہ کہ وہ بیروزگاری کا شکار ہیں، اور ان کا ہر اگلا دن ان کی مصیبتوں میں اضافہ کرتا جاتا ہے۔ ان کے پاس بھر پیٹ کھانا نہیں، اور نہ ہی تن ڈھانکنے کیلئے ضروری مقدار میں کپڑا...... اُن میں اکثر لوگ ایسے گھروں میں رہتے ہیں، جہاں موسم، ہوا، بارش اور سورج کے آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ دیہاتی زندگی کی سب سے زیادہ مایوس کن بات، لاعلمی و ناخواندگی ہے۔

ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر بچے کو جبری تعلیم دی جائے، اور چودہ سال کی عمر تک مفت تعلیم دی جائے۔ دستور کو تسلیم کر لینے کے فوراً بعد اگر عملی اقدامات اس مد میں کئے گئے ہوتے تو آبادی کا تقریباً ۷۵ فیصد حصہ اب تک تعلیم یافتہ ہو گیا ہوتا۔ دستور کو اپنائے کوئی چالیس سال ہو گئے اور ان رہنما اصولوں پر اب تک عمل نہیں ہوا ہے۔ اس سے عوام کے ایک بڑے حصے کو مالی طور پر کافی نقصان ہوا

یافتہ لوگوں کی تعداد امریکہ اور روس کے بعد ہماری ہی ہے۔ بدنصیبی سے ان کی صحیح پہچان' اور ہمت افزائی نہیں کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں ایسی مشینیں بھی باہر سے منگوائی جارہی ہیں' جو ہمارے ملک میں دستیاب ہیں یا بنائی جا سکتی ہیں۔ اس پالیسی سے کروڑوں روپیوں کا قرضہ' ہمارے سر ہے' اور اس دوڑ میں بڑے تو بڑے' چھوٹے ممالک بھی ہمارے قرض خواہ بن گئے ہیں۔ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے۔

بڑے کارخانہ داروں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہورہا ہے' اور صنعتی گھر' جن پر کم سرمایہ لگا تھا' آج ان کا سرمایہ بھی آسمان سے باتیں کررہا ہے۔ اسی طرح تجارتی مراکز بھی بڑھتے جارہے ہیں۔ درآمد برآمد کیلئے فراخدلی سے لائسنس دیئے جارہے ہیں۔ مزید یہ کہ کانگریس کی ۱۹۶۹ء کی تاریخی پھوٹ کے بعد' بے اصولی کی وجہ سے ہمارا انتظامیہ رشوت کا شکار ہوگیا ہے۔ سرکاری عملہ طاقتور ہوگیا ہے۔ اس سے غلط ڈھنگ سے ذخیرہ اندوزی کرنے' کاروبار میں ملوث ہونے اسمگلروں اور سماج دشمن عناصر سے روابط رکھنے میں سہولت ہوگئی ہے' اور ایسے بے ایمانوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ٹیکس سے فرار حاصل کرنے والوں کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہورہا ہے۔ آج قومی زندگی کے صرف دو اصول مانے جارہے ہیں۔ (۱) پہلا یہ کہ طاقت' خدا ہے۔ اسے کس طرح حاصل کیا جائے' اور اپنے مذہب میں اسے کیسے سنبھال کر رکھا جائے۔ (۲) دوسرا یہ کہ' پیسہ میرا خدا ہے۔ میرے مذہب میں اُسے کس طرح کمایا جاسکتا ہے۔

اس طرح رشوت خوری نے قومی زندگی کے ہر شعبہ میں' گھر کرلیا ہے' اور یہ بات چہار سمت اور ہر سطح پر پائی جاتی ہے' اور اس بے اُصول زندگی کے متمنی ہر جگہ ہر شعبہ'

بھی ایک حقیقت ہے کہ آب رسانی کے ذرائع بڑھانے' سے کم سے کم کوئی دوسو فیصد زیادہ ملازمتیں ملیں گی۔ایک ایکڑ زمین کو دائرۂ آب رسانی کے اندر لانے کیلئے کوئی دس تا پندرہ ہزار روپے چاہئے۔اگر ہم اس کیلئے یعنی گیارہ تا بارہ کروڑ زمین کیلئے ضروری فنڈ مہیا کر سکیں' تو اگلے دس سالوں میں یہ کام ملک بھر میں مکمل ہو جائے گا۔

آب رسانی کے چھوٹے' اور درمیانی درجہ کے پراجکٹوں کو رواں رکھا گیا تو کوئی ۲۵ تا ۳۰ سال میں ملک کا سارا نقشہ ہی بدل کر رہ جائے۔اگر توقع کے مطابق تیس سال پہلے ہی وہ کام مکمل ہو جاتا تو راجستھان کی نہر سے کوئی دس تا پندرہ لاکھ ایکڑ زمین سیراب ہوگئی ہوتی۔اسی طرح بہ حیثیت وزیراعلیٰ کرناٹک کوئی پچیس سال پہلے مَیں نے چھ بڑے' اور کئی درمیانی سطح کے پراجکٹوں کا سنگِ بنیاد رکھا تھا' مگر یہ سب کے اب بھی نامکمل ہیں۔دوسری ریاستوں میں بھی یہی صورتحال ہوگی۔اس سے ہمارے عظیم نقصان کا اندازہ ہونا چاہئے۔ان کی تکمیل کیلئے کوئی دس تا پندرہ سال کافی تھے۔مرکزی سرکار سوچتی ہوگی کہ ان پراجکٹوں کی تکمیل کیلئے مرکز کی طرف دیکھنے کے عوض' ہر ریاست اپنے طور پر فنڈ اکٹھا کرلے۔میری نظر میں ایسا سوچنا بالکل غلط ہے۔اگر ملک کی اقتصادی حالت کو سدھارنا ہو تو مرکز کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوگی کہ ذرائع آب رسانی کو موثر بنائے' اور یہ ایک قومی پالیسی کی مستحق ہے' بالخصوص بھارت کے ساٹھ کروڑ عوام کیلئے جو دیہاتوں میں بکھرے پڑے ہوئے ہیں۔مجھے امید ہے کہ کم سے کم اب میری اس بات پر کان دھریں گے۔میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ اگر آپ پندرہ ہزار روپے فی ایکڑ صرف کریں تو آپ کو سالانہ چار ہزار روپیوں کی مزید آمدنی ہوگی۔روایتی پیداوار سے تقریباً ۲۵ فیصد منافع ہی متوقع ہے۔میں جاننا چاہوں گا کہ کیا کوئی انڈسٹری ایسی ہے جو اس قدر نفع بخش ہے؟۔آج بھی کوئی دس سال میں بقیہ بارہ کروڑ ایکڑ زمین

ہے۔اس لئے لاعلمی کی وجہ سے انہیں پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہاں کیا کچھ ہوا ہے' اور اُن کے مفادات کو کس طرح پامال کیا گیا ہے۔

پہلے مجھے ہندوستان کے دیہات کے بارے میں کہنے دیجئے۔ زراعت کا' قوم کی اقتصادی ترقی میں سب سے بڑا رول ہے۔ یہ میرا یقینِ کامل ہے کہ یہ ایک انڈسٹری ہے' جس سے سائنسی طور پر بامعنیٰ ڈھنگ سے نپٹنا ہوگا۔ ملک تقریباً ۸۱ کروڑ ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں کوئی ۳۵ فیصد حصہ جنگلات کیلئے مختص کر دینا چاہئے۔ بقیہ ۵۲ تا ۵۳ فیصد کروڑ زمین میں سے' تین کروڑ ایکڑ زمین ایسی ہے جو بنجر ہے' ناقابلِ کاشت ہے' باقی رہی پچاس کروڑ زمین' آزادی سے پہلے اس میں کوئی سات کروڑ ایکڑ زمین قابلِ زراعت بنائی گئی تھی۔ بدنصیبی سے' اس زراعت کی اہمیت وافادیت کو سنجیدگی سے نہ سمجھنے کی بناء پر' سرکار نے قابلِ کاشت زمین کا اب تک صرف چھ کروڑ زمین کا اضافہ کیا ہے' یعنی اب تک صرف تیرہ کروڑ ایکڑ زمین ہی قابلِ کاشت بنائی گئی ہے۔ آزادی حاصل کئے کوئی چالیس سال گزر چکے ہیں' سرکاریں تشہیر کرتی ہیں کہ زراعت اور آبرسانی کو ہمیشہ اوّلیت دی گئی ہے' مگر سچائی یہ ہے کہ کچھ' کیا ہی نہیں گیا' یا یوں کہئے کہ بہت کم کیا گیا ہے۔ اب تک کوئی گیارہ بارہ کروڑ ایکڑ زمین کو آب رسانی کے دائرہ میں آجانا چاہئے تھا۔ پانی کے ذرائع جیسے دریا' زیرِ زمین ذخیرے' پمپ' لفٹ وغیرہ ممکنہ ذرائع آب کو موثر آب رسانی کیلئے استعمال کرنا چاہئے تھا۔ اب مجھے فوراً کہنے دیجئے کہ ایک لاکھ ایکڑ قابلِ کاشت زمین اگر آب رسانی کے ذرائع سے لیس ہو تو اس کے حساب سے کسانوں کو چالیس کروڑ روپیوں کی مزید آمدنی ہو سکتی تھی۔ آپ اندازہ لگائیے کہ قومی آمدنی کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہوتی؟۔

صنعتی ترقی کی طرف دوڑنے کے عوض' ہمیں اس طرف زیادہ دھیان دینا ہوگا۔ یہ

کرنے والوں کو مہذب بنانے میں مدد ملے گی۔ کسی بھی لحاظ سے یہ ایک بداخلاق و بد تہذیب حرکت ہے۔ان پلانٹوں کیلئے گوبر اور انسانی فضلے کو خام اشیاء کے طور پر استعمال کیا گیا تو توقع ہے کہ سات آٹھ ملین ٹن اوّل درجے کی کھاد ملے گی، جو کسی بھی زمین کی زرخیزی میں اضافہ کرسکتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں دیگر قسم کی کھاد کی بہ نسبت تین گنا زیادہ نائٹروجن موجود ہوتی ہے۔ ساتھ ساتھ چونکہ بیج مٹی کی خوراک بن جاتی ہے۔ جھاڑیاں وغیرہ اگ نہیں سکتیں، اور اس طرح فصلیں متاثر ہونے سے بچ جاتی ہیں۔

ایک اور فائدہ یہ ہے کہ بائیوگیس کو بجلی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کھانا پکانے کے کام میں یہ گیس زیادہ سودمند ہوگی۔ان سے جنگلات کی لکڑی بھی محفوظ رہے گی۔اس قیمتی قوت و کھاد کے بنانے کیلئے میرے اندازے کے مطابق چھ ہزار کروڑ روپیوں کی ضرورت ہوگی۔ یہ سارا کام دیہاتیوں کی فلاح و بہودی کی خاطر بہت آسانی سے جلد اور اطمینان سے کیا جاسکتا ہے۔ ہر سال چھ سو کروڑ کی لاگت سے دس سال تک سارا کام مکمل ہوجائے گا۔اس کے بے شمار فوائد کے پیش نظر مرکزی اور ریاستی سرکاروں کو چاہئے کہ اخراجات خود برداشت کریں یا بانٹ لیں۔ میرا یہ مشورہ ہے کہ اس بائیوگیس قوت کو برقی قوت کی طرح استعمال کیا جانا چاہئے۔ میں یہ جاننا چاہوں گا کہ اس مد میں کیا کوئی تحقیق بھی ہوئی ہے؟ اس کے تئیں قریوں کی حالت اور عدم دلچسپی دیکھ کر مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ایسا کچھ ہوا ہی نہیں، تو کم سے کم اب کیوں نہ شروعات کی جائیں؟

صرف موثر آب رسانی ہی سے ہماری رعایا کی بیروزگاری دُور نہیں ہوگی، بلکہ ضائع ہوتے ہوئے وقت کو بھی ضائع ہونے سے بچانا ہے۔ مجھے یاد ہے شری پالکی والا نے کہا تھا کہ ''ہمارے ملک میں ہر روز دو ہزار ملین ''میان اَورس'' (گھنٹے) ضائع

سیراب کی جا سکتی ہے۔ کیا ایسا ہوگا؟

زراعت دیہات کی جان ہے۔ پر دیہات میں فضا مسموم ہے۔ ہر گاؤں' وہ چھوٹا ہو کہ بڑا' صبح ہو کہ شام' ایک مایوس کن' افسوسناک منظر پیش کرتا ہے۔ بالخصوص ہر صبح 'بے شرمی سے مرد ہو کہ عورتیں' بوڑھا ہو کہ جوان' جگہ جگہ گندگی پھیلاتے رہتے ہیں۔ نتیجہ 'فضا بو جھل مکدر ہو جاتی ہے' اور لاکھوں ٹن خارج کیا ہوا مادہ ضائع ہو جاتا ہے۔

ہمیں خوش ہونا چاہئے کہ ہمارے ملک میں بیل' بھینس' گائے' اونٹ وغیرہ کروڑوں کی تعداد میں ہیں' ایک اندازہ کے مطابق کوئی ۲۵ تا ۳۰ کروڑ ہے۔ ان کا گوبر ضائع ہو رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا کی حیوانی آبادی کا پچاس فیصد صرف بھارت ہی میں ہے۔ اگر قیمتی ''گوبر'' کو ''بائیو گیس'' پیدا کرنے کیلئے استعمال کریں' تو ہمارے دیہاتوں میں کیروسین کی کھپت کم ہو جائے گی' اور یہ گیس آسانی سے استعمال کی جا سکے گی۔ بائیو گیس' بالفاظ دیگر گوبر گیس پلانٹس ہمارے محققین' اور سائنس دانوں نے کوئی تیس سال پہلے دریافت کئے تھے۔ مَیں نے سُنا ہے کہ چین بھی' جس نے ہمارے بعد ہی ایسے پلانٹ قائم کئے' اور اب چند ہی سالوں میں کوئی پانچ ملین یونٹوں کے قیام سے کافی استفادہ کر رہا ہے۔

مگر ہمارے یہاں زیادہ تعدار میں جانور ہونے اور کوئی ساٹھ کروڑ عوام کے' دیہات میں ہونے کے باوجود' صرف پانچ لاکھ گیس یونٹ ہی مستعمل ہیں۔ کیا یہ فرق ہماری آنکھیں کھولنے کیلئے کافی نہیں ہے؟ بائیو گیس ایک ایسی قوت ہے' جو ہماری فوری توجہ اور استعمال کی منتظر ہے' اس سے بیحد مالی فائدہ ہوگا۔ اتنی بڑی قوت کا اب تک استعمال میں نہ لانا میری نظر میں قابلِ مذمت ہے۔ اس گیس سے جڑی ہوئی دیگر باتیں بھی ہیں۔ اس سے ہمارے دیہات میں جگہ جگہ صبح شام بے شرمی سے رفعِ حاجت

ہے کہ یہی کچھ یہاں ہو گیا ہے۔

کم اندیش سرکار اور مالدار سرمایہ داروں نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایسے ہی کارخانے قائم کر رکھے ہیں۔ برطانیہ کی سامراجی حکومت کی پالیسی نے مقامی دیہاتی صنعتوں کو بالخصوص پارچہ بانی کو آزادی کے بعد نڈھال کر رکھا ہے۔ گھریلو صنعت جیسے پارچہ بانی، چرخوں سے بنا کپڑا، کھدّر، گھانی، قالین سازی، کمہاری، لوہاری، چمڑے صاف کرنا، جوتے بنانے وغیرہ کی گھریلو صنعتیں بری طرح متاثر ہو گئی ہیں۔ سرکاری رعایت پر قائم کئے گئے چھوٹے موٹے کارخانوں نے اب ان کی جگہ لے لی ہے۔ مجھے ایک دو مثالوں کے ذریعے سمجھانے دیجئے کہ کس طرح سرکاری امداد سے قائم شدہ ان کارخانوں نے لاکھوں بیروزگار نوجوانوں کو کہیں نہ رکھا۔ صرف ایک فیصد کپڑا، ہمارے ملک میں کھدر کا بنتا ہے۔ بقیہ سب ۹۹ فیصد مِلوں میں بنتا ہے۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ وہ مِلّیں جو ۹۹ فیصد کپڑا بناتی ہیں، وہاں صرف تیرہ لاکھ مزدور کام کرتے ہیں، اور ہر آدمی غالباً ڈیڑھ ہزار روپے ماہانہ کماتا ہے۔ ایک فیصد کھدر بھی اتنے ہی تیرہ لاکھ مزدوروں کو روزگار دے گا اور ہر آدمی تین تا چار سو روپے ماہانہ کما لے گا۔

ایک اسپننگ مل کے قیام کیلئے دس کروڑ روپے چاہئے، جہاں آٹھ تا دس سو مزدور کام کریں گے، جبکہ موجودہ چرخہ کاتنے والے صرف ایک ہزار روپے سرمایہ کے طور پر لگاتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے اتنا ہی سرمایہ لگا کر ایک لاکھ لوگ خصوصاً عورتیں روزگار حاصل کر سکتی ہیں۔

آپ کس کو ترجیح دیں گے؟

اس سوال کا جواب گاندھی جی نے دیا ہے

ہوتے ہیں۔'' اس کا مطلب ہے کہ ہر دن آٹھ گھنٹوں کے حساب سے کوئی ایک سو پچیس ملین لوگ یا ساڑھے بارہ کروڑ لوگ بیروزگار ہیں۔ دیہات اور شہروں میں ضائع ہوتی ہوئی اتنی بڑی قوت کا تعمیری استعمال ضرور ہونا چاہئے۔ یہی وہ تعمیری منصوبہ ہے، جس پر گاندھی جی نے بہت زور دیا تھا۔ اس کا مطلب ہے گھریلو صنعتیں، ہر کوئی اس سے اتفاق کرتا ہے کہ ملک میں اتنے بڑے پیمانے کی غربت کا سبب بیروزگاری ہے۔ اَن پڑھ لوگ جو تقریباً بھوکے اور ننگے ہیں۔ اپنے بچوں کو پڑھا نہیں سکتے۔ اس کا علاج جیسا کہ میں نے تجویز کیا ہے، وہ ہے گھریلو صنعتیں۔ سب سے زیادہ ملازمت فراہم کرنے والی انڈسٹری زراعت ہے، اور اس کے بعد نمبر آتا ہے پارچہ بانی کا۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ سرکار نے اپنی تازہ ترین پارچہ بانی کی پالیسیوں کے اعلان میں کھدّر کے بارے میں ایک بھی لفظ نہیں کہا ہے۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ ''چرخہ کاتنا، بہترین گھریلو صنعت ہے''۔ مجھے یاد ہے کہ ۲ اکتوبر کی دو تاریخ کو کانگریس کے قائدین اپنے اپنے ساتھ ہتھ چرخے لے آتے اور گاندھی جی کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر چرخہ کاتتے تھے۔ غالباً مہاتما کو خوش کرنے کیلئے۔ یہی لوگ جب برسر اقتدار آئے تو کھدّر کے بارے میں سوچنا بھی چھوڑ دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے گھریلو صنعت کو انسان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کا بہترین ذریعہ تسلیم نہیں کیا۔ میں نے اس کا خصوصی حوالہ اس لئے دیا ہے کہ کئی ایک کی نظر میں یہی ہمارے دیہی بیروزگاروں کیلئے باعث نجات و ذریعہ آمدنی ہو سکتا ہے۔ اپنی اسّی کروڑ کی آبادی والے بھارت کا ۸۰ فیصد حصہ (یعنی ساٹھ کروڑ لوگ) دیہات میں رہتا ہے۔

انڈسٹری جیسا کہ سب جانتے ہیں، سرمایہ طلب ہے، اور جیسا جیسا تکنیک میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، انسانی محنت کشوں کی ضرورت کم ہوتی جاتی ہے۔ بھارت کا المیہ یہ

پیداوار کی مرکزیت کی بناء پر کروڑوں عوام کی بیروزگاری کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ہمارا ملک ایسا ملک نہیں ہے، جہاں آبادی کم اور مزدور بھی کم ہوں۔ ہمیں یہاں تیس پینتیس کروڑ ایسے لوگوں کو بھی کھلانا ہے، جن کو ملازمتیں دی جا سکتی تھیں۔

قابل استعمال اشیاء کی پیداوار، جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے، دیہات میں اور بڑھ جائے گی۔ دیہاتی اپنے طور پر بڑھئی، لوہار، کمہار، صابون ساز، کاغذ ساز، اور دیگر دستکاروں کو بھی روزگار فراہم کر سکتے ہیں۔ اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ماہر اقتصادیات بھارت میں پیداوار کیلئے محرک مزدور یونٹیں پسند کرتے ہیں۔ بیروزگاری اور اس سے جڑی ہوئی غریبی کے مسائل سے نپٹنے کے عوض بھارت فخریہ طور پر یہ کہتا ہے کہ ملک میں ''سنہرا انقلاب'' آیا ہے، اور تقریباً ڈیڑھ سو ملین ٹن اناج کی پیداوار ہوئی ہے، اور اس پیداوار کی وجہ سے ہماری ضرورت سے کوئی بیس تا تیس ملین ٹن اناج زیادہ ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت کی بگڑی شکل ہے۔ حقیقت دراصل یہ ہے کہ بیروزگاری اور غربت کی وجہ سے غریب لوگ ضرورت کے مطابق اناج اور کپڑا خرید نہیں سکتے۔ اس لئے بیکار پڑا ہوا اناج شہر کے بازاروں کی راہ لیتا ہے، اگر ان سب مردوں اور عورتوں کو ملازمت مل گئی تو گھاٹا ہو گا۔

ایک برسر روزگار آدمی کیلئے ۳۱۰۰ تا ۳۲۰۰ کیلوری قوت درکار ہے۔ اب جو اس کے پاس ہے، اس سے وہ دو ہزار کیلوری سے زیادہ پیدا کر نہیں سکتا۔ یہاں غذا کی زیادہ پیداوار کا راز چھپا ہوا ہے۔ تو کیا منصوبہ بنانے والے اور سرکار اس حقیقت سے واقف ہیں؟ اسی طرح دیہاتی صحت مند زندگی گزارنے کیلئے ضروری مقدار میں کپڑا خرید نہیں سکتے۔ اسی لئے وہ افزود ہو جاتا ہے، اور لاکھوں کروڑوں روپیوں کا کپڑا اور سلے ہوئے کپڑے برآمد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ملک کو اس سے زرمبادلہ

میں ایک اور مثال دینا چاہوں گا'

آج کل کھانے کے قابل تیل کی ضرورت پوری کرنے والے ایک ایکس پیلّر کیلئے آٹھ تا دس کروڑ روپے چاہئے۔ ایسے میں، جس کے پاس ''گھانی'' ہے، اس نے صرف بیس ہزار روپے کا سرمایہ لگایا ہے۔ اس کا مطلب ہے ایک ایکس پیلّر سے ہم پانچ ہزار گھانی مالکوں کو روزگار فراہم کر سکتے ہیں۔

سوال پھر اُٹھتا ہے کہ آپ کس کو ترجیح دیں گے؟

ایک اور مثال آپ چمڑے کے کاروبار کی لیجئے۔

ان کارخانوں کیلئے خام اشیاء ہمیں دور دراز قریوں میں ملتی ہیں۔ میرا خیال ہے من جملہ کوئی ایک درجن ایسے بڑے کارخانے ہوں گے، جن میں استعمال کیلئے ملک میں دستیاب سارے چمڑے کے ساتھ ساتھ باہر سے بھی منگوانا پڑتا ہے، جبکہ ساری دنیا میں جانوروں کی کھالیں، دنیا بھر میں سب سے زیادہ بھارت ہی میں ملتی ہیں۔ دُور دراز قریوں سے کوئی پانچ سو تا ایک ہزار میل کی دوری پر رہنے والے چمڑے کے کارخانوں کو خام چمڑا لے جانا پڑتا ہے، اور اتنا لمبا فاصلہ تعفّن کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ان کارخانوں کی وجہ سے لاکھوں ہریجن اپنے آبائی پیشہ سے محروم ہو گئے ہیں، بیروزگار ہو گئے ہیں، اور نتیجتاً غریب ہو گئے ہیں۔ آپ کس کو ترجیح دیں گے؟

مَیں نے سُنا ہے کہ سرکار نے بیرونی سرمایہ پر پلاسٹک کے جوتے بنانے کے کارخانے کا لائسنس دیا ہے۔ یہ قابلِ اعتراض ہے۔ مگر اس سے پتہ چل گیا ہے کہ سرکار نے غیر ملکوں سے مشینری منگوانے کی اجازت دیکر دیہات کے غریب ہریجنوں کو بیروزگار بنا کر چھوڑ دیا ہے۔

ان چند مثالوں سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کارخانے نجی ہوں کہ سرکاری، سرمایہ و

چھوٹی سی زمین میں مزدوری کرتے ہیں۔اس ضمن میں مجھے یہ کہنا ہے کہ کسی بھی شخص کے پاس صرف ایک ذریعۂ معاش ہو‘اگر وہ سرکاری ملازم ہے تو اُسے اپنی زمین کی ملکیت سے دست بردار ہونا ہوگا۔یہی اصول دیگر پیشہ وروں پر بھی لاگو ہونا چاہئے۔اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ کئی ایک اشخاص کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں۔یہ اقدام سماج وادقائم کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

اب تک مَیں نے دیہات سے متعلق چند اہم سوال اٹھائے‘اوران کے ممکنہ حل بھی تجویز کیئے۔اب بھی بہت سے مسائل ہیں‘جو حل طلب ہیں‘جن کیلئے میرے پاس نہ وقت ہے‘اور نہ ہی جگہ۔

میں نے پہلے ہی بتادیا ہے کہ شہر کس طرح پھیلتے جارہے ہیں‘اس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ چند ایک کے سوا تقریباً تمام سرکاری ونجی کارخانے شہروں میں قائم کیئے گئے ہیں۔جس کے نتیجہ میں آبادی میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔اس لئے سوشیل اور میونسپل کام کاج کٹھائی میں پڑے ہوئے ہیں۔کارپوریشنوں پر دباؤ پڑ رہا ہے کہ شہروں کی پاکی صفائی اور دیگر ضروریات پر توجہ دیں۔ہر شہر کے دورُخ ہوتے ہیں۔ایک وہ جہاں بڑے بڑے محل‘عظیم الشان عمارتیں ہیں‘جو آراستہ و پیراستہ ہیں‘وسیع دالان‘کشادہ راستے‘پارک‘دو رویہ پیڑ جیسی آرام و آسائش کی چیزیں‘وافر مقدار میں موجود ہیں۔دوسرا رُخ وہ ہے‘جہاں جھونپڑپٹّیاں ہیں‘جہاں غریب مزدور ومحنت کش طبقہ رہتا ہے‘جن کو زندگی بسر کرنے کیلئے بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔

جب میں کانگریس کا صدر تھا‘تو کلکتہ کے ایک ایسے ہی علاقے میں مجھے لے جایا گیا‘وہاں فضا اس قدر گندی‘مسموم تھی اور جس کے بسنے والے اس قدر غریب تھے کہ ذکر کرتے ہوئے دکھ ہوتا ہے۔چھوٹے چھوٹے گھر‘اندھیرے‘گرمی‘حبس اور گندگی کا

ملتا ہے، کیا ہم اپنے دیہاتیوں کی ایسی حالت برداشت کرسکیں گے؟ اب میں قابلِ زراعت زمین کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہوں گا۔

سب سے پہلے جو ۳۳ فیصد جنگلات تھے، ان کے بتدریج خاتمہ کے بعد اب جنگلات صرف ۲۰ فیصد یا اس سے بھی کم رہ گئے ہیں۔ ان کو پھر سے آباد کرنا ہوگا۔ اس اہم ذمّہ داری کو نظرانداز کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا، اور جو زمین قابلِ کاشت ہے، زمینات کے سدھار وغیرہ کے قوانین کے باوجود مسلسل مٹتی ہی جارہی ہیں، اور اب نوبت ڈھائی یا تین ایکڑ تک آگئی ہے۔ حالانکہ زمین کے ٹکڑے نہ کرنے کے قوانین ابھی جاری وساری ہیں۔ چند مالدار زمیندار اور صاحبِ اقتدار ایسے بھی ہیں، جنہوں نے اس قانون کو روکا اور آج بھی سینکڑوں ایکڑ زمین کے مالک ہیں، مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اگر ایسے بے جا کام ہوتے ہی رہے، تو نہ ہی ضروری مقدار میں اناج کی پیداوار ہوسکے گی، اور نہ ہی ہمارے کارخانوں کیلئے خام اشیاء ملیں گی۔ اِس لئے میری نظر میں ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ساری زمین قابلِ برداشت حد تک ہی تقسیم کی جائے۔ مرکز کو چاہئے کہ اس کیلئے ریاستوں کا بھرپور تعاون حاصل کرے، زمین کی زرخیزی کو مدِنظر رکھتے ہوئے چھ ایکڑ تری زمین اور بیس تا تیس ایکڑ خشکی زمین کے حساب سے دلچسپی رکھنے والے محنتی کسانوں میں تقسیم کرنا مناسب ہوگا۔ تقسیم کے وقت موسم مانسون سے استفادہ کو بھی دھیان میں رکھنا بہتر ہوگا۔

ان اراضی کو نمبر لگائے جائیں، اور متعلقین کو چاہئے کہ مستقل طور پر اپنے کھیت کے پاس رہیں۔ زمین کا مالک صرف ایک ہو۔ ان باتوں پر عمل درآمد کیلئے قانون بنایا جائے، اور یہ ممکن ہے اور اس سے کسی پر بھی بُرا اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ اکثر زمیندار غریب کسان ہوتے ہیں، جن کے پاس بالکل تھوڑی سی زمین ہوتی ہے یا اُس

جارہی ہے۔ مگر یہ محسوس ہورہا ہے کہ بھارت میں ہم یہ ضرور کرسکتے ہیں۔ بڑے شہروں کو صرف انتظامیہ اور بازاروں کیلئے استعمال کیا جائے۔ مرکزیت کی برائیاں اور تباہ کاریوں سے بچانے کا یہ بہتر اور موثر طریقہ ہوسکتا ہے۔ اگر ضروریات کی تمام چیزوں کو دیہات ہی میں بنانے کا انتظام ہوجائے تو سوال یہ اُٹھتا ہے کہ اب جو مِلّیں ہیں' ان کا کیا ہوگا؟ میرے خیال سے (اور لوگوں کا بھی یہی خیال ہے) کہ پیداوار کو سلیقہ سے تقسیم کردیا جائے۔ کھدّر کیلئے اوّلیت دینا ہوگا۔ ہر قسم کا کپڑا پچاس گز تک کھدّر کیلئے ہی مختص کردیں' اور اُس سے زیادہ مقدار کا کپڑا ملوں میں بنانے کا انتظام ہو۔ تب ہتھ کرگھے اور ہینڈلوم کسی پر تکیہ نہیں کریں گے' اور کسی بھی رعایت کے بغیر خود مکتفی ہو جائیں گے۔ مِلّیں بھی خود مکتفی ہوں گی۔ آزادی سے پہلے دھوتیوں اور ساڑیوں کیلئے اسی طرح کا ریزرویشن تھا' تب گاندھی جی کا اثر ورُسوخ بولتا تھا۔ بھلا ہو'ہوا ئے وقت کا کہ وہ کوشش دم توڑ گئی۔ اسی طرح گھانی سے خام تیل کی پیداوار کو فروغ دیا جائے۔ کسی بھی مل کو کھانے کا تیل نکالنے کی اجازت نہ دیں۔ ہر قریہ میں دو گھانوں کے حساب سے دس تا بارہ لاکھ گھانے کام کریں گے' جس سے پچاس لاکھ لوگوں کا پیٹ بھرے گا۔ اسی طرح ملٹری اور پولیس کیلئے جوتے اور دیگر اشیاء بنانے کا کام کارخانوں کو دے دیا جائے' مگر سماج کے دیگر لوگوں کے استعمال کے جوتے وغیرہ کارخانوں میں نہ بنائے جائیں۔ میرا خیال ہے کہ ہریجنوں کی تقریباً نصف آبادی کو چمڑے کے اس کاروبار سے روزگار فراہم کیا جاسکتا ہے' وہ جوتے وغیرہ بنا سکتے ہیں۔

ایسی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ دیہات میں پیدا ہونے والی یا بنائی جانے والی اشیاء پر سالانہ کم سے کم تین سو روپے فی کس خرچ ہونا چاہئے۔ ایک ہزار کی آبادی کیلئے رقم کا تخمینہ تین لاکھ روپے ہوگا' مگر اسے روکا گیا تو بہت سارے دیہات میں

شکار، عورتیں اور بچے چیتھڑوں میں تن چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے، میں وہ صبر آزما ماحول اور تجربہ بھول نہیں پایا، میں چاہوں گا کہ ہر کوئی اس کتاب کو ایک ناول سمجھ کر پڑھے، جس میں جھونپڑپٹیوں میں بسنے والوں کی زندگی بکھری پڑی ہے۔ نام تو آنند نگر ہے اور اس کا مصنف مشہور کتاب ''فریڈم اَٹ میڈ نائٹ'' کے مصنفوں میں سے ایک ہے۔ وہ ایک فرانسیسی ہے، جس نے اِس خوشیوں کے شہر میں چند مہینے گزارے ہیں۔ اُس نے جھونپڑپٹی کی زندگی کے ہر پہلو کا ذکر کیا ہے، اور ایسے مسائل اکثر شہروں میں صنعتی ترقی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ کسی بھی کارخانے کے قیام اور کارکردگی کیلئے پانی، ذرائع آمد و رفت اور برقی قوت خام اشیاء کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ ایسے شہر کم ہیں، جہاں یہ تمام خام اشیاء دستیاب ہیں۔ کئی ایک میں پانی کی سہولت بھی خاطر خواہ نہیں ہے۔ راستوں اور ریلوں کی سہولت تو کئی ایک شہروں کے باہر ہے۔ برقی قوت تو کہیں بھی فراہم کی جا سکتی ہے۔ سب سے زیادہ دشواری تو مزدوروں کی ہے، میرا خیال ہے کہ کوئی بھی کارخانہ شہر میں قائم نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ پُرانے کارخانوں کو بھی شہر سے باہر منتقل کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ کارخانے شہر سے کم سے کم ۲۵ میل دُور ہوں، اور یہ خیال رکھا جائے کہ دو کارخانوں کے درمیان ۲۵ میل کا فاصلہ ہو۔ پر اُن خام اشیاء کو ذہن میں رکھا جائے، جن کا ذکر مَیں نے اُوپر کیا ہے، اور دیہات ہی میں اُنہیں اکٹھا کیا جائے۔ اس سے مزدوری کا مسئلہ کم ہوگا۔ تمام خام اشیاء، آسانی سے اور پاس ہی میں ملیں گی۔ سماجی اور بلدی مسائل بھی نسبتاً کم ہوں گے۔

دیہاتیوں کو روزگار ملے گا اور ان میں کارخانے کی ترقی سے جُڑے رہنے کا احساس بھی بیدار ہوگا۔

میں نے سنا ہے کہ دیگر ممالک میں کارخانوں کے بارے میں یہ پالیسی اپنائی

شریمتی سونیا گاندھی جی کے ساتھ ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپا جی

ملازمتوں سے فائدہ ہوگا' اور وہ خود مکتفی ہو جائیں گے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ آسودۂ حال ہو جائیں گے۔ عدم توازن کو گھٹانے کیلئے یہ ایک ممکنہ حل ہے۔ وقت اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے میں مزید تفصیلات میں جا نہیں سکوں گا۔

اب مجھے چند دیگر متعلقہ امور پر بحث کرنا ہے۔

وزیراعظم' تمام وزراء' ممبران پارلیمان و ریاستی اسمبلیاں رشوت کے خلاف دھواں دھار تقریر کرتے ہیں' مگر یہ بات کس قدر دلچسپ ہے کہ ان میں سے بہت ایسے ہیں' جو گھر جانے کے بعد رشوت خوری کو جائز بنا لیتے ہیں۔ رشوت کو روکنے اور ختم کرنے کیلئے سخت قوانین کا بنانا ناگزیر ہے۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اس اہم خرابی کے خاتمہ کیلئے ہر سطح پر' ہر ممکن ڈھنگ سے' ایماندارانہ کوشش ہر کسی سے ہونی چاہئے۔ جس کیلئے تمام وزراء کی ملکیت' جائیداد' اُن کی آمدنیوں کا گوشوارہ تیار کیا جائے' اور یہ سارا کام بالکل رازداری سے ہو' اس کیلئے بہترین' ایماندارانہ سرکاری عملہ کا تقرر ہو۔ جائیداد وغیرہ کی تفصیلات کی فہرست میں وزیراعظم' وزرائے اعلیٰ' مرکزی و ریاستی وزراء' ممبران پارلیمان و اسمبلیاں' سرکاری افسر' سرکاری انڈرٹیکنگس کے چیرمین' اور ان سب کے اقرباء کو شامل کیا جائے۔ میرا اندازہ ہے کہ پچاس تا ستّر کروڑ روپے اس طرح سے نکالے جا سکتے ہیں۔ اِس لئے میرے اس مشورہ پر فوری عمل ضروری ہے۔

جہاں تک سرکاری ملازمین کا تعلق ہے' گو کہ وہ چالیس سال سے ملازمت کر رہے ہیں۔ تاہم ملک و قوم کے تئیں ان کے دلوں میں صحیح ہمدردی و خدمت کا جذبہ اب تک پیدا نہیں ہوا۔ کچھ مستثنیات ہو سکتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ عدلیہ کے افسروں کو چھوڑ کر' اکثر اعلیٰ افسران رشوت خوری کا شکار ہیں۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ سرکاری ملازمتوں میں ذمّہ داری کے تعیّن اور مناسب سزاؤں کا رواج نہیں ہے۔ یہ بُری بات

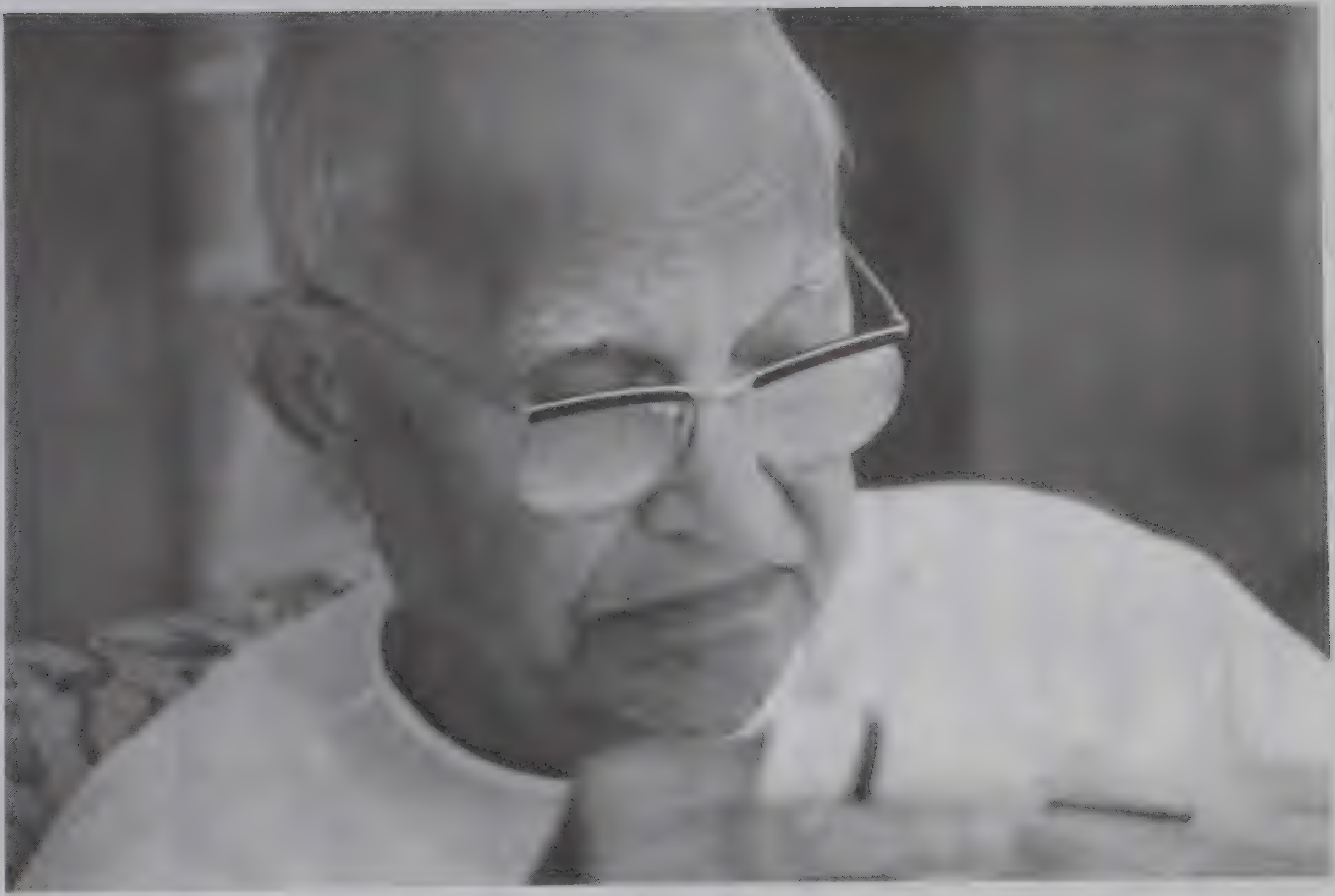

ڈاکٹر لیس۔ نجلنگپّا جی

ہے۔میرا خیال ہے چند محکموں میں ''ملازمت دو اور برخاست کرو'' (Hire & Fire) کی پالیسی پر عمل ہو۔دوسرا عنصر جونقصان میں اضافہ کا باعث ہورہا ہے'وہ ہے 'مرکزی اور ریاستی تجارتی معاہدے۔جاننے کا تجسس ہے کہ کس انڈرٹیکنگ نے کتنا نفع کمایا ہے'اور اس میں سے ٹیکس'سود اور دیگر اخراجات نکالنے کے بعد'کس قدر بچت ہوئی ہے۔نقصان بے حساب ہے'اور میرا خیال ہے کہ وہ کروڑوں تک پہنچتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ ہر انڈرٹیکنگ میں ضرورت سے زیادہ لوگوں کی بھرتی کی گئی ہے'جن میں کئی ایک ایسی اہم جگہوں پر فائز ہیں جو بالکل نا اہل ہیں۔کوئی تکنیکی صلاحیتیں نہیں رکھتے۔صرف اِس لئے ان کو وہاں رکھا گیا ہے کہ وہ یا تو آئی اے ایس ہیں' آئی پی ایس ہیں'یا سیاسی سفارش کے خوش نصیب ہیں۔اس کی ایک مثال ہر ریاست میں بآسانی مل جاتی ہے'اور وہ ہے ''روڈ ٹرانسپورٹ''۔بسوں کو ایک پڑھے لکھے بیروزگار نوجوان مرد یا عورت کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔اس سے ایک ہزار کروڑ روپیوں کی بچت ہوسکتی ہے۔ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو روزگار بھی فراہم کیا جا سکتا ہے۔

پرائیویٹ بسوں کا کرایہ نسبتاً کم ہوتا ہے۔وہ کھردرے پتھریلے راستوں پر چلتی ہیں'پھر بھی ان کی کارکردگی اطمینان بخش ہوتی ہے۔وہ زیادہ نفع بھی کماتے ہیں۔اس کے برعکس زیادہ کرایوں'بہتر راستوں کے باوجود سرکاری بسوں سے تقریباً ایک کروڑ روپیوں کا ہر سال نقصان ہوتا ہے۔

ہاں'وہاں رشوت ہے۔

نقصان کیوں ہوتا ہے؟

کس کا روپیہ پیسہ برباد ہورہا ہے؟

چند ایک رشوت خوروں کی جیبیں گرم کرنے کیلئے؟

طریقہ سے لامرکزیت کو ترجیح دیں۔

۴) دیہات کو خود مکتفی بنانے کیلئے گاندھی جی کے دیہاتی منصوبوں کو نہ صرف اوّلیت دیں، بلکہ ان کی بھرپور حمایت کر کے عملی تعاون پیش کریں۔

۵) جہاں کہیں ممکن ہو گھریلو صنعتوں کو فروغ دیں۔ پیداوار میں تقسیم کے اصول کو اہمیت دیں، جس کا ذکر میں نے اُوپر کیا ہے۔

۶) بائیوگیس اور انسانی فضلہ کی قوت کو پہچانیں، اور بیروزگاری دور کرنے کیلئے مناسب منصوبے بنائیں۔ بیل گاڑیوں کا استعمال کریں، صرف بیل گاڑیوں کے ذریعے زراعتی پیداوار دیہات سے بازار لے جائیں، جس کیلئے ٹرک استعمال نہ کریں۔ اِس سے پٹرول کی بھی بچت ہوگی۔

۷) سرکاری افسروں کی غیر مستحق رشوت کی کمائی کا محاسبہ کریں، اور اُس کو ضبط کرنے کے قوانین بنائیں۔ اس کا اطلاق دیگر ارباب حل وعقد پر بھی ہو۔

۸) ایسے خطا کار سرکاری افسروں کو سخت سزائیں دیں، اور جہاں کہیں ممکن ہو، ملازمت دو، اور برخاست کرو، (Hire & Fire) کی پالیسی اپنائیں، حساب دہی اور سزا کا رواج عام کریں۔

۹) دولت اور اقتدار کی مرکزیت کو روکیں۔

۱۰) گاندھی جی کو یاد رکھیں اور ان کی تقلید کریں۔

سَتیم شِوم سُندرم

مرکز اور ریاستوں کو نقصان سرکاری عملہ کی موٹی موٹی تنخواہوں کے باعث بھی ہو رہا ہے...... مجھے پتہ ہے کہ انتظامیہ پر بجٹ کا 45 % خرچ ہوتا ہے۔ اسے 25% سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ وہ اس لئے کہ ملازمین کی تعداد تین یا چار گنا زیادہ ہے، اگر اگلے دس سالوں میں، مزید ملازمتیں نہیں دی گئیں تو یہ تعداد گھٹائی جا سکتی ہے۔ اسے میں نے خود کر کے دکھانا چاہا، مگر وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے علیحدگی رکاوٹ بن گئی۔ سرکاری ملازمتیں پنجی پول (Pinjepul) نہیں ہیں۔

پلاننگ کمیشن جس کو دستور کی منظوری کے بغیر قائم کیا گیا ہے۔ ڈبے کا پانچواں غیر ضروری پہیّہ ہے، جو بے معنی ہے۔ اس کی عدم ضرورت اور بے اہمیتی اور معصومیت کی بے شمار مثالیں دے سکتا ہوں۔ کمیشن کو ملک کے صحیح مسائل کا، بالخصوص بھارت کی دیہاتی زندگی کا کوئی علم نہیں ہے۔ اسے جتنی جلد ہو سکے، بند کر دینا چاہئے۔ اس کی جڑیں زمین میں نہیں ہیں۔

اقتصادی حالت سدھارنے کیلئے یہ چند مشورے ہیں، جن کو، روبہ عمل لانے سے کافی فائدہ ہو سکتا ہے۔

آخر میں اس بحث کو سمیٹتے ہوئے چند تجاویز پیش کروں گا، جن سے ہماری اقتصادیات کا عدم توازن دُور ہوگا۔

۱) سرمایہ دارانہ محرک انڈرٹیکنگ کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے۔ بلکہ مزدور دوست پالیسی بنائی جائے۔

۲) دس سال کے اندر دس تا بارہ کروڑ ایکڑ زمین قابلِ کاشت بنائی جائے، اگر غیر ضروری وقت اور رقم پر نظر رکھی جائے تو یہ ممکن ہے۔

۳) جہاں کہیں پیداوار کی مرکزیت اور لامرکزیت میں ٹکراؤ ہو، آپ ہر ممکن

معمارِ کرناٹک

شری نجلنگپّا کی یاد کے ساتھ ہی' کرناٹک اور متحدہ کرناٹک کی یاد کا آنا' کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔کرناٹک کی تشکیلِ نو کے لئے اپنی انتھک و بیش بہا کوششوں سے' ہزاروں کنّڑ دانوں کی دیرینہ تمنّا کی تکمیل کرنے والوں میں نجلنگپّا جی کی شخصیت ناقابلِ فراموش ہے۔ہر لحاظ سے وہ 'معمارِ کرناٹک' کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔
آپ ایک صدق گو اور اُصول پسند سیاست دان تھے۔وزیراعلیٰ ہوکر بھی پیکر نظم و ضبط 'مجسمۂ صبر و تحمل' اور انتہائی سادگی پسند تھے۔کانگریس کے صدر کی حیثیت سے قومی رہنما ہونے کے باوجود 'اُنھوں نے اقتدار و خود غرضی کے سامنے کبھی اپنا سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔آپ نے بسویشورؔ اور مہا تما گاندھی کے اصولوں پر عمل کرکے' خود اعتمادی سے بھر پور زندگی کو قول و فعل میں تضاد سے پاک رکھا' اور یہ سب صفات اُن کی مسحور کن مسکراہٹ میں منعکس ہیں۔

کوویمپو

(گیان پیٹھ انعام یافتہ'قومی شاعر)

شری یس۔ نجلنگپّا نیشنل فاؤنڈیشن

بنگلور ۵٦۰۰۰۱